مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُم مَّن قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُم مَّن يَنتَظِرُ
وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا
(الاحزاب)

جنہیں جنتوں کی تلاش تھی

مجدد جہاد
شیخ عبداللہ عزام شہید

دار الایمان



جنہیں جنتوں کی تلاش تھی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ
يُرْزَقُوْنَ ○ فَرِحِيْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ
بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ
يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ
لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○

جنہیں جنتوں کی تلاش تھی

شیخ عبداللہ عزام شہید

ترجمہ : محترمہ امّ ہاشم

ضابطہ

نام کتاب : جنہیں جنتوں کی تلاش تھی

مصنف : شیخ عبداللہ عزام شہید

ترجمہ : محترمہ ام ہاشم

صفحات : ۲۹۵

ناشر

دار الایمان

فہرست

حرفِ آغاز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الانبیاء والمرسلین

وعلیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین ومن تبعھم باحسان الیٰ یوم الدین۔

یہ آج سے تقریباً تیس بتیس سال قبل ۱۹۷۹ء کی بات ہے جب سوویت یونین نے افغانستان پر جارحیت کی تھی۔ اس نے فوجی قوت کے بل بوتے پر افغانستان پر قبضہ کر لیا تھا مگر اسے معلوم نہ تھا کہ اسے کس بہادر اور جنگجو قوم سے واسطہ پڑا ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ افغان قوم ایک طرف جہاں مکمل جنگجویانہ مزاج رکھتی ہے وہیں دین وشریعت سے اس کی اَن مٹ اور گہری وابستگی کسی بھی شک وشبے سے بالا ہے۔ اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ پر کامل ایمان رکھنے والی اس قوم نے جارح روس کے خلاف مقاومت اختیار کی اور مادی وسائل سے محرومی کے باوجود دشمن کے خلاف جہاد کا آغاز کیا۔ تب کوئی نہ جانتا تھا کہ توڑے والی بندوقوں، خنجروں اور تلواروں سے شروع ہونے والا یہ جہاد عالم گیر جہاد کا نقطۂ آغاز ہے۔

تھوڑے ہی عرصہ میں افغانستان میں ہونے والے اس جہاد کی خبریں شدہ شدہ بیرونی دنیا خصوصاً مسلم ممالک میں پہنچنے لگیں۔ وہ سعید لوگ جو برسوں سے کفار کے خلاف جہاد کی حسرتیں سینوں میں لیے ٹھنڈی آہیں بھرتے تھے ان کے لیے یہ خبریں سندیسۂ بہار سے کم نہیں تھیں۔ نتیجتاً وہ ذوقِ جہاد وشوقِ شہادت کی

تکمیل کے لیے افغان سرزمین پر جوق در جوق وارد ہونے لگے۔ ان میں جہاں پاکستان، برما، بنگلہ دیش، انڈونیشیا اور افریقی ممالک کے صالح نوجوان شامل تھے، وہیں عرب ممالک سے تعلق رکھنے والے اہل ایمان بھی میدان جہاد میں دیوانہ وار چلے آرہے تھے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق افغان جہاد کے پہلے دور میں تقریباً چالیس ہزار عرب نوجوان شریک ہوئے۔ اتنی بڑی تعداد کو جہاد کی طرف راغب کرنے میں دکتور شیخ عبداللہ عزام شہید، شیخ تمیم عدنانی شہید، شیخ اسامہ بن لادن شہید رحمہم اللہ کی مساعی شامل تھیں۔ عرب مجاہدین نے روس کے خلاف جو محیر العقول کارنامے انجام دیے اور مشکل سے مشکل محاذوں پر جس طرح انہوں نے دادِ شجاعت دی وہ تاریخ اسلام کا ایک منفرد اور نرالا باب ہے۔ یہ قدسی صفت لوگ ایسی خوبیوں کے مالک تھے کہ انہیں دیکھ کر صحابہ کرام کی یاد تازہ ہوتی تھی۔ افغانستان کی سرزمین بھی کس قدر خوش نصیب ہے کہ یہاں دنیا کے ہر خطے کے لوگوں نے دین وشریعت کے لیے اپنی بے پناہ قربانیاں پیش کی ہیں۔ اور اس سرزمین کو اپنے قیمتی لہو سے سیراب کیا ہے۔

شیخ عبداللہ عزام رحمہ اللہ صاحب سیف وقلم اور گفتار وکردار کے غازی تھے۔ انہوں نے اپنے مجلہ ''الجہاد'' میں ان عرب شہداء کے تذکرے قلم بند کیے اور امت کو ان بلند عزم اور خوش نصیب جوانوں سے روشناس کرایا۔ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا، جنت کی تلاش اور حوروں کی چاہت میں اس ظاہری دنیا میں سب کچھ تج دیا تھا۔ شیخ عبداللہ عزام رحمہ اللہ کی شہادت ہوئی تو ان مبارک تذکروں کو کتابی شکل میں یکجا کر دیا گیا۔ اس کتاب کا نام ''عشاق الحور'' شیخ عزام اپنی شہادت سے قبل تجویز کر چکے تھے۔

ممکن ہے شیخ عبداللہ عزام کی یہ نادر کتاب ''عشاق الحور'' اہل عرب کی دسترس میں رہتی اور اردو خواں طبقہ اس کی ایمانی موجوں سے محروم ہی رہتا...... اللہ تعالیٰ بہت زیادہ جزائے خیر دے محترمہ ام ہاشم صاحبہ کو کہ انہوں نے ''عشاق الحور'' کے ترجمے کا بیڑا اٹھایا اور نہایت جاں فشانی سے اسے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ محترمہ کے خاندانی پس منظر، علمی ماحول اور اردو ادب پر کامل دستگاہ نے اس ترجمے کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ ایسا رواں، سلیس اور شستہ ترجمہ بہت کم دیکھنے میں آیا ہے۔ شیخ عزام کے قلم کی جولانیوں کی تاب لانا ہر کسی کے بس کی بات نہیں، وہاں بادلوں کی نرماہٹ، دریاؤں کی طغیانی، سمندروں کی گہرائی اور چٹانوں کی ایسی مضبوطی پائی جاتی ہے۔ ترجمے کی نزاکتوں پر نگاہ رکھنے والے حضرات جانتے ہیں کہ مصنف کے مدعا کو پوری طرح سمجھتے ہوئے ایک زبان سے دوسری زبان میں

کسی تحریر کو منتقل کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ محترمہ ام ہاشم اس کٹھن مرحلے سے نہایت کامیاب گذری ہیں۔ طوالت کا خوف نہ ہوتا تو ہم اس ترجمہ کے محاسن اور خصوصیات کا ذکر کرتے۔ تاہم اتنا ضرور کہیں گے کہ انہوں نے امت کے نوجوانوں کے لئے ایک گراں قدر تحفہ پیش کیا ہے۔ یہ کتاب محض چند خوش نصیب لوگوں کی سوانح نہیں بلکہ عقیدہ و نظریہ کی آبیاری کرنے اور جوشِ جہاد و ولولۂ شہادت پیدا کرنے کے لئے قیمتی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی انہیں اس محنت کا اجر دیں گے ان شاء اللہ۔ ان کا یہ عمل امت کی فہمیدہ اور علم سے بہرہ یاب خواتین سے ایسے ہی حُسنِ عمل کا تقاضا کرتا ہے کہ اگر وہ میدانِ جہاد کی پرخطر گھاٹیوں میں شرکت نہیں کرسکتیں تو گھر بیٹھے اہلِ جہاد کی علمی خدمت انجام دے کر اپنی عقبیٰ سنوار سکتی ہیں۔

ہمیں امید ہے کہ وابستگانِ جہاد اور دلدادگانِ حورعینا اس کتاب کو خصوصی اعتناء بخشیں گے اور اس کتاب کی مترجمہ اور اس کی اشاعت میں کسی بھی لحاظ سے تعاون کرنے والے تمام احباب کو اپنی پُرخلوص مناجات میں یاد رکھیں گے۔

الامام المجاهد

ہمارے الفاظ شمع کی لو کی مانند ہیں جو بالآخر بجھ ہی جاتی ہے اور یہ الفاظ بے جان ہی رہتے ہیں، یہاں تک کہ جب ہم دین پر مرمٹتے ہیں..... تو یہی الفاظ زندہ ہو جاتے ہیں اور زندہ انسانوں کے درمیان امر ہو جاتے ہیں"۔

خونِ جگر سے لکھے گئے یہ حروف اس شخصیت کے ہیں جسے ہم ڈاکٹر عبداللہ یوسف عزام کے نام سے جانتے ہیں شیخ عزام آج اس دنیا میں نہیں ہیں لیکن اس بات میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ ان کے لکھے ہوئے الفاظ آج بھی زندہ و جاوید اور مشعلِ راہ ہیں۔

مجدد جہاد:

ہمارے پاس وہ الفاظ نہیں جو صحیح معنی میں الامام المجاہد، الداعی، قائد الجہاد الاسلامی العالمی الشیخ عبداللہ یوسف عزام شہید رحمہ اللہ تعالیٰ کی شخصیت کا مکمل احاطہ کر سکیں۔ حق تو یہ ہے کہ شیخ عزام کی سوانح قلم کی روشنائی سے نہیں لہو کی سرخی سے لکھے جانے کے قابل ہے، تا کہ اس کی دمکتی کرنوں سے راہروانِ راہِ جہاد اپنے لئے ہدایت، عزم و عزیمت اور ایمان و یقین کی روشنی پا سکیں۔ تاریخ جہاد افغانستان کا کوئی طالب علم ایسا نہ ہوگا جو کوہ ہندوکش کی چوٹیوں پر برپا ہونے والے عالمی جہاد کی تاریخ لکھے اور شیخ عزام شہید کی شخصیت کو فراموش کر دے۔

دکتور عبداللہ عزام شہید ارضِ فلسطین سے نورِ ایمان کی تقویم بن کر اٹھے اور افقِ جہاد پر چھا گئے، آپ کے نفسِ گرم اور کردار و عملِ محکم سے جہادی ولولے عرب و عجم میں ایک بار پھر تازہ ہوئے، آپ کے

پُر جوش خطبات اور انقلاب آفریں تحریروں نے کشتِ ایمان کو ایک بار پھر بار آور کیا، جہاد و شہادت کی سُونی راہیں آپ کے حُسنِ عمل اور خلوصِ نیت کی بدولت گرم رفتار ہوئیں، جہادِ افغانستان جو پہلے محض علاقائی شناخت رکھتا تھا آپ کی پیہم جدو جہد کی بدولت عالمی جہاد میں متشکل ہوا۔

کتنے ہی خوابیدہ لوگ تھے جو آپ کی صدائے رُستاخیز کو سن کر غفلت کی چادر اتار کر میدانِ جہاد میں کود گئے، کتنے ہی نوجوان شکوک وشبہات کا شکار تھے جو آپ کی تحریریں پڑھ کر ایمان و یقین کی دولت سے مالا مال ہوئے، نوجوان آپ کی آواز پر لپکتے، جہاد و شہادت کا ولولہ، تازہ حاصل کرتے اور ہجرت کی پُر خطر راہ میں نکل کھڑے ہوتے، بوڑھے والدین آپ کی صدا پر لبیک کہتے ہوئے اپنے جگر گوشوں کو فی سبیل اللہ پیش کر دیتے، مالدار تجار آپ کی آواز پر اپنی تجوریوں کے منہ کھول دیتے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ فنائی الجہاد تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات کو جہاد کی حمایت و نصرت کے لئے چُن لیا تھا۔

شیخ عزام شہید رحمہ اللہ تعالیٰ محض گفتار کے غازی نہ تھے بلکہ آپ کا کردار عمل کی کھائیوں میں کندن بن چکا تھا، آپ محض حکم کرنے والے قائد اور قرطاس وقلم اور منبر ومحراب کے شہسوار نہ تھے بلکہ آپ کے اوقات کا بڑا حصہ جہاد کے اگلے مورچوں پر عام مجاہدین کے ہمراہ گذرتا، نفاق و افتراق جیسے خبیث جذبات سے آپ کوسوں دور رہتے، آپ کے ہاتھوں سے لکھی گئی تحریریں اور زبان سے نکلے ہوئے الفاظ خیر وخوبی اور اتحاد واتفاق کا درس لئے ہوتے تھے، یہی وجہ تھی کہ آپ مجاہدین کے محبوب رہنما سمجھے جاتے تھے، مجاہدین کی قیادتوں سے لے کر عام مجاہد تک سب ہی آپ پر اعتماد کرتے، آپ کو اپنے درد کا درماں سمجھتے، آپ کے فیصلوں کو تسلیم کرتے...... مجاہدین کی طرف سے اتنا بے پناہ اعتماد آپ کے حُسنِ عمل اور خلوصِ نیت کا غماز تھا۔

مولد ومنشأ:

آپ کی ولادت فلسطین کے معروف شہر جنین کے مضافاتی قریہ "سیلۃ الحارثیۃ" میں ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۹۴۱ء کو ہوئی، آپ نے ابتدائی اور ثانوی درجہ کی تعلیم قریہ "سیلۃ الحارثیۃ" میں ہی حاصل کی، جبکہ کالج کے درجہ کی تعلیم کے لئے "الکرم" کے معہد خضوریۃ الزراعیۃ میں داخلہ لیا، عنفوانِ شباب میں ہی آپ کی پیشانی سے شرف وجد کے آثار ہویدا تھے، آپ کا بیشتر وقت تلاوت قرآن مجید میں گذرتا، آپ اپنے قریہ کی مسجد میں درسِ قرآن دیتے، یہ سلسلہ درس اپنے قریہ سیلۃ الحارثیۃ سے لے کر مغربی کنارے

کے شہر جنین اور اس کے دیگر مضافات تک پھیلا ہوا تھا، تعلیمی مصروفیات سے جو وقت بچتا اسے دعوت دین میں صرف فرماتے۔

''خضوریۃ الزراعیۃ'' سے آپ نے درجہ امتیاز میں ڈپلومہ کی سند حاصل کی، اس کے بعد کچھ عرصہ قریہ'' اور'' منطقہ کرک میں تدریسی خدمات انجام دیں، پھر مغربی کنارے کے ایک تعلیمی ادارے'' مدرسہ برقین'' منتقل ہوگئے، اسی دوران آپ نے جامعہ دمشق کے کلیۃ الشریعۃ میں داخلہ لیا، یہاں دورانِ تعلیم آپ کی ملاقات شام کے مشہور علماء مثلاً محمد ادیب الصالح، ابوالفتح البیانونی، علی مروان حدید جیسے حضرات سے ہوئی، مؤخرالذکر استعمار کے خلاف اپنی جدوجہد اور انقلابی افکار کے حوالے سے مشہور تھے۔ ۱۳۸۹ھ میں آپ نے جامعہ دمشق کے کلیۃ الشریعۃ سے سند اللیسانس حاصل کی، اس کے بعد آپ اردن کے شہر عمان میں تدریسی خدمات انجام دینے کے لئے چلے گئے، اسی دوران آپ نے جامعہ ازہر قاہرہ سے اصولِ فقہ میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری بھی حاصل کی۔

جہادِ فلسطین میں شرکت:

شیخ عزام شہید رحمہ اللہ تعالیٰ فلسطین کی اس نسل سے تعلق رکھتے تھے جس نے فلسطین کے نہایت پُرآشوب حالات میں آنکھ کھولی تھی، ۱۹۴۱ء سے ۱۹۴۸ء تک کا زمانہ ایسا تھا کہ یہودی قبضہ گروپ برطانوی استعمار کی چھتری تلے دھڑا دھڑ فلسطین وارد ہو رہے تھے اور فلسطینیوں کو ڈرا دھمکا کر اور ان کی غربت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اونے پونے داموں میں زمینیں خرید رہے تھے۔ فلسطینیوں کی زمینوں پر قبضہ ہو رہا تھا اور وہ اپنی ہی سرزمین پر اجنبی ہو رہے تھے، پھر ۱۹۴۸ء میں قیامِ اسرائیل کا واقعہ پیش آیا اور فلسطین میں ایک خالص یہودی ریاست قائم ہوگئی، اس کے بعد فلسطینیوں پر ابتلاء اور تعذیب کا ایک ایسا لامتناہی سلسلہ شروع ہوا جو آج تک جاری ہے، یہ احوال شیخ عبداللہ عزام جیسے غیور و جسور شخص کے لئے یقیناً سوہانِ روح تھے۔ ۱۹۶۷ء میں مغربی کنارے اور غزہ پر یہود کے قبضہ کے بعد ان کے لئے اطمینان کی زندگی بسر کرنا مشکل ہوگیا۔ شیخ عزام اپنے قصبے کے نوجوانوں کو اکٹھا کر کے غاصب یہودیوں کے خلاف احتجاجی مظاہرے کرتے، یہود کے ٹینکوں کو اپنی غلیلوں اور پتھروں سے نشانہ بناتے، لیکن یہ ایک وقتی چیز تھی، شیخ کو جس بات نے سب سے زیادہ اپنی طرف متوجہ کیا وہ یہ تھی کہ غاصب یہودیوں کا مقابلہ محض احتجاجی مظاہروں سے نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ اسلحہ کا استعمال

سیکھا جائے، چنانچہ انہوں نے اپنے حلقہ کے نوجوانوں کو اسلحہ اٹھانے کی ترغیب دلائی، ان میں اسلحہ سیکھنے کا شوق اور جہاد کا ولولہ پیدا کیا، ان میں شہادت کی تڑپ پیدا کی، یہیں سے فلسطینی نوجوانوں میں غاصب یہودیوں سے دوبدو مقابلے کا جذبہ پیدا ہوا، چنانچہ شیخ عزام شہید نے اپنے دوستوں سے مل کر کئی ایک معرکے ترتیب دیئے، ام الاخضر ایسے ہی ایک جہادی معرکے میں آپ کے کئی ساتھی شہید ہوگئے اور آپ کے رفیق جہاد شیخ ابومصعب سوری شدید زخمی بھی ہوئے، اس طرح کے متعدد معرکوں میں آپ نے اپنے ساتھیوں سے مل کر یہودیوں کو خاصا نقصان پہنچایا، لیکن کمک کی شدید کمی اور فلسطین میں کوئی محفوظ ٹھکانہ نہ ہونے کی وجہ سے اپنے منصوبوں کو پایہ تکمیل تک نہ پہنچایا جاسکا اور شیخ ایک مرتبہ پھر تعلیم وتعلم کی طرف متوجہ ہوگئے۔

درس وتدریس سے وابستگی:

شیخ عزام شہید رحمہ اللہ تعالیٰ نے جامعہ ازہر قاہرہ سے اصولِ فقہ میں دکتورہ کیا تھا، اس کے بعد آپ اردن کی عمان یونیورسٹی سے وابستہ ہوگئے، جہاں آپ نے تقریباً نو سال تک تعلیمی خدمات انجام دیں، ۱۹۸۰ء میں اردن کے حاکم نے آپ کو ملک چھوڑنے کا حکم دے دیا جس کے بعد آپ سعودیہ کی جامعۃ الملک عبدالعزیز سے وابستہ ہوگئے۔

۱۴۰۱ھ میں جبکہ افغانستان میں روس کے خلاف جہاد کا آغاز ہو چکا تھا اور جامعۃ الملک عبدالعزیز کے ساتھ آپ کی مدتِ معاہدہ بھی پوری ہو رہی تھی تو آپ نے اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے ساتھ وابستگی اختیار کرلی۔

جہادِ افغانستان میں شرکت:

۱۹۷۹ء میں روس افغانستان پر جارحانہ قبضہ کرچکا تھا، افغانستان کی جو اندرونی سیاسی صورتِ حال تھی اس کے پیش نظر روس کا خیال تھا کہ اسے افغانستان میں زیادہ دیر تک رکنا نہیں پڑے گا اور وہ جلد بلوچستان میں موجود اپنے دوستوں کی مدد سے ایشیاء کے گرم پانیوں تک پہنچ جائے گا، مگر اس کا یہ خیال خام ثابت ہوا، غیور افغانوں نے روس کے قبضے کو تسلیم نہیں کیا اور روس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ افغانستان کے چند بڑے شہر کابل، قندھار، خوست، مزار شریف اور ہرات وغیرہ گو کمیونسٹ انتظامیہ کے کنٹرول میں تھے اور وہاں اشتراکی ثقافت مکمل طور پر یلغار کی ہوئی تھی مگر افغانستان کی دیہی

آبادی افغان روایات اور دینی مزاج کی حامل تھی، اس کے علاوہ مخصوص جغرافیائی صورتِ حال نے بھی افغانوں کی مدد کی، چنانچہ جلد ہی جہاد کے شعلے جابجا بلند ہونے لگے۔ روس جو دوسری عالمی قوت تھا اس کے مدِ مقابل مقاومت نے آہستہ آہستہ بیرونی دنیا کو بھی اپنی طرف متوجہ کرنا شروع کر دیا، شیخ عبداللہ عزام سعودیہ میں تھے جب جہاد کی آواز ان کے کانوں میں پڑنا شروع ہوئی، اسلام آباد آئے تو اسے بہت قریب سے مشاہدہ کرنے کا موقع ملا، انہیں لگا کہ اپنی آرزوؤں کی تکمیل کے لئے یہ ہی کوہ و دمن ہیں جو انہیں بار بار پکار رہے تھے۔

دل کو تپشِ شوق کی یہ لذتِ پیہم
مل تو گئی لیکن، بڑی مشکل سے ملی ہے

یہ حقیقت ہے کہ جہاد ان کی روح میں سما گیا تھا اور وہ اس معاملہ میں ایک بے قرار طبیعت لے کر پید ہوئے تھے، ان کے اپنے الفاظ ہیں:

"جہاد کی محبت میرے جذبات و احساسات، میرے جسم و جان اور میری زندگی کے ہر معاملہ پر چھائی رہی ہے۔ سورہ توبہ جس کی محکم آیات جہاد کے احکام بیان کرتی ہیں اور قیامت تک کے لئے اس دین میں جہاد کے عظیم مقام و مرتبے کا تعین بھی کیے دیتی ہے، یہ مبارک سورت میرے دل کو خون کے آنسوں رلاتی اور میرے سینے کو شق کیے دیتی رہی ہے، کیونکہ میں کھلی آنکھوں سے دیکھتا رہا ہوں کہ میں اور تمام مسلمان قتال فی سبیل اللہ جیسے عالیشان فریضے کی ادئیگی میں انتہائی کوتاہی اور غفلت کا شکار ہیں۔" (وصیت کے الفاظ)

ایسی بے قرار طبیعت رکھنے والا انسان جبکہ اس کے پڑوس میں جہاد کا عظیم الشان معرکہ بپا ہو کیونکر پیچھے رہ سکتا ہے، چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں آپ نے اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کو بھی چھوڑ دیا اور اپنے آپ کو مکمل طور پر جہاد کے لئے وقف کر دیا، یہاں سے آپ کی بھرپور جہادی زندگی کا آغاز ہوا، آپ کا بیشتر وقت جاجی، جلال آباد اور ژاور کے محاذوں پر گذرنے لگا، جہاں آپ برستی گولیوں، ٹینکوں اور جنگی جہازوں کی گھن گرج میں رفقاء کا دل بندھائے رکھتے۔

ہم سپاہی ہم سپہ گر، ہم امیر
با عدو فولاد و با یاراں حریر

خطِ اول پر ایمان سے لبریز آپ کی تقریریں قرونِ اولیٰ کے خطیبوں کی یاد دلاتیں، اس پُر خطر ماحول میں بھی آپ کوئی لمحہ تعلیم و تربیت سے خالی نہ جانے دیتے۔ جب محاذوں پر مجاہدین مالی مشکلات کا شکار ہونے لگتے تو جہادی کمک کو برقرار رکھنے کے لئے بیرونی دورے پر نکل کھڑے ہوتے، واپسی پر آپ کے ساتھ نہ صرف مالدار تجار کے پیش کردہ اموال ہوتے بلکہ تحریض علی القتال پر مبنی آپ کی تقاریر سن کر عرب نوجوان کی پوری کھیپ آپ کے پیچھے کشاں کشاں چلی آتی، ایک اندازے کے مطابق چالیس ہزار عرب آپ کی دعوت پر جہادِ افغانستان میں شریک ہوئے۔ ان روشن جبیں نوجوانوں کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا کہ ان کا تعلق عرب کے ان فاتحین سے ہے جو کبھی جزیرۃ العرب سے سیلِ بے پناہ بن کر نکلتے اور کرۂ ارضی کے بڑے بڑے خطوں کو فتح کرتے تھے۔ افغانستان میں عربوں کی آمد نے افغانوں کے حوصلوں کو بلند کر دیا تھا، جہاد کی نسبت نے ان میں ایسا پُر خلوص تعلق قائم کر دیا تھا کہ اس کے سامنے دنیا کے سارے تعلقات ہیچ تھے۔

پشاور میں آپ نے عرب مجاہدین کے استقبال کے لئے مرکز قائم کیا، ایک مسجد سبع اللیل کے نام سے تعمیر کی جہاں عرب مجاہدین جوق در جوق جمع ہوتے اور آپ کے دروس و خطبات سے مستفید ہوتے۔ جمعہ کا خطبہ اکثر آپ ہی ارشاد فرماتے، آپ نے مجاہدین کے استقبال، ان کو محاذوں پر بھیجنے اور ان کی ضروریات کی کفالت کے لئے مکتب الخدمات کی بنیاد رکھی، یہ مکتب قائد الجہاد العالمی الشیخ اسامہ بن لادن حفظہ اللہ ورعاہ کے تعاون سے قائم کیا، شیخ اسامہ بن لادن اور آپ کے دوسرے رفقاء شیخ عزام شہید کے زبردست معاون تھے، مکتب الخدمات نے نہ صرف مجاہدین کی ضروریات کی کفالت کی بلکہ افغانی اور پاکستانی مجاہدین کے ساتھ بھی بیش قیمت تعاون کیا، اسی مکتب کے تحت مجاہدین کے لئے ہسپتال قائم کئے جہاں بیمار اور زخمی مجاہدین کا علاج و معالجہ کیا جاتا، اسی مکتب کے زیرِ انتظام مجاہدین کے بچوں کے لئے تعلیمی ادارے قائم کئے گئے، عسکری اور تربیتی لٹریچر شائع کیا گیا۔

اتحادِ امت کے عظیم داعی:

شیخ عزام شہید رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک اور کارنامہ عرب مجاہدین کو متحد کرنا تھا، عرب نوجوان جو نجد و حجاز، یمن، مصر اور افریقہ سے تعلق رکھتے تھے اور مزاج و مسلک میں اختلاف نمایاں تھا انہیں ایک قیادت پر مجتمع کرنا حقیقتاً شیخ عزام ہی کا کام تھا، انہوں نے صرف اسی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ افغانی مجاہدین جو

کئی تنظیموں میں بٹے ہوئے تھے ان کے باہمی اختلافات کم کرنے اور ایک دوسرے کے قریب کرنے میں بھی بڑا اہم کردار ادا کیا۔ آپ اتحادِ امت کے عظیم داعی تھے اور اس سلسلے میں آپ نے ہر سطح پر مخلصانہ کوششیں کی تھیں، افغان مجاہدین جو مختلف تنظیموں اور دھڑوں میں بٹے ہوئے تھے انہیں ایک دوسرے کے قریب لانے اور آپس میں اتحاد کرانے میں آپ نے نہایت اہم کردار ادا کیا، یہی وجہ تھی کہ آپ صرف عرب مجاہدین ہی نہیں بلکہ افغان مجاہدین کی بھی محبوب ترین شخصیت تھے۔

مجلّہ "الجہاد" کا اجراء:

شیخ عزام رحمہ اللہ نے مجاہدین کی فکری تربیت، محاذوں کی تازہ خبروں سے امتِ مسلمہ کو آگاہ رکھنے اور عالمِ عرب میں مستقل بنیادوں پر دعوتِ جہاد کو جاری رکھنے نیز عرب نوجوانوں کو جہادِ افغانستان میں عملاً شرکت کی طرف متوجہ کرنے کے لئے ماہانہ مجلّہ "الجہاد" کا اجراء کیا، اس کا پہلا شمارہ ربیع الثانی ۱۴۰۵ھ مطابق دسمبر ۱۹۸۵ کو منظرِ عام پر آیا، اس کے بعد تقریباً آٹھ سال تک یہ مجلہ مسلسل چھپتا رہا اور عالمِ عرب میں دعوتِ جہاد کا فریضہ ادا کرتا رہا، مجلہ الجہاد کے بیشتر مضامین آج بھی اپنے اندر تازگی رکھتے ہیں، ان کا نفع اسی طرح برقرار ہے جیسا کہ شیخ عزام کے دور میں تھا۔

شیخ عزام رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیفات:

شیخ عبداللہ عزام شہید صرف میدانِ جہاد کے شہسوار اور شعلہ بیان مقرر نہ تھے بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں شستہ و رفتہ تحریر لکھنے کا ملکہ بھی عطا فرمایا تھا، حقیقت یہ تھی کہ ان کا کوئی لمحہ جہادی فکر سے خالی نہ گذرتا، وہ منبر پر داعی کے فرائض انجام دیتے، میدانِ جہاد میں جا کر فریضہ جہاد کی ادائیگی سے سبک دوش ہوتے، جب جہادی ہنگاموں سے فرصت ملتی تو قرطاس و قلم سے اپنا رشتہ جوڑ لیتے۔ ان کے قلم سے نکلنے والی تحریریں اور تصنیف کردہ کتابیں فصاحت و بلاغت کا اعلیٰ نمونہ ہونے کے ساتھ اہلِ جہاد کے لئے مینارہ نور کی حیثیت رکھتی ہیں، ان کی کتابوں نے امت کے صالح نوجوانوں کے افکار و نظریات کو جلا بخشی، ان کو صحیح راہِ عمل دکھائی، سوئے ہوؤں کو نیند سے بیدار کیا اور آرام دہ بستروں سے نکال کر جہاد کے سنگلاخ میدانوں میں پہنچا دیا، ان کتابوں نے بہت دوررس نتائج دیئے اور عالمِ اسلام کے ایک بڑے طبقے پر اثر انداز ہوئیں۔ آنے والے وقت میں جہادی تحریکات کے افکار و نظریات کی بُنت کاری میں بہت معاون ہوئیں، ایک مستقل جہادی مکتبِ فکر پیدا ہوا جس کا سرعنوان شیخ عبداللہ عزام تھے اور جس کی قیادت کا

منصب آج قائد الجہاد الاسلامی العالمی الشیخ اسامہ بن لادن اور حجۃ الجہاد الشیخ ایمن الظواہری کے پاس ہے، شیخ اسامہ بن لادن حفظہ اللہ نے اگر جہادی عملیات کو وسعت اور ترقی دی ہے تو شیخ ایمن الظواہری نے شیخ عزام کی جہادی فکر کو علمی سطح پر آگے بڑھایا ہے۔

آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

(١) حكم العمل في جماعة (٢) إن الحكم إلا لله (٣) جهاد لا إرهاب (٤) جريمة قتل النفس المسلمة (٥) فوائم محمد بن مسلمة (٦) المرجفون و العمل العريض (٧) مصانع الإبطال (٨) سيد قطب عشرون عاماً على الشهادة (٩) ردّ شبهة سيد قطب والقول بوحدة الوجود (١٠) الشيوعية السرطان الأحمر (١١) تحطيم القيود (١٢) ذكريات الفلسطين (١٣) إتحاف العباد بفضائل الجهاد (١٤) إعلان الجهاد (١٥) أذكار الصبح و المساء (١٦) الأسئلة و الأجوبة الجهادية (١٧) الإسلام و مستقبل البشرية (١٨) التآمر العالمي (١٩) التربية الجهادية و البناء (متعدد جلدیں) (٢٠) في الجهاد فقه و اجتهاد (٢١) الحق بالقافلة (٢٢) الدفاع عن أراضي المسلمين أهم فروض الأعيان (٢٣) الذبائح و اللحوم المستوردة (٢٤) العقيدة و أثرها في بناء الجيل (٢٥) القواعد الفقهية (٢٦) القومية (٢٧) الكفالة (٢٨) المنارة المفقودة (٢٩) الهجرة و الإعداد (٣٠) انحلال الزواج في الفقه و القانون (٣١) آيات الرحمن في جهاد الأفغان (٣٢) بشائر النصر (٣٣) تجار الحروب (٣٤) لم أصب بمثلك قط (رثاء تميم عدناني) (٣٥) القمة الشامخة (رثاء تميم عدناني) (٣٦) كملة رثاء القيت على قبر شيخ تميم أثناء دفنه (٣٧) جهاد شعب المسلم (٣٨) حاضر العالم الإسلامي (٣٩) في خصم المعركة (٤٠) خط التحول التاريخ الإسلامي (٤١) سعادة البشرية (٤٢) في ظلال سورة التوبة (٤٣) شهر بين العمالقة (٤٤) في السيرة عبر (٤٥) عبر وبصائر للجهاد في العصر الحاضر (٤٦) عشاق الحور (٤٧) عملاق الفكر الإسلامي (٤٨) فقه الإجراءات و المرافعات (٤٩) في الجهاد آداب و أحكام (٥٠) قصص و أحداث (٥١) كلمات من خط النار الأول (٥٢) مباحث في الصلاة.

شیخ عزام شہید رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے اقوال وافکار کے آئینہ میں

اللہ تعالیٰ نے آپ کو دردمند دل عطا فرمایا تھا، تقویٰ اور انابت الی اللہ نے اسے مزید صیقل کر دیا تھا، آپ کی زبان سے نکلنے والے الفاظ ہوں یا لکھے ہوئے حروف...... ایک ایک حرف سے غیرتِ دینی، شجاعت، دین پر مر مٹنے کا جذبہ اور شہادت کی تمنا کا اظہار ہوتا ہے، آپ ہی کے الفاظ ہیں:

''ہمارے الفاظ شمع کی لو کی مانند ہیں جو بالآخر بجھ ہی جاتی ہے اور یہ الفاظ بے جان ہی رہتے ہیں یہاں تک کہ جب ہم دین پر مر مٹتے ہیں تو...... یہی الفاظ زندہ ہو جاتے ہیں اور زندہ انسانوں کے درمیان اَمر ہو جاتے ہیں''۔

شیخ عزام نے سچ کہا، وہ جب حیات تھے تو زندہ لفظوں میں بولتے تھے لیکن اب اس دنیا میں نہیں رہے تو ان کے لکھے گئے الفاظ اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ زندہ ہیں اور جہاد کا بھولا بسرا سبق پڑھا رہے ہیں۔ آیئے کچھ دیر ہم شیخ عزام شہید کے افکار سے روشنی حاصل کرتے ہیں...... آپ فرماتے ہیں:

- بے شک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جنہیں بھیجا ہی اس لئے گیا تھا کہ دنیا میں توحیدِ الوہیت قائم ہو، انہوں نے ہمیں دکھایا کہ توحید اسباق پڑھ کر نہیں سیکھی جاسکتی بلکہ یہ روحوں میں صرف تربیت کے ذریعے پروان چڑھتی اور بڑھتی ہے، معرکوں میں مقابلے کے ذریعے، طواغیت کے خلاف عملی اقدام کرنے کے ذریعے...... اور ان قربانیوں کے ذریعے جو انسانی جان اس راہ میں پیش کرتی ہے...... جب کبھی انسان اس دین کے لئے کوئی قربانی دیتا ہے تو یہ دین اس کے لئے اپنا پوشیدہ حُسن ظاہر کر دیتا ہے اور اس کے لئے اپنے خزانے کھول دیتا ہے۔
- لوگوں کا مقام ومرتبہ میدانِ جہاد میں ہی معلوم ہوتا ہے نہ کہ منبروں پر شعلہ بار تقریریں کرنے سے۔
- سب سے لذیذ زندگی جہاد کی زندگی ہے جہاد کی سختیاں نعمتوں کی پُر سکون زندگی سے زیادہ خوبصورت ہیں۔
- سرزمینِ جہاد روح کے لئے ریگ مال کا کام دیتی ہے اور دل کی صفائی کرتی ہے۔
- اللہ تعالیٰ اگر دلوں کو نور بخش دیں تو اس نور کی روشنی میں انسان کو سب کچھ صاف صاف نظر آتا ہے اور اسے حق پہچاننے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی...... اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ اس بصیرت سے دل

میں معرفت اور ادراک کے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں، یہ وہ نعمت ہے جو نہ ہی بہت کچھ پڑھنے سے حاصل ہوتی ہے نہ ہی کہیں سے خریدی جاسکتی ہے، یہ تو محض اللہ تعالیٰ کا انعام ہوتا ہے کہ وہ کسی بندہ کی قلبی بصیرت کے بقدر اسے اپنی کتاب اور اپنے دین کا فہم عنایت فرماتے ہیں۔

- اہلِ علم میں سے جو بھی دنیا سے محبت رکھے گا اور اسے آخرت پر ترجیح دے گا وہ لازماً اپنے فتووں اور فیصلوں میں، اپنے خطبوں اور تحریروں میں اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کے بارے میں ناحق بات کہے گا، وجہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احکام اکثر اوقات لوگوں، بالخصوص اہلِ اقتدار کی خواہشات اور مفادات سے ٹکراتے ہیں...... خواہشاتِ نفس کی پیروی دل کی آنکھوں کو اندھا کر دیتی ہے، پھر سنت اور بدعت میں فرق کرنا بھی ممکن نہیں رہتا، اگر علماء دنیا کو آخرت پر ترجیح دیں، خواہشات کی پیروی کریں اور حکومتوں سے خوف کھائیں تو وہ اسی آفت کا شکار ہو جاتے ہیں۔
- اگر دنیا کی حرص سینے میں گھر کر لے، گناہوں کی کثرت سے دلوں پر زنگ چڑھ جائے اور معصیتِ الٰہی کے سیاہ نکتے پھیلتے پھیلتے پورے قلب کو تاریک کر ڈالیں تو نور کی کوئی کرن بھی دل میں داخل نہیں ہو سکتی، اور جب دل سیاہ ہو جائے تو انسان چیزوں کو اپنی اصلی صورت میں نہیں دیکھ سکتا، حق و باطل آپس میں گڈمڈ ہو جاتے ہیں اور حق کو پہچاننا ممکن نہیں رہتا بلکہ حق باطل اور باطل حق دکھائی دینے لگتا ہے۔
- آج زمین پر بسنے والے ہر مسلمان کی گردن میں ''قتال فی سبیل اللہ'' کا طوق ہے، ہر مسلمان کے کندھوں پر بندوق چھوڑنے کے گناہ کا بوجھ ہے، بلاشبہ جو مسلمان بھی آج اس حال میں جان دے رہا ہے کہ اس کے ہاتھ بندوق سے بغیر کسی عذر کے خالی ہیں تو وہ گناہ و نافرمانی کی حالت میں اللہ کے پاس پہنچ رہا ہے، کیونکہ وہ ایسے حالات میں قتال کو ترک کئے بیٹھا ہے جب معذوروں کے سوا دنیا کے ہر مسلمان پر قتال فرضِ عین ہو چکا ہے، اور فرض اسی حکم کو کہا جاتا ہے جس کے پورا کرنے پر ثواب اور ترک کرنے پر گناہ یا حساب کا سامنا کرنا پڑے۔
- افغانستان میں بہنے والے خون کے ایک ایک قطرے اور یہاں پامال ہونے والی ہر ہر عزت کا جواب اللہ کے دربار میں دینا ہوگا، پوری امتِ مسلمہ ان مظلوموں کے خون میں برابر کی شریک ہے اس لئے کہ اس کے پاس اپنے مسلمان بہن بھائیوں کے دفاع کے لئے درکار اسلحہ بھی موجود ہے، امت کے

پاس وہ طبیب بھی موجود ہیں جو ان کا علاج ومعالجہ کریں، پھر مسلمانوں کے پاس وہ مال بھی ہے جس سے ان کے دو وقت کے کھانے کا بندوبست ہو سکے، ان کے پاس وہ آلات بھی ہیں جن سے مجاہدین کے لئے مورچے اور خندقیں کھودی جائیں، مگر یہ پھر بھی ان کی نصرت سے ہاتھ کھینچے بیٹھے ہیں۔

❀ جہاد تمہاری زندگی ہے، جہاد تمہاری عزت ہے...... اور جہاد نہ رہا تو تمہاری داستان تک نہ ہوگی داستانوں میں...... اے دین کی طرف دعوت دینے والو!...... سن لو کہ اس آسمان کے نیچے تمہاری کوئی وقعت نہ ہوگی جب تک کہ تم اسلحہ سے آراستہ نہ ہو جاؤ اور طواغیت، کفار اور ظالمین کو کچل کر نہ رکھ دو...... جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کا یہ مبارک دین جہاد وقتال کے بغیر ہی قائم ہو جائے گا، نہ کوئی خون بہے گا، نہ لاشیں گریں گی، یقیناً انہیں وہم ہوا ہے اور وہ اس دین کی فطرت سے ناواقف ہیں، اس کے مزاج کو ہی نہیں سمجھتے، اسلام کی شوکت وقوت، دشمنوں پر داعیان اسلام کی ہیبت اور امتِ مسلمہ کی عزت ہرگز قتال کے بغیر قائم نہیں ہو سکتی۔

❀ موت کو ڈھونڈو تمہیں زندگی ملے گی!...... دیکھو!...... کہیں تمنائیں تمہیں کسی فریب میں مبتلا نہ کر دیں، کہیں وہ دھوکے باز ابلیس تمہیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دے...... خبردار! محض کتابوں کے مطالعے اور نوافل کی کثرت سے اپنے آپ کو دھوکہ مت دینا، ایسا نہ ہو کہ آسان اعمال میں مشغولیت عظیم تر کاموں کو تمہاری نگاہوں سے اوجھل کر دے۔

❀ عیش وآرام اور سہل پسندی سے بچیئے! کیونکہ یہ چیزیں جہاد کی دشمن اور انسانی نفوس کے لئے انتہائی مہلک ہیں...... اپنے بچوں کو مجاہد بنایئے، ان میں سخت کوشی، مردانگی اور شجاعت کی صفات پیدا کریں، اپنے گھروں کو شیروں کی کچھار بنائیں، مرغیوں کے ڈربے نہ بننے دیں، کیونکہ مرغیاں پل کر جتنی بھی موٹی ہو جائیں بالآخر وہ طاغوتوں کے ہاتھوں ذبح ہی ہوتی ہیں، اپنی اولاد کے سینوں میں حبِ جہاد کی شمع روشن کریں، شہسواری کا شوق اور میدانِ جنگ کی محبت ان کے دلوں میں اتاریں، اپنے آپ کو بارود کی گھن گرج، جنگی جہازوں کے شور، ٹینکوں کی گڑگڑاہٹ اور برستی گولیوں کے نغمے سننے کا عادی بناؤ!

اے علمائے دین!

اُٹھیے اور اس نسلِ نو کی قیادت سنبھالیے! جس نے اپنی ساری دل چسپیوں کا مرکز اپنے رب کی رضا

کو بنالیا ہے، بزدلی کا مظاہرہ مت کریں، مت اس حقیر دنیا کی طرف جھکیں، اللہ طواغیت کی ہم نشینی سے بچیں، یہ تو سینوں کی تاریکی اور دلوں کی موت کا باعث ہے، طاغوت کی قربتیں آپ کو اہلِ ایمان سے دور کرنے کا سبب بنیں گی اور ان کے قلوب سے آپ کا احترام جاتا رہے گا۔

سوئے جناں:

جس سفر کا آغاز ایمان ویقین کے توشہ خاص سے ہوا تھا...... اس کا انجام اک شامِ حسین ہونے والی تھی اور فردوسِ بریں کے دروازے عن قریب وا ہونے والے تھے۔

یہ ۱۹۸۹ء کے اواخر کا ذکر ہے جب دنیا کی دوسری سپر پاور اپنے زخم سہلاتے اور منہ پر شکست کی کالک ملتے ہوئے واپس جا رہی تھی...... اس کے لئے اب افغانستان میں مزید ٹھہرنا ممکن نہ تھا، عرب وعجم سے جمع ہونے والے مٹھی بھر مجاہدین نے سپر پاور کے دانت کھٹے کر دیئے تھے اور وہ درانتی جو کبھی سروں کی فصلیں کاٹتی تھی کند ہو چکی تھی...... شیخ عبداللہ عزام خوش نصیب تھے کہ انہوں نے خدا ہونے کی دعوے دار طاقت کی شکست اپنی آنکھوں سے دیکھ لی تھی، کفریہ طاقت کی اس شکست میں ان کی اپنی ٹیم تگ ودو اور جدوجہد بھی شامل تھی...... اور یہ سب اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہی ہوا تھا۔ ۲۶ ربیع الثانی ۱۴۱۰ ہجری مطابق ۲۴ نومبر ۱۹۸۹ء جمعہ کا مبارک دن تھا جب آپ خطبہ ونمازِ جمعہ پڑھانے کے لئے اپنی قیام گاہ سے مسجد سبع اللیل کی طرف روانہ ہوئے، آپ کے ہمراہ آپ کے دو فرزند محمد اور ابراہیم بھی تھے، آپ کی گاڑی ابھی جائے قیام سے کچھ ہی دور پہنچی تھی کہ بارودی سرنگ کا زوردار دھماکہ ہوا، گاڑی کئی فٹ بلندی پر اچھلی اور زمین پر آ رہی، اس کے ساتھ ہی وہ آفتاب جو سرزمین فلسطین سے طلوع ہوا تھا پشاور کی سرزمین میں غروب ہو گیا، امت کے غم میں دھڑکنے والا دل اپنی دھڑکن بھول چکا تھا...... یوں کہنا چاہیئے کہ اللہ کی راہ میں اپنا تن من دھن پیش کر دینے والے بندے کو اعزاز واکرام سے نوازنے کا وقت آ پہنچا تھا...... شہادت سے بڑھ کر کیا اعزاز ہو سکتا ہے؟ گاڑی اگرچہ ٹکڑے ٹکڑے ہو چکی تھی مگر آپ کا جسم سلامت رہا، آپ اس حال میں اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوئے کہ اپنی جان کے ساتھ ساتھ اپنے دو معصوم بیٹوں کی جانوں کا بھی نذرانہ پیش کر رہے تھے۔ شہادت کے فوراً بعد آپ کے خون سے پھوٹ پڑنے والی خوشبو نے اردگرد کے ماحول کو معطر کر دیا تھا...... شہادت کے وقت آپ کی عمر پچاس سال سے کچھ اوپر تھی جبکہ محمد بیس سال اور ابراہیم پندرہ سال کے تھے۔ شیخ عزام نے اپنے لہو کی سوغات پیش کر کے امت کے قائدین کے لئے اعلیٰ

ترین مثال پیش کردی تھی، وہ بے قراری اور بے تابی جو برسوں سے جسم اور روح کا احاطہ کیے ہوئے تھی اب قرار وسکون میں تبدیل ہو چکی تھی، یقیناً انہوں نے ﴿ یَا اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ﴾ کی پکار پر لبیک کہا تھا۔

وہ ایک جان جو ہتھیلی پر لئے قریہ قریہ بستی بستی جہاد کی صدا لگاتے گھوما کیے آج اس کی سوغات بارگاہِ الٰہی میں مقبول ومنظور ٹھہری تھی۔

حیرت انگیز طور پر قاتل وہ نہیں تھے جن سے برسوں پنجہ آزمائی رہی...... بلکہ شیطان بزرگ امریکا قاتل تھا...... دراصل روس کی پسپائی اور شکست کے بعد افغانستان میں مستحکم حکومت کا قیام امریکا کے مفاد میں نہیں تھا۔ وہ افغانستان کو گروہی، تنظیمی اور لسانی بنیادوں پر تقسیم کر کے خطے کے وسائل لوٹنا چاہتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے روس کے خلاف برسرپیکار افغان تنظیموں کو آپس میں لڑوانے میں اہم کردار ادا کیا۔ روس تو چلا گیا لیکن توپوں کے وہ دہانے جو پہلے روس کے خلاف شعلہ وبارود اگل رہے تھے۔ اب اپنوں پر آگ برسانے لگے۔ ایسے میں شیخ عبداللہ عزام رحمہ اللہ واحد شخص تھے جو اپنے ذاتی اثر ورسوخ اور شخصی وجاہت کی بنا پر خانہ جنگی کی بھڑکتی آگ کو ٹھنڈا کر سکتے تھے۔ تمام افغان دھڑے ان کا حد درجہ احترام کرتے اور ان کے فیصلوں کو دل وجان سے تسلیم کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ امریکا نے شیخ کو رکاوٹ سمجھتے ہوئے راستے سے ہٹانا ضروری سمجھا۔ پھر یہ بھی تھا کہ شیخ عزام نے روس کے خلاف جہاد کی کامیابی کے بعد امریکا کو عالم اسلام کا دشمن نمبرون قرار دیا تھا اور عالمی سطح پر امریکا کے خلاف جہاد کے عزم کا برملا اظہار کیا تھا۔ چناں چہ سی آئی اے نے اردنی انٹیلی جنس کے ذریعے شیخ کو بم دھماکے میں شہید کرادیا۔

شیخ عزام اپنے نامۂ اعمال میں بے شمار حسنات کے گل ولالہ لئے بارگاہِ قدس میں حاضر ہوگئے، انہوں نے اپنے رب سے کیا وعدہ سچ کر دکھایا تھا۔ وہ اس آیت کے سچے مصداق تھے:

﴿ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰی نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ یَّنْتَظِرُ وَ مَا بَدَّلُوْا تَبْدِیْلًا (الاحزاب) ﴾

دشمن شاید سوچ رہا تھا کہ اس ایک جان کو راستے سے ہٹا کر وہ حق کے متوالوں کو پسپائی پر مجبور کردے گا حالانکہ وہ نہیں جانتا تھا کہ اس راہِ حق کا ہر راہی ساز وسامانِ دنیا پر نگاہِ غلط انداز بھی نہیں ڈالتا بلکہ دنیا کے اُس پار نگاہ رکھتا ہے...... اس کے ذوق وشوق کا مرجع اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی امیدوں کا مرکز اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں بھری جنت ہوتی ہے۔

شیخ عزام کے لہو سے پھوٹنے والی خوشبو چہار دانگ عالم میں پھیل گئی۔ افریقہ کے صحرا، صومالیہ اور یمن کے کوہ دمن، بوسنیا کی وادیاں اور شیشان کے مرغزار جہادی معرکوں سے گرم ہوگئے...... فلسطین میں شہادت کی آتش شوق تیز ہوئی، چین وفلپین کے ضعیف مسلمانوں نے بھی انگڑائیاں لینا شروع کیں، آج افغانستان کے علاوہ پاکستان، عراق، یمن، صومالیہ، الجزائر، موریتانیہ، مراکو، شیشان میں آپ ہی کے بالوسطہ یا بلا واسطہ تربیت یافتہ شاگرد طواغیتِ عصر سے نبرد آزما ہیں، آپ اور آپ کے رفقاء نے اگر روس کو شکست دی تھی تو آپ کے بعد آنے والے مجاہدین امت نے بے سروسامانی کے باوجود شیطانِ بزرگ امریکہ کے ماتھے پر شکست کی ذلت جلی حروف میں لکھ دی ہے، ہم اللہ تعالیٰ سے قوی امید رکھتے ہیں کہ اس کی مشیت سے امریکہ جلد ہی تاخت وتاراج ہوگا۔

رفقائے جہاد کے بارے میں خصوصی وصیت

شیخ عبداللہ عزام رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وصیت نامے میں رفقاءِ جہاد کے متعلق نہایت بلند الفاظ میں تعریفی کلمات لکھے ہیں، گویا انہوں نے مجاہدین کی آیندہ قیادت کی نشان دہی فرمادی تاکہ امت افتراق وانتشار سے بچی رہی، اس ضمن قائد الجہاد العالمی الشیخ اسامہ بن لادن حفظہ اللہ ورعاہ کے بارے میں بھی بے ساختہ کلمات ذکر کیے ہیں، آپ نے مجاہدینِ اسلام کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا:

"میرے مجاہد بھائیو!

آپ پر لازم ہے کہ راہِ جہاد میں جمے ہوئے پرانے مجاہدوں بالخصوص اسامہ بن لادن، ابوالحسن المدنی، نورالامین، ابوالحسن المقدسی، ابوسیاف اور ابوبرہان کی قدر کریں...... میں نے انہیں آسمان سے برستے پانی سے زیادہ پاکیزہ اور جہاد کے معاملے میں چٹان کی سی مضبوطی کا حامل اور انتہائی غیور پایا ہے......

ان سب ساتھیوں کی غلطیوں سے چشم پوشی کرو اور ان کی قدر ومنزلت کی حفاظت کرو، بھائی ابوالحسن مدنی کے مقام ومرتبے اور جہاد میں ان کے زبردست کردار کو ہمیشہ یاد رکھو، ابوہاجر کی نصیحتوں کو سنا کرو اور تمہیں نماز بھی وہی پڑھایا کریں، اللہ نے انہیں رقتِ قلب اور خشوع سے نوازا ہے۔

میں ڈھیروں دعائیں کرتا ہوں اپنے مجاہد بھائی ابوعبداللہ اسامہ بن محمد بن

لادن کے لئے جنہوں نے اپنے ذاتی مال سے جہاد کی بھرپور خدمت کی اور مکتب الخدمات کے اخراجات کا بوجھ اُٹھایا، میری دعا ہے کہ اللہ ان کے اہل وعیال اور ان کے مال میں برکت ڈالے اور ہمیں ان جیسے اور بہت سے ساتھی عطا کردے، میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ مجھے پورے عالمِ اسلام میں اسامہ جیسا کوئی دوسرا نظر نہیں آتا، اسی لئے میری دعا ہے کہ اللہ آپ کے مال کی حفاظت فرمائے اور آپ کی زندگی بابرکت بنائے۔

"و سبحانك اللّٰهم و بحمدك و اشهد ان لا اله الا انت استغفرك و اتوب اليك."

پس نوشت

ابھی یہ تحریر کمپوزنگ کے بعد حروف خوانی کے آخری مرحلے سے گذر رہی تھی کہ اچانک اندوہناک خبر آئی کہ بطلِ جلیل، پیکرِ غیرت وحمیت، مجاہد ومہاجر فی سبیل اللہ الشیخ اسامہ بن لادن ایبٹ آباد میں شہید کردیئے گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ زلزلہ انگیز خبر برق ورعد بن کر دل ودماغ پر گری اور سکون واطمینان کو زیروزبر کرگئی۔

آہ! پاکستان کی سرزمین کو کس مظلوم کی نظر لگ گئی؟ کیوں یہ سرزمین ائمۃ الاسلام کی مقتل بن گئی؟......

شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ کے متعلق دکتور شیخ عبداللہ عزام نے جو کلمات ارشاد فرمائے تھے، وہ آپ پڑھ آئے ہیں، ان تاثرات پر کسی قسم کا اضافہ نہیں کیا جاسکتا۔ بلاشبہ وہ عالمی استعمار کے خلاف جہد وجہاد اور مزاحمت کا استعارہ تھے، وہ امت مسلمہ کی امیدوں کا مرکز، اعلائے کلمۃ اللہ کی علامت، جہاد کی صدا، مظلوم ومقہور مسلمانوں کی آواز اور اقصیٰ وفلسطین کی پکار تھے، ان کا قتل امت کا عظیم نقصان ہے، برباد ہوں میر جعفر وصادق کا کردار ادا کرنے والے جابر ومستبد حکمران، جو امریکی طاغوت کے قدموں میں سجدہ ریز ہیں، جنہوں نے اپنی عزت وآبرو اور اپنی متاعِ ایمان چند سکوں کی خاطر بیچ دی، وہ کفر کے ساتھی بن گئے، اہلِ ایمان کی بستیوں کو تاراج کرنے کے لئے طواغیتِ عصر کو ہر ممکن سہولت فراہم کی...... ہماری دعا

ہے کہ اللہ تعالیٰ شیخ اسامہ کے قاتلوں کو اور ان لوگوں کو جو کسی بھی حیثیت میں قاتلوں کے معاون بنے، اپنی قدرتِ قاہرہ سے پکڑ لے، ان کی دراز رسی کھینچ لے، اور انہیں ایسی جگہ سے پکڑے جہاں سے انہیں گمان بھی نہ ہو۔

اے اللہ! ہم گواہی دیتے ہیں کہ اسلام کے جرنیل شیخ اسامہ بن لادن شہید فی سبیل اللہ نے اپنے پیشرو امام جہاد شیخ عبداللہ عزام کے لکھے حروف کو جھوٹا نہیں ہونے دیا بلکہ قافلۂ جہاد کی تاحیات قیادت کر کے اس کو مزید تابانی بخشی، وہ نہایت پامردی اور استقامت کے ساتھ پرچم جہاد کو تھامے رہے اور طاغوت اکبر امریکہ کو برابر للکارتے رہے۔ ہماری دعائیں اور مناجاتیں یہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی شہادت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں اور انہیں جنت کے بلند ترین درجات عطا فرمائیں، ہم اللہ تعالیٰ سے امید رکھتے ہیں اور دعا بھی کرتے ہیں کہ ہمیں بھی اس راہ میں صدقِ دل کے ساتھ قبول فرمائے اور ہمارا حشر نبیین، صدیقین اور شہداء کے ساتھ فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

ابو محمد العجمی

عام الشهادت

جمادى الثانيه ۱۴۳۲ھ

مطابق مئی ۲۰۱۱ء

اُمت کی زندگی علماء کے قلم کی روشنائی اور شہیدوں کے خون سے عبارت ہے

''امت کی زندگی علماء کے قلم کی روشنائی اور شہیدوں کے خون سے عبارت ہے۔ مگر جب خون اور روشنائی یک رنگ ہو جائیں' قلم میں روشنائی بھرنے والا ہاتھ ہی امت کو جگانے اور اپنا خون پیش کرنے کے لیے آگے بڑھنے لگے تو پھر امت بلندیوں کا سفر طے کرنے لگتی ہے' اُس میں زندگی کی حرارت رواں دواں ہو جاتی ہے''

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں۔ درود وسلام ہو نبیوں کے امام، مجاہدین کے قائد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر، اُن کی آل پر، اُن کے راستے کی پیروی کرنے والوں پر اور قیامت تک جہاد کی راہ پر کاربند رہنے والوں پر۔

قومیں اپنے افکار وعقائد کے بل بوتے پر زندگی حاصل کرتی ہیں جب کہ شہوات کے پیچھے پڑ کر زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہیں۔ جس قوم میں صحیح عقائد اور بہترین اصول جس قدر پھلیں پھولیں گے اُسی قدر زمین میں اُس کی جڑیں گہری ہوں گی اور اُس کی شاخیں مادیت کی کثافت میں ڈوبی، حسد، بغض اور حقیر دنیا کے مقابلے میں غلطاں وپریشاں، سسکتی دم توڑتی انسانیت کو سایہ فراہم کر سکیں گی۔

امتِ مسلمہ اپنی تاریخ میں ایک مضبوط عقیدے کو تھام کر آگے بڑھی اور اسے انسانی زندگیوں میں جاری وساری کرنے کے لیے خون کے سیلاب میں غوطہ زن ہوئی۔ امت کی زندگی علماء کے قلم کی روشنائی اور شہیدوں کے خون سے عبارت ہے۔ مگر جب خون اور

روشنائی یک رنگ ہو جائیں' قلم میں روشنائی بھرنے والا ہاتھ ہی امت کو جگانے اور اپنا خون پیش کرنے کے لیے آگے بڑھنے لگے تو پھر امت بلندیوں کا سفر طے کرنے لگتی ہے' اُس میں زندگی کی حرارت رواں دواں ہو جاتی ہے۔

تاریخ ہمیشہ خونِ شہداء سے لکھی گئی ہے! عزت وسربلندی کا سفر ہمیشہ جان جوکھوں میں ڈال کر طے کیا جاتا رہا ہے۔ نئے انقلاب' نئی حکومتیں' نئے معاشرے اور نئے نظام قائم کرنے کے لیے ہمیشہ اعلیٰ نمونے پیش کرنے کی ضرورت رہی ہے۔ وہ لوگ جو سمجھتے ہیں کہ خون کے دریا سے گزرے بغیر' جانوں کا نذرانہ پیش کیے بغیر اور قربانیوں کی سوغات فراہم کیے بغیر حالات کے دھارے کو موڑ سکیں گے' وہ اس دین کی حقیقت سے ناآشنا ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ سے ناواقف ہیں۔ امت کی تعمیر کی گراں بہا ذمہ داری انجام دینے والے ہمیشہ تھوڑے رہے ہیں۔ بلکہ بعض اوقات تو ایک اکیلا فرد گویا ''ایک فی زمانہ'' اس ذمہ داری کو انجام دینے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اُس کے ذریعہ اپنا کلمہ بلند کیا۔ جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تنِ تنہا مرتدین مانعینِ زکوٰۃ کے خلاف جو موقف اختیار کیا یا حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے ''ایک فی زمانہ'' قرآن کے مخلوق ہونے کے خلاف آواز بلند کی اور اللہ تعالیٰ نے اُن کے ذریعہ حق کو سربلند کیا۔

کم ہی لوگ الہامی اصولوں کی سربلندی کا علم بلند کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ پھر ان لوگوں میں بھی ایسوں کی تعداد قلیل تر ہوتی ہے جو ان اصولوں کی تبلیغ کے لیے دنیا پر تین حرف بھیج کر میدان میں کود پڑتے ہیں اور وہ تو بہت ہی کم ہوتے ہیں جو ان اصولوں کو کامیابی کی منزل تک پہنچانے کے لیے اپنی جان ہتھیلی پر لیے پھرتے ہیں اور بوقتِ ضرورت خون کا نذرانہ پیش کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو منتخب ہوؤں میں سے بھی انتخاب ہوتے ہیں! سربلندی کی طرف جانے والا واحد راستہ یہی ہے۔ اس دین کی عمارت بلند کرنا' اس کا علم لہرانا اور اس کی......

یہ اس امت کی گویا پہلی انگڑائی تھی' جو صدیوں سے یاس وناامیدی کی چادر تانے محوِ خواب تھی!

﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ يَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ (آل عمران:۱۴۲)

''کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ہنوز اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں

کو تو دیکھا ہی نہیں جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا ہو اور نہ اُن کو دیکھا جو ثابت قدم رہنے والے ہوں"۔

سچ یہ ہے کہ اس اُمت کی تعمیر اور اس کے لیے شرف و سربلندی کے راستے ہموار کرنے والوں کی تعداد ہمیشہ کم رہی ہے۔ لیکن جو بھی سربلندی کے راستے پر پیش قدمی کا ارادہ کرنا چاہے اسے معلوم ہونا چاہیے کہ یہ راستہ خون اور پسینے کے سمندر سے ہو کر گزرتا ہے۔ اپنے ارد گرد اور ساتھ چلنے والے حلقہء یاراں کے خون اور ہڈیوں کے گودے ہی سے عز و شرف کے اس قلعے کی تعمیر ممکن ہوتی ہے' بس یہی درحقیقت راہِ جہاد ہے۔

افغانستان میں شروع ہونے والا جہاد جہادی تحریک کے چودہ نوجوانوں کی کاوشوں کا نتیجہ تھا۔ جامعہ کابل سے فارغ التحصیل ان جوانوں نے ٹھان لیا تھا کہ وہ اپنے عزم سے طاغوت کے سیل کا رخ موڑ کر رہیں گے۔ ابتدا میں تیس مجاہدین افغانستان پہنچے اور جہاد کی اس ولولہ انگیز تحریک کا آغاز کیا۔ یہ چند نوجوان بارش کا پہلا قطرہ تھے جس کے بعد اللہ تعالیٰ نے پوری افغان قوم کو طاغوت کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنا کر رکھ دیا۔ یہ ٹھیک وہی وقت تھا جب امت کے حالات دیکھ کر ایک عام ذہن یہی خیال کر رہا تھا کہ اُمت کی تجوری خالی ہو چکی ہے' اس کی گود کب کی بانجھ ہو چکی ہے اور اب اس میں کوئی زرخیزی باقی نہیں رہی۔ ایسے میں اس مبارک سرزمین سے نکلنے والی جہاد کی چنگاری ایک بلا خیز الاؤ کا روپ دھارتی چلی گئی۔

ایسے میں عرب نوجوانوں کے دستے جہاد کے اس کارواں کے ساتھ آ ملے اور ایک محدود علاقے اور خطہ زمین کی حفاظت کے لیے لڑی جانے والی یہ جنگ عالم گیر جہاد کا روپ اختیار کر گئی۔ زمین کے چپے چپے سے آنے والے' مختلف رنگ و روپ رکھنے والے' مختلف زبانیں بولنے والے اور مختلف عادات و خصائل کے مالک یہ نوجوان ایک ربّ کے پرستار تھے۔ ان کا قبلہ ایک' ان کی صف ایک اور ان کا نصب العین بھی ایک ہی تھا۔ یہ سب اللہ کے دین کی سربلندی کے جویا تھے۔

جدا جدا رنگ و نسل سے تعلق رکھنے والے ملت اسلامیہ کے ان سپوتوں کا ایک جھنڈے تلے جمع ہو جانا طاغوت کے لیے ایک تازیانہ تھا۔ سب دنیا کی نگاہیں اس مرکزِ جہاد پر جم کر رہ گئیں' وہ دم سادھے اس منظر نامے کے نئے زاویے کو تکنے لگ گئے۔ افغانوں سے ہٹ کر دوسرے لوگوں کی اس جہاد میں

شرکت پوری ملت کے لیے خوابِ غفلت سے بیداری کا نکتہء آغاز تھا۔ یہ اس امت کی گویا پہلی انگڑائی تھی جو صدیوں سے یاس و نا امیدی کی چادر تانے محوِ خواب تھی۔ عالمِ اسلام کے کسی کونے سے اٹھ کر ارضِ جہاد میں اپنا مدفن ڈھونڈ لینے کی خواہش رکھنے والے نوجوانوں نے اپنے طرزِ عمل سے گویا واشگاف اعلان کر دیا تھا کہ اس امت کو ایسی سینکڑوں قربانیوں کی ضرورت ہے۔

بعض فریب زدہ ذہنوں کا گمان ہے کہ یہ قربانیاں لاحاصل ٹھیری ہیں لیکن امرِ واقع یہ ہے کہ اس معصوم لہو کی قیمت اللہ تعالیٰ کی میزان میں بہت بھاری ہے۔ دیگر بہت سی احادیث سے قطع نظر ہم اس موقع پر صحیح سند سے روایت کی جانے والی امام احمد اور ترمذی کی اس حدیث کا تذکرہ کافی سمجھتے ہیں جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

حدیث (صحیح الجامع ۵۱۸۲) صفحہ نمبر ۹۲۰

((لِلشَّهِيدِ عِنْدَ اللهِ سِتُّ خِصَالٍ: يُغْفَرُ لَهُ فِي أَوَّلِ دَفْعَةٍ، وَيَرَى مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ، وَيُجَارُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَيَأْمَنُ مِنَ الْفَزَعِ الْأَكْبَرِ، وَيُوضَعُ عَلَى رَأْسِهِ تَاجُ الْوَقَارِ، الْيَاقُوتَةُ مِنْهَا خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا، وَيُزَوَّجُ اثْنَتَيْنِ وَسَبْعِينَ زَوْجَةً مِنَ الْحُورِ الْعِينِ وَيُشَفَّعُ فِي سَبْعِينَ مِنْ أَقَارِبِهِ)) (سنن الترمذي' أبواب فضائل الجهاد)

"اللہ تعالیٰ کے ہاں شہید کے لیے چھے انعامات ہیں: خون کا پہلا قطرہ گرتے ہی اس کی بخشش ہو جاتی ہے' اور وہ جنت میں اپنا ٹھکانہ دیکھ لیتا ہے' اسے عذابِ قبر سے محفوظ رکھا جاتا ہے اور قیامت کے دن کی بھیانک وحشت سے مامون کر دیا جاتا ہے' اس کے سر پر ایسے یاقوت سے جڑا ہوا وقار کا تاج رکھا جاتا ہے' جو دنیا اور اس میں موجود ہر چیز سے بہتر ہے' اور بہتر حورِ عین سے اس کی شادی کر دی جاتی ہے اور اس کے ستر رشتے داروں کے معاملے میں اس کی سفارش قبول کی جاتی ہے"۔

آخر ہمارے گناہوں کو کیا چیز دھوئے گی؟

تاریخ ہمیشہ ایسے ہی نوجوانوں کے خون سے تیار ہوئی ہے۔ انھی درخشندہ ستاروں کی روشنی سے

قافلوں کو رہنمائی نصیب ہوئی ہے۔ ایسی ہی مثالوں نے قوموں کو سربلندی کا راستہ دکھایا ہے۔ اصولوں کو زندگی ملی ہے‘ عقائد کو کامرانی حاصل ہوئی ہے اور اسی حقیقت نے ہمیں افغانستان میں شہید ہونے والے عرب شہداء کی زندگیوں سے متعلق اس کتاب کو اشاعت میں لانے پر آمادہ کیا۔

چھوٹے ذہن ہیچ نصب العین اور زمان و مکان کی قیود میں محصور انسان کی نگاہوں میں ممکن ہے کہ یہ ایک افسانہ ہو جو شروع ہو کر ختم ہو رہا ہے کہ بس موت نے جبڑا کھولا اور دیکھتے ہی دیکھتے کئی تن نگل گئی۔ لیکن روشن ضمیر اور دور رس نگاہیں جانتی ہیں کہ یہ قربانیاں آنے والی نسلوں کے لیے ایک توشہ ہیں جن کی دمک صدیوں تک کم نہیں ہوگی۔ یہ نمونے اور مثالیں ایک سنگ میل ہیں جو ہدایت کے راستے پر چلنے والوں کے لیے روشنی مہیا کرتی رہیں گی۔

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ﴾ (الانعام: ۹۰)

”یہ ایسے لوگ تھے جنہیں اللہ نے ہدایت دی تھی سو آپ بھی انہی کے طریق پر چلیے“۔

جی ہاں یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت سے سرفراز فرمایا پس ہدایت کے طالبوں کو انھی کے اسوے کی پیروی کرنی چاہیے۔

آسائشوں‘ آرائشوں اور جاہ و لذت کی قید سے چھٹکارا پا کر سرزمینِ کوہستان کے دامن میں بسیرا کرنے پر جس چیز نے انھیں آمادہ کیا وہ شہادت کے جذبے اور رب کے حضور سرفرازی کی امید کے سوا کچھ نہیں تھا۔ پروردگار سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے انبیاء علیہم السلام صدیقین اور شہداء کے جلو میں جنت الفردوس میں داخلہ نصیب کریں اور انجام بخیر فرما دیں آمین۔

پس اے اصحابِ عقیدہ! اے دعوت کے علمبردارو! دینِ حق کی راہ میں اپنے لہو کا نذرانہ پیش کرنے سے ہرگز نہ ہچکچاؤ۔ یہ لہو یہ متاعِ دل و جان اس ہستی کی امانت ہے کہ مومن نے اپنے رب سے جنت کے عوض ان کا سودا چکا لیا ہوتا ہے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ﴾ (التوبۃ: ۱۱۱)

”بے شک اللہ نے مسلمانوں سے ان کی جان اور ان کا مال اس قیمت پر خرید لئے ہیں کہ اُن کے لئے جنت ہے“۔

اے نوجوانو اور اے ملت اسلامیہ کے سپوتو! آخر ہمارے گناہوں کو کیا چیز دھوئے گی؟ یہ شہادت کا نذرانہ ہی تو ہے جو ہمیں روز حشر اس کی بارگاہ میں حساب و کتاب کے جاں گسل مرحلے سے بعافیت گزارنے کا باعث بن سکتا ہے۔ میزان منتظر ہے‘ پل صراط کی پر آشوب راہ ہم میں سے ہر ایک کو سر کرنی ہے۔ پس اس کی کچھ تیاری اور اس کے لیے کچھ پیش بندی ضروری ہے:

اذا لم يكن من الموت بعد

فمن العجز أن تموت جبانا

”اگر موت سے کوئی راہ فرار نہیں ہے تو پھر کس قدر شرمناک بات ہے کہ انسان بزدلی کی موت مرے“۔

وصلى الله على سيدنا محمد و على آله و صحبه و سلم

عروج کی راہ

”بے شک اصول زندگیوں سے زیادہ مول رکھتے ہیں۔ عقائد و ایمانیات کی قیمت جسموں سے کہیں بڑھ کر ہوتی ہے اور اقدار ارواح سے زیادہ بیش قیمت ہوتی ہیں“

تمام تعریفیں اللہ ربّ العالمین کے لیے ہیں۔ ہم اسی سے مدد چاہتے ہیں۔ اسی سے ہدایت کے طلب گار ہیں اور اسی سے اپنے گناہوں کی معافی کے خواست گار ہیں۔ ہم اپنے برے اعمال اور اپنے نفوس کے شر سے اسی کی پناہ طلب کرتے ہیں۔ بے شک جسے اللہ تعالیٰ ہدایت سے ہمکنار کردیں اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے وہ گمراہ کردیں اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ ((اللّٰھم لا سھل إلا ما جعلته سھلا و أنت تجعل الحزن إذا شئت سھلا)) ”اے اللہ! آسان وہی ہے جسے آپ آسان فرمادیں اور بے شک آپ چاہیں تو مشکل کو آسان بنا سکتے ہیں“۔

اللہ ربّ العزت کا ارادہ کچھ یونہی ہوتا ہے کہ جس طرح بنیادوں میں لگے پتھر کسی عمارت کو تقویت دیتے ہیں اسی طرح قوموں کو زندگی بھی وہ ابتدائی لوگ فراہم کرتے ہیں جو اجنبیت کے زمانے میں عزیمت کے راستوں کو اختیار کرلیتے ہیں۔ اعلیٰ وارفع مقاصد ہی بزرگی کا وسیلہ بنتے ہیں۔ تاریخ کے کسی موڑ پر شروع شروع میں نکلنے والے یہ لوگ اپنی قربانیوں سے ملت کی جڑوں کو مستحکم کردیتے ہیں۔ یہ اپنے معاشروں میں اجنبی ہوتے ہیں مگر ان معاشروں کے حقیقی محافظ یہی ہوتے ہیں انھی کے ذریعے ان کی نشوونما ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قوموں کو رزق اور مدد و نصرت انھی غرباء کے اخلاص اور قربانیوں کا نتیجہ ہوتی ہے۔ یہی وہ پاکیزہ روحیں ہوتی ہیں جو اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے راستوں کی معرفت حاصل

کرلیتی ہیں‘ چاہے دوسرے انھیں قابل ترس سمجھیں‘ ان کی سوچوں کا مذاق اڑائیں۔

اللہ کی قسم بادشاہ تو یہ ہیں!

یہی لوگ عالی مرتبت ہیں۔ جس حقیقی عیش وسکون میں یہ رہتے ہیں دنیا والے اس سے محروم ہوتے ہیں‘ چاہے یہ سب انھیں اپنے دروازوں سے لوٹاتے رہیں‘ اور اپنی محفلوں سے دھتکارتے رہیں۔ یہی لوگ حقیقی قائدین ہیں‘ دلوں کے حکمران ہیں‘ دل انھیں کی محبتوں کے اسیر ہوتے ہیں۔ دنیا کے ظاہری سردار درحقیقت بڑے ہی نادان ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ہارون الرشید کی ماں نے ایک شخص کے گرد انسانوں کا سمندر دیکھا تو پوچھنے لگی: ”یہ شخص کون ہے؟“ لوگوں نے کہا: ”یہ خراسان کے مشہور عالم‘ عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ ہیں“۔ وہ کہنے لگی: ”اللہ کی قسم بادشاہ تو یہ ہیں نہ کہ ہارون جس کا استقبال لوگ محض سپاہیوں اور فوج کے ڈر سے کرتے ہیں“۔ جی ہاں حقیقی بادشاہ یہی لوگ ہیں۔ خود عبداللہ ابن مبارکؒ سے جب پوچھا گیا کہ بادشاہ کون لوگ ہوتے ہیں؟ فرمانے لگے: ”زاھدین (دنیا سے بے رغبت لوگ)!“ پھر پوچھا گیا کہ گھٹیا لوگ کون ہوتے ہیں؟ فرمایا: ”وہ جو دوسروں کی دنیا بناتے رہے ہیں... اپنے دین کی قیمت پر!“ بلاشبہ یہ زاہدین ہی تاریخ رقم کرنے والے ہیں کیونکہ عظمتوں کے مینار سروں کی فصل کٹنے کے بعد ہی تعمیر ہوتے ہیں‘ ان کا خون شجر اسلام کی آبیاری کرتا ہے۔ حقیقت میں اس کی آبیاری خون ہی سے ممکن ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی یاد زمین وآسمان میں باقی رہتی ہے۔ ان کی یادوں سے دل روئیدگی پاتے ہیں‘ جب ان کو دیکھا جائے تو اللہ یاد آجاتا ہے۔ یہ لوگ اللہ کے راستے کے مجاہد ہیں‘ ان کا مرتبہ انبیاء اور صدیقین کے بعد ہے۔ بلکہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت کی تمنا کرتے ہوئے فرمایا:

((وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوَدِدْتُ أَنِّي أُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ثُمَّ أُحْيَا ثُمَّ أُقْتَلُ، ثُمَّ أُحْيَا ثُمَّ أُقْتَلُ، ثُمَّ أُحْيَا ثُمَّ أُقْتَلُ)) (بخاري، كتاب الجهاد والسير)

”اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے‘ میری تو آرزو ہے کہ میں اللہ کے راستے میں قتل کردیا جاؤں‘ پھر زندہ کیا جاؤں‘ پھر قتل کیا جاؤں‘ پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں‘ پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر قتل کردیا جاؤں“۔

اور صحیحین میں ہے:

((لَغَدْوَةٌ فِی سَبِیْلِ اللہِ اَوْ رَوْحَةٌ خَیْرٌ مِنَ الدُّنْیَا وَ مَا فِیْهَا)) (بخاري: کتاب الجهاد و السیر)

"اللہ کی راہ میں ایک صبح یا شام کا نکلنا دنیا اور اس میں موجود ہر چیز سے بہتر ہے"۔

ایک اور جگہ فرمایا:

((تَعِسَ عَبْدُ الدِّیْنَارِ وَ عَبْدُ الدِّرْهَمِ وَ عَبْدُ الْخَمِیْصَةِ، اِنْ اُعْطِیَ رَضِیَ وَ اِنْ لَمْ یُعْطَ سَخِطَ، تَعِسَ وَ انْتَکَسَ، وَ اِذَا شِیْکَ فَلَا انْتَقَشَ، طُوْبٰی لِعَبْدٍ اٰخِذٍ بِعِنَانِ فَرَسِهٖ فِیْ سَبِیْلِ اللہِ اَشْعَثَ رَاْسُهٗ، مُغْبَرَّةٍ قَدَمَاهُ، اِنْ کَانَ فِی الْحِرَاسَةِ کَانَ فِی الْحِرَاسَةِ، وَ اِنْ کَانَ فِی السَّاقَةِ کَانَ فِی السَّاقَةِ، اِنِ اسْتَاْذَنَ لَمْ یُؤْذَنْ لَهٗ وَ اِنْ شَفَعَ لَمْ یُشَفَّعْ)) (بخاري کتاب الجهاد)

"تباہ ہو جائے دینار کا بندہ اور درہم کا بندہ اور کمبل (چادر) کا بندہ۔ اگر اُسے دیا جائے تو خوش اور نہ دیا جائے تو غصے! تباہ ہو جائے اور منہ کے بل گرے! اور اگر اسے کانٹا چبھے تو (اللہ کرے کہ) نہ نکلے۔ بشارت ہو اس بندے کے لئے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے گھوڑے کی باگ تھامے ہوئے ہو، بال بکھرے اور گرد آلود پاؤں! اگر اسے پہرے پر لگا دیا جائے تو پہرے پر رہے، اور اگر پچھلے لشکر میں چھوڑ دیا جائے تو پچھلے لشکر ہی میں رہے۔ اگر اجازت مانگے تو اجازت نہ ملے اور اگر سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول نہ کی جائے"۔

ذرا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان الفاظ پر غور کیجیے: اِنْ کَانَ فِی الْحِرَاسَةِ کَانَ فِی الْحِرَاسَةِ "اگر اسے پہرہ دینے پر لگا دیا جائے تو پہرہ دینے لگ جاتا ہے"۔ گویا جو کام امیر اسے سونپتا ہے پوری ذمہ داری اور صبر کے ساتھ اسے نبھاتا ہے۔ مجاہد کی فضیلت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی احادیث میں بیان کی گئی ہے۔ اس مختصر وقت میں ان سب کا احاطہ ممکن نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرمایا کہ لوگوں میں سے سب سے بہترین انسان مجاہد ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِخَیْرِ النَّاسِ؟ رَجُلٌ مُمْسِکٌ بِعِنَانِ فَرَسِهٖ فِيْ سَبِیْلِ اللہِ، اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِالَّذِيْ یَتْلُوْهُ رَجُلٌ مُعْتَزِلٌ فِيْ غُنَیْمَةٍ لَهٗ یُؤَدِّيْ حَقَّ اللہِ فِیْهَا، اَلَا

اُخْبِرُکُمْ بِشَرِّ النَّاسِ رَجُلٌ یُسْاَلُ بِاللہِ وَلَا یُعْطِيْ بِهٖ)) (رواه الترمذي، کتاب فضائل الجهاد، باب ما جاء أي الناس خیر))

"کیا میں تمہیں بہترین آدمی کے متعلق نہ بتاؤں؟ بہترین شخص وہ ہے جو اللہ کے راستے میں اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے رہتا ہے۔ اور کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ اس کے بعد کون سا آدمی افضل ہے؟ وہ شخص جو اپنی بکریاں لے کر مخلوق سے جدا ہو گیا لیکن اس میں سے اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرتا ہے۔ اور کیا میں تمہیں بدترین شخص کے متعلق نہ بتاؤں؟ بدترین شخص وہ ہے جو اللہ کے نام پر سوال کرتا ہے اور اسے نہیں دیا جاتا"۔

یہ لوگ اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرتے ہیں تا کہ ان کی امت حیات پائے اور یوں یہ خود بھی زندہ و جاوید ہو جاتے ہیں۔ موت کے یہ عاشق اس بات کو بخوبی سمجھتے ہیں۔ یہی پیغام نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں پہنچایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(مَنْ قُتِلَ مِنَّا صَارَ اِلَی الْجَنَّةِ فَلَنَحْنُ اَحَبُّ فِی الْمَوْتِ مِنْکُمْ فِی الْحَیَاةِ) [أخرجه البخاري تعلیقا]

"جو کوئی ہم میں سے مارا جائے گا (سیدھا) جنت میں جائے گا، پس بے شک ہمیں موت سے اُس سے کہیں زیادہ محبت ہے، جتنی محبت تمہیں زندگی سے ہے"۔

یہ موت کو تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے مصداق:

((مِنْ خَیْرِ مَعَاشِ النَّاسِ لَهُمْ رَجُلٌ مُمْسِکٌ عِنَانَ فَرَسِهٖ فِيْ سَبِیْلِ اللہِ یَطِیْرُ عَلٰی مَتْنِهٖ کُلَّمَا سَمِعَ هَیْعَةً اَوْ فَزْعَةً طَارَ عَلَیْهِ یَبْتَغِي الْقَتْلَ وَالْمَوْتَ مَظَانَّهٗ)) (صحیح مسلم، کتاب الإمارة، باب فضل الجهاد والرباط)

"انسانی زندگی میں بہترین زندگی اس شخص کی ہے جو اللہ کی راہ میں اپنے گھوڑے کی باگ پکڑ لے اور جب کسی خوف زدہ کی آواز یا کسی فریاد رس کی فریاد سنے تو عجلت کے ساتھ گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو جائے (اس خوف زدہ یا فریاد رس کی طرف دوڑتا ہوا چلا جائے) اور اپنی موت کو اس جگہ تلاش کرتا پھرے جہاں موت کا گمان ہو۔"

دیکھیے فرمایا جا رہا ہے کہ مُمْسِکٌ عِنَانَ لگام کھینچے ہوئے نہ کہ ڈھیلی چھوڑے ہوئے۔ یہ اس

بات کا کنایہ ہے کہ وہ پوری طرح مستعد ہے "یَطِیْرُ عَلٰی مَتْنِہٖ"

ہمارے ان شہداء کا شمار بھی ان شاء اللہ انھی میں ہوتا ہے۔ یہ اپنی امت' اپنے معاشرے اور خاندانوں سے متعلق اپنی ذمہ داریوں سے جانیں دے کر سبکدوش ہوئے' صرف قلم کی روشنائی بکھیر کر نہیں۔ بے شک اصول زندگیوں سے زیادہ مول رکھتے ہیں۔ عقائد و ایمانیات کی قیمت جسموں سے کہیں بڑھ کر ہوتی ہے اور اقدار ارواح سے زیادہ بیش قیمت ہوتی ہیں۔

شہداء کی مشترکہ صفات

ان شہداء کے ساتھ میں نے جتنا وقت گزارا' بعض صفات ان میں مشترکہ دیکھیں:

۱۔ مسلمانوں کے غیبت اور برے تذکرے سے پرہیز اور زبان کی حفاظت۔

۲۔ مسلمان بھائیوں کے لیے کینہ اور نفرت سے پاک دل۔

۳۔ خاموش محنت کی عادت اور شہرت سے پرہیز۔

۴۔ اطاعتِ امیر ___ اگر پیچھے چھوڑ دیے جائیں تو وہیں اپنا فرض نبھائیں۔

۵۔ دوسروں سے بحث و تمحیص سے اجتناب۔

۶۔ بھرپور حیاء' کمال درجے کا ادب' علماء' بزرگوں اور ذمہ داران کا شدید احترام۔

۷۔ محاذوں سے چمٹے رہنے کی شدید حرص ___ عیش و آرام اور راحت بھری فضاؤں سے نفرت۔

۸۔ ان کی زبانیں مسلمانوں کی خوبیوں کے گن گانے میں مصروف رہتیں۔ دیگر جہادی مجموعوں اور مجاہدین کو اپنے سے بہتر سمجھتے۔ کسی پر اپنی بڑائی نہ جتاتے' اپنے آپ کو ہمیشہ چھوٹا جانتے۔

و رحمہ اللہ امرء اعرف حدہ فوقف عندہ۔

راہِ شہادت اور قافلۂ شہدا

"تاریخ گواہ ہے کہ قرنِ اوّل کی اسلامی سلطنت نصف صدی کے اندر اندر دنیا کے آدھے حصے پر چھا گئی اور کئی صدیوں تک حق کا علم لہراتی رہی۔ یہ سلطنت حق کی سربلندی قائم رکھنے کے لیے تلوار اور طاقت کے استعمال سے کبھی غافل نہ ہوئی' اور یہ معجزہ تاریخ کے اوراق میں ثبت ہے"

تمام تعریفیں اللہ وحدہ لاشریک کے لیے ہیں۔ درود و سلام ہو پیغمبر آخرالزمان پر! اس ماہ ہمارے کئی عرب ساتھی یکے بعد دیگرے قافلۂ شہداء میں شامل ہو گئے۔ اس وقت شہداء کی تعداد چونتیس تک پہنچ چکی ہے۔ خوست و جلال آباد کے کہسار ابھی تک گھمسان کے رن کا منظر پیش کر رہے ہیں۔ ایمبولینس گاڑیاں زخمیوں کو شفاخانوں میں پہنچانے کے لئے کم پڑتی جا رہی ہیں۔ ابھی تک لجنۃ الدعوۃ اور ہلالِ احمر کویت کی گاڑیاں' صلیب سے بازی لیے ہوئے تھیں۔ مگر اب تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ زخمیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد نے ان کی مستعدی کو ناکافی ثابت کر دیا ہے۔ اس وقت الفوزان ہسپتال کے وارڈ لاتعداد زخمیوں سے بھرے پڑے ہیں۔ ایمبولینس گاڑیوں کی نقل و حرکت میں لمحہ بھر کا بھی توقف نہیں آیا۔ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جب ہمارا کوئی ہر دل عزیز ساتھی ہم سے بچھڑ کر قافلۂ شہداء میں شامل نہ ہوتا ہو۔

تاریخ کا مطالعہ اسلامی نقطہ نظر سے

اسلامی نقطہ نظر سے تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس دنیا میں انسان کی زندگی کا ایک اساسی مقصد متعین ہے اور وہ ہے خلافت ارضی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً﴾

"اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا میں زمین میں ایک نائب بنانے والا ہوں"۔

اللہ تعالیٰ نے اس اعزاز کو ایک شرط کے ساتھ مشروط فرما دیا چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ ۝ وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ ﴾ (طٰہٰ: ۱۲۳، ۱۲۴)

"پھر اگر تمھیں میری طرف سے ہدایت پہنچے تو جو میری ہدایت پر چلے گا تو گمراہ نہیں ہوگا اور نہ تکلیف اُٹھائے گا اور جو میرے ذکر سے منہ پھیرے گا تو اُس کی زندگی بھی تنگ ہوگی اور اُسے قیامت کے دن اندھا کر کے اُٹھائیں گے"۔

تاریخ کے بارے میں ایک دوسرا رویہ یہ ہے کہ انسان اپنی ذات کی بھرپور خدمت کرنے کے لیے، اس کی بھوک پیاس مٹنے کے لئے پیدا ہوا ہے جیسا کہ مارکسزم کا نظریہ ہے، جب کہ لبرلزم کے پیروکاروں کا خیال ہے کہ اس سعی و جہد کا حتمی مقصود سیاسی غلبہ اور اقتدار کی ہوس ہے۔

ہاں! یہ ہے اسلام کی حقیقی تصویر

ہمارے نقطہ نظر کے مطابق انسان کو عطا کردہ صلاحیتیں اور قابلیتیں ہوں یا خواہشات و رغبات کے تند و تیز جذبے، ان تمام کا مقصود محض یہ ہے کہ انسان جس عقیدے اور نظریہ حیات پر ایمان رکھتا ہوا، اسے اپنی روزمرہ زندگی کا عنوان بنالے۔ گویا کتاب و سنت کی تعلیمات ہوں یا آیات و احادیث کے نصوص، انھیں انسانی سلوک اور اخلاق و معاملات میں اس طرح رچ بس جانا چاہیے کہ جو کوئی حق کے پیروکاروں کو دیکھے، فوراً پکار اٹھے: "ہاں! یہ ہے اسلام کی حقیقی تصویر!"۔ یہ ایک فرد کی تاریخ کا بھی اسی طرح عنوان ہونا چاہیے، جس طرح ایک جماعت اور امت کی تاریخ کا۔ اسلامی تاریخ ان تمام تعبیرات کا بودا پن ثابت کرتی ہے جو لبرلزم اور مارکسزم کے پیروکاروں کی وضع کردہ ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ قرنِ اوّل کی اسلامی سلطنت نصف صدی کے اندر اندر دنیا کے آدھے حصے پر چھا گئی اور کئی صدیوں تک حق کا علم لہراتی رہی۔ یہ سلطنت حق کی سربلندی قائم رکھنے کے لیے تلوار اور طاقت کے استعمال سے کبھی غافل نہ ہوئی، اور یہ معجزہ تاریخ کے اوراق میں ثبت ہے۔ حالانکہ اس معجزہ کو روبعمل لانے کے لیے نہ تو ذرائع و وسائل کے استعمال کے طریقے بدلے گئے اور نہ اقتصاد و معیشت کے سرچشموں میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مشیت یہی تھی کہ سرخ ریچھ کے پاؤں کوہِ ہندوکش کے برف زاروں سے پھسل پڑیں اور سپر پاور کا دعوے دار سوویت یونین خود اپنی موت کا سامان کر لے۔ ایک ایسی نہتی، بے سروسامان اور غریب و بے مایہ اُمّی قوم اسے پچھاڑ دینے میں کامیاب ہو جائے جس کے پاس اس کے مقابلے میں کچھ بھی دنیاوی سامان نہ ہو۔ مارکسزم کے مادی فلسفے کے مطابق تو اس "پسماندہ" دینی قوت کا مقدر ترقی یافتہ اور دنیاوی وسائل سے مالا مال حملہ آور طاقت کے ہاتھوں شکست و ریخت کے سوا کچھ نہ ہونا چاہیے تھا۔ کیونکہ سوشلزم کے پجاریوں کے مطابق "مذہب ایک افیون ہے جو قوم کے جذبات و احساسات کو مدہوش کر دینے کا باعث ہے، جس سے کام لے کر کچھ ہوشیار لوگ اپنی قوم کے خون سے ہولی کھیلتے ہیں"۔

لیکن اس معرکے نے مارکسزم کے مادی فلسفے کا بے بنیاد ہونا ثابت کیا اور اس کا بودا پن طشت از بام کر دیا ہے۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اس کی حامل اقوام کو ترقی اور حقوق کی فراہمی کے نام پر دھوکا دیا گیا اور انھیں تکلیف دہ انجام کی سرحد پر لا کھڑا کیا گیا۔ سوشلزم ایک لعنت بن کر ان پر برس پڑا یہ ان اقوام کے ہاتھوں کی اپنی کمائی تھی، ان کے ظلم اور گناہ تھے، جس کے سبب یہ اس تباہی و بربادی سے ہم کنار ہوئے:

﴿ وَمَا أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ ﴾

(الشوریٰ: ۳۰)

"اور تم پر جو مصیبت بھی آتی ہے تو وہ تمھارے ہی ہاتھوں کے کیے ہوئے کاموں سے آتی ہے اور بہت سے گناہ تو وہ (اللہ) معاف ہی کر دیتا ہے"۔

سوشلزم شکست کھا چکا ہے۔ اور اندرونی خلفشار نے اسے ریزہ ریزہ کر دیا ہے۔ آذربائیجان، تاجکستان اور جورجیا میں گونجتی آزادی و خودمختاری کی آوازیں اس شکست و ریخت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ آنے والے ماہ و سال اس نظام کی شکست و ریخت کے دردناک مناظر دیکھیں گے۔

نئی نسل کے کردار کی تعمیر اللہ والوں کی زندگیوں کی داستان سنائے بغیر ممکن نہیں

قوموں کی تاریخیں اُن جری نوجوانوں کے خون سے رقم ہوتی ہیں جو زمانے کا رخ موڑ دینے کا عزم اور حوصلہ رکھتے ہیں۔ افغانستان کے کوہساروں میں رقم ہونے والی تاریخ ایسے ہی بلند حوصلہ نوجوانوں کی داستان ہے۔ آج احیائے اسلام کے لیے تن من دھن وقف کرنے کی ریت قائم کرنے کا سہرا اُن کے سر

ہے، جنھوں نے اپنے خون ہڈیوں اور گوشت سے اس عمارت کی از سرِ نو تعمیر کی ہے۔ امت کے دورِ زوال میں ایسے نوجوانوں کا وجود معجزے کا درجہ رکھتا ہے۔ اور یہ معجزہ امت کی نشاۃ ثانیہ کی نوید ہے۔ قومیں اپنی تاریخ کو رقم کرنا فرض گردانتی ہیں تاکہ آنے والی نسلیں ان اقدار کی پاسبان ہوں جن کی خاطر ان کے بہادر سپوتوں نے جان کے نذرانے پیش کیے۔

نئی نسلوں کے کردار کی بہترین تعمیر ان کے رہنماؤں اور ابطال کی زندگیوں کی داستان سنائے بغیر ممکن نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے ہمیں یہی رہنمائی ملتی ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرزِ عمل اسی روش کی پابندی سکھاتا ہے:

﴿اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ھَدَی اللّٰہُ فَبِھُدٰھُمُ اقْتَدِہْ﴾ (الانعام: ۹۰)

"یہ ایسے لوگ تھے جنہیں اللہ نے ہدایت دی تھی سو آپ بھی انہیں کے طریق پر چلیے"۔

یہ زندہ کردار ہمارے ماحول سے جتنا قریب ہوں گے اور ہمارے زمانے سے ان کا تعلق جتنا گہرا ہو گا اسی قدر دلوں پر ان کے اثرات بھی گہرے ہوں گے۔ یہ زندہ کردار پوری قوت سے اپنی عظمت کی داستان بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: "ان میں سے ہر نوجوان تمہارے ہی معاشرے کا ایک فرد تھا' تمہارے ہی جیسے ماحول میں اس کی پرورش ہوئی پھر بالآخر یہی تم سے بازی لے کر منزل پر جا پہنچا۔ آخر تمھیں اس کے نقشِ پا کی پیروی کرنے میں کیا امر مانع ہے؟"

شہداء سے معذرت کے ساتھ!

ہم جب بھی افغانستان کے کسی شہید کی وصیت کا مطالعہ کرنے چلتے ہیں ایک مشکل آڑے آ جاتی ہے! ان میں سے اکثر شہداء کا یہ مطالبہ ہوتا ہے کہ "ان کے بارے میں ایک لفظ بھی تحریر کرنے سے گریز کیا جائے"۔ سعد رشود نے اپنی وصیت میں بڑے شد و مد کے ساتھ تاکید کی کہ "میں مجلہ 'الجہاد' اور 'بنیانِ مرصوص' کو ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ وہ میرے بارے میں ایک لفظ بھی تحریر کریں"۔ ابو دجانہ کی وصیت بھی یہ تھی کہ "ان کے بارے میں کچھ بھی تحریر نہ کیا جائے"۔ ابو مسلم صنعانی نے وصیت کی کہ "جو کوئی ان کے بارے میں کچھ تحریر کرے گا وہ قیامت کے دن اس کا جواب طلب کریں گے"۔ جب بھی ایسی کوئی تحریر میری نظر سے گزرتی ہے میں خود سے سوال کرتا ہوں: "کیا ہمارے ان پیارے شہداء کو اس بات کا حق

پہنچتا ہے کہ وہ لوگوں کو اپنے بارے میں کلمہ خیر کہنے سے باز رکھیں؟ یہ شہداء امت کی تاریخ کا روشن باب ہیں' کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ امت کی تاریخ کے کسی باب کو اس وجہ سے حذف کرنے کی جسارت کرے کہ اس میں اُس کا تذکرہ یا اُس کی تصویر موجود ہے۔

دراصل ان شہداء نے اپنے خون سے شجرِ اسلام کی آبیاری کی ہے' اپنے لہو کی روشنائی سے امت کی تاریخ رقم کی ہے۔ اس نقصان کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے جو آنے والی نسلوں کو ان روشن نمونوں کے تذکروں سے محروم کر کے لاحق ہو سکتا ہے۔

یہ تذکرہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہو یا خلفائے راشدین المہدیین اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا' یا پھر سعد ؓ' مصعب' حمزہ ؓ' قعقاع ؓ' عاصم ؓ' مقداد ؓ' نعمان ؓ' عکرمہ ؓ' خالد ؓ' ابو عبیدہ ؓ جیسے جوانوں کا' اپنی جوانیاں اللہ کے لیے لٹا دینے والوں کا یہ تذکرہ ہمیشہ سے اپنے اندر بہتے میٹھے آبشار کی سی حیات آفریں لذت رکھتا ہے۔

ان صالحین کا تذکرہ کوئی جائیداد نہیں ہے۔ جس کی وراثت کا حق صرف ان کے لواحقین ہی کو ہو۔ یہ کوئی ایسا مال بھی نہیں ہے جسے محض کسی خیراتی ادارے کی ملکیت میں دے دیا جائے کہ وہ اس کے ساتھ جو چاہیں سلوک کریں۔ یہ تذکرہ تو ایک زندہ تاریخ ہے جو ان کی ملکیت سے نکل کر امت کی میراث قرار پا چکی ہے۔ جس سے آنے والی نسلیں عظمت و سربلندی کی منزلوں کے سراغ پائیں گی۔

ان میں سے ہر کوئی ریاکاری کے ڈر سے اپنے بارے میں کچھ تحریر نہ کرنے کی تاکید کر رہا ہے تاکہ اس کا خلوصِ نیت اور مقصد کے ساتھ للّٰہیت کسی بھی بیرونی آمیزش سے مبرا رہے۔ مگر کیا ان لوگوں کے اس اندیشے کے پیشِ نظر روشنی و نور کے اس کارواں کو اندھیاروں کے سپرد کرنا جائز قرار پائے گا؟ ہرگز نہیں!

میرے لیے کس قدر دشوار ہے کہ ثانوی اسکول سے فارغ التحصیل اس نوجوان کے بارے میں کچھ تحریر کرنے سے باز رہوں جس کے ساتھ بیٹھ کر مجھے ہمیشہ یوں معلوم ہوتا گویا میں علم و عمل کے ایک پیکر سے محوِ گفتگو ہوں۔ اب ابو مسلم صنعانی " بھی اسی نوعیت کی ایک وصیت کے ساتھ نمودار ہوتے ہوئے' گویا ہم سے کہتے ہیں کہ ہم ملتِ اسلامیہ کی تاریخ کا ایک تابناک اور روشن باب اکھاڑ پھینکیں۔ وہ اُجلا باب جس کے ایک ایک لفظ سے مقصد کے لیے جان دینے کا سبق ملتا ہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ شہداء کا تذکرہ کرنا تو درحقیقت اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی عین تعمیل ہے:

﴿فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (النساء)

''پس آپ اللہ کی راہ میں قتال کیجئے' آپ سوائے اپنی جان کے کسی کے ذمے دار نہیں اور مسلمانوں کو (جہاد کی) ترغیب دے دیجئے''۔

ہمارے شہداء شاید بھول گئے...

کاش ہمارے یہ شہداء جانتے کہ ان کے تذکرے' خود ان کے لئے کس قدر خیر من اللہ کے ضامن بنے اور کتنا اجر اللہ تعالی نے انھیں ان کی قبروں میں ان کے قصوں کے بسبب پہنچانا ہے تو وہ ایسی وصیتوں سے باز رہتے۔ کتنے ہی مردہ دل ہیں جنھیں ان شہداء کے قصوں نے نئی زندگی مرحمت کی ہے۔ کتنے ہی جوان ہیں جنھیں کسی شہید کی روشن سیرت کا تذکرہ راہِ جہاد پر لے آیا۔ اور کتنے ہی گنہ گار ہیں جنھیں ان سچی کہانیوں نے اپنے ربّ کی چوکھٹ پر لا کھڑا کیا۔ خوب کہا ہے کسی نے کہ شہیدوں کی باتیں نسلوں کو زندگی دیتی ہیں اور قیدیوں کی خاطر جاں نثاری کے شوق کو بھڑکاتی ہیں۔ ہمارے بھائی شاید بھول گئے کہ:

((مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً، فَلَهُ أَجْرُهَا، وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا بَعْدَهُ، مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْءٌ)) (رواہ مسلم، کتاب الزکاۃ)

''جس شخص نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ جاری کیا تو اس کے لیے اس کے اجراء کا بھی اجر ہے اور اس کا بھی جس پر بعد والوں نے عمل کیا، اس حال میں کہ ان کے اجر میں کسی قسم کی کمی نہیں کی جائے گی۔''

کتنے ہی نوجوان تھے جو عبدالوہاب حامدی شہید کی وصیت سے راہ جہاد کے مسافر بنے۔ جب میں نے ابو مسلم صنعانی کی وصیت سنی تو میں نے اپنے دل میں فیصلہ کرلیا کہ ان کے بارے میں ضرور لکھوں گا اور جب قیامت کے دن ہم اکٹھے ہوں گے تو میں اللہ تعالی کے حضور عرض کروں گا: ''پروردگار تیرا یہ بندہ ابو مسلم صنعانی چاہتا تھا کہ اس کے بارے میں کچھ تحریر نہ کر کے لوگوں کو نیکی و بھلائی کے سرچشمے سے محروم کر دیا جائے۔ یہ چاہتا تھا کہ اہل ایمان کو جہاد کی تلقین کرنے اور معروف کا حکم دینے سے روک دیا جائے صرف اس لیے کہ ایسے ہر اقدام میں اس کا تذکرہ شامل ہے''۔

عبداللہ فیلکاوی شہید اور ماہر شہید

''عبداللہ نے میرے پاس آکر ہندوستان کے ندوۃ العلماء جا کر علم حاصل کرنے کے سلسلے میں مشورہ کیا۔ میں نے ان کی خوب حوصلہ افزائی کی۔ ابھی وہ ندوہ جانے کے لیے سوچ ہی رہے تھے تاکہ وہاں جا کر اسلاف کی ایک نشانی مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے یہاں جا کر اپنی علمی پیاس بجھا سکیں کہ ہندوستان جانے سے پہلے ہی آسمان کے دروازے ان پر کھل گئے''

''اور اے شہید ابوحمزہ! آپ اپنی چھوٹی عمر کے باوجود ہمارے دلوں میں بہت بڑا مقام پا گئے۔ میں بھولنا چاہوں تو بھی آپ سے اپنی پہلی یادگار ملاقات کبھی بھول نہ پاؤں گا''

ابوحمزہ' ابوعثمان (عبداللہ) اور یحیٰ کا شمار ان اولین نیک صفت لوگوں میں ہوتا ہے' جنھیں اللہ تعالی نے شہادت کے عظیم رتبے کے لئے پسند فرمایا۔ ابوحمزہ (ماہر شلبک) بڑے باادب اور حیادار انسان تھے۔ افغان دوستوں کے محبوب اور خود بھی ان پر محبتیں نچھاور کرنے والے۔ اللہ تعالی نے انھیں اپنے ساتھیوں میں سے چن کر شہادت کے رتبے پر فائز کردیا۔

ابوعثمان (عبداللہ فیلکاوی) بحث و تمحیص سے دور بھاگتے۔ انھوں نے مجھ سے ایک ہی سوال پوچھا: ''میں ادھر ہی رہوں یا چلا جاؤں؟'' میں نے کہا: ''چلے جایئے''۔ جواباً انھوں نے ایک لفظ بھی نہ کہا اور چل پڑے یہاں تک کہ اللہ تعالی نے انھیں جاودانی منزل تک پہنچا دیا۔ انھیں جو کام بھی اسے سونپا جاتا' خوشی خوشی بجا لاتے' سلامتی صدر کے ساتھ آگے بڑھتے چلے گئے۔ اللہ تعالی نے انھیں بڑا ہی عمدہ اور مہذب مذاق کرنے کا سلیقہ عطا کر رکھا تھا۔

آپ دونوں اپنے ربّ کے حضور حاضر ہو چکے ہو۔ ہمارے دلوں میں آپ کی یادیں بسی ہوئی ہیں۔

زبانیں آپ کی خوبیوں کے گن گا رہی ہیں۔ اور ہم اللہ تعالیٰ سے خواست گار ہیں کہ وہ آپ دونوں کو انبیاء، صلحاء، شہداء اور صدیقین کے زمرے میں شامل کر لیں۔

اے ابوعثمان شہید! تمھاری یادیں تمھاری بہت سی خوبیوں کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ حیاء، شجاعت و بہادری، جوانمردی، شرعی احکام جاننے کا شوق و جستجو اور رزقِ حلال کی فکر! میں نے اکثر اچھے لوگوں میں حیاء، جوانمردی اور سخاوت جیسی صفات کو اکٹھا ہی دیکھا ہے۔

علم کے متلاشی کو شہادت کی سند مل گئی

میں نے ہمیشہ شہید ابوعثمان کو اپنے ہاتھ میں کتاب تھامے دیکھا۔ وہ علم کے سمندر سے موتی تلاش کرنے میں مگن رہتے۔ اصول و شروح کی جستجو میں مصروف... خاص طور پر اپنے استاد محمد حسن ھیتو کے نقش قدم کی پیروی میں وہ امام شافعیؒ اور ابواسحاق شیرازیؒ کی کتابیں بڑے ذوق وشوق سے مطالعہ کرتے۔ اُن کے استاد محمد حسن ھیتو نے ابواسحاق شیرازی پر اپنا پی ایچ ڈی کا مقالہ تحریر کیا تھا۔

وہ سندوں سے زیادہ خالص علم کے حصول کے رسیا تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سندھ یونیورسٹی میں انھیں پی ایچ ڈی میں داخلہ مل چکا تھا مگر انھوں نے میرے پاس آکر ہندوستان کے ندوۃ العلماء جا کر علم حاصل کرنے کے سلسلے میں مشورہ کیا۔ میں نے ان کی خوب حوصلہ افزائی کی۔ ابھی وہ ندوہ جانے کے لیے سوچ ہی رہے تھے تاکہ وہاں جا کر اسلاف کی ایک نشانی مولانا سیّد ابوالحسن علی ندویؒ کے یہاں جا کر اپنی علمی پیاس بجھا سکیں کہ ہندوستان جانے سے پہلے ہی آسمان کے دروازے ان پر کھل گئے اور وہ رب کی جنتوں کی طرف پرواز کر گئے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں بھی اس راہ کی شہادت مرحمت فرمائیں اور ملاءِ اعلیٰ میں ابوعثمان کے ساتھ ملاقات نصیب کر دیں۔

اور اے شہید ابوحمزہ! آپ اپنی چھوٹی عمر کے باوجود ہمارے دلوں میں بہت بڑا مقام پا گئے۔ میں بھولنا چاہوں تو بھی آپ سے اپنی پہلی یادگار ملاقات کبھی بھول نہ پاؤں گا۔ اٹھتے ہوئے قد کا گندمی رنگ کا نوجوان، جس کی آنکھوں میں ذہانت کی چمک دیکھنے والے کو متاثر کیے بغیر نہ چھوڑتی تھی۔ آپ بڑی حیاء داری کے ساتھ کمرے کے کونے میں دبک کر بیٹھ گئے۔ اور اپنا تعارف پیش کرتے ہوئے مجھ سے کہنے لگے: ''میں یوگوسلاویہ میں تعلیم کی غرض سے گیا تھا اور وہاں انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کر رہا تھا مگر جہاد اور

شہادت کے شوق میں سب کچھ چھوڑ کر آ گیا ہوں''۔ پھر آپ تربیتی مرکز میں پہنچ گئے۔

میں جب بھی مرکز جاتا اس پھرتیلے نوجوان کو افغانوں میں گھل مل کر ان کی خدمت کرتے ہوئے پاتا۔ سب اس پر گواہ تھے کہ ابوحمزہ پہلا عرب ہے جو اس انداز میں افغانوں کے ساتھ گھل مل گیا ہے۔ صبر کے ساتھ جہادی زندگی کی سختیاں جھیلنے، روکھے سوکھے کھانے پر قناعت کرنے اور معمولی لباس زیب تن کرنے والا یہ نوجوان افغانوں کا ایک فرد معلوم ہوتا۔

میں جب بھی معسکر جاتا ابوحمزہ ہمارے لیے کھانا یا چائے لاتے اور بڑے ادب سے پاس بیٹھ جاتے، کھانا ختم ہونے کا انتظار کرتے اور پھر برتن سمیٹ کر انھیں دھونے چلے جاتے۔ ان کے تمام ساتھی اس جذبہ خدمت کو دیکھ کر شرم محسوس کرتے، آگے بڑھنے کی کوشش کرتے، مگر وہ سب سے بازی لے جاتے!

ایک دفعہ میں نے انھیں بہت خوبصورت آواز میں قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہوئے سنا، وہ تجوید کے تمام احکامات کو نہایت عمدگی سے ادا کر رہے تھے۔ میں نے پوچھا: ''ابوحمزہ! قرآن کا کچھ حصہ زبانی بھی یاد ہے؟'' کہنے لگے: ''میں نے رام اللہ میں شیخ محمد قاسم شاور کے پاس قرآن مجید حفظ کیا تھا''۔ مجھے یہ سن کر بہت خوشی ہوئی۔

شہادت اللہ تعالیٰ کا انتخاب ہوتی ہے!

پھر ابوحمزہ اپنے ربّ کے جوارِ رحمت کو سدھار گئے۔ بجلی کی کوند کی طرح کچھ مختصر سا عرصہ ہمارے درمیان گزار کر اپنی روشن یادوں کے چراغ چھوڑ گئے۔ وہ سچے مجاہد، خاموش مردِ حق اور ہمارے نہایت محبوب بھائی تھے۔ زندگی میں ایسے لوگ کم ہی ملتے ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ درجۂ شہادت خدائے کریم کے منتخب شدہ بندوں کے نصیب میں آتا ہے۔ یہ ہم جیسے خاکی انسانوں کو ملاءِ اعلیٰ میں مقام دلانے کے لیے اللہ تعالیٰ کی ایک نوازش وعنایت ہے۔

﴿وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَآءَ﴾ (ال عمران: ۱۴۰)

''اور (تاکہ) تم میں سے بعضوں کو شہید (کے مرتبے پر فائز) کرے''۔

خاکی انسانوں کو انبیاء علیہم السلام کی معیت فراہم کرنے کا یہ انتخاب سراسر اللہ تعالیٰ کی مرضی ومشیت پر منحصر ہے:

﴿وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾ (النساء)

"اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں وہ (قیامت کے روز) ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے بڑا انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء، صدیقین اور شہداء اور صلحاء اور کیسے اچھے ہیں یہ رفقاء"۔

ان میں سے ہر کوئی سربلند ہے، اور زمین میں شہادت سے فیض یاب ہو جانے کے بعد روشن جبین کے ساتھ آسمان میں ایک عظیم مقام و مرتبے پر فائز ہے! بقول شاعر

یا ربّ قد اخلصتهم فنجوا   فمتى تمن عليّ يا ربي؟

پروردگار! انھیں تو آپ نے چُن لیا، اور وہ بامراد ہو گئے۔ مالک! ہم پر کرم کب ہوگا؟

"میرے ربّ تو نے انھیں اپنے لیے چن لیا اور ان کا بیڑا پار کر دیا۔ میرے پروردگار! میرے اوپر یہ نوازش و عنایت کب ہوگی؟"

آپ دونوں پلک جھپکنے میں ہم سے دور چلے گئے، آپ کی جدائی کے غم میں ہم اداس ضرور ہیں لیکن ایک علام الغیوب ہستی کے ہاں دوبارہ مل بیٹھنے کی خوش کن امید سے سرشار ہیں۔

اختتام پر میں حضرت عائشہؓ کے اپنے بھائی عبدالرحمٰنؓ کی قبر پر کہے گئے اشعار کو موقع کی مناسبت سے عرض کروں گا:

و كنا كندماني جذامة برهة   من الدهر حتى قيل لن يتصدعا

فلما تفرقنا كأني و مالكا   لطول اجتماع لم نبت ليلة معا

پروردگار! ہمیں سعادت کی زندگی، شہادت کی موت نصیب فرما! حشر کے میدان میں ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت سے محروم نہ کیجیے گا اور قیامت کے روز نیکوکار رفقاء کی معیت میں شہید ابوعثمان اور ابوحمزہ کے ساتھ ہم سب کو اکٹھا فرما دیجیے۔ آمین... آمین... آمین۔

سلام تم پر!

"اپنے شہید بھائیوں ابوعثمان اور ابوحمزہ کی خدمت میں، ان کے دینی بھائی محمد اسماعیل (جنوب

مغربی ولایات میں مجاہدین کے مسؤل) کی جانب سے سلام اور تحیہ و وفا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ﴾

(البقرة: ۱۵۴)

"اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے جاتے ہیں انہیں مرا ہوا نہ کہا کرو بلکہ وہ تو زندہ ہیں لیکن تم نہیں سمجھتے"

ہمارے مجاہد بھائیو اور عظیم و بلند رتبہ شہداء کے پیارو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امابعد، ہم سب ملّتِ اسلام کے فداکار، قرآن کے راستے پر کاربند، شہادت کے عشاق ابوحمزہ اور ابو عثمان رحمۃ اللہ کی شہادت پر ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں۔ ہم اپنے ان مخلص جانثاروں کے تمام قریبی عزیزوں کو، ان سب لوگوں کو جو ان کی زیارت کے لیے آئے، پوری گرمجوشی سے سلام پیش کرتے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سب پسماندگان کے لیے صبر جمیل اور اپنے شہداء کے لیے اجر عظیم کے خواست گار ہیں"۔ (اخوکم فی اللہ محمد اسماعیل)

یحیٰ سینور شہید

"میں یہاں ہوں ٹینکوں، گولوں اور توپوں کے نرغے میں۔ خوشی اور ضمیر کی طمانیت کے انوکھے احساس سے سرشار! سردی کی شدت اور بھوک کی تنگی کے باوجود اس کیفیت کو محسوس کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سب سے محبوب کام یعنی جہاد فی سبیل اللہ میں شریک ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ محنت کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتے۔"

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ﴾ (ال عمران)

"اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے گئے ہیں انہیں مردے نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے مقرب ہیں، انہیں رزق بھی ملتا ہے"۔

قرآنِ مجید کی یہ آیت وہ الفاظ ہیں جو آپ کی جیب سے اس وقت برآمد ہوئے جب زندگی آپ کو دوسرے جہاں لے جا رہی تھی۔ آپ کے ایک ہم سفر محمد امین نے، جن کے سینے پر سر رکھے ہوئے آپ نے اس دنیا سے کوچ کیا، بتایا: "یحیٰ نے سرزمینِ جہاد پر بسر کی گئی آخری رات میں یہ آیت اپنے ہاتھ سے لکھی تھی"۔ آپ کے روئیں روئیں سے شہادت کی طرف پیش قدمی کرنے کے آثار پھوٹتے دکھائی دیتے تھے۔ گردن تک وہن کی بیماری میں دھنسی امت کو جگانے کے لیے آپ نے اپنا خون پسینہ بہا دینے اور جان قربان کر ڈالنے کی قسم کھا رکھی تھی۔ وہ امت جو انسانیت کی رہنمائی کے لیے میدانِ عمل میں لائی گئی تھی مگر آج اس نے ہر جبار کے سامنے ذلت و عاجزی سے سر جھکانا اپنا وطیرہ بنا رکھا ہے۔ ہمیں یاد ہے جب آپ نے قسم کھا کر کہا کہ میں شہید ہو جاؤں گا، دوستوں نے آپ سے کہا: "اپنے تئیں پاک باز مت بنئے"۔ تو آپ کہنے لگے "معاذ اللہ میں اپنی صفائی پیش نہیں کر رہا، میں تو بس اپنے دل کی آواز آپ کو سنا رہا ہوں۔

وہ حور کدھر چلی گئی؟

عرفہ کے دن جب روسی فوجیں آگے پیچھے اور دائیں بائیں سے، غازیوں پر یلغار کرنے کے لیے

آگے بڑھ رہی تھیں، کلیجے منہ کو آ رہے تھے، ایسے میں بھی آپ اٹھے اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ سحری کی تیاری کرنے لگے، میدانِ کارزار میں عرفہ کے دن کا روزہ رکھنے کے لیے۔ وہ روزہ، جس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت ہے کہ وہ دو سال (ایک گزشتہ اور ایک آئندہ) کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔ پھر عرفہ کے اُس روزے کے کیا کہنے جو بارش کی مانند برستے گولوں کی بوچھاڑ میں رکھا گیا ہو، بے شک اس کا اجر عظیم ہے! صحیح حدیث میں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ صَامَ يَوْمًا فِي سَبِيلِ اللهِ بَاعَدَ اللهُ بَيْنَهُ وَ بَيْنَ النَّارِ بِذٰلِكَ الْيَوْمِ سَبْعِينَ خَرِيفًا)) (سنن النسائي، باب ثواب من صام يوما في سبيل الله)

"جو کوئی اللہ تعالیٰ کے راستے میں نکل کر ایک دن کا روزہ رکھے تو اللہ تعالیٰ اس ایک دن کے بدلے، جہنم اور اس کے درمیان ستر ستر سال کا فاصلہ کر دیں گے"۔

سحری سے جلدی جلدی فارغ ہو جانے پر بھائیوں نے حیرت کا اظہار کیا تو آپ کہنے لگے: "میں نہانے جا رہا ہوں"۔ ساتھ میں آپ نے وضاحت کی "اللہ عزّ وجل کی قسم! مجھے غسل کی کوئی شرعی ضرورت پیش نہیں آئی۔ تاہم میں اس حور کے استقبال کے لیے نہانا ضروری سمجھتا ہوں جو آج مجھے خواب میں ملنے آئی تھی۔ میں نے کبھی خواب میں کسی عورت کو نہیں دیکھا۔ آج جو حسن خواب میں مجھے نظر آیا اسے دیکھ کر مجھے اسی وقت یقین ہو گیا تھا کہ یہ زمین کی کوئی مخلوق نہیں، بلکہ (جنت کی) حور ہے!" پھر دن بھر معرکہ گرم رہا، یہاں تک کہ ختم بھی ہو گیا لیکن شہادت ندارد! ساتھی مزاحاً کہنے لگے: "وہ حور کدھر چلی گئی؟" مگر آپ اس کے آنے پر مصر رہے۔ مجھے ساتھیوں نے بتایا کہ یحیٰ جاجی کی چوٹی پر تین عرب بھائیوں کی قبروں پر کھڑے رہے، پھر انھیں مخاطب کر کے کہنے لگے: "بس تھوڑی دیر میں، میں بھی تمہاری طرف چلا آؤں گا"۔

اس جیسی پاکیزہ اور بھینی خوشبو میں نے کبھی نہیں سونگھی

۷ محرم کو وعدہ وفا ہونے کا دن آ پہنچا۔ شہادت کا وہ تمغہ، جس کے حصول کی تڑپ نے آپ کو اپنا اسیر بنا رکھا تھا، آپ کا منتظر تھا۔ کفار کے ایک دستے نے جاجی کے پھاٹک پر اپنی بندوقوں کے دہانے کھول دیے اور آپ اپنا سودائے نقد جیت گئے۔ یحیٰ! آپ کا پاکیزہ لہو زمین کو سیراب کر گیا۔ جو کوئی آپ کے جسم کو چھوتا، آپ کے خون کا کوئی قطرہ اس کے کپڑوں پر لگتا تو خوشبو اُس کو بھی مہکا دیتی۔ یہاں تک کہ جنازے

میں شریک ہر فرد کہہ اٹھا: ''اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی قسم! ہم نے اپنی زندگی میں اس سے زیادہ اچھی خوشبو نہیں سونگھی''۔ ابوالحسن مقدسی نے مجھے بتایا: ''میں نے اور ابو معاذ نے پانچ سو میٹر کی مسافت سے شہید کی خوشبو محسوس کی جب کہ انھیں ان کی آخری آرام گاہ میں لے جایا جا رہا تھا۔ ہمیں امید ہے ان کی قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغیچہ ہوگی''۔ ڈاکٹر احمد کہنے لگے: ''مجھے بہت سے شہداء کو دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ مگر مجھے اس جیسی پاکیزہ اور بھینی خوشبو کبھی سونگھنے کو نہیں ملی!'' ڈاکٹر ابو محمد نے بتایا: ''جس ہسپتال میں یحییٰ کو داخل کیا گیا تھا' مجھے ان کی شہادت کے تین روز بعد وہاں جانے کا اتفاق ہوا۔ مجھے محسوس ہوا کہ ان کا کمرہ اب تک خوشبو سے رچا ہوا تھا''۔ ابو حمزہ کہنے لگے: ''جنازے سے واپسی پر میری اہلیہ نے مجھے دیکھتے ہی حیرت کا اظہار کیا اور کہنے لگی: ''آپ نے کون سا عطر لگا رکھا ہے؟''

وردک کی وادی سے آپ کو بہت محبت تھی۔ اس کے چپے چپے کو آپ چھان چکے تھے۔ وہاں موجود مجاہدین کے تمام مراکز آپ کے علم میں تھے اور آپ ان تک بڑے ذوق وشوق سے ضروریات پہنچانے کا کام انجام دیتے تھے۔ اسی لیے آپ نے اپنے نام کے ساتھ عبدالرحمٰن عبدالکبیر 'وردکی' تخلص لگا رکھا تھا۔ درحقیقت آپ نے اپنے لیے عظمتوں کی راہ چن لی اور ایک لمبی مسافت عبور کر کے اپنے رب کے پاس پہنچ گئے' یہی عزت کی جگہ!

یحییٰ! آپ ہمارے درمیان زیادہ عرصہ نہیں رہے۔ مگر اپنی بیس سالہ عمر میں عزت وسربلندی کے بڑے بڑے معرکے سر کر گئے۔ ہم اپنے کریم ربّ سے دعا گو ہیں کہ آپ ملاء اعلیٰ میں' اپنے رب کے عرش کے پاس حقیقی خوشی اور سرور سے فیض یاب ہو جائیں اور اے کاش کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی سعادت کی زندگی اور شہادت کی موت نصیب فرمائیں' انبیاء کی معیت میں ہمیں اکٹھا فرما دیں اور بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کچھ بھی بعید نہیں۔ اللہ کریم آپ کے والدین اور بہن بھائیوں کو صبر جمیل اور اجر عظیم سے نوازیں' اور قیامت کے دن شہید کو ان کی شفاعت کرنے والا بنا دیں' آمین۔ اختتام میں ہم اپنے مالک کی یہ آیات پھر دہراتے ہیں:

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ۝ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِم مِّنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ (آل

جنہیں جنتوں کی تلاش تھی

عمران ۱۶۹، ۱۷۰)

''اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے گئے ہیں انہیں مردے نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں' اپنے ربّ کے ہاں سے رزق دیے جاتے ہیں' وہ خوش ہیں اس چیز سے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں عطا فرمائی اور جو لوگ اُن کے پیچھے رہ گئے ہیں اور (شہید ہو کر) اُن کے پاس نہیں پہنچے' اُن کی بھی اس حالت پر وہ خوش ہوتے ہیں کہ اُن کو بھی نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غم ناک ہوں گے''۔ پاک ہے خدائے بزرگ وبرتر! تمام تعریفیں انہی کے لیے ہیں۔ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ ہم آپ سے بخشش چاہتے ہیں اور آپ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں' تمہارا بھائی' ابو محمد۔

انبیاءؑ کے راستے کے راہی یہ نہیں دیکھتے کہ وہ پھولوں پر چل رہے ہیں یا کانٹوں پر!

شہید یحییٰ سنیور کا آخری خط کچھ اس طرح سے تھا: ''مسلمان مرد مجاہد اپنا ہدف اچھی طرح پہچانتا ہے۔ لہٰذا وہ ہمیشہ اپنی منزل کی طرف' پوری یک سوئی سے گامزن رہتا ہے' وہ کشتیاں جلا کر آگے کی طرف پیش قدمی کرتا ہے' تنگیاں اور سختیاں اس کے قدم نہیں ڈگمگاتیں۔ وہ ان آزمائشوں میں بھی راحت و خوشی اور کیف وسرور پاتا ہے۔ کیونکہ اس کا ہر سانس فی سبیل اللہ ہوتا ہے۔ بقول ایک شاعر: ''انبیاء کے راستے کے راہی یہ نہیں دیکھتے کہ وہ پھولوں پر چل رہے ہیں یا کانٹوں پر''۔

ہمارے اس قول کی سچائی کے لیے شہید کے آخری خط کا یہ اقتباس کافی ہے جو اس نے اپنے اہل خانہ کے نام تحریر کیا۔ ذرا اپنے گوش ہوش سے سنیے' شہید کیا کہہ رہا ہے:

''میں یہاں ہوں ٹینکوں' گولوں اور توپوں کے نرغے میں۔ خوشی اور طمانیت کے انوکھے احساس سے سرشار ہوں۔ سردی کی شدت اور بھوک کی تنگی کے باوجود کیفیت یہ ہے کہ اپنے کو اللہ تعالیٰ کے سب سے محبوب کام یعنی جہاد فی سبیل اللہ میں شریک محسوس کر رہا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ محنت کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتے۔ درحقیقت جہاد ہی وہ راستہ ہے جو رحمٰن کو سب سے محبوب ہے اور جو امت کو اس کی شان وشوکت اور سربلندی واپس دلا سکتا ہے''۔

عبدالوہاب عبداللہ دیلمی شہید

"میرے مال کا تیسرا حصہ، مجاہدین کے امیر کے ہاتھوں افغان مجاہدین میں تقسیم کروادیا جائے۔ باقی مال شرعی اصول کے مطابق میرے ورثاء میں تقسیم کیا جائے ﴿فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (النحل ١٦:٤٣) "اور اگر تمہیں علم نہ ہوتو اہل ذکر سے پوچھ لو"۔ نصف مال میری بیٹی کا، چھٹا حصہ میری والدہ کا اور باقی میرے، بہن بھائیوں کے مابین تقسیم کردیا جائے"۔

آج جس شہید کا تذکرہ ہم کرنے چلے ہیں وہ عبدالوہاب بن عبداللہ بن سعید ہیں۔ انھوں نے بہت جلد دنیا اور اس کی آسائشوں سے منہ موڑ لیا۔ آپ نے ایک معزز اور باثروت گھرانے میں آنکھ کھولی تھی، ادب وتہذیب کے نہایت بلند رتبہ مقام پر تھے۔ یہاں تک کہ میں آپ کو دیکھ کر اکثر سوچا کرتا: "کیا شاندار تربیت ہوئی ہے ان لوگوں کی؟"

اس جفاکش زندگی کو اختیار کرنا، جہاد واطاعت کا انتہا بے پایاں شوق، اور عملِ صالح میں سب سے آگے بڑھ جانے کا جذبہ، یہ سب کچھ انھوں نے آخر کہاں سے سیکھا ہے؟ میں ایک سال پہلے جب ان سے ملا تو کہنے لگے: "میں جہاد کو فرضِ عین جان کر گھر سے نکلا ہوں۔ مجھے کسی سے اجازت لینے کا کوئی مسئلہ لاحق نہیں۔ جہاد کا جذبہ اور اسلام کے لیے لڑنے مرنے کی خواہش میرے قلب وذہن پر پوری طرح چھا چکی ہے"۔

مسلمانوں کے آلام ومصائب پر ان کا دل جلتا، ان کی حرمتوں کی پامالی انھیں بے چین کردیتی۔ وہ اپنے دل وجان کا نذرانہ لیے میدان جہاد کی طرف آگے بڑھے۔ جاجی، پکتیا، لوگر، گردیز، ننگرہار کی وادیوں میں موت کی تلاش میں سرگرداں رہے یہاں تک کہ ننگرہار کے علاقے شلمان میں لیلائے شہادت کو گلے لگالیا:

صامت لو تكلما لفظ النار و الدماء   قل لمن عاب صمته خلق الحزم أبكما

وصیت: جینے کی آرزو میں، مرنے کا ہے ارادہ!

تمام تعریفیں خدائے بزرگ وبرتر کے لیے ہیں۔ اور سلامتی ہو اس کے برگزیدہ بندوں پر۔ میں جزیرۃ العرب سے تعلق رکھنے والا عبدالوہاب بن عبداللہ بن سعید یہ وصیت تحریر کررہا ہوں: میری شہادت کے فوراً بعد میرا مال اور لباس مجاہدین اور مہاجرین میں تقسیم کردیا جائے۔ اپنی والدہ اور بہن بھائیوں کے نام میرا پیغام یہ ہے... کہ میں کوئی لمبی چوڑی گفتگو نہیں کروں گا اور آپ لوگ بھی لمبی چوڑی آہ وملامت کرنے سے گریز کیجیے گا۔ میں برضا ورغبت پورے شعور کے ساتھ جہاد کو فرضِ عین سمجھ کر افغانستان آیا تھا۔ اپنی بیٹی کے نام میرا پیغام: میری بیٹی! تمھارے والد نے کثرتِ مال، دوست احباب وعزیز واقارب کے مجمعے میں بھی تنِ تنہا زندگی گزاری ہے۔ کیونکہ اس کے کچھ اصول اور کچھ اقدار تھے جن پر غیر متزلزل ایمان اور یقین نے اسے اپنے بہت سے احباب میں تنہا کردیا۔ اس کے یہ افکار جن پر وہ ناقابلِ تسخیر ایمان لاچکا ہے یہ ہیں:

اسلام ایک مکمل دین اور زندگی کا ضابطہ حیات ہے، مملکت کا قانون بھی ہے۔ اللہ کی کتاب اور جہاد کا رستہ بھی اسی دین نے ہمیں بخشا ہے۔ تیرا باپ ایک سوراخ سے دو دفعہ نہیں ڈسا جاسکتا۔ تیرا باپ طاغوت سے بیزار رہا اور اس سے برسرِ پیکار رہا۔ صبح وشام اس کے خلاف اپنے قلم زبان اور دل سے جہاد کرتا رہا۔ ان طاغوتی اور ان کے پیروکاروں پر میں لعنت بھیجتا ہوں۔ میری بیٹی! تجھے خوش وخرم زندگی اور شہادت کی موت نصیب ہو۔ اپنے تمام تر وسائل کے ساتھ ایمان اور جہاد کے راستے پر کاربند رہنا۔ اپنی زندگی کا مقصد یاد رکھنا۔ اپنے ربّ کی کتاب کو حرزِ جاں بنائے رکھنا۔ ان شاء اللہ جنت کی نعمتوں میں عزت ورتبے والی جگہوں ہماری ملاقات ہوگی۔

دنیا بھر میں اپنے دینی بھائیوں کے نام میرا پیغام یہ ہے کہ... اکثر لوگ موت کی منزل تک جانے کے لیے زندگی کا راستہ اپنے لیے پسند کرتے ہیں۔ میں نے اس کے برعکس زندگی کی منزل پانے کے لیے موت کا راستہ چنا ہے۔

بھائیو! اپنے قول وعمل، دن رات کی جدوجہد اور حرکات وسکنات کو اسلام کا پابند بناؤ۔ اسلام ایک مکمل طریق زندگی ہے، مسجد میں نماز کی ادائیگی سے لے کر باہمی معاملات اور جہاد تک ہر پہلو اس کے تابع ہے۔ ابلیس کے ہتھکنڈوں، نفس کی شہوات، طاغوت کی چالوں اور مشرق ومغرب کے استہزاء سے

چوکنے رہو۔ طاغوت اور اس کے دم چھلّوں کا جی جان سے مقابلہ کرو۔ اپنی تمام تر قوتیں اور وسائل طاغوت کو مٹانے میں لگادو۔ اللہ کی لعنت ہو ان پر جو اس کے مقابلے میں اپنے قوانین نافذ کرتے ہیں۔

شرعی وصیت:

میرے مال کا تیسرا حصہ' مجاہدین کے امیر کے ہاتھوں افغان مجاہدین میں تقسیم کروادیا جائے۔ باقی مال شرعی اصول کے مطابق میرے ورثاء میں تقسیم کیا جائے۔

﴿ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ (النحل ۱۶: ۴۳)

''اور اگر تمہیں علم نہ ہو تو اہل ذکر سے پوچھ لو''۔

نصف مال میری بیٹی کا' چھٹا حصہ میری والدہ کا اور باقی میرے بہن بھائیوں کے مابین تقسیم کر دیا جائے۔

خدایا' میں نے آپ کے بندوں کی تمام زیادتیاں معاف کر دیں' پس اپنی رحمت سے آپ بھی میری خطائیں معاف فرمادیجیے گا۔

میری پیاری ماں! اللہ کی قسم میں سنگ دل نہیں' نہ نافرمان ہوں

''تمام تعریفیں شہنشاہِ حقیقی کو سزاوار ہیں' جو زمین و آسمان کا منتظم' ذی جاہ و صاحبِ قدرت ہے۔ درود و سلامتی ہو مجاہدین کے امام محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب پر اور قیامت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے کی پیروی کرنے والوں پر۔

پیاری ماں! میں یہ سطور اس حال میں تحریر کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور قضاوقدر پر غیر متزلزل ایمان میرا سرمایہ ہے۔ آپ جانتی ہیں میری زندگی عجیب و غریب حالات سے عبارت رہی ہے۔ خوشیاں اور غم' آسائشیں اور تنگیاں پہلو بہ پہلو مجھے اپنے گھیرے میں لیے رہیں۔ یہاں تک کہ ایک وقت آیا جب تقدیر مجھے ان گھاٹیوں میں لے آئی۔ میں آپ کو کیا بتاؤں کہ افغانستان کی ان وادیوں میں کون سی شے ہے جس نے ہمیں دنیا جہاں سے بے نیاز کر رکھا ہے۔ یہاں وہ عبادت بجالائی جا رہی ہے جسے صدیوں پہلے ہمارے ربّ نے ہم پر فرض قرار دیا تھا مگر ہم نے اسے بھلا دیا۔ اللہ کریم کی رحمت ہو ہمارے اُن صاحبِ عزیمت بھائیوں پر جنھوں نے اپنی جانیں پیش کر کے اس فرض کا احیاء کیا۔

میری پیاری ماں! اللہ کی قسم میں سنگدل نہیں ہوں' نہ میں نافرمان ہوں' نہ میں آوارہ ہو گیا ہوں اور نہ

ہی مجھے کوئی گمراہی لاحق ہو گئی ہے۔ مجھے افسوس ہے میں آپ سے' اپنے بہن بھائیوں سے اور دوستوں سے بہت دور ہوں۔ مگر یہ سب میرے بس سے باہر ہے۔

ان راہوں سے منہ نہ موڑنے کی قسم کھا رکھی ہے

درحقیقت اُمت پر جو اُفتاد آن پڑی ہے وہ بہت بڑی ہے۔ اللہ کا دین پامال کیا جا رہا ہے' عزتیں لوٹی جا رہی ہیں' مسلمان کی عزت اور آزادی کو نرغے میں لیا جا چکا ہے۔ اور پوری دنیا خاموش تماشائی بنی بیٹھی ہے۔ ذرائع ابلاغ باطل کے کارندوں کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ بھی لوگ کھانے پینے کے لیے ہی زندہ ہیں اور ایک بے مقصد موت کے انتظار میں ہیں۔ تُف ہے ایسی زندگی پر۔ لیکن میں نے اور میرے ساتھیوں نے تہیہ کر رکھا ہے کہ ایسی بے نتیجہ زندگی گزارنے کے بجائے اپنا تن' من' دھن سب کچھ اللہ کے کلمے کی سربلندی کے لیے لگا دیں گے۔ تاکہ مشرق و مغرب میں ہر طرف اللہ کے دین کی بالادستی ہو یا اس راہ میں ہماری جانیں اور خون نثار ہو جائیں۔ ہم راہِ وفا میں آگے بڑھتے رہنے کا تہیہ کر کے میدان میں اترے ہیں اور ان راہوں سے منہ نہ موڑنے کی قسم کھا رکھی ہے۔ پس جنھیں ایسے غم لاحق ہوں' انھیں کوئی اس بات پر ملامت نہ کرے کہ انھوں نے ہنسنا کیوں چھوڑ دیا ہے۔ اور دنیا کی محفلوں سے منہ موڑ لیا ہے' امت کے زخموں نے ہمیں اداس کر دیا۔ جس دل میں بھی اسلام اور ایمان ہو گا وہ اس پر پگھل جائے گا___ رہے ہم مجاہدین تو ہمارے معاملے میں آپ بالکل غم نہ کریں۔ ہمیں اپنے مٹنے کا کچھ غم نہیں ہے۔ ہم اس راہ پر خوشی خوشی گامزن ہیں۔ باتیں تو کہنے کو بہت ہیں لیکن مجھے امید ہے کہ اب میں اللہ کی خاطر شہید ہو جاؤں گا۔ ضروری باتیں تو میں نے کہہ ڈالی ہیں۔

مجھے اپنی دعاؤں میں مت بھولنا

میری پیاری ماں' میرے بھائی بہنو' میری عزیز بیٹی' میرے دینی بھائیو! قرآن کی کسی بھی آیت کی تلاوت کرتے ہوئے' اس پر غور کرتے ہوئے' شہداء یا شہادتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے' صبح اور شام کرتے ہوئے' اسلام کو ملنے والی کسی کامیابی کے موقع پر مجھے اپنی دعاؤں میں مت بھولنا۔ جس میں بھی سوجھ بوجھ ہو اسے چاہیے کہ اس فانی دنیا سے عبرت حاصل کرے! بس اس سے زیادہ کچھ کہنے سے میں عاجز ہوں... اب میں جا رہا ہوں... اپنے شہید بھائیوں کی طرف... یحییٰ کی طرف... اور ان شاء اللہ ہم اللہ عزوجل کی

میزبانی میں اکٹھے ہوجائیں گے۔ انھیں نے دنیا میں ہمیں اپنے دین کی نعمت اور شعور عطا کر کے ہم پر مہربانی فرمائی اور امید ہے کہ آخرت میں بھی وہ ہم پر اپنی رحمتوں کی بارش برسائیں گے۔ کیا ہی خوب صورت جگہ ہوگی' اللہ کی خوشنودی اس کی نعمتیں' خوشیاں اور ابدی راحتیں ہوں گی۔ پس اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ سب سے بڑا ہے۔

والسلام' شہید کی طرف سے' جسے پھر کوئی دیکھ نہ سکے گا... کیونکہ وہ اللہ کے ہاں جا چکا ہوگا!

(عبدالوہاب عبداللہ)۔

عبدالصمد مفتاح شہید

''شہید کے بارے میں کہنے کو باتیں تو بہت سی ہیں مگر اب اس تذکرے کو ختم کرتے ہوئے میں صرف اتنا کہتا ہوں کہ میں نے اس جیسے بے مثال نمونے بہت کم دیکھے ہیں۔ بلکہ شاید میری آنکھوں نے اس جیسا نوجوان کبھی نہیں دیکھا''۔

عبدالصمد ایک نمونہ تھے ادب' خاموشی اور عملِ پیہم کا۔ فضول گوئی سے گریزاں' بحث و تمحیص سے بیزار' اطاعتِ امیر پر کاربند' پختہ ارادے کے مالک۔ پچھلی گرمیوں میں انھوں نے مجھ سے پوچھا: ''جہاد کا کیا حکم ہے؟'' میں نے کہا: ''فرضِ عین ہے''۔ کہنے لگے: ''پھر جہاد کے راستے پر جانے کے لیے سواری کا انتظار بے معنی ہے۔ زندگی تو بس جہاد ہی کی زندگی ہے اور وہاں تو جینا اور مرنا دونوں یکساں ہی قابلِ رشک ہیں''۔

شہید عبدالصمد اپنی ماں کے اکلوتے بیٹے تھے۔ کل میری آنکھیں ڈبڈبا گئیں' جب میں نے ان کی والدہ کا آخری خط پڑھا جس میں وہ بڑی محبتوں اور لجاجت کے ساتھ انھیں واپس لوٹ آنے کا کہہ رہی تھیں۔

آپ شلمان میں زخمی ہوئے اور شہداء کے جھرمٹ درسک میں اپنی آخری آرام گاہ میں پہنچے تاکہ قیامت کے دن انھی کے ساتھ اٹھائے جائیں۔ ان کے بارے میں کہنے کو باتیں بہت سی ہیں مگر اب اس تذکرے کو ختم کرتے ہوئے اتنا ہی کہتا ہوں کہ میں نے اس جیسے بے مثال نمونے بہت کم دیکھے ہیں۔ بلکہ شاید میری آنکھوں نے اس جیسا نوجوان کبھی نہیں دیکھا۔

میں اس لیے بھی ان پر لکھنے سے گریزاں ہوں کیونکہ ان کی وصیت تھی کہ اس کے بارے میں اشارتاً یا کنایتاً کسی طرح کے تذکرے نہ کیے جائیں۔ میں اس وصیت کے احترام میں اپنا قلم روک لیتا ہوں' ہاں مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ جس پہاڑ پر وہ زخمی ہوئے تھے' شلمان پہاڑ' وہ بھی ہم سے محبت کرتا تھا اور ہم بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنی جنتوں میں اکٹھا فرما دیں۔ پاک اور

بزرگ وبرتر ہے پروردگار کی ذاتِ گرامی' تمام تعریفیں اسی کے لیے ہیں۔ ہم گواہی دیتے ہیں اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ہم اپنے گناہوں پر استغفار کرتے ہوئے اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

دراصل میری کچھ مصروفیات ہیں' جو مجھے اپنی متاعِ حیات سے بھی زیادہ عزیز ہیں

شہید عبدالصمد (ابوسلمان) نے ۴ جولائی بروز جمعرات ۱۹۸۵ء کو اپنے گھر والوں کے نام یہ آخری خط لکھا: ''قابلِ احترام والدِ محترم کے نام' اللہ کی مغفرت اور درگزر کے طالب بیٹے کی جانب سے۔ تعریفوں کی سزاوار خدائے واحد کی ذات ہے۔ درود وسلامتی ہو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی پر۔ میں آپ کی خدمت میں ہدیہء سلام اور ہدیہء عید مبارک پیش کرتا ہوں اور اللہ سے دعا کرتا ہوں وہ آپ کو صحت وعافیت کے ساتھ ایسی عیدیں آئندہ بھی نصیب فرمائیں۔ میں اتنی دیر سے خط لکھنے پر معذرت خواہ ہوں۔ دراصل میری کچھ مصروفیات ہیں' جو مجھے اپنی متاعِ حیات سے بھی زیادہ عزیز ہیں' بس انھیں نے مجھے ڈاک کے نظام سے دور کیے رکھا۔ میں ایک دفعہ پھر معذرت خواہ ہوں اور آپ سے کہتا ہوں کہ آپ غمزدہ نہ ہوں' افسوس نہ کریں بلکہ میرے حالات پر خوش رہیں۔ خدائے واحد کی تعریف بیان کریں جس نے آپ کو اور مجھے بھی اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا۔

میں اپنی جان ربّ العالمین کے ہاں فروخت کر چکا ہوں۔ اللہ نے ہی مجھے توفیق دی کہ میں کچھ الفاظ آپ کی خدمت میں تحریر کرسکوں۔ ورنہ مشغولیت کا یہ عالم ہے اگر اب بھی مجھے کسی کام کا حکم ملتا ہے تو مجھے فی الفور اُس پر لبیک کہتے ہوئے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اٹھ کھڑے ہونا ہوگا۔

﴿سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ٥ وَ سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ٥ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ (الصّٰفّٰت ۱۸۰:۱۸۲)

''پاک وبرتر ہے اللہ کی ذاتِ اقدس سب کی تعریفوں سے بالا وبے نیاز' سلامتی ہو اللہ کے برگزیدہ پیغمبروںؑ پر' تمام تعریفیں ربّ العالمین کے لیے ہیں''۔

ابوسلمان' ۱۵/۸/۱۴۰۵ھ

حمدی البنا شہید

''مصر میں انجینئرنگ کی تعلیم مکمل کی۔ پھر برطانیہ میں اختصاصی تعلیم کا حصول جاری رکھا... مگر پھر آسائش وآرام کی زندگی کو دھتکار کر سرزمین جہاد کی طرف گامزن ہوگئے!''

مصری خدوخال اور گندمی رنگت والے حمدی البنا سے میری اولین ملاقات' کنٹر جاتے ہوئے گاڑی میں ہوئی۔ افغانستان میں شہید ہونے والا یہ پہلا مصری مجاہد بہت خاموش طبع تھا مگر مسلمانوں کے دکھوں کے بارے میں اس کے معصوم دل میں جذبات کا ایک سیلاب رواں تھا۔

میں تعارف کے لیے ان کی طرف متوجہ ہوا تو کہنے لگے: ''میرا نام حمدی البنا ہے' مصر سے تعلق ہے''۔ دورانِ گفتگو معلوم ہوا کہ آپ نے مصر میں انجینئرنگ کی تعلیم مکمل کی' پھر برطانیہ میں اختصاصی تعلیم کا حصول جاری رکھا۔ مگر دورانِ تعلیم دوبارہ مصر آئے۔ دنیا اپنی پوری رنگینیوں کے ساتھ آپ کی طرف متوجہ ہوئی مگر آپ آسائش وآرام کی زندگی کو دھتکار کر سرزمینِ جہاد کی طرف گامزن ہوگئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث صحیح کے مصداق:

((مِنْ خَیْرِ مَعَاشِ النَّاسِ لَھُمْ رَجُلٌ مُمْسِکٌ عِنَانَ فَرَسِہِ فِي سَبِیْلِ اللّٰہِ یَطِیْرُ عَلٰی مَتْنِہِ کُلَّمَا سَمِعَ ھَیْعَۃً أَوْ فَزْعَۃً طَارَ عَلَیْہِ یَبْتَغِي الْقَتْلَ وَالْمَوْتَ مَظَانَّہُ)) (صحیح مسلم، کتاب الإمارۃ، باب فضل الجھاد والرباط)

انسانی زندگی میں بہترین زندگی اس شخص کی ہے جو اللہ کی راہ میں اپنے گھوڑے کی باگ پکڑ لے اور جب کسی کی خوف زدہ آواز یا کسی فریاد کرنے والے کی فریاد سنے تو عجلت کے ساتھ گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہوجائے (اس خوف ومصیبت زدہ یا فریادرس کی طرف دوڑتا چلا جائے) اور اپنی موت گویا اس جگہ تلاش کرتا پھرے جہاں موت کا گمان ہو۔

قدم بقدم جہاد کی منزلیں طے کرتے ہوئے حمدی قندھار پہنچا۔ مولوی غلام محمد کی قیادت میں ایک

بڑی کارروائی میں حصہ لیا۔ جس میں اللہ نے ان کے دستے کو کامیابی عطا فرمائی۔

خاموشی سے بھائیوں کی خدمت میں مگن رہتے:

رمضان کے بابرکت ماہ میں جب ٹی۔۲۲ اور ٹی۔۲۸ قسم کے طیارے ہر چیز کو برباد کرتے چلے جا رہے تھے، انھوں نے جاجی کے معرکے میں شرکت کی۔ جاجی کی خیمہ بستی میں وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مسجد کی تیاری میں مصروف رہے۔ جمعہ، ہفتہ، اتوار (بالترتیب یکم، دو اور تین رمضان المبارک) مجھے ان سے ملاقات کا شرف حاصل ہوتا رہا۔ یہ ان دنوں خاموشی سے اپنے بھائیوں کی خدمت میں مگن رہتے۔

انھوں نے اپنے آپ کو مکمل طور پر مجاہدین کی مدارات کے لیے وقف کیا ہوا تھا۔ ایک عرصے تک وہ مکتبِ خدمات (پشاور) میں بھی بھائیوں کی خدمت میں مگن رہے۔ اُس وقت کھانا کھاتے، جب مجاہد بھائی سیر ہو چکتے، آپ بچی کھچی روٹیوں کے ٹکڑے جمع کرتے اور قہوے کے ساتھ نوشِ جاں کرتے۔ سنت کی پیروی میں کھانے کی پلیٹ پوری طرح صاف کرتے، بچا ہوا کھانا کبھی نہ چھوڑتے، حدیث میں آتا ہے کہ:

((اِنَّکُمْ لَا تَدْرُوْنَ فِیْ اَیِّهِ الْبَرَکَةُ)) (صحیح مسلم)

تم نہیں جانتے کہ کھانے کے کون سے حصے میں برکت ہے؟

چنانچہ وہ حدیث کی پیروی کے لیے ہمیں بھی برتن صاف کرنے اور انگلیاں چاٹنے کا حکم دیتے۔ پیر اور جمعرات کے روزے کا اہتمام فرماتے، شعبان کے پورے مہینے میں بھی آپ روزے رکھتے۔ ان کا کردار اس آیت کی تفسیر تھا:

﴿تِلْکَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ﴾ (القصص: ۸۳)

''یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کے لیے تیار کر رہے ہیں جو زمین پر سرکشی اور فساد نہیں کرتے۔ اور بے شک انجام کار نیکو کار لوگوں کے لیے ہے''۔

رمضان المبارک صبح دس بجے ہیلی کاپٹر کے ذریعہ ایک میزائل پہاڑ کی چوٹی پر داغا گیا اور یوں شہیدوں کی فہرست میں ایک اور نصیب والے کا نام شامل ہو گیا۔ یحییٰ، سعود، عبدالوہاب اور عبدالصمد کے قافلے میں اب حمدی بھی شریک ہیں۔ اللہ کی بابرکت ذات سے دعا ہے کہ وہ صلحاء، انبیاء، صدیقین اور

شہدا کے زمرے میں شمولیت سے ہمیں محروم نہ کریں۔ بے شک ان رفقاء کی معیت اور صحبت بڑے نصیبے کی بات ہے۔

حمدی البنا شہید کا اپنے اہلِ خانہ کے نام خط:

آپ کے بیٹے عبدالرحمٰن حمدی کی طرف سے... والدِ محترم، پیاری ماں اور پیارے بہن بھائیوں کے نام۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! حمد و ثنا اس ذات بابرکات کے لیے جس نے ہمیں اسلام کی نعمت سے بہرہ ور فرمایا اور درود و سلامتی ہو رحمۃ للعالمین پر۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔

مولای صل و سلم دائماً أبداً — علی حبیبك خیر الخلق کلهم

پروردگار آپ ہمیشہ اپنے محبوب خیر الخلائق محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمتوں اور درود کا نزول فرمائے رکھیے۔

اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں ارشاد فرماتے ہیں:

فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ وَاشْکُرُوْا لِیْ وَلَا تَکْفُرُوْنِ ۝ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝ وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰٓئِکَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ﴾ (البقرة: ۱۵۲۔ ۱۵۷)

''تم مجھے یاد کرو، تو میں تمھیں یاد کروں گا۔ میرا شکر ادا کرو اور کفرانِ نعمت نہ کرو۔ اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد لو بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اللہ کی راہ میں مارے جانے والوں کو مردہ مت کہو، وہ زندہ ہیں مگر تمھیں ان کی زندگی کا شعور نہیں ہے۔ ہم ضرور تمھیں بھوک، خوف، مالوں اور جانوں کی کمی اور آمدنیوں کا گھاٹا دے کر آزمائیں گے۔ (اے نبی) ان حالات میں صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دو۔ یہ وہ لوگ

ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے سلامتی اور رحمت ہے اور یہی درحقیقت ہدایت پانے والے ہیں"۔

اور فرمایا:

﴿ وَلَئِنۡ قُتِلۡتُمۡ فِى سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَوۡ مُتُّمۡ لَمَغۡفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحۡمَةٌ خَيۡرٌ مِّمَّا يَجۡمَعُوۡنَ ﴾ (ال عمران: ۱۵۷)

"اور اگر تم اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے یا مر گئے تو اللہ کی طرف سے حاصل ہونے والی مغفرت اور رحمت ان سب چیزوں سے بہتر ہے جنھیں یہ لوگ جمع کر رہے ہیں"۔

اور فرمایا:

﴿ كُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَةُ الۡمَوۡتِ وَاِنَّمَا تُوَفَّوۡنَ اُجُوۡرَكُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ فَمَنۡ زُحۡزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدۡخِلَ الۡجَنَّةَ فَقَدۡ فَازَ وَمَا الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الۡغُرُوۡرِ ﴾ (آل عمران: ۱۸۵)

"ہر جان کو موت کا مزا چکھنا ہے اور تمہیں قیامت کے دن پورے پورے بدلے ملیں گے اور پھر جو کوئی دوزخ سے دور رکھا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا سو وہ پورا کامیاب ہوا اور دنیا کی زندگی تو کچھ بھی نہیں صرف دھوکے کا سودا ہے"۔

پھر ارشاد ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اصۡبِرُوۡا وَصَابِرُوۡا وَرَابِطُوۡا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴾ (آل عمران: ۲۰۰)

"اے ایمان والو! خود صبر کرو اور مقابلے میں صبر کرو اور مقابلے کے لئے مستعد (یعنی رباط میں) رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پورے کامیاب ہو"۔

غدا نلقى الأحبة   محمدا و صحبة

کل ان شاء اللہ اپنے پیاروں، محمد اور ان کے ساتھیوں سے ملیں گے

والسلام، آپ کا بیٹا حمدی

وصیت: "میری وفات کے بعد مجھے قریبی زمین میں دفن کیا جائے"

"تمام تعریفوں کی سزاوار اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہے جس نے ہمیں مسلمانوں کی صف میں شامل کیا۔ درود و سلامتی ہو رحمۃ للعالمین پر۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ پروردگار! آپ ہمیشہ اپنی بہترین تخلیق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلامتی کا نزول فرمائیے گا۔

اپنے محترم بھائیوں کے نام... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! یہ وصیت 'اللہ کے عاجز' فقیر و بے نوا بندے کی ہے۔ ہم اپنے غفور ربّ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہمارے صالح اعمال کو شرف قبولیت بخش دیں اور ہماری برائیوں کو ہم سے دور فرما دیں۔ میں آپ کو اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے 'برائی سرزد ہو جانے کے فوری بعد نیکی کر ڈالنے اور لوگوں کے ساتھ حسنِ خلق سے پیش آنے کی وصیت کرتا ہوں، میری وفات کے بعد مجھے قریبی زمین میں دفن کیا جائے اور دور منتقل نہ کیا جائے۔ میری قبر پر کوئی کتبہ اور دوسری نشانیاں وغیرہ نہ لگائی جائیں۔ قبر کو ہموار رکھا جائے۔ کفن میرا وہی لباس رہنے دیا جائے جس میں مجھے موت آئے۔ میرے جسم پر سے وہ تمام چیزیں اتار لی جائیں جو غازیوں کے کسی کام آسکیں۔ میرے بستے میں موجود تمام کپڑے اور اشیاء یتیم اور غریب افراد کو دے دی جائیں۔ میرا تمام مال و متاع غریب مجاہدین اور بھائی ابی عبیدہ علی الرشیدی مصری کے درمیان تقسیم کر دیا جائے۔ میری وفات کے فوراً بعد تاریخ وفات (شہادت) کے ساتھ اطلاع نامہ میرے رشتہ داروں کو روانہ کر دیا جائے۔

﴿ رَبَّنَا اغۡفِرۡ لِىۡ وَلِـوَالِدَىَّ وَلِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ يَوۡمَ يَقُوۡمُ الۡحِسَابُ ﴾ (ابراھیم: ۴۱)

"اے ہمارے رب! میری مغفرت کر دیجیے اور میرے ماں باپ کی بھی اور سب ایمان والوں کی بھی جس دن حساب قائم ہو"۔

فی اللہ آپ کا بھائی، عبدالرحمٰن عبداللہ (حمدی) البنا

محمد بن ابراہیم ابوعقبہ‘ تیونس کا پہلا شہید

’’ابوعقبہ بڑے پاک باز اور کم گو انسان تھے۔ اپنے ساتھیوں کے لیے بہت صاف دل‘ غیبت اور حسد سے کوسوں دور! کبھی کسی کے لیے تکلیف کا سبب نہ بنے‘‘

قربانیوں کے نئے مناظر سج رہے ہیں‘ پاک و طاہر خون کے نذرانے جاری ہیں‘ ’’شہداء‘‘ کے قافلے افغانستان کی طرف کوچ کرتے چلے آ رہے ہیں‘ پرتعیش‘ ایئر کنڈیشنڈ جہازوں کو چھوڑ کر‘ بے سرو سامانی کی سرزمین میں رب کی جنتوں کی تلاش میں‘ تاکہ سبز پرندوں کے قالب میں اتر کر ان کی روحیں بھی جنت میں پرواز کر سکیں۔

ابوعقبہ تیونس کے وہ پہلے شہید ہیں جو اپنے وطن کی پہاڑیوں سے نمودار ہو کر افغانی کوہساروں کو اپنے گرم خون سے سیراب کرتے ہوئے اللہ سے کیا ہوا اپنا وعدہ وفا کر گئے۔ آپ تیونس کے دارالحکومت میں پیدا ہوئے‘ وہیں تعلیم حاصل کی‘ اور پھر ایک کارخانے میں ملازم ہو گئے۔ بعدازاں آپ کی سیمابی فطرت آپ کو ترکی لے گئی‘ وہاں سے آپ فرانس چلے گئے۔

تیونس کی مسجد ’’المدینہ‘‘ میں ہمیشہ ہمارے دروس اور بیانات کا سلسلہ جاری رہا ہے۔ وہیں میری ان سے پہلی ملاقات ہوئی۔ ابوعقبہ کے دل میں اللہ کے دین کو سربلند کرنے کا بے کراں جذبہ موجود تھا۔ کفر کی بالادستی آپ کو خون کے آنسو رلاتی۔ یہی فکر آپ کو عیش و آرام کی دنیا سے نکال کر جہاد و شہادت کی منزل کی طرف کشاں کشاں لیے چلی۔

روح کی پاکیزگی‘ اخوت کی مٹھاس اور شہادت کی لگن!

اپنے رشتہ داروں اور پیاروں کو چھوڑ کر اب وہ ان محبت کرنے والوں کی طرف چلے آئے جن سے جوڑنے والی چیز صرف روحوں کی پاکیزگی‘ اخوت کی مٹھاس اور شہادت کی لگن تھی۔ اب وہ ان چوٹیوں پر تھے جہاں اللہ اکبر کی صدائیں ایک سرے سے دوسرے سرے تک گونجتی رہتی تھیں (یہ دراصل محاذوں پر پہرے داروں کا سلسلہ بہ سلسلہ صدا لگانے اور ہوشیار و بیدار رکھنے کا انداز تھا) انھیں پہاڑوں میں ہماری دوسری ملاقات ہوئی اور پھر ہم اپنے اپنے محاذوں پر جانے کے لیے جدا ہو گئے۔ تیسری اور آخری مرتبہ ہم

پچھلے رمضان میں ملے۔ وہ بڑی گرم جوشی سے گلے ملے شاید اس لیے کہ یہ ہماری آخری ملاقات تھی۔ ان کا ارادہ تھا کہ تین دن بعد پیرس جا کر اپنی اہلیہ کو بھی ساتھ لے آئیں گے مگر اس سے پہلے ہی آسمانوں سے ان کا بلاوا آ گیا اور بائیس شوال کو وہ اللہ کی جنتوں میں سبز پرندوں کے ساتھ ہم پرواز ہونے کے لیے چل دیے۔ عرب شہداء میں ان کا سولھواں نمبر تھا۔ قندھار کے علاقے شناری میں وہ اس وقت وضو کرنے کی نیت سے پانی کی طرف بڑھ رہے تھے مگر فضائی بمباری نے انھیں اس کی مہلت نہ دی۔

ابوعقبہ بڑے پاک باز اور کم گو انسان تھے۔ اپنے ساتھیوں کے لیے بہت صاف دل‘ غیبت اور حسد سے کوسوں دور‘ کبھی کسی کے لیے تکلیف کا سبب نہ بنے۔ حمری البنا شہید سے ان کی بڑی گہری دوستی تھی۔ دونوں ہمیشہ ساتھ ساتھ رہتے‘ آخر شہیدوں کے قافلے میں شامل ہو کر دونوں قیامت تک کے لیے اکٹھے ہو گئے۔ اللہ ابوعقبہ شہید پر اور ہمارے تمام شہداء پر اپنی رحمتیں سایہ فگن رکھیں۔ اُن پر بھی جو اپنی نذر پوری کر چکے اور اُن پر بھی جو اپنی باری کے منتظر ہیں۔ پروردگار ہمیں بھی ان ہی میں شامل فرما دیجیے۔ آپ ہی ہمارے کارساز ہیں اور آپ ہی ہمیں اپنی نصرت سے بہرہ ور کر سکتے ہیں۔

ابوعقبہ! آپ کو مبارک ہو اور آپ کے پیش رو شہداء کو بھی! ساتھی آج بھی اس پاکیزہ خوشبو کا بڑے اہتمام سے تذکرہ کرتے ہیں جو تدفین کے وقت آپ کے جسد طاہر سے پھوٹ رہی تھی۔ آپ نے شہادت سے قبل یہ وصیت تحریر کی:

میری عزیز از جاں ہستی... میں تمھیں ایک دن بھی فراموش نہیں کر سکا!

’’تمام تعریفیں خدائے واحد کی ذات کے لیے ہیں‘ درود و سلامتی ہو اشرف المرسلین پر۔ اگر اللہ مجھے مرتبہء شہادت سے بہرہ ور فرمائیں تو میری اہلیہ اور گھر والوں کو اس کی اطلاع دے دی جائے۔ میرے دفن کے مراسم میرے عرب دوست ادا کریں اور دفن کے دوران کی جانے والی غلطیوں سے خصوصی گریز کریں جیسا کہ بعض بھائیوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ شہید کے جسم پر لگی ہوئی اشیاء سمیت اسے دفن کر گئے۔ میری قبر زمین کے برابر بنائی جائے اور اس پر کسی قسم کی کوئی نشانی یا علامت نہ چھوڑی جائے‘ نہ کوئی جھنڈا اس پر لگایا جائے۔‘‘ اور اے میری زندگی کی شریکِ سفر! میری شہادت کی خبر سن کر بدگمان نہ ہونا کہ اللہ نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا۔ ہرگز نہیں‘ بلکہ حقیقت میں وہ ہمیشہ اپنے وعدے پورے فرماتے ہیں‘ پس تم ثابت قدم رہنا۔ اللہ کو ہی اپنی امیدوں کا واحد ملجا سمجھنا۔ بے شک وہ اپنے پر بھروسہ رکھنے والوں کو مایوس نہیں

کرتے۔ میرا ذاتی تجربہ کہتا ہے کہ اللہ عزوجل سے بڑھ کر کوئی ہستی مہربان نہیں، وہ بڑے فیاض اور قدر دان ہیں، انھیں کی رحمت سے دل دوسروں کے لیے مہربانی اور شفقت محسوس کرتے ہیں۔ پس تم انھی کی طرف رجوع کرنا، انھی کے در سے آس لگانا، وہ تمہیں تنہا نہیں چھوڑیں گے۔ اور قیامت کے دن تمھارے صبر کا بے پایاں اجر دیں گے۔۔۔۔ اور ہاں اپنی تکلیف و پریشانی کو فی سبیل اللہ جہاد کا حصہ سمجھ کر حوصلہ حاصل کرنا۔ وہی ذات ہے، جس نے ہمیں جہاد کا حکم دیا، اس پر اجر اور صلے کا وعدہ کیا۔ پس اگر اپنے معبود حقیقی کی خاطر صبر اور حوصلے سے کام لوگی تو اللہ کے ساتھ تعلق کی لذت سے روشناس ہو جاؤ گی۔ میں اپنا تجربہ بیان کرتا ہوں؛ جب میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر جہاد کے جذبے سے یہاں آیا تو اللہ کے ساتھ تعلق کی بنا پر میں نے ناقابلِ بیان طمانیت اور سکینت کی کیفیت اپنے اندر محسوس کی۔ اللہ کی فرماں برداری و خوشنودی پر عمل پیرا ہونے اور اس کی ناراضی سے بچنے کے جذبے کو اپنے اندر قوی تر ہوتے دیکھا۔

میری عزیز از جاں ہستی! دیکھو میں تمھیں ایک دن بھی فراموش نہیں کر سکا۔ میں تمھیں آخرت کی جاودانی زندگی میں بھی کبھی نہیں بھول پاؤں گا۔ ہمیشہ ربّ سے تمھارے لیے مانگتا رہوں گا اور اس سے دعا گو رہوں گا کہ وہ اپنی جنتوں میں ہمیں اکٹھا فرما دیں۔ میری تمنا تھی کہ تمھارے لیے لکھی جانے والی تحریر دراز تر ہوتی چلی جائے۔ لیکن فی الوقت مصروفیت آڑے آ رہی ہے۔ کیونکہ صبح سویرے ہمیں خوست کا رخ کرنا ہے اور اس سے پہلے سفر کی تیاری مکمل کرنی ہے۔" والسلام تمھارا محمد۔ ۷ مارچ ۱۹۸۶ء

شہید ابی عقبہ کے والد کی مجلہ "الجہاد" سے گفتگو

الجہاد: "شیخ ابو محمد! اپنے بیٹے محمد کی شہادت و سعادت کے حوالے سے آپ "الجہاد" کے قارئین کو کیا پیغام دینا چاہیں گے؟"

ابو محمد (والد ابو عقبہ شہید): "میرے ہاں جب پہلا بیٹا پیدا ہوا۔ میں نے اس کا نام محمد رکھا۔ اللہ نے جلد ہی اسے اپنے پاس بلا لیا۔ پھر ایک دوسرا بیٹا پیدا ہوا۔ میں نے اس کا نام بھی محمد رکھا۔ اللہ نے اسے بھی اپنے پاس بلا لیا۔ پھر میرے ہاں تیسرا بیٹا ہوا۔ میں نے اس کا نام بھی محمد ہی رکھا۔ وہ بہت اچھا نوجوان بن کر ابھرا۔ اللہ نے اسے سرزمینِ افغانستان میں شہداء کے قافلے میں شامل ہونے کے لیے چن لیا۔ میں اللہ کے اس انعام اور سعادت پر اس کے حضور سراپا شکر و سپاس ہوں"۔

جنہیں جنتوں کی تلاش تھی

الجہاد: "آپ محمد کے بارے میں ہمیں تفصیل سے بتائیے"۔

ابو محمد: "محمد اپنے والدین کا بڑا فرماں بردار تھا۔ اپنی ذمہ داریوں اور فرائض کو پوری دیانت اور لگن کے ساتھ سرانجام دینے والا، خاموش طبع انسان! اس کی گفتگو کا پسندیدہ موضوع تعلق مع اللہ اور انسان کا انجام ہوتا۔ مسلمانوں کی آزمائشیں اور آلام اسے آزردہ کر دیتیں۔ وہ اکثر مسلمانوں کے حالات پر غور و فکر کرتا اور اللہ کریم سے دعا کرتا رہتا کہ امت دین کی سربلندی کے لیے یک صف کھڑی ہو جائے۔

الجہاد: "کیا شہید نے کارزارِ جہاد میں جانے کے بعد آپ سے رابطہ رکھا؟"

ابو محمد: "جی! اس نے مجھ سے "راضی ہو جانے" کی فرمائش کی اور مجھے لکھا کہ میں اس کی ماں کو بھی اس کے جہاد پر راضی کراؤں۔ کیونکہ جانے سے پہلے اس نے ماں کو اپنی نیت سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ اسے خدشہ تھا کہ وہ اسے روک لیں گی یا کم از کم اسے تاخیر پر آمادہ کریں گے۔ کیونکہ ابھی اس کی شادی کو چند ماہ بھی نہ گزرے تھے"۔

الجہاد: "والدہ کو جب شہادت کی خبر پہنچی تو ان کے تاثرات کیا تھے؟"

ابو محمد: "وہ دکھ اور مسرت کی ملی جلی کیفیات کا شکار تھیں۔ ان کی آنکھوں سے خوشی اور غم کے آنسو بیک وقت نکل پڑے۔ غم محمد کی نئی نویلی دلہن کی بیوگی کا اور خوشی اس کے جہاد اور شہادت کے بلند مقام پر فائز ہو جانے کی"۔

الجہاد: "کیا ان کی اہلیہ ان کے جہاد پر روانہ ہونے سے باخبر تھیں؟"

ابو محمد: "ہاں وہ باخبر تھیں۔ اور خود بھی مجاہدین کی کسی بھی قسم کی خدمت، مثلاً طبی نگہداشت، بچوں کی تعلیم، مجاہدین کے کپڑوں کی سلائی وغیرہ یا کسی بھی قسم کی دیگر خدمت کے لیے شہید کے پاس جانے پر مصر تھیں"۔

الجہاد: "شہید کی اہلیہ نے شہادت کی خبر سن کر کن تاثرات کا اظہار کیا؟"

ابو محمد: "انھوں نے نہایت صبر اور حوصلے سے اس خبر کو سنا اور اب بھی وہ مجاہدین کے لیے کوئی بھی ممکنہ خدمت پیش کرنے کے لیے بے تاب ہیں۔ ان کی خواہش اور دعا ہے کہ افغانستان کفر کی بالادستی سے مکمل طور پر نجات حاصل کرے"۔

الجہاد: "محمد کے علاوہ آپ کے اور بیٹے بھی ہیں؟"

ابو محمد: ''جی' میرا ایک بیٹا محمد سے بڑا اور ایک اس سے چھوٹا ہے''۔

الجہاد: ''ابو عقبہ (محمد) کی شہادت کا انہوں نے کیا اثر لیا؟''

ابو محمد: ''چھوٹے نے مسکراتے ہوئے ہمیں اس کی شہادت کی خبر سنائی' جب کہ بڑا اس خیال سے آزردہ ہوگیا کہ ابھی تک وہ اس مقام تک نہیں پہنچ سکا جس پر اللہ نے اس کے بھائی کو فائز کر دیا۔ رہا اس کی بہنوں کا معاملہ تو وہ بھائی کی جدائی کے غم کے ساتھ ساتھ اس کی شہادت پر فخر محسوس کر رہی ہیں''۔

الجہاد: ''کیا اس کے بھائی بھی شہید کے راستے کی پیروی کا ارادہ رکھتے ہیں؟''

ابو محمد: ''ارادہ رکھنا ایک چیز ہے اور عمل کرنا دوسری بات' بھلا کون مومن ہوگا جو اللہ کے دین کو سربلند نہ دیکھنا چاہے گا؟ شاید اللہ تعالیٰ اس کے لیے مطلوبہ وسائل فراہم فرما دیں جہاں تک میرا معاملہ ہے خود میری دلی خواہش ہے کہ کاش اللہ مجھے توفیق دے کہ میں بھی اپنے بیٹے کے مرتبے تک جا پہنچوں''۔

الجہاد: ''ہمارے افغان بھائیوں کو افراد سے زیادہ مالی مدد کی ضرورت ہے۔ ان حالات میں دیگر علاقوں کے مجاہدین کی جہاد میں شرکت کے بارے میں آپ کے خیالات کیا ہیں؟''

ابو محمد: ''یہ بات درست ہے کہ انھیں مالی مدد کی زیادہ ضرورت ہے مگر ہم عربوں کی جہاد میں ذاتی حیثیت سے شرکت' ہمارے افغان بھائیوں کو یہ باور کراتی ہے کہ وہ طاغوت کے خلاف اس لڑائی میں تنہا نہیں ہیں' انھیں یہ احساس دلاتی ہے کہ آج بھی جسدِ اسلامی کو پہنچنے والی تکلیف کا اس کے دیگر اعضاء یکساں درد محسوس کرتے ہیں۔ اور بے شک انھیں باہم مربوط کرنے والی کڑی رنگ' نسل اور وطن سے زیادہ اہم اور مضبوط ہے''۔

الجہاد: ''معاف کیجئے گا' مربوط کرنے والی کڑی سے آپ کی مراد کیا ہے؟''

ابو محمد: ''مربوط کرنے والی رسی سے میری مراد وہی رسی ہے' جس سے ہم سب باہم بندھے ہوئے ہیں' جسے ہم ''امتِ اسلامیہ'' کہتے ہیں' جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں یوں فرمایا ہے:

﴿اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ﴾ (الانبیاء: ۹۲)

''اور یہ لوگ تمہاری اُمت کے ہیں جو ایک ہی اُمت ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں تو میری ہی عبادت کیا کرو''۔

محمد عثمان ابو عاصم شہید

''آپ نے ایک سال کے اندر دو سو مجاہدین کو جن میں قائدینِ جہاد بھی شامل تھے' تلاوتِ قرآن مجید کے لئے احکام تجوید سکھا ڈالے اور انھیں قیام اللیل اور پیر و جمعرات کے روزوں کا مشتاق بنا دیا''

تمام تعریفیں اللہ ربّ العالمین کی ذات کے لیے ہیں۔ درود و سلام ہو خاتم النبیین پر۔ اما بعد!... دنیا میں عزت و سربلندی حاصل کرنے کے بہت سے طریقے رائج رہے ہیں۔ کہیں پر اپنے قبیلے کی کثرتِ تعداد کو باعثِ فخر جانا گیا' کہیں پر درہم و دینار اور دولت و ثروت کو وجہِ افتخار بنا لیا گیا اور کبھی علم کی روشنی اور قلم کی روشنائی کسی کے لیے عزت و اقبال کی سند لے کر حاضر ہوئی۔ بہت ہی کم لوگ وہ ہوتے ہیں جو تاریخ بنانے کے لیے' اُمت کو سربلندی اور شوکت رفتہ واپس دلانے کے لیے اپنے خون کا نذرانہ پیش کر کے سربلندی و وقار کا تاج پہن لیتے ہیں۔

وہ لوگ جنہیں خون کی دھاریں سرخرو کرتی ہیں' درحقیقت ان کی موت زندگی سے عبارت ہوتی ہے۔ ان کی جدائی فراق نہیں' ملاقات ہوتی ہے۔ ان کا دنیا سے غائب ہو جانا انھیں تاریخ کے منظر نامے پر طلوع کر دیتا ہے۔ فلسطین اور افغانستان میں ہم نے کتنے ہی ایسے قابل صد افتخار نمونے دیکھے۔ انھی میں ایک ''ابو عاصم'' بھی تھے۔

آپ یہیں ہمارے پاس رہیے' ہمیں قرآن اور عربی سکھایئے!

ابو عاصم جن کا اپنا نام محمد عثمان تھا' ایک ذہین اور سلجھے ہوئے نوجوان تھے۔ تعلیمی اور معاشرتی اعتبار سے وہ درمیانے طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ دیگر نوجوانوں کی طرح عام ماحول میں ان کی تربیت ہوئی' کوئی خاص استاد انھیں روحانی' اخلاقی رہنمائی دینے کے لیے نہ تھا۔ ماہ و سال اسی طرح گذر گئے۔

اسی دوران عثمان نے مسلمانوں کی حالتِ زار پر غور کرنا شروع کیا۔ اس مرحلے پر ان کی زندگی نے ایک نیا رخ اختیار کر لیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف ان کی توجہ بڑھ گئی اور پھر انھوں نے قرآن مجید کو نئے سرے

سے سیکھنا شروع کیا۔ اس کے احکام اور تجوید کا علم حاصل کیا اور اپنی زندگی کے ایک ایک پہلو کو قرآن کے مطابق ڈھالنا شروع کر دیا۔

ان کے قریبی دوستوں نے بتایا: ''ہم اکثر دنیاوی معاملات پر باہم گفت وشنید کر رہے ہوتے تو شہید ابو عاصم چپکے سے وہاں سے کھسک جاتے۔ ہم دیکھتے وہ دوسرے کمرے میں جا کر تلاوتِ قرآن مجید میں مشغول ہو گئے ہیں''۔ انھیں پیر اور جمعرات کے دن ہمیشہ روزے سے دیکھا گیا' قیام اللیل ان کا طیرہ تھا' علم کے حصول سے خصوصی شغف تھا۔ ملتان میں انھوں نے علم کا حصول جاری رکھا اور اس اثناء میں قرآن مجید بھی حفظ کرنا شروع کیا۔ جب وہ پشاور سے جہاد کے لیے گھر سے روانہ ہوئے تو ابھی دو پاروں کا حفظ باقی تھا جسے وہ پنجشیر میں مکمل کر پائے۔ ڈیڑھ سال پہلے میری اس خاموش طبع' خوش اطوار جوان سے ملاقات ہوئی' کہنے لگے: ''میں قرآن کی تعلیم جاری رکھنا چاہتا ہوں۔ اس کی مختلف قرأتیں سیکھنا چاہتا ہوں''۔ میں نے ان سے کہا: ''آپ روایتِ حفص کے مطابق قرأت کی پابندی کیجیے اور اسی پر اکتفا کیجیے' اب تو جہاد کا دور آ گیا ہے' مسلمانوں پر آ پڑنے والے حالات نے انھیں اپنے آپ سے اور اپنی اولاد تک سے بیگانہ کر دیا ہے''۔ انھوں نے جواباً کچھ کہا تو میں نے سمجھایا کہ بہر حال ہمیشہ کی زندگی کے لیے سب سے بہترین راستہ یہی (راہِ جہاد) ہے!

پھر رمضان کا مہینہ شروع ہوا تو سبھی نوجوان نمازِ تراویح کے لیے ان کے گرد اکٹھے ہو گئے۔ ان کی تلاوت ایسی خوبصورت تھی' یوں معلوم ہوتا گویا قرآن نازل ہو رہا ہو۔ اسی اثناء میں ان کے گھر والوں نے انھیں واپس بلانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ ایک دن فون پر ان کی منگیتر کو بلوا کر اس سے کہلوایا: ''جب تک آپ زندہ ہیں میں کہیں اور شادی نہیں کروں گی''۔ ابی عاصم نے اسے جواب دیا: ''تم کہیں اور شادی کر لو' میں اب کبھی لوٹ کر آنے والا نہیں۔ میرا جینا مرنا اب یہیں ہوگا''۔

رمضان کے نصف میں غازیوں کا قافلہ ابو عاصم کی معیت میں پشاور سے پنجشیر کی طرف روانہ ہوا۔ پنجشیر پہنچ کر وہ احمد شاہ سے ملے۔ احمد نے انھیں دیکھ کر کہا: ''آپ یہیں ہمارے پاس رہیے۔ سفر وحضر میں ہمیں قرآن اور عربی زبان سکھائیے۔ ابو عاصم معرکۂ جہاد میں شریک ہو گئے۔ احمد شاہ مسعود بہترین مجاہدین کا چناؤ کر کے انھیں آپ کے پاس بھیج دیتے جنھیں وہ اہتمام سے قرآنی تربیتی دوروں میں شریک کرواتے۔ ایک سال کے اندر اندر آپ نے دو سو مجاہدین (جن میں قائدین جہاد بھی شامل تھے)' ان کو

تلاوتِ قرآن مجید کے لیے احکامِ تجوید سکھا ڈالے اور انھیں قیام اللیل اور پیر و جمعرات کے روزوں کا مشتاق بنا دیا۔

ابی عاصم سے مجاہدین کا تعلق کچھ عجیب ہی نوعیت کا تھا' وہ جہاں جاتے نہایت محبت سے ان کو قاری صاحب کہہ کر مخاطب کیا جاتا۔ بدخشاں میں موجود ایک عرب ساتھی عبدالواحد نے بتایا: ''میں نے ایک افغانی نوجوان سے قرآن کی نہایت خوبصورت تلاوت سنی۔ وہ حروف کو ٹھیک اپنے مخارج سے ادا کر رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا: ''آپ نے کون سی جامعہ میں پڑھا ہے؟'' کہنے لگا: ''جامعۂ ابو عاصم عراقی میں''۔

دونوں روزے دار ابدی نعمتوں کی طرف سدھار گئے!

ماہِ رجب آیا تو ابو عاصم رمضان کے انتظار میں دن گننے لگے۔ پھر جب یہ بابرکت دن آئے تو آپ ہاتھ اٹھا کر ربّ سے رمضان کے مہینے میں شہادت کے لیے دعا گو ہوئے۔

۱۴ رمضان ۱۴۰۶ھ میں اندراب (بغلان) کا معرکہ ہوا تو ابو عاصم نے اس میں شرکت کی اجازت چاہی۔ ان کو اجازت دے دی گئی۔ معرکے کے امیر صفی اللہ نے اس میں شرکت کرنے والے غازیوں کی فہرست تیار کی۔ ایک سو دس مجاہدین میں ابو عاصم کے نام کے ساتھ شہید درج تھا۔ اس پر ایک عرب ساتھی عبداللہ انس نے کہا: ''بھائی اس معرکے میں ہم دو ہی عرب ہیں۔ آپ چاہتے ہیں کہ ان میں سے بھی ایک اپنے ربّ کے پاس چلا جائے اور ایک اکیلا باقی رہ جائے؟'' صفی اللہ بولے: ''میں قسم کھا کر کہتا ہوں یہ تو اس لڑائی سے واپس نہیں آئیں گے۔ آپ ان کی آنکھوں میں شہادت کا نور نہیں دیکھتے؟'' پھر اس نے تیسری اور چوتھی دفعہ قسم کھا کر کہا: ''میرا دل کہتا ہے ابو عاصم اس لڑائی میں شہید ہو جائیں گے''۔

معرکے کی تیاری کرتے ہوئے ابو عاصم اور شاہ قلندر (جو دونوں روزے سے تھے' ان) کے علاوہ دیگر تمام بھائیوں نے ناشتہ کیا۔ مجاہدین قلعے پر پہنچے اور اپنی بندوقوں کے دہانے کھول دیے۔ ابو عاصم شیر کی طرح آگے بڑھے اور گولیوں کی بوچھاڑ سے گزر کر قلعے کے دروازے تک پہنچے اور بارودی لغم لگا کر اسے اڑا دیا۔ ساتھ ہی کفار کا بہت سا سامانِ رسد بھی تباہ ہو گیا اور ان پر ایک ہیبت چھا گئی۔ مجاہدین تکبیرات کی گونج میں بڑھتے گئے ____ ان کے آگے آگے ابو عاصم اور شاہ قلندر تھے' دشمن کی گولیوں کو

انھیں دونوں نے اپنے سینوں پر روکا اور یوں یہ دونوں روزے دار روزے کی حالت میں اپنے مالک کی ابدی نعمتوں کی طرف سدھار گئے۔

بے شک ابو عاصم کا راستہ ہی قابلِ تقلید ہے!

غازیوں نے اپنے استاذ، اپنے امام، اپنے قاری اور اپنے رہنما ابو عاصم کی شہادت کی خبر سنی تو ان پر گویا بجلیاں گر گئیں۔ مجاہدین کے کمان دان پر گریہ طاری ہوگیا۔ خاموش سسکیاں پورے علاقے میں پھیل گئیں اور ہر طرف ایک اداسی پھیل گئی۔ مجاہدین ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے: ''استاد کے بغیر اس زندگی کا کیا مزہ؟'' اذانِ فجر بلند ہوئی۔ مگر ابو عاصم کی جگہ امامت کون سنبھالتا...؟ ایک دفعہ پھر سسکیوں نے پورے ماحول کو آزردہ کر دیا۔ بقول شاعر: ''علاقے میں موذن کی آواز بلند ہوئی، مگر ہماری نگاہیں اذانِ بلالی کو ڈھونڈ رہی ہے''۔

کھانے کے وقت ابو عاصم کی خالی پلیٹ کو دیکھ کر سب کی بھوک اڑ جاتی۔ سونے کے لیے مجاہدین بستر کی طرف بڑھتے تو ابو عاصم کا خالی بستر نیند کو ان کی آنکھوں سے کوسوں دور لے جاتا۔ غازیوں کے لیے کسی سے بچھڑنا کوئی انہونی بات نہ تھی۔ اس سے پہلے بھی یہ سب اپنے قریب ترین رشتے داروں کی جدائی کا زخم جھیل چکے تھے۔ مگر یہ اجنبی جو کسی دوسری سرزمین سے آکر ان میں گھل مل گیا تھا، اس کی جدائی ان کے لیے بہت شاق تھی۔ کمان دان نے مجاہدین کی توجہ ہٹانے کے لیے انھیں آٹھ گھنٹے کی مسافت پر ایک نئی جگہ منتقل کر دیا۔ لیکن اس کے بعد بھی ان کی کیفیت یہ رہی کہ جب بھی کوئی معرکہ درپیش ہوتا، غازیوں کے ہاتھ دعا کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے: ''الٰہی! ہمیں ابو عاصم کے ساتھ صالحین کے زمرے میں شامل فرمایئے، خدایا ابو عاصم پر رحم فرمایئے...''۔ غازیوں کے کمان دان نے خود مجاہدین کے ساتھ مل کر ابو عاصم کی قبر کھودی۔ ہندوکش کے پہاڑی سلسلے کی ایک بڑی چوٹی پر ان کی قبر یاد دلاتی رہے گی کہ جہادِ افغانستان کسی قوم کی آزادی کی لڑائی نہیں بلکہ ایک اسلامی جہاد تھا۔ مبارک باد ہو آپ کے لیے اے ابو عاصم! اللہ ہمیں بھی فردوسِ بریں میں آپ کے ساتھ اکٹھا فرما دیں۔ بے شک ابو عاصم کا راستہ ہی قابلِ تقلید ہے!

ابو عبدالحق شہید بھی قافلے سے جا ملے!

''ایک طویل مدت تک مجھے اپنی اسی کٹیا میں رباط میں رہنا پڑا۔ یہاں رات دن کام کرنا پڑتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ گھوم پھر کر اسلحہ جمع کرنا، پہلے خود اسے سمجھنا، پھر دوسروں کو سمجھانا، یہ سب کام میرے ذمے تھا۔ نتیجتاً...''

جب بھی کوئی شہید اپنے رب کے پاس جاتا ہے، وہ تنہا نہیں جاتا۔ بلکہ اپنے ساتھ ہمارے جگر کا ٹکڑا، ہمارا کلیجہ بھی لے جاتا ہے۔ پھر اس کی باقی رہ جانے والی یادیں، ہمیں تاریکیوں میں رستہ دکھانے کا کام انجام دیتی ہیں۔ اس کا بلند حوصلہ، اس کی خوبیاں، اس کی عمدہ صفات، راہِ حق میں اس کی سرفروشی اور جاں سپاری، اس کی تڑپ اور جذبہ، دشمنانِ حق کے خلاف ہمارے حوصلے بڑھاتا ہے۔

ہمارے یہ انجینئر جن کا میں تذکرہ کرنے چلا ہوں، ان کی یادوں نے میری زندگی میں نہایت گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے مطابق:

((یَسِیرُ الرِّیَاءِ شِرْکٌ، إِنَّ اللهَ یُحِبُّ الْأَتْقِیَاءَ الْأَخْفِیَاءَ الْأَبْرِیَاءَ الَّذِینَ إِذَا غَابُوا لَمْ یُفْتَقَدُوا، وَإِذَا حَضَرُوا لَمْ یُعْرَفُوا، قُلُوبُهُمْ مَصَابِیحُ الْهُدَى، یَخْرُجُونَ مِنْ كُلِّ فِتْنَةٍ سَوْدَاءَ مُظْلِمَةٍ)) (المعجم الکبیر للطبرانی)

''معمولی ریا بھی شرک ہے، بے شک اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں تقویٰ اختیار کرنے والوں، اپنے آپ کو مخفی رکھنے اور پاکیزگی اور عفت کی زندگی گزارنے والوں کو کہ اگر وہ موجود نہ ہوں تو انہیں تلاش نہ کیا جائے اور مجلس میں حاضر ہوں تو پہچانے نہ جائیں، ان کے قلوب ہدایت کے چراغ ہیں''۔

''یہ گمنام، پرہیزگار اور نیکوکار'' لوگوں میں شمار ہوتا ہے۔

کہ اب یہاں سے نہ واپسی کا سوال ہوگا' یہ طے ہوا تھا!

امریکا سے آنے والا یہ الیکٹرانک انجینئر اپنے پیچھے دنیا کی اُن آسائشوں کو چھوڑ کر میدانِ جہاد کی

سختیاں جھیلنے آیا' جن سے زیادہ آسائشوں اور عیش وعشرت کا انسانی عقل نے ابھی تصور بھی نہیں کیا۔ گرد و غبار' مٹی' برف اور اُن پہاڑی چوٹیوں کو اس نے اپنے قدموں تلے روند دیا' جو جہاد نہ ہونے کی صورت میں' شاید کبھی انسانی وجود کا سایہ بھی نہ دیکھ پاتیں۔ ان کی اہلیہ نے بعض ذاتی مسائل کی وجہ سے انھیں روکا۔ مگر اللہ کی طرف ہجرت کا ارادہ کر لینے کے بعد واپسی کی گنجائش اب تھی ہی کہاں؟

چلو کہ فیضان کشتیوں کو جلادیں گمنام ساحلوں پر
کہ اب یہاں سے نہ واپسی کا سوال ہوگا یہ طے ہوا تھا!

کوئی عزیز ترین رشتہ دار' بے شک وہ بیوی ہی کیوں نہ ہو' آڑے آئے تو اسے چھوڑا جا سکتا تھا مگر دین کی راہ پر قدم آگے بڑھانے کے بعد پیچھے نہیں ہٹائے جا سکتے تھے۔ بے شک ہمارے ربّ نے سچ فرمایا ہے:

﴿اِنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَّاللّٰهُ عِنْدَهٗ اَجْرٌ عَظِيْمٌ﴾ (التغابن: ۱۵)

''تمہارے مال اور اولاد تمہارے لیے محض آزمائش ہیں اور اللہ کے پاس تو بڑا اجر ہے''۔

شہادت کی جستجو میں ابوعبداللہ آگے بڑھتے چلے گئے۔ پکتیا پہنچ کر مجاہدین کے لیے ''مخابرے'' بنانے میں مشغول ہو گئے۔ پھر لوگر پہنچے اور سلطان سیف کی پہاڑی پر اپنا ٹھکانہ بنا کر بیٹھ گئے۔ دشمن کا شکار اور شہادت کی موت ان کی دیرینہ خواہش تھی لیکن اللہ نے ان کی شہادت میدانوں سے باہر لکھ رکھی تھی! لوگر سے واپس پکتیا آ کر ایک بار پھر وہ اپنے کام میں جُت گئے۔

فرض بہرصورت نفل پر مقدم ہے!

ہمارے یہ شہید اپنی تجربہ گاہ میں حربی سامان بنانے اور اس کی اصلاح و مرمت میں اس طرح مصروف ہوتے گویا کوئی عابد اپنی عبادت گاہ میں مصروف بیٹھا ہوا ہے۔ لوگوں سے ملنا ترک کر رکھا تھا' کسی کو تجربہ گاہ میں آنے کی اجازت نہ تھی۔ میں کبھی کبھار ملنے جاتا تو ان کی آنکھیں مسرت و انبساط سے چمک اٹھتیں۔ لیکن میں زیادہ دیر ان کے پاس کبھی نہ بیٹھتا تھا تاکہ ان کے کام میں خلل نہ پڑے۔ یوں بھی مجھے احساس تھا کہ وہ نفل نماز سے زیادہ بڑی عبادت میں مصروف ہیں کیونکہ جہاد کی تیاری فرض ہے جب کہ نفل نماز مندوب ہے اور اس میں کیا شک ہو سکتا ہے کہ فرض بہرصورت نفل پر مقدم ہے!

وہ کبھی فارغ نہ بیٹھتے اور ہمیشہ بقدر ضرورت گفتگو کرتے۔ مجھ سے اکثر دینی مسائل پوچھتے رہتے' سوالات پہلے سے اپنے پاس لکھ کر رکھے ہوتے۔ میں نے انھیں ہمیشہ سامان کی تیاری میں یا کسی فقہی وفکری کتاب کے مطالعے میں مصروف دیکھا۔ مجھ سے جب بھی سوال کرتے' ان کی آنکھیں زمین پر گڑی ہوتیں' یوں محسوس ہوتا دوسری صدی ہجری کا کوئی طالب علم مسجد اموی یا دارالحکمت میں اپنے استاد کے ساتھ محوِ گفتگو ہے۔ بلاشبہ وہ آداب اور تواضع کے نہایت بلند مرتبے پر فائز تھے اور عالم اور متعلم کے حقوق و فرائض سے آگاہ تھے۔ بحث سے ہمیشہ گریز کرتے' کبھی مخاطب کی بات نہ کاٹتے اور نہ کسی کی بات رد کرتے۔ میں نے ان کے علاقے کے ایک مجاہد ساتھی سے پوچھا: ''آپ کو ابوعبدالحق سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے؟'' جواب ملا: ''ہاں جانتا تو ہوں مگر ان کی شدید مصروفیت کی وجہ سے پاس بیٹھنے کا موقع نہیں مل سکا''۔

یہ مجاہد انجینئر پورے ایک برس تک اپنی تجربہ گاہ میں مجاہدین کے سامان کی تیاری اور مرمت میں مگن رہے۔ کھانا پینا' سونا سب کام اسی حجرے میں ہوتا' عبادت کی طرح اپنے کام میں مصروف' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی بیوی اور بیٹی (فاطمہ) کو جسے انھوں نے ابھی تک دیکھا نہیں تھا اور جو افغانستان روانگی کے بعد پیدا ہوئی تھی' ان سے ملانے کا سامان کر دیا۔

اب انھوں نے اپنی راتوں کو دو حصوں میں تقسیم کر لیا۔ ایک رات اپنے ہتھیاروں میں مصروف رہتے اور ایک رات اپنے گھر والوں کے ساتھ گزارتے۔ عشاء کی نماز کے بعد جب وہ اہلیہ کے ہاں آتے' تو ہاتھ میں مرمت کا سامان ہوتا۔ بیوی سے گفتگو کرتے ہوئے ذہن مسلسل سامان کی تیاری میں مصروف ہوتا۔ ان کی اہلیہ اس پر ناراض ہوتے ہوئے کہتیں: ''میرے پاس آتے ہوئے اس سوکن (سامان) کو ادھر ہی چھوڑ آیا کیجیے''۔

کیا آپ نے قرآن مجید کی یہ آیت نہیں سنی؟

ابوعبدالحق دنیا سے بالکل بے رغبت تھے' اپنی ذات پر چند روپوں سے زیادہ کبھی خرچ نہ کرتے اور اگر آپ ان کے گھر چلے جاتے تو حضرت ابوذر غفاریؓ اور حضرت سلمان فارسیؓ کے زہد کی یاد تازہ ہو جاتی۔ ایک دن مجھے اطلاع ملی کہ انجینئر ابوعبدالحق ہسپتال میں داخل ہیں۔ میں ان کی عیادت کرنے گیا۔

تو چہرے پر پھیلے ہوئے نور کی کرنیں واضح طور پر محسوس کیں۔ میں نے ان کی پیشانی پر ہاتھ رکھا' کچھ حرارت سی محسوس ہوئی۔ بادی النظر میں ان کی حالت دیکھ کر کسی خطرے کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ میں نے کچھ مسنون دعائیں پڑھ کر ان پر دم کیا۔ اسی بیماری میں ابوعبدالحق نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ورق ان کی طرف بڑھایا جس میں شہادت کے لیے ان کا نام واضح طور پر درج تھا۔ کچھ دن بعد ان کی بیماری بہت بڑھ گئی۔ انھوں نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے ساتھی سے کہا: ''بھائی میری وصیت لکھیے۔ میری شہادت کا وقت آپہنچا''۔ دوست نے موت کا خیال ان سے ہٹانے کے لیے کہا: ''کون سی شہادت؟ کیسی شہادت؟ شہادت کی جگہ تو معرکہ کارزار ہے اور آپ تو یہاں ہسپتال میں داخل ہیں''۔ کہنے لگے: ''میں یہاں بندھا ہوا ہوں۔ حالانکہ میرا دل میدانِ جہاد میں اٹکا ہوا ہے' لیکن کیا آپ نے قرآن مجید کی آیت نہیں سنی؟

﴿وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قُتِلُوا أَوْ مَاتُوا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللَّهُ رِزْقًا حَسَنًا إِنَّ اللَّهَ لَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ۝ لَيُدْخِلَنَّهُم مُّدْخَلًا يَرْضَوْنَهُ وَإِنَّ اللَّهَ لَعَلِيمٌ حَلِيمٌ﴾ (الحج: ۵۸. ۵۹)

''جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی پھر قتل کیے گئے یا مر گئے اُنھیں اللہ اچھا رزق دے گا اور بے شک اللہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُنھیں ایسی جگہ لے جا کر داخل کرے گا جس کو وہ پسند کریں گے اور بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا اور بہت حلم والا ہے''۔

ایک غزوہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کے ایک مجاہد فوت اور ایک شہید ہو گئے تو صحابیٔ رسول حضرت فضالہ بن عبیدؓ فوت ہونے والے صحابی کی قبر پر جا بیٹھے۔ ان سے پوچھا گیا: ''آپ نے شہید کو چھوڑ دیا...... اس کے پاس آپ کیوں نہیں بیٹھے؟'' فضالہؓ کہنے لگے:

حدیث ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ فَصَلَ فِي سَبِيلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ فَمَاتَ أَوْ قُتِلَ فَهُوَ شَهِيدٌ، أَوْ وَقَصَهُ فَرَسُهُ أَوْ بَعِيرُهُ، أَوْ لَدَغَتْهُ هَامَّةٌ، أَوْ مَاتَ عَلَى فِرَاشِهِ، أَوْ بِأَيِّ حَتْفٍ شَاءَ اللهُ فَإِنَّهُ شَهِيدٌ وَإِنَّ لَهُ الْجَنَّةَ)) (سنن أبي داؤد)

''جو شخص اللہ کے راستے میں (جہاد کے لئے) نکل پڑا' پھر اس کی وفات ہو گئی یا وہ قتل کر دیا گیا تو وہ شہید ہے' یا اُسے اس کے گھوڑے یا اونٹ نے کچل دیا' یا کسی زہریلے جانور (سانپ بچھو وغیرہ) نے اسے کاٹ لیا' یا اپنے بستر پر اپنی موت مر گیا' یا کسی بھی اور طریقے سے' جو اللہ نے چاہا مر گیا' تو بلاشبہ وہ شخص شہید ہے اور اس کے لئے جنت ہے''۔

پھر روزہ ضبطِ غم ہم نے دو اشکوں سے افطار کیا

ان کے ساتھی کو ابوعبدالحق کی خواہش پر وصیت لکھے بغیر چارہ نہ رہا۔ ان کے الفاظ وہ یوں قلمبند کرنے لگے: ''میں نے اپنی روح' اپنا جسم اور اپنی ہر چیز جہاد کے لیے وقف کرنے کی قسم اٹھا رکھی تھی۔ اسی راہ میں مجھے مکمل ایک سال تک اپنی لختِ جگر اور اپنی محبوب بیوی سے جدا رہنا پڑا۔ بعد میں بھی ایک طویل مدت تک مجھے اسی کنٹیا میں رباط میں ٹھہرنا پڑا۔ یہاں رات دن کام کرنا پڑتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ گھوم پھر کر اسلحہ جمع کرنا' پہلے خود اسے سمجھنا پھر دوسروں کو سمجھانا' یہ سب کام میرے ذمے تھا۔ نتیجتاً اپنے گھر والوں کے لیے بھی بہت کم وقت بچ پاتا۔ اس (عدمِ توازن) کی وجہ افغان جہاد میں مسلمان انجینئروں کی کمی تھی۔ تاہم اس دوران راہِ جہاد میں اپنی جاں لٹانے کی لذت سے میں کبھی بے گانہ نہیں رہا۔ جب بھی کسی شہید کی خوشبو مجھے سونگھنے کو ملتی' میں اپنی تمام تھکن بھول جاتا' شہداء کی خوشبو ہی ہمارے لیے عطر اور خوشبویات کی حیثیت رکھتی تھی۔ اگر میں چل بسا تو محترم عبداللہ عزام کو میری وفات کی خبر دے دی جائے تا کہ وہ میرے گھر اطلاع کر دیں۔ میں قرآن مجید کی اس آیت پر اپنی وصیت ختم کرتا ہوں:

﴿وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذَٰلِكَ مَا كُنتَ مِنْهُ تَحِيدُ﴾ (ق: ۱۹)

''اور موت کی بے ہوشی تو ضرور آ کر رہے گی یہی ہے وہ جس سے تو گریز کرتا تھا''۔

ان کی اہلیہ نے ان کی وفات سے کچھ دن قبل خواب دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازہ اٹھا کر لے جا رہے ہیں۔ ابوعبدالحق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جنازہ اٹھانے والوں میں شریک ہیں۔ اہلیہ ان سے پوچھتی ہیں: ''یہ کس کا جنازہ ہے جسے اتنا شرف مل رہا ہے؟'' وہ جواب دیتے ہیں: ''یہ شہید کا جنازہ ہے' کاش میں اس کی جگہ ہوتا''۔

آخر ان کی روح رب کی طرف پرواز کر گئی۔ یہ بہت سخت لمحات تھے جو مجھ پر گزر رہے تھے۔ میں ان

کی اہلیہ تک یہ خبر کیسے پہنچاؤں؟؟ فجر کی نماز ادا کر کے میں اپنی اہلیہ کے ساتھ ان کے گھر کی طرف چل پڑا' پھر ہم انھیں لے کر ہم ہسپتال چلے آئے۔ میں سارے رستہ میں انھیں احادیث نبوی ﷺ اور قرآنی آیات سنا کر صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار کرتا رہا۔ ان کے صبر کا پیمانہ چھلک چھلک پڑتا تھا! ہسپتال پہنچیں تو اپنے شوہر کی نعش دیکھ کر ان پر غم کا پہاڑ ٹوٹ گیا۔ شوہر کے چہرے سے کپڑا ہٹایا۔ چہرے کا نور اور مسکراہٹ ابھی تک برقرار تھی۔ ان کی اہلیہ کی آواز آنسوؤں اور سسکیوں کے درمیان ڈوب ڈوب کر ابھر رہی تھی۔ ''کاش! آپ لوگ ان کی وفات سے پہلے مجھے ایک نظر دیکھنے کا موقع دے دیتے!''

پہی میں ابویحییٰ شہید کی قبر کے ساتھ آپ کو دفنا دیا گیا۔ زندگی میں بھی ابویحییٰ شہید کے ساتھ آپ کے نہایت گہرے تعلقات رہے تھے۔ ان کی اہلیہ کو جب ابویحییٰ شہید کی قبر کے ساتھ ان کے دفنانے کی خبر ملی تو حیران ہو کر کہنے لگیں: ''یہی ان کی آرزو تھی''۔

وفات کے موقع پر مجاہدین کے ایک قائد نے کچھ تعزیتی کلمات کہے' پھر چند باتیں میں نے کہیں ___ دل کا غم آنکھوں سے بہتا رہا۔ جتنا رونا مجھے ابوعبدالحق کی شہادت پر آیا' اس سے پہلے کبھی نہ آیا تھا!

لو عقل وخرد کی شام ہوئی' وہ علم کا سورج ڈوب گیا
پھر روزۂ ضبطِ غم ہم نے دو اشکوں سے افطار کیا

اے اللہ! ___ ابوعبدالحق پر رحم کیجیے گا' اور ہمیں ان کے ساتھ ہی ملا دیجیے گا۔

ابودجانہ شہید... اک شجرِ سایہ دار گیا!

''کہا جاتا ہے کہ ہر انسان کو اپنے نام میں سے کچھ حصہ ضرور ملتا ہے۔ ابو دجانہ شہید'' پر یہ مثال بالکل صادق آتی ہے۔ انھیں جلیل القدر صحابی ابودجانہؓ کی سیرت سے عمدہ اوصاف کا ایک وافر حصہ ملا تھا۔ آپ ذی وقار ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی متواضع اور منکسر المزاج تھے''۔

حمد وتعریف خدائے واحد کی ذات کے لیے' درود وسلام اس برگزیدہ انسان پر جس کے بعد کوئی پیغمبر آنے والا نہیں۔

ابنِ اسحاق کی روایت ہے کہ احد کے میدان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تلوار کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے پوچھا: ''کون ہے جو اس تلوار کا حق ادا کرنے کے لئے اسے لے گا؟'' اس پر کئی لوگ کھڑے ہو گئے' لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تلوار کسی کو نہ دی یہاں تک کہ بنی ساعدہ قبیلے کے ایک صحابی ابودجانہؓ سماک بن خرشہ نے اٹھ کر سوال کیا: ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اس کا حق کیا ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہاں تک کہ تم اس سے دشمن کو ایسے مارو کہ وہ پاگل ہو جائے''۔ ابودجانہؓ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اسے اس کے حق کے موافق لوں گا''۔ پس آپ نے یہ تلوار انھیں دے دی۔ تلوار تھام کر آپ نے ایک سرخ پٹی نکالی اور اپنے سر پر باندھ لی۔ اور دونوں صفوں کے درمیان اکڑتے ہوئے چلنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''یہ وہ چال ہے' جس سے اللہ تعالیٰ کو نفرت ہے' مگر اس جیسی جگہ پر نہیں''۔ زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے دکھ ہوا کہ ان کو مل گیا اور میں رہ گیا۔ پھر میں نے کہا کہ اللہ کی قسم میں ضرور دیکھ لوں گا کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ پس جب انھوں نے سرخ پٹی سر پر باندھ لی تو انصار کہنے لگے ابودجانہؓ نے موت کی پٹی باندھ لی ہے''۔ ابودجانہ یہ شعر پڑھتے ہوئے میدانِ جہاد میں گھس گئے:

أنا الذی عاهدنی خلیلی   ونحن بالسفح لدي النخيل
ألا أقوم الدهر في الكيول   أضرب بسيف الله والرسول

"میں نے اپنے پیارے دوست سے یہ عہد کیا تھا اُس وقت جب ہم نخیل کی جانب ایک پہاڑ کی چوٹی پر تھے کہ میں ان کافروں کو سیدھا کر کے رکھ دوں گا اور اللہ اور اس کے رسول کی تلوار کے وار سے انھیں ان کی اوقات یاد دلا کر رکھ دوں گا"......اس روز جو بھی آپ کے راستے میں آتا اسے اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑتا۔

کہا جاتا ہے کہ ہر نام والے کو اپنے نام میں سے کچھ حصہ ضرور ملتا ہے۔ ابو دجانہ شہید پر یہ مثال بالکل صحیح صادق آتی ہے۔ انھیں جلیل القدر صحابی ابو دجانہ ؓ کی سیرت سے عمدہ اوصاف کا وافر حصہ ملا تھا۔ آپ ذی وقار ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی متواضع اور منکسر المزاج تھے۔ ۱۹۷۶ء میں اسکندریہ یونیورسٹی میں میری آپ سے پہلی ملاقات ہوئی۔ پھر گردشِ ایام نے ہمیں سالوں تک ایک دوسرے کو دیکھنے کا موقع نہ دیا۔ دوسری دفعہ میں نے انھیں پکتیا کے محاذ پر دیکھا۔ وہ پھرتی اور ہشیاری کا ایک بے مثال نمونہ تھے۔ اللہ نے ان کو صحت مندی کی نعمت بھرپور عطا کی ہوئی تھی۔ نہایت خوبصورت آواز کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کی نعمت سے وہ بہرہ ور تھے۔ میری ہمیشہ خواہش ہوتی کہ نماز کی امامت ابو دجانہ کروائیں۔ اور ہمیں ان کی خوبصورت آواز میں قرأت سننے کا موقع ملے۔ امامت کراتے ہوئے وہ نماز کو زیادہ لمبا کبھی بھی نہ کرواتے۔ ایک دفعہ فجر کی نماز میں انھوں نے دونوں رکعتوں میں سورۃ زلزال کی تلاوت کی، میں نے سبب پوچھا تو انھوں نے اس بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی صحیح حدیث سنائی۔ وہ چھوٹی چھوٹی سنتوں کا بھی بہت اہتمام کرتے تھے۔ پشاور میں انھیں ڈیڑھ سال تک رہنا پڑا۔ وہ مسلسل سفر کی حالت میں ہوتے تھے۔ چنانچہ اس سارے عرصے میں وہ قصر نماز ادا کرتے رہے۔

ابو دجانہ ایک درخشاں ستارہ تھے، جس شہر میں ہوتے اس کے تقریباً سارے لوگ انھیں جانتے۔ جو کوئی شہر میں رہتے ہوئے ابو دجانہ کو نہ جان سکتا وہ یقیناً تاریکی میں ہوتا!

وہ جماعتی تعصبات سے بالاتر تھے!

ننگرہار میں ماور اور نازیان میں ایک دفعہ انھیں مجاہدین کے درمیان دو ماہ رہنا پڑا۔ اللہ نے ان کی کوششوں سے مجاہدین کے دل آپس میں جوڑ دیے۔ چار مختلف جماعتوں سے تعلق رکھنے والے مجاہدین نے اپنی ایک مشترکہ مجلس شوریٰ بنا کر انھیں اس کا امیر منتخب کیا۔ اور یوں سب ایک جماعت کی طرح مل

جل کر کام کرنے لگے۔ مجاہدین کی صفوں سے سگریٹ اور نسوار بالکل غائب ہوگئی اور اس کی جگہ ذکر واذکار اور مسنون دعاؤں نے لے لی۔

وہ بڑے ہی بذلہ سنج تھے اور عمدہ مزاح کا ذوق بھی رکھتے تھے۔ جب کسی داڑھی منڈے مجاہد کو دیکھتے تو آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر خوبصورت مسکراہٹ کے ساتھ "دعاء دعاء" کے الفاظ دہراتے۔ اس کا مطلب یہی ہوتا کہ مجاہد کو داڑھی رکھنے پر آمادہ کر رہے ہیں اور اللہ سے اس کے لیے توفیق مانگ رہے تھے۔ سگریٹ اور نشہ آور نسوار وغیرہ کے استعمال کو بھی اسی طرح نرمی اور محبت سے روکنے کی کوشش کرتے۔

ورزش کی ہمیشہ پابندی کرتے۔ انھوں نے اس کی ساری مشقیں سیکھ کر ان کی سند لی ہوئی تھی۔ اپنے ساتھیوں کو نہایت پُر مشقت ورزشیں اتنے عمدہ طریقے سے کرواتے کہ کسی کو تھکن کا ذرہ برابر احساس نہ ہوتا۔ تواضع کے ساتھ ساتھ وہ نہایت بلند ہمت بھی تھے۔ بے حد نرم ہونے کے باوجود اصولوں کی سختی سے پابندی کرتے۔ مروت و محبت کے باوجود معاملات میں نہایت کھرے تھے۔ اپنے عزائم ہمیشہ بلند رکھتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے مصداق:

((إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ مَعَالِيَ الْأُمُورِ وَأَشْرَافَهَا وَيَكْرَهُ سَفْسَافَهَا))(رواه الطبراني والحاكم، أنظر صحيح الجامع ١٨٩٠)

"اللہ تعالیٰ بلند ہمتی کے کاموں کو پسند فرماتے ہیں اور کم ہمتی کے کاموں کو ناپسند کرتے ہیں"۔

اپنے دوستوں سے محبت کرتے اور وہ بھی ان سے محبت کرتے تھے۔ ان کے دل میں اپنے دوستوں کے لیے کوٹ کوٹ کر احترام اور چاہت بھری تھی۔ باہمی اختلافات سے انھیں سخت کوفت ہوتی تھی۔ جماعتی تعصبات سے وہ بالاتر تھے۔ حقیقت میں اسی تنظیمی تعصب نے لوگوں کے دلوں کو ایک دوسرے سے دور کر دیا ہے، دین کی طرف دعوت دینے والے بھی باہم کٹے ہوئے ہیں۔ قرآن کے الفاظ میں:

﴿كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ﴾ (المؤمنون: ۵۳)

"ہر گروہ کے پاس جو چیز ہے وہ اسی سے خوش (اور مگن) ہے"۔

تعصب کے اس عالم میں جہاں ہر پانچ افراد اکٹھے ہو کر اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد تعمیر کر کے اپنا امیر المومنین منتخب کر لیتے اور اپنا منبر سجا کر اپنے آپ کو "جماعۃ المسلمین" سمجھنا شروع کر دیتے ہیں اور دوسروں پر بغیر علم کے یہ حدیث چسپاں کر دیتے ہیں:

((إِذَا بُويِعَ لِخَلِيفَتَيْنِ فَاقْتُلُوا الْآخَرَ مِنْهُمَا)) (رواہ، کتاب الإمارة، باب إِذَا بُويِعَ لِخَلِيفَتَيْنِ)

"جب دوخلفاء کی بیعت کی جائے تو دوسرے کو قتل کردو۔"

اس طرح ایک گروہ دوسرے کی تکفیر کرتا ہے' اپنے کو مغفرت کا پروانہ اور جنت الفردوس میں داخلے کی سند عطا کرتا ہے اور اپنے آپ کو اللہ کے چنیدہ بندوں میں شمار کرتا ہے۔

ابودجانہ ان تمام چیزوں سے بالا تھے' جلیل القدر صحابی ابودجانہ کی مانند بلند ہمت۔ حدیث میں ہے کہ: ابن اسحٰق کی روایت ہے کہ حضرت ابودجانہؓ فرماتے ہیں: "میں نے ایک انسان کو لوگوں کو روندتے ہوئے آگے بڑھتے دیکھا۔ میں تلوار لے کر اس پر وار کرنے لگا تو وہ ایک عورت تھی... ھند بنت عتبہ... میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار سے ایک عورت کو ذبح کرنا اس کی تکریم کے خلاف سمجھا اور تلوار اس عورت سے ہٹالی"۔

اہلِ علاقہ کو ایک مربی استاذ عادل حاکم اور ماہر قاری مل گیا!

وہ صائم النہار اور شب زندہ دار تھے۔ پیر اور جمعرات کے دن ہمیشہ روزے سے ہوتے۔ ان کے محاذ کے ساتھیوں میں سے ایک نے مجھے بتایا: "وہ راتوں کو قیام کرتے اور ایک دن چھوڑ کر ایک دن روزہ رکھنے کا اہتمام کرتے"۔ اللہ کے دین پر سختی سے عمل پیرا تھے۔ جب ماضی میں فوج میں بھرتی ہوئے تو سب کے منع کرنے کے باوجود داڑھی منڈانے سے احتراز کیا۔ اپنی کمر درد کے علاج کے لئے ننگرہار سے واپس پشاور آئے اور حضرت عمرو بن الجموح کے الفاظ دہرانے لگے:

"ساطأ بعرجتي هذه الجنة"

"میں ان شاء اللہ اسی لنگڑے پن کے ساتھ جنت میں داخل ہوں گا"۔

اپنی بیماری کے دوران جب انھیں مکتب خدمات کی ذمہ داری سونپی گئی تو انھوں نے اس کے لیے نہایت منظم نظام وضع کیا اور اس کی تفصیلات دیوار پر چسپاں کردیں۔ سارے ساتھی ان کے ساتھ مل کر معاملات کو بہت اچھی طرح چلانے لگے۔ وہ اکثر کہا کرتے۔ "مکتب خدمات دراصل سب جماعتوں کی 'جماعت' ہے"۔ کیونکہ اس میں ہر مکتبِ فکر، تنظیم اور ہر علاقے کے لوگ بغیر کسی تفرقے یا تعصب کے اپنی

خدمات پیش کرتے ہیں۔

ابودجانہ خوست اور گردیز کے درمیان واقع وادئ سران میں سات ماہ تک ٹھیرے۔ ساری وادی کے مجاہدین کے لیے آپ غیر اعلانیہ اور غیر منتخب شدہ امیر بن گئے۔ ہر کوئی ادب سے آپ کا ذکر کرتا' ساری وادی بدعتوں اور خلاف شرع کاموں سے پاک صاف ہوگئی۔ ابودجانہ کی شکل میں اہل علاقہ کو ایک مربی استاذ' عادل حاکم اور ماہر قاری مل گیا۔ اسی دوران ذی الحجہ ۱۴۰۶ھ کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے انھیں حج کی سعادت کے لیے چن لیا۔ حج کے بعد ایک دن جب ہم ابھی سرزمین حجاز میں ہی تھے وہ میرے پاس آکر خوشی خوشی کہنے لگے: "آج میں نے اپنی والدہ کو فون کر کے ان سے اپنی شہادت کے لیے دعا کی درخواست کی۔ انھوں نے مجھے شہادت کی دعا دی ہے"۔

افغانستان کا جہاد عالم گیر جہادی تحریک کا حصہ ہے!

حج کے بعد انھوں نے پنجشیر کا رخ کیا۔ اس جگہ سے انھیں خاص محبت تھی۔ پکتیا میں وہ ہمیشہ پنجشیر کو یاد کرتے ہوئے کہتے: "ہم اُدھر کب جائیں گے؟" "ہم کب اسے دیکھ پائیں گے؟" آخر مومنوں کی ایک جماعت کے ساتھ' شہادت کی آرزو اور تمنا لیے ہوئے پنجشیر کی طرف چل پڑے۔ مجھے چترال میں پنجشیر جانے والے اُس قافلے کو الوداع کہنے کا شرف حاصل ہوا۔

ابودجانہ پنجشیر پہنچ گئے' وہاں سے انھوں نے شمال کے پہاڑی علاقے کا رخ کیا۔ وہیں احمد شاہ سے ان کی ملاقات ہوئی اور پھر وہ آگ وخون کے اس آخری معرکے میں شرکت کے لیے تیار ہوگئے جس میں خود ان کی شہادت بھی لکھی جاچکی تھی۔

بغلان میں اس زوردار جنگ کی تیاری کے لیے عبدالحی حق جو کی قیادت میں دستے ترتیب دیے گئے جن میں ابودجانہ بھی شامل تھے۔ معرکہ بہت کامیاب رہا' چارسو پچاس دشمنانِ دین میں سے کوئی ایک بھی زندہ نہ بچا۔ مالِ غنیمت میں تین توپیں اور بھاری بھرکم اسلحے کی کافی مقدار غازیوں کے ہاتھ لگی۔ معرکے کے شہداء میں عبدالجبار اور ابودجانہ بھی شامل تھے۔ ہندوکش کے پہاڑوں کے دامن میں ابی عاصم اور ابو حامد کی قبروں کے جوار میں ہی ابودجانہ کو بھی دفن کردیا گیا۔ وہ شہداء کے اس قافلے میں شامل ہوگئے جس میں شریک ہونے والے مصر وفلسطین' حجاز ونجد' الجزائر وتیونس' کویت وعراق اور شام کے شہداء کا خون

گواہی دے رہا ہے کہ افغانستان میں برپا جہاد کوئی قومی و وطنی جنگ نہیں، جہاد کی عالم گیر تحریک کا حصہ ہے۔

ابو دجانہ نے انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کر رکھی تھی لیکن لوگوں نے ان کے اس فن سے استفادہ نہیں کیا بلکہ ان کے عمل سے استفادہ کیا، ان کے قرآن اور ان کے فہم سے استفادہ کیا۔ ہم اللہ کی عزیز و قدیر ذات سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ان کی طرح ہمیں بھی کاروانِ شہداء میں شامل کر لیں، جنت الفردوس میں ہمیں اکٹھا کر دیں اور شہید سے کیے گئے تمام وعدے پورے فرما دیں۔ پاک و برتر ہے اللہ کی ذات، ان کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ہم انھیں سے استغفار چاہتے ہیں اور انھی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

اللہ کے حضور توبہ کرو... خالص توبہ!

جہاد کے قائدین کے نام شہید ابو دجانہؒ نے یہ وصیت تحریر کی:

"میں جہادِ افغانستان کے قائدین کے نام یہ وصیت تحریر کرتا ہوں کہ وہ اللہ کا تقویٰ اختیار کریں اور اپنے معاملات کی اصلاح کریں۔ نفسانی خواہشات اور جھگڑوں کی راہ پر چل کر نہ اللہ کی نصرت ملتی ہے اور نہ کامیابی کی منزل تک پہنچا جا سکتا۔ اس کا نتیجہ محض ناکامی و رسوائی ہوتا ہے، اللہ ہمیں اس سے بچائیں، آمین۔ اگر مجاہدین کے قائدین سچے اور صادق ہیں تو آخر انھیں باہم متحد ہونے سے کس چیز نے روک رکھا ہے؟ اگر وہ اخلاص پر کاربند ہیں تو اپنے کسی دوسرے بھائی کی قیادت میں ایک سپاہی کی حیثیت سے خدمات انجام دینے میں انھیں کیا چیز مانع ہے؟ اگر وہ اپنے دعووں میں سچے ہیں تو انھیں اللہ سے ڈرنا چاہیے اور لوگوں کی پروا نہیں کرنی چاہیے۔ قیامت کے بڑے دن انھیں اللہ کے حضور جواب دہی کے لیے حاضر ہونا پڑے گا۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بالمقابل انھیں کوئی اور راہ ہرگز اختیار نہیں کرنی چاہیے۔ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہی کامیابی کی ضمانت فراہم کر سکتی ہے۔ سورۂ انفال کی اس آیت میں کامیابی کے اسباب کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ (الانفال: ۴۵، ۴۶)

"اے مومنو! جب کسی فوج سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو تاکہ تم نجات پاؤ۔ اور اللہ اور اس کے رسول کا کہا مانو اور آپس میں نہ جھگڑو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں"۔

اب آپ اس کا علم پا چکے ہیں تو اس کی پابندی کرو۔

﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ (البقرہ: ۲۸۱)

"اور اُس دن سے ڈرو جس دن اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر ہر شخص کو اُس کی کمائی کا پورا پورا بدلہ دے دیا جائے گا اور اُن پر کسی قسم کا ظلم نہ ہوگا"۔

اے قائدینِ جہاد! اللہ کی قسم آپ تمام شہداء کے بارے میں اللہ کے حضور جواب دہ ہیں۔ اللہ کے حضور توبہ کیجیے، خالص توبہ۔ ہوسکتا ہے کہ اللہ آپ کے گناہ معاف فرما دیں اور آپ کی مغفرت فرما دیں اور آپ کو ایسی جنتوں میں داخل فرما دیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی"۔ (ٹمکاؤ، ولایت تخار میں تحریر کردہ، ۱۹۸۶ء-۱۱-۸)

انس ترکی ھذلی شہید

''ہمیں امید ہے کہ تمہاری روحیں جنت کے شاداب گلزاروں میں اڑتی پھر رہی ہوں گی اور پھر عرش الٰہی کے نیچے آویزاں قندیلوں میں آکر استراحت کرتی ہوں گی۔''

انس! آپ کا اچانک راہِ جہاد کا مسافر بن جانا ایک اچنبھا ہے۔ آپ کی عمر کے کتنے ہی جوان روٹی کے نوالے کی خاطر بھاگ دوڑ کرتے اور اپنی زندگی کے قیمتی ماہ و سال یونہی پسینہ بہاتے گنواتے چلے ہیں۔ اے مترنم آواز کے مالک! تمھیں کس نے اس راہ کا پتہ بتلایا؟ کمپنی کی مسجد میں اس خوبصورت آواز میں اب کون اذان دیا کرے گا؟ تمھاری آواز کی مانند آواز والا اب کون لوگوں کو نماز کے لیے اکٹھا کیا کرے گا؟ یونہی بغیر کسی پیشگی تیاری کے تم خلیج کی پُرآسائش زندگی کو چھوڑ کر پروان کے پہاڑوں میں چلے آئے۔ جہاد و شہادت کی راہ میں افغانوں کو بھی پچھاڑ گئے۔ دنیا کی ایک نام نہاد عالمی طاقت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال لیں، کان کے پردے پھاڑ دینے والے میزائلوں کے شور میں شب و روز گزارنے لگ گئے۔ تمھاری عمر کے کتنے ہی دیکھے ہیں جو بچھو اور چھپکلی کو دیکھ کر کانپنے لگ جاتے ہیں۔ بلاشبہ یہ رب کا فیصلہ تھا کہ اس نے تمھیں اور عبدالرحمٰن کو اپنی راہ کے لیے چن لیا۔ ہمیں امید ہے کہ تمھاری روحیں جنت کے شاداب گلزاروں میں اڑتی پھر رہی ہوں گی۔ اور پھر عرش الٰہی کے نیچے آویزاں قندیلوں میں آکر استراحت کرتی ہوں گی، ان شاء اللہ۔

حوضِ کوثر پر تمھیں آگے بھیجنے کے بعد تمہارے اور عبدالرحمٰن کے گھر والے فخر سے تمہارا تذکرہ کرتے ہیں۔ بے شک ان کا مقام بھی لوگوں کی نظروں میں بلند ہوگیا۔ انھیں حق حاصل ہے کہ ان کا مقام بلند ہو۔ وہ بھی تو ہیں جو اپنی بستیوں میں ہی ٹریفک حادثات کا شکار ہو جاتے ہیں مگر تمھیں رب العزت نے چن لیا کہ تم اپنے ستر رشتے داروں کی شفاعت کرو یا قوتوں والا تاج زیب سر کرو جس کا ایک ہیرا بھی دنیا و ما فیھا سے بہتر ہے۔ اللہ ہمیں فردوس کے بالاخانوں میں اکٹھا کر دیجیے، آمین۔

عبداللہ الجماز شہید

''افغان عرصہ دراز تک پروان کے اس معرکے میں عبدالرحمٰن شہید کی جرات و بہادری کو یاد کرتے رہے''

ارضِ حجاز سے تعلق رکھنے والے اس نوجوان کو میں نے گندمی رنگت، چہرے کی ملاحت اور ذہین مسکراتی آنکھوں سے پہچانا۔ رمضان ۱۴۰۶ھ میں، میں نے انھیں جاجی میں دیکھا۔ سردی بہت زیادہ تھی، جنگی جہازوں نے سارے علاقے کو دھوئیں میں ڈبو رکھا تھا۔ کان پھاڑتی چنگھاڑیں ماؤں کو بچوں سے جدا کر رہی تھیں۔ نوجوانوں نے اپنے گرد چادر لپیٹ رکھی تھی۔ میں نے کچھ دنوں کے لیے ان سے چادر عاریتاً لی۔ دو تین دن بعد ان کا نحیف بدن موسم کی تاب نہ لاکر بیمار پڑ گیا۔ میرے پاس آئے اور شرماتے ہوئے چادر کی فرمائش کی۔ پھر شاید اس احساس کے تحت کہ انھیں مجھ سے چادر نہیں مانگنی چاہیے تھی، واپس چلے گئے اور ایک نئی چادر خریدی اور مجھے تحفتاً دے دی۔ انھی دنوں ایک دن گولے کا ایک پارچہ آکر ان کی پنڈلی میں لگا، انھیں فوراً ہسپتال پہنچا دیا گیا۔ اللہ نے انھیں شفایاب کر دیا، پھر وہ واپس اپنے گھر والوں کے پاس جزیرۃ العرب چلے گئے۔ ان کی ٹوٹی ٹانگ کو گھر والے سہارا دیتے تو وہ ہمیشہ کی طرح متواضع ہو کر معذرت کرتے کہ ''میں نے آپ لوگوں کو خواہ مخواہ تکلیف دی''۔

کچھ عرصے بعد عبداللہ جماز (عبدالرحمٰن) نے پھر سے محاذوں کا رخ کیا۔ اب کی بار وہ پروان سید باس کے پاس چلے گئے۔ سید باس ان علماء میں سے ہیں جن کی صالحیت اور صلاحیت کی گواہی دی جاسکتی تھی۔

جن دنوں یہ لوگ پروان میں تھے، روسی ٹینکوں، توپوں اور طیاروں نے اس علاقے کا رخ کیا۔ سید باس نے غازیوں کے ساتھ مل کر روسی فوج کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ روسی فوج بستی کے اندر داخل ہونے کی جرأت نہ کرسکی۔ جنگ کے شعلوں نے سارے علاقے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ تقدیر کا فیصلہ اٹل تھا۔ عبدالرحمٰن، انس اور سید باس کی شہادت لکھی جاچکی تھی۔ تینوں شہداء جرأت و بہادری

کی لازوال داستانیں رقم کر کے قافلۂ شہداء میں شامل ہو گئے۔

افغان عرصہ دراز تک اس معرکے میں عبدالرحمٰن شہید اور انس شہید کی شیر جیسی جرأت و بہادری کو یاد کرتے رہے، حالانکہ ابھی انس کی عمر صرف اٹھارہ برس تھی۔

نبیل مبارک شہید

"اب شاید جنت ہی میں ہم ایک دوسرے کو دیکھ پائیں گے"

زمانے کی ساری گرد جھاڑ کر آپ سرزمینِ خوست کو سدھار گئے۔ شیخ جلال الدین حقانی کے ساتھ راہِ جہاد کا مسافر بننے والوں کی تعداد بہت تھی مگر آپ جیسا امتیاز کوئی دوسرا حاصل نہ کر سکا' جہاں عین میدانِ کارزار میں بھی آپ روزے سے ہوتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((مَنْ صَامَ يَوْمًا فِي سَبِيلِ اللهِ بَاعَدَ اللهُ بَيْنَهُ وَ بَيْنَ النَّارِ بِذٰلِكَ الْيَوْمِ سَبْعِينَ خَرِيفًا)) (سنن النسائي، باب ثواب من صام يوما في سبيل الله)

"جو کوئی اللہ تعالیٰ کے راستے میں نکل کر ایک دن کا روزہ رکھے تو اللہ تعالیٰ اس ایک دن کے بدلے جہنم اور اس کے درمیان ستر سال کا فاصلہ کر دیں گے"۔

روشن چہرے اور کشادہ جبیں کے مالک! تم شراب و کباب اور خواہشات بھری مغربی دنیا کو چھوڑ کر جہاد کی آغوش میں کیسے چلے آئے؟ کیسے تم نے اٹلی کی بستیوں میں نیلی آنکھوں اور سنہری بالوں کی سج دھج کو چھوڑ چھاڑ کر چٹیل میدانوں اور برف پوش ٹھٹھرتے پہاڑوں کو اپنا مسکن بنا لیا؟

ان مٹ یادوں کے روشن چراغ

تمھاری تربیت کے تمام مراحل کس نے طے کرائے؟ تم دنیا کو اس کی تمام تر خوبصورتیوں سمیت طلاق دے بیٹھے۔ قرآن مجید تمھارا دائمی رفیق بن گیا۔ بندوق تمھاری ساتھی' اور ساری امیدوں کا مرکز ٹھہری۔ تمھارے والد طب کی دنیا میں مہارت اور تجربات کے کئی برس گزار چکے تھے۔ اب تم ان کی واحد امید تھے جو ان کے کام کو بطور استاد یا کم از کم کسی ہسپتال میں ڈاکٹر کی حیثیت سے زندہ رکھ سکتے تھے' لیکن تم نے اس سب کچھ کو ٹھکرا دیا۔ تم نے اپنے ہم سفر افغانوں کے دلوں میں انمٹ یادوں کے چراغ روشن کر دیے۔ علاقے کی فضا تمھارے فراق کے غم میں ڈوبی ہوئی ہے۔ ہمیں شیریں جمال' منصور اور عثمان نے بتایا کہ تمھارے لہو کی دلآویز خوشبو دیر تک ماحول کو معطر کیے رہی۔ برق کی مانند تم اچانک ہم سے منہ موڑ کر

اپنے روشن چہرے کے ساتھ تہہ خاک سو گئے' تاکہ روزے کی حالت میں اپنے ربّ کا دیدار کر سکو۔

آپ کے احساسات موت کی آہٹ سن چکے تھے۔ جبھی تو آپ نے منصور سے کہا تھا: "اب شاید جنت میں ہی ہم ایک دوسرے کو دیکھ پائیں"۔ سلامتی ہو آپ پر اے نبیل! اللہ سے دعا ہے کہ وہ انبیاء' صدیقین شہداء اور صالحین کے زُمرے میں ہمیں اکٹھا کر فرما دیں' کیا ہی بہترین ہوں گے وہ ساتھی!

ایمن کمال عباس شہید

"نہرین کی عظیم فتح کے بعد ایک دن انھیں گولہ لگا اور خون جاری ہو گیا۔ ابو خالد نے آگے بڑھ کر ایمن (عبدالجبار) کا سر اپنی گود میں لے لیا"

مسنون روزوں کا سفر و حضر میں اہتمام کرنے والے شہید! بغلان کی چوٹیوں کو عبور کرتے ہوئے' نورستان کے پہاڑوں سے گزرتے ہوئے اور اشکمش کے رستوں پر چلتے ہوئے بھی آپ نے مسنون روزوں کا کبھی ناغہ نہ کیا۔ آپ جاودانی رستوں پر جانے والے اپنے بڑے بھائی ابو دجانہ کے نقش قدم کی پوری پیروی کرتے رہے۔ آپ روزے رکھ رکھ کر اپنے خاکی وجود کو روحانی دنیا کی جھلک دکھانے میں مصروف رہے۔

اے روشن رُو! سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مزین تمھارے پاکیزہ چہرے کو دیکھنے سے ہماری نظریں کبھی نہیں بھر سکتیں۔ ہماری نظریں اہلِ جنت کو دیکھنے سے کبھی بھی سیر نہیں ہو سکتیں۔ ہم اللہ کے سامنے کسی کی پاکیزگی کا دعویٰ نہیں کرتے مگر ان کے عمدہ خصائل ہمیں ان کے بارے میں خوش گمان رکھتے ہیں۔ آپ اور آپ کے بھائی بہت جلد ہم سے جدا ہو گئے۔

بنتم و بنّا فما ابتلّت جوانحنا　　شوقا اليكم ولا جفّت مآقينا

نكاد حين تناجيكم ضمائرنا　　يقضي علينا الأسى لولا تأسينا

جب ہم تم سے جدا ہوئے تو تمہارے شوق میں ہمارے آنسو تھمتے نہ تھے اگر ہم انھیں بھلا نہ دیتے تو قریب تھا کہ ہمارے دلوں کی سرگوشیاں ہماری جانیں لے لیتیں......

ہماری آخری ملاقات بغلان میں ہوئی۔ نہرین کی عظیم فتح کے بعد ایک دن انھیں گولہ لگا اور خون جاری ہو گیا۔ ابو خالد نے آگے بڑھ کر عبدالجبار کا سر اپنی گود میں لے لیا۔ عبدالجبار نے دم توڑتی آواز کے ساتھ "پانی... پانی..." پکارا۔ طبیب نے اشارے سے پانی دینے سے منع کر دیا۔ اور کچھ ہی لمحوں بعد یہ پاکیزہ روح زخمی بدن سے جدا ہو کر ربّ کی ضیافتوں سے لطف اندوز ہونے چل دی۔

تم پر سلامتی ہو اے نیک لوگو...! ہم اللہ کے حضور کسی کی پاکیزگی بیان نہیں کرتے لیکن ہمارا گمان ایسا

ہی ہے۔ اللہ کرے کہ قیامت کے روز آپ ہماری شفاعت کے لیے اللہ کے حضور خواستگار بن جائیں۔ اللہ تمھاری شہادت قبول فرمائیں۔

پاک و برتر ہے اللہ کی ذات با برکات۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں ان سے بخشش چاہتا ہوں اور انھی کے حضور توبہ کرتا ہوں۔

احمد زہرانی شہید......اور طائف کا نغمہ خواں بھی چلا گیا!

"اُمت کی نیند بہت طویل ہو چکی ہے۔ خون کے سیلاب اور اسلحے کی گھن گرج کے سوا کوئی دوسرا طریقہ اب اس اُمت کو جگا نہیں سکتا۔"

تمام تعریفیں ربّ العالمین کو سزاوار ہیں' درود و سلام ہو اس کے پیغمبر پر۔ اما بعد: ہر روز کسی نئے نوجوان کے جانے کی خبر دلِ مضطرب کو کچھ اور بے چین کر دیتی ہے۔ یہ لوگ عام نوجوانوں کی خلعت میں ملبوس ہوتے ہیں' مگر ان سے بالکل جدا صفات کے حامل ہوتے ہیں۔

ریگ زارِ عرب کے سرسبز و شاداب شہر طائف میں آنکھیں کھولنے والے نوجوان احمد کو دینی ماحول ورثے میں ملا۔ جہادِ افغانستان کے حالات کا گھر گھر میں چرچا تھا۔ احمد کا گھرانہ بھی ان گھرانوں میں سے ایک تھا جو ملتِ اسلامیہ کے مسائل کو "ذاتی مسائل" سے زیادہ اہم سمجھتے تھے۔ احمد کے بھائیوں کا شہر میں بڑا اہم سماجی مقام تھا' گھر میں دن رات جہادِ افغانستان کا موضوع زیرِ بحث رہتا۔ خصوصاً جب انھیں یہ علم ہوا کہ جہاد فرضِ عین ہے اور اس کے لیے والدین سے اجازت لینے کی بھی ضرورت نہیں تو اس موضوع کی اہمیت ان کے نزدیک پہلے سے کہیں بڑھ گئی۔

۱۴۰۶ھ میں احمد کے بڑے بھائی میرے پاس افغانستان کے حالات کا جائزہ لینے آئے۔ صدہ مرکز میں وہ میرے ساتھ والے خیمے میں ٹھیرے ہوئے تھے۔ وہ برسرِ روزگار تھے اور بیوی بچوں والے تھے۔ انھوں نے مجھ سے جہاد کے شرعی حکم سے متعلق استفسار کیا۔ میں نے جواب دیا کہ اب جہاد فرضِ عین ہے اور اس کے لیے والدین کی اجازت لینا ضروری نہیں ہے۔ انھوں نے مجھ سے اگلا سوال نہ پوچھا اور ملازمت چھوڑ کر جہاد کے لیے وقف ہونے کا عزم کرتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ احمد اپنے بڑے بھائی کے ساتھ تھے۔ میرے پوچھنے پر انھوں نے بتایا: "ان کا نام احمد ہے اور یہ میرے چھوٹے بھائی ہیں"۔ میں نے کہا: "یہ اسد (شیر) ہیں اور آج کے بعد میں ان کو شیر ہی کے نام سے پکارا کروں گا"۔

رمضان کے آخری ایام میں ہم ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ کچھ عرصے بعد میں نے احمد کو جاجی میں دیکھا۔ سخت برفانی موسم میں ان کا شوق ایک بار پھر انھیں یہاں کھینچ لایا تھا۔ اس دفعہ وہ بڑے بھائی

کے ہمراہ نہیں آئے تھے۔ جنت کی حوروں سے ملاقات کی تمنا انھیں بے تاب رکھے ہوئے تھی۔ ان کا روشن دمکتا چہرہ ہر وقت مسکراتا رہتا' بذلہ سنجی اور شائستہ مزاح ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ مگر یہ مزاح کبھی بھی عامیانہ پن کی حدوں کو چھوتا ہوا نہ پایا گیا۔ پرعزم اور عالی ہمتی ان کے ہر ہر عمل سے عیاں تھی۔ ان خوبصورت صفات سے ان کی شخصیت کا قوام تیار ہوا تھا۔ ہم ان کے بارے میں ایسا ہی گمان کرتے ہیں اور ہم اللہ کے روبرو کسی کی پاکیزگی بیان نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ آسمانوں سے ہماری مدد کریں گے

جن لوگوں نے موسم سرما میں جاجی کا سفر کیا ہے وہ وہاں کے ٹھٹھرتے دنوں کو بخوبی جانتے ہیں۔ درجہ حرارت بعض اوقات منفی بیس درجے سے بھی نیچے گر جاتا ہے۔ میں نے بارہا خود وضو کے گرم پانی کو اپنے چہرے تک لاتے لاتے ٹھٹھرتا ہوا محسوس کیا۔ وہاں زندگی سردیوں میں اس قدر سخت ہو جاتی ہے کہ صرف باحوصلہ لوگ ہی زندگی کے اعلیٰ مقاصد کی خاطر وہاں رہنا برداشت کر سکتے ہیں۔

میں اس بار دس روز تک ان کے درمیان رہا۔ ان نوجوانوں کا صبر' برداشت اور حوصلہ دیکھ کر میں دنگ رہ جاتا۔ نہ جانے وہ ان منجمد لمحوں کو کیسے بسر کرتے تھے جو دن کی دھوپ میں بھی یخ بستہ رہتے تھے؟ ان کی سرگرمیاں طلوع فجر سے شروع ہوتیں اور شام کے ملگجے اندھیروں تک جاری رہتیں۔ دشمن کے بالکل قریب جا کر وہ اس کا سامنا کرتے۔ بعض اوقات ان کے اور سوشلسٹ فوج کے مرکز کے درمیان صرف تین کلومیٹر کی مسافت رہ جاتی' یوں یہ مجاہدین اپنے مرکز سے چودہ کلومیٹر کی دوری پر دشمن کے خلاف صف آرا ہو جاتے۔ مجھے یہ خوف گھیر لیتا کہ ان کا دشمن بڑا طاقت ور اور جدید ترین اسلحے سے لیس ہے' وہ انھیں آن دبوچے گا۔ مجھے لگتا' دشمن کسی وقت انجانے میں اچانک ان پر حملہ آور ہو جائے گا۔ میں ان سے کہتا کہ وہ اپنے مرکز کے قریب آجائیں مگر ان کا وہیں ٹھہرنے پر اصرار ہوتا' چاہے اس کے نتیجے میں انھیں کیسی ہی قربانی دینی پڑتی!

اے سود و زیاں گننے والو! کس نے ہے پکارا کیا جانو؟

ایک دفعہ میں نے ایک مجاہد سے پوچھا: ''اگر روسی فوجی اچانک آپ لوگوں پر حملہ آور ہو گئے' اور ان کے حملہ آور ہونے کا مطلب ظاہر ہے کہ وہ ٹینک' توپ اور طیارے غرض ساری چیزوں سمیت آپ کو گھیر

لیں' تو کیا کرو گے؟'' انھوں نے مجھے مسکرا کر جواب دیا: ''ہم ان کا مقابلہ کریں گے اور اللہ کے حکم سے انھیں الٹے پاؤں واپس چلے جانے پر آمادہ کریں گے۔'' تب میں نے بھی ان کی مسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ سے دے دیا۔ ایک اور مجاہد سے میں نے پوچھا: ''اگر روسی فوجی اچانک آگئے تو کیا ہوگا؟'' وہ بولے: ''اللہ تعالیٰ آسمانوں سے ہماری مدد کریں گے اور ہم زمین سے انھیں منہ توڑ جواب دینے کے لیے آگے بڑھیں گے۔'' میں اسی حال میں انھیں دن رات بسر کرتے ہوئے دیکھتا رہا۔ معرکوں کے دوران وہ جری نوجوان فوراً اپنے لیے کوئی نئی محفوظ پناہ گاہ تلاش کر لیتے۔ وہ عام جسم و جان والے لوگ تھے مگر ان کی ہمتیں آسمانوں سے بھی بلند تھیں۔

وإذا كانت النفوس كبارا　　تعبت في مرادها الأجسام

اگر عزائم بلند ہوں تو ان تک پہنچنے کے لئے جسم و جاں کو گھلنا ہی پڑے گا

وہ کہا کرتے تھے: ''سوشلزم کی بنیادوں کو یہیں اکھاڑ کر پھینک دینا ضروری ہے' تاکہ لوگر اور کابل جانے کا رستہ محفوظ بن سکے۔'' میں نے کم ہی ان نوجوانوں کو فارغ بیٹھے دیکھا۔ ایک دفعہ ان میں سے سات غازیوں نے اٹھ کر دشمن سے صرف دو سو گز کے فاصلے پر اپنا خیمہ گاڑ کر اسے گھات میں لے لیا۔ میں ان کے حوصلے کو دیکھ کر دنگ رہ گیا اور دل سے ان کی عافیت کے لیے دعائیں نکلنے لگیں۔

كأنما يردون الموت عن ظما　　أو ينشقون من البارود ريحانا

ان کی پیاس تو اب موت ہی بجھائے گی کہ بارود سے انھیں ریحان کے پھولوں کی خوشبو آتی ہے

آج جمعے کا دن ہے' سورہ کہف کی تلاوت یاد رکھنا!

احمد بھی موت کی تلاش میں نکل پڑے۔ وہ جنگ میں کود جانے کے لیے بے تاب تھے۔ اسی شوق نے انھیں جاجی کے علاوہ کسی جگہ کے تلاش کرنے پر مجبور کیا۔ ہر نئی کارروائی کے موقع پر کہتے: ''اس کارروائی کے بعد قندھار کی باری ہے۔'' وہ جانتے تھے کہ جلد ہی ان کا بلاوا آنے والا ہے۔

قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے ان کی آواز آبشار کے سے مدوجزر سے گزرتی۔ ترانے پڑھتے ہوئے یہ آواز ماحول پر سحر طاری کر دیتی۔ شیخ تمیم ان کی تلاوت سننے کے لیے انھیں ہمیشہ امامت کے لیے آگے کھڑا کر دیتے۔ بعد میں مجھے علم ہوا کہ ان کے نام کی کیسٹیں طائف کے بازاروں میں بک رہی

ہیں۔ احمد کے لبوں سے نکلی ہوئی اذان کی گونج کا اثر بھی کچھ الگ ہی تھا!

شہادت سے ایک روز قبل میں ان کے ساتھ کافی دیر تک بیٹھا رہا۔ ان کے ساتھ پہرہ دینے والے بھائیوں میں سے ایک نے بتایا کہ ''اپنی زندگی کی آخری پوری رات احمد نے تہجد میں گزار دی''۔

ابو فیصل نے مجھے بتایا ''میں نے ایک ماہ قبل احمد کو دیکھا۔ انھوں نے مجھے قرآن مجید پکڑا دیا اور کہنے لگا: ''میں یہ اس شرط پر آپ کو دیتا ہوں کہ جب بھی اسے کھولیں گے میرے لیے شہادت کی دعا کریں گے''۔

احمد اور ان کے بھائی محمد کو سارا طائف داعی کی حیثیت سے جانتا تھا۔ وہ ہر وقت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کی ادائیگی کے لیے کمر بستہ رہتے۔ جمعہ ۱۹ شعبان ۱۴۰۷ھ بمطابق ۱۷ اپریل ۱۹۸۷ء کو صبح ان کے پاس سے کچھ نوجوان مذاق کرتے، ہنستے کھیلتے گزرے، وہ ان سے کہنے لگے: ''اللہ کے ذکر میں مصروف رہا کرو۔ آج جمعہ کا دن ہے، سورۂ کہف کی تلاوت یاد رکھنا''۔

شاید احمد نے محسوس کر لیا تھا کہ آج ان کی شہادت کا دن ہے۔ انھوں نے اپنے بھائی ابو حذیفہ کو (طائف میں فون پر) الوداع کہتے ہوئے یہ پیغام دیا کہ: ''ابا جان کو میرا سلام عرض کرنا۔ آج میری شہادت کا دن ہے''۔

ادھر دشمن کے خلاف کارروائی کے لیے مجاہدین کی صف بندی ہونے لگی۔ تمام ساتھی آنسوؤں سے لبریز چہروں کے ساتھ ایک دوسرے کو الوداع کہہ رہے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ شاید آج کے بعد وہ اس دنیا میں کبھی ایک دوسرے کو نہ دیکھ پائیں گے۔ تاہم کچھ نوجوانوں نے ابھی تربیتی مراحل مکمل نہ کیے تھے، انھیں قائد نے کارروائی میں شریک ہونے کی اجازت نہ دی۔ وہ کبھی ایک اور کبھی دوسرے کے پاس جا کر سفارش کے لیے ملتجی ہوتے کہ شاید کسی کے کہنے سے ہی قائد انھیں کارروائی میں شرکت کی اجازت دے دیں۔

جمعہ کے روز شام چھ بجے کارروائی کا آغاز ہوا۔ آگ نے دشمن کے مورچوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ احمد حملہ آوروں کے ہراول دستے میں شامل تھے۔ ان کی بندوق شعلے اگل رہی تھی، وہ دشمن کی طرف بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ نعرۂ تکبیر کی گونج کے ساتھ کچھ دیر بعد ان کی پُر جوش آواز میں ''خوب'' کی صدا سنائی دیتی۔ جمعہ کی شام غروب آفتاب کے ساتھ ساتھ احمد کی پر جوش صدائیں بھی دم توڑ کر رہ گئیں۔ دوستوں نے انھیں آواز دی مگر کوئی جواب نہ ملا۔ یحییٰ نے آگے بڑھ کر احمد کو دیکھا۔ ان کا خون

ارد گرد کی ساری مٹی کو سیراب کرتے ہوئے آگے کو بہتا جا رہا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے مصداق وہ آخری لمحے تک جہاد و عزیمت کی منازل طے کرتے چلے گئے:

((طُوبٰى لِعَبْدٍ آخِذٍ بِعِنَانِ فَرَسِهِ فِي سَبِيلِ اللهِ أَشْعَثَ رَأْسُهُ، مُغْبَرَّةٍ قَدَمَاهُ، إِنْ كَانَ فِي الْحِرَاسَةِ كَانَ فِي الْحِرَاسَةِ، وَإِنْ كَانَ فِي السَّاقَةِ كَانَ فِي السَّاقَةِ، إِنِ اسْتَأْذَنَ لَمْ يُؤْذَنْ لَهُ وَإِنْ شَفَعَ لَمْ يُشَفَّعْ)) (بخاري كتاب الجهاد، باب الحراسة في الغزو في سبيل الله)

''بشارت ہو اس بندے کے لئے جو اللہ کی راہ میں اپنے گھوڑے کی باگ تھامے ہوئے ہو، بال بکھرے اور گرد آلود پاؤں! اگر اسے پہرے پر لگا دیا جائے تو پہرے پر رہے اور اگر پچھلے لشکر میں چھوڑ دیا جائے تو پچھلے لشکر ہی میں رہے۔ اگر اجازت مانگے تو اجازت نہ ملے اور اگر سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول نہ کی جائے''۔

بالآخر ایک شیر نے شیروں کی کچھار کو الوداع کہہ دیا۔ احمد کی شہادت کی خبر سن کر طائف کے غازیوں کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ وہ سب انھیں بچپن سے جانتے تھے۔ ایک دوسرے کو ان کی شہادت کی مبارک باد دے رہے تھے اور تمنا کر رہے تھے اے کاش انھیں بھی خوش بختی کا یہ مقام نصیب ہو جائے اور اللہ ان سب کو بھی اپنی بارگاہ میں قبول کر لے!

نظروں کے سامنے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی زندگی کی تصویر گھوم گئی

تاریک رات کے سناٹوں میں لحہ بہ لحہ میزائل گرنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ساتھی بضد تھے کہ وہ احمد کی نعش اٹھا کر لائیں اور اسے اپنے ہاتھ سے دفنائیں۔ میں نے ان سے کہا: اس وقت بڑا کٹھن معرکہ درپیش ہے۔ ان کی نعش یہاں لانا خطرے سے خالی نہیں۔ ویسے بھی مسنون طریقہ یہی ہے کہ مقتولین کو ان کی جائے شہادت ہی میں دفن کر دیا جائے۔

زاد المعاد (۳/۲۱۴) میں ہے:

''إن السنة في الشهداء أن يدفنوا في مصارعهم ولا ينقلوا إلىٰ مكان آخر، فإن قوماً من الصحابة نقلوا قتلاهم إلى المدينة فنادى منادي رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :بالأمر برد القتلی إلی مصارعھم "

''سنت یہ ہے کہ شہداء کو ان کی جائے شہادت میں ہی دفن کر دیا جائے۔ انھیں دوسری جگہ منتقل نہ کیا جائے۔ صحابہ کی ایک جماعت نے اپنے شہداء کو مدینہ منتقل کیا۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ایک پکارنے والے نے منادی کرتے ہوئے کہا کہ: ''شہداء کو ان کے ٹھکانوں کی طرف واپس لے جایا جائے''۔

بعض نوجوان شعلہ بار میزائلوں کی بارش اور رات کی تاریکی میں احمد کی نعش کو اٹھا کر لائے' چہرے پر ہمیشہ کی طرح ایک دل آویز مسکراہٹ' آج بھی طاری تھی۔ ابو حذیفہ نے مجھے بتایا کہ شہید کے جسم سے ایک انوکھی خوشبو آ رہی تھی۔ لڑائی کے دنوں میں احمد جس کمرے میں ٹھیرے تھے اس کے قریب ہی ان کی قبر کھودی گئی۔ ابو حذیفہ نے ان کے جسدِ طاہر کو اٹھا کر قبر میں اتارا۔ دل اگرچہ اس قابلِ رشک مقام پر عش عش کر رہے تھے مگر آنکھیں جدائی کا کرب برداشت نہ کر سکیں اور بے ساختہ آنسوؤں نے رخساروں کو تر بتر کر دیا۔ احمد کی پر آسائش اور ناز و نعم سے بھری ابتدائی زندگی سے واقف دوستوں کی نظروں میں مصعب بن عمیرؓ کی زندگی کی تصویر گھوم گئی' جنھیں احد کے میدان میں الوداع کہتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لقد رأیتک في مکة وما في مکة شاب أرق حلة ولا احسن لمة منک، وھا أنت الآن أشعث في بردة))

''میں نے تمھیں مکہ میں دیکھا۔ مکہ کا کوئی نوجوان تم سے زیادہ خوش پوش اور خوش لباس نہ تھا۔ اور آج میں تمھارا غبار آلود چہرہ چادر میں دیکھ رہا ہوں''۔

پس طائف کے نغمہ خواں اور مؤذن کی شہادت ان کے والدین اور اعزاء کو مبارک ہو' ان شاء اللہ یہ روزِ قیامت ان کے لیے باعثِ شفاعت بن جائے گی۔ شہید کے والد اور بہن بھائیوں کے لیے یہ شہادت دنیا میں عزت و سربلندی اور آخرت میں ابدی نعمتوں کا ذریعہ ہوگی۔ اے احمد کے بھائیو طلال' یحیٰ' سعید' عمر' عبدالوھاب اور محمد! احمد نے تمھارے سامنے کامیابی کی منزل کے نقوش تراش دیے ہیں۔ کیا تم لوگ اس راہ پر چلنے کا عزم رکھتے ہو؟ احمد کے دوستو! احمد نے آپ پر اپنی حجت پوری کر دی' اپنی گواہی کا حق ادا کر دیا' اب آپ کے پاس کسی عذر کا موقع نہیں۔ احمد کے رشتے دارو! تم اس راستے سے منہ کیسے موڑ

سکتے ہو جو تمھاری دنیا اور آخرت کی کامیابیوں کا ضامن ہے؟ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں فردوسِ بریں میں احمد کے ساتھ اکٹھا فرما دیں۔

شہید کے اہلِ خانہ کے نام عبداللہ عزام کا خط

''محترم المقام چچا جان عبداللہ بن زھرانی! محترم چچی جان! عزیز بھائیو! طلال' یحیٰ' سعید' عمر' عبدالوھاب' محمد! شہید کی قابلِ صد احترام بہنو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اس دنیا میں جو بھی آیا ہے اسے ایک نہ ایک دن ضرور مرنا ہے' مگر شہداء کا مقام سب سے جدا ہے۔ اللہ نے ان کے لیے دنیا کی عزت اور آخرت کی کامیابی لکھ رکھی ہے۔ شہادت اللہ کا خصوصی انعام ہے جسے وہ اپنے برگزیدہ بندوں کو عطا فرماتا ہے:

﴿وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَاءَ﴾

(آل عمران: ۱۴۰)

''اور ہم ان ایام کی اُلٹ پھیر تو لوگوں کے درمیان کرتے ہی رہتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جان لیں اور تم میں سے بعضوں کو شہید (کے مرتبے پر فائز) کرے''۔

قومیں اپنے ابطال کے عزم و حوصلے سے زندگی پاتی ہیں' وہ ابطال جو اعلیٰ اصولوں' امت کے پرچم کی سربلندی اور اس کے مقدسات کے تحفظ کی خاطر اپنی متاعِ حیات کا نذرانہ پیش کرتے ہیں۔ اُس قوم میں کوئی بھلائی نہیں جو اپنے کمزوروں کے حقوق ہضم کر لے' اپنے اصولوں کی قیمت ادا کرنے کا سبق نہ سیکھ سکے اور اپنے بچوں اور عورتوں کے تحفظ کے لیے خون کا نذرانہ ادا کرنے کا حوصلہ نہ رکھے۔ کتنے ہی گمنام قبیلے ایسے ہیں جنھیں پر عزم نوجوانوں نے تاریخ کا تابناک اور ناقابلِ فراموش باب بنا چھوڑا ہے۔ ان کے ذکرِ خیر کا ستارہ تاابد جگمگاتا رہے گا۔ آپ لوگ قابلِ رشک ہیں کہ احمد کے خاندان سے آپ کا تعلق ہے۔ آپ کا تذکرہ ایک ایسے نام کے حوالے سے کیا جاتا ہے جو شہداء کے زمرے میں شامل ہو چکا ہے۔ امت کی نیند بہت طویل ہو چکی ہے' خون کے سیلاب اور اسلحے کی گھن گرج کے سوا کوئی دوسرا طریقہ اب

اسے جگا نہیں سکتا"۔

آج تمام علماء کا اتفاق رائے ہے کہ امت پر جہاد فرض قرار پا چکا ہے

"اس امت کا درخت اب پر عزم مجاہدین کے پسینے اور شہداء کے خون ہی سے برگ و بار لا سکتا ہے۔ بے شک دین کا طویل راستہ کانٹوں اور خون سے ہو کر گزرتا ہے۔ اور جنت کو جانے کا سب سے مختصر راستہ شہادت فی سبیل اللہ ہے:

((إِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ أَعَدَّهَا اللّٰهُ لِلْمُجَاهِدِينَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ مَا بَيْنَ الدَّرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللّٰهَ فَاسْأَلُوهُ الْفِرْدَوْسَ فَإِنَّهُ أَوْسَطُ الْجَنَّةِ، وَأَعْلَى الْجَنَّةِ)) ((وَ فَوْقَهُ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ وَمِنْهُ تَفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ)) (صحيح البخاري، كتاب الجهاد و السير)

"بے شک جنت میں سو درجے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مجاہدین فی سبیل اللہ کے لئے تیار کر رکھے ہیں۔ ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان و زمین میں ہے' تو جب تم اللہ سے مانگو تو فردوس کا سوال کرو' کیونکہ وہ جنت کا سب سے اونچا اور بیچ کا حصہ ہے اور اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور اسی (فردوس) سے جنت کی نہریں پھوٹتی ہیں"۔

آج تمام علماء کا اتفاق رائے ہے کہ امت پر جہاد فرض قرار پا چکا ہے اور اس کے لیے اولاد کا والدین سے اجازت لینا' مقروض کا قرض خواہ سے اجازت لینا اور بیوی کا شوہر سے اجازت لینا ضروری نہیں رہا' حالانکہ عام حالات میں بیوی کا شوہر کی اجازت کے بغیر سفر کرنا بھی جائز نہیں' (تاہم سفرِ جہاد میں محرم کا ساتھ ہونا بہر حال ضروری ہے)۔

ہمارے تمام مقبوضہ مقدسات' پامال عزتیں اور لٹے پٹے گھر اور ان کے مکین فریاد رساں ہیں اور عالم اسلام کے نوجوانوں کو پکار رہے ہیں:

كيف القرار و كيف يهدأ مسلم — والمسلمات مع العدو المعتدي

قرار کیسے آئے؟ اور مسلمان کیسے آرام سے بیٹھے جب کہ مسلم عورتیں ظالم دشمن کے قبضے میں ہیں

أتسبى المسلمات بكل ثغر — وعيش المسلمين إذا يطيب

اہل ایمان کی خواتین کو کفار نے ہر مورچے میں لونڈیاں بنا لیا ہے اور پھر بھی مسلمان خوشی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

احمد کی عمر کے لڑکے اگر گاڑیوں کی دوڑیں لگانے کے شغل میں مست ہیں تو اس صالح نوجوان نے جوانی کے قیمتی ایام محاذوں پر گزار دیئے۔ اگر احمد کی عمر کے نوجوان مادی تہذیب میں غرق ممالک کے دارالحکومتوں میں چھٹیاں گزارنے اور شہوات کے عفریت کے ساتھ دل بہلانے کا سامان کرنے میں لگے رہے تو اس نیک خوجوان نے اپنی چھٹیاں بلند و بالا پہاڑیوں کی یخ بستہ چوٹیوں میں شہادت کی موت کی تلاش میں گزار دیں۔

أعز مكان في الدنى سرج سابح — و خير جليس في الزمان كتاب

برق رفتار گھوڑے کی زین ہی سب سے زیادہ عزت کا مقام ہے اور دنیا میں کتاب سے بڑھ کر بھی کوئی اچھا ہم نشین ہے؟

اس کے ہم عمر نوجوان رقص و موسیقی اور فلموں کے طلسم ہوشربا میں اپنی راتیں رنگین بنانے میں مگن رہے لیکن وہ مسلمان بہنوں کی آبرو کے تحفظ کے لیے پہرہ دیتے ہوئے تسبیح و تہجد و استغفار میں راتیں بسر کرتا رہا۔ لوگ دنیاداروں کی چوکھٹ پر اور ان کے پاؤں میں عزت اور ترقی کی بھیک مانگنے میں لگے رہے مگر احمد کی نظروں میں یہ دنیا بالکل بے قیمت رہی' اس کی نگاہ میں اس کے کوئی مول نہ ٹھہر سکے نہ اس نے ان راحتوں سے ادنیٰ لگاوٹ محسوس کی۔ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث اس کا مرکز نگاہ بنی رہی:

((ازْهَدْ فِي الدُّنْيَا، يُحِبَّكَ اللّٰهُ، وَازْهَدْ فِيمَا فِي أَيْدِي النَّاسِ، يُحِبُّوكَ))

"اگر تم دنیا سے بے رغبت ہو جاؤ تو اللہ تم سے محبت کرے گا۔ اور اگر تم دنیا والوں کی دولت سے بے نیاز ہو جاؤ تو دنیا والے تم سے محبت کرنے لگیں گے"۔

آخری بات یہی ہے کہ دل میں بڑی امنگیں ہیں' بہت سے الفاظ گفتگو کا لبادہ اوڑھنے کے لیے بے تاب ہیں۔ سینہ حسرتوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے' مگر اس جلدی میں ہم صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ میں اپنے سب بیٹوں کے لیے شہادت کی موت کا طالب ہوں (یاد رہے کہ شہید عزام ؒ کے بیٹے بھی ان کے ساتھ ہی شہید ہو گئے تھے)۔ میری اس حی و قیوم ذات سے دعا ہے کہ وہ ہمیں بھی اپنی راہ میں شہادت کا رتبہ عطا

فرمادیں۔ درحقیقت آپ کے بیٹے نے دنیا میں آپ کے لیے عزت و آبرو اور آخرت میں آپ کی شفاعت کا سامان کیا ہے۔ میں اپنی گفتگو کا اختتام شہید کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے کرتا ہوں:

حضرت مقدام بن معدی کربؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لِلشَّهِيدِ عِنْدَ اللَّهِ سِتُّ خِصَالٍ: يُغْفَرُ لَهُ فِي أَوَّلِ دَفْعَةٍ، وَ يَرَى مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ، وَ يُجَارُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَ يَأْمَنُ مِنَ الْفَزَعِ الْأَكْبَرِ، وَ يُوضَعُ عَلَى رَأْسِهِ تَاجُ الْوَقَارِ، الْيَاقُوتَةُ مِنْهَا خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَ مَا فِيهَا، وَ يُزَوَّجُ اثْنَتَيْنِ وَ سَبْعِينَ زَوْجَةً مِنَ الْحُورِ الْعِينِ وَ يُشَفَّعُ فِي سَبْعِينَ مِنْ أَقَارِبِهِ)) (سنن الترمذي، أبواب فضائل الجهاد) حديث (صحيح الجامع ٥١٨٢) صفحه نمبر ٩٢٠

”اللہ تعالیٰ کے ہاں شہید کے لیے چھ انعامات ہیں: خون کا پہلا قطرہ گرتے ہی اس کی بخشش ہو جاتی ہے، اور وہ جنت میں اپنا ٹھکانہ دیکھ لیتا ہے، اسے عذابِ قبر سے محفوظ رکھا جاتا ہے اور قیامت کے دن کی بھیانک وحشت سے مامون کر دیا جاتا ہے، اس کے سر پر ایسے یاقوت سے جڑا ہوا وقار کا تاج رکھا جاتا ہے، جو دنیا اور اس میں موجود ہر چیز سے بہتر ہے، اور بہتر حورِ عین سے اس کی شادی کر دی جاتی ہے اور اس کے ستر رشتے داروں کے معاملے میں اس کی سفارش قبول کی جاتی ہے۔“

ان شاء اللہ ہم اسی راستے پر چلنے کا عزم رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارا خاتمہ بالخیر کرے۔

عبداللہ عزام، منگل، ۲۳ شعبان ۱۴۰۷ھ بمطابق ۲۱ اپریل ۱۹۸۷ء

شیر کی شجاعت آفریں شہادت مبارک ہو

اے شہید کی ماں! نہ رو... بلکہ اپنے شہید بیٹے کی شجاعت پر اپنا سر فخر سے بلند کر لے اللہ اس شہسوار کا فی سبیل اللہ جہاد اور شہادت قبول کر لے اور وہ روزِ قیامت اپنے گھر والوں کی شفاعت کر سکے... نہ رو... تیرے بیٹے نے وہ تابناک مثال پیش کی ہے جو آنے والی نسلوں تک کے لیے سرمایۂ عزت و افتخار ہے... نوجوان ہمیشہ ان قدموں کی پیروی کرنے میں فخر محسوس کریں گے۔ شہید کی بہنیں اپنا سر فخر سے بلند کر لیں، رونے اور آہ و بکا کرنے کی بجائے خوشی و مسرت اور شکر و ثناء بجا لائیں۔

شہید کے والد کو اس شیر کی شجاعت آفریں شہادت مبارک ہو۔ آپ کا مجاہد بیٹا ہمیں آپ سے متعارف کرانے کا ذریعہ بنا۔ آپ کے بیٹے کا شمار ان سرفروشوں میں ہوتا ہے جو خود موت کی تلاش میں نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ پس شاداں و فرحاں رہو، غمگین نہ ہو۔ شہید کے بھائیوں کو بھی انھی نقوش کی پیروی کرنے کی تاکید کرو۔ بے شک اگر یہ لوگ ہم سے بہتر نہ ہوتے تو اللہ انھیں ہم سے پہلے اپنے پاس بلانے کا اہتمام نہ کرتا۔ ہمیں حسرتوں میں مدفون اپنے انجام سے بے خبر نہ چھوڑ دیتا۔ اے باری تعالیٰ! تو ہمیں بھی سعادت کی زندگی اور شہادت کی موت نصیب فرمانا اور روزِ قیامت ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثاروں کی معیت میں اٹھائیے گا!

احمد زہرانی کے والد کا شیخ عبداللہ عزام کے نام خط

راہِ حق کے مجاہد اپنے بھائی عبداللہ عزام کے نام، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اپنے بیٹے احمد کی شہادت پر آپ کی طرف سے ہدیۂ تہنیت پر مشتمل خط موصول ہوا۔ آپ نے مجھے اس کی شہادت پر مبارک باد دی ہے۔ تمام تعریفوں کی مستحق اللہ کی ذات باصفات ہے، ہم اسی کے لیے ہیں اور اسی کی طرف پلٹ کر ہمیں جانا ہے۔ اللہ تعالیٰ میری طرف سے اور تمام مسلمانوں کی طرف سے آپ کو جزائے خیر دیں اور اُمت کو جگانے اور اسے جہاد کے لیے تیار کرنے کی مخلصانہ کوششوں میں برکت پیدا فرمائیں۔

میرے مجاہد بھائی! میں ایک عرصہ فوج میں کام کرتا رہا ہوں۔ یہودیوں کے خلاف ۱۹۴۸ء کی جنگ میں شریک رہا ہوں اور اس میں مسلمان مجاہدین کی جرأت و بہادری کی بے نظیر مثالوں کا عینی شاہد ہوں۔

مگر جہادِ افغانستان کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ یہ انفرادی جذبات کے ساتھ شریکِ جہاد ہونے والوں پر مشتمل گروہوں کا جہاد نہیں' بلکہ پوری اُمت اس میں شریک ہے۔ غازیوں کے سامنے ہدف بھی واضح ہے اور منزل بھی۔ میں آپ کے سامنے کیا تقابلی جائزہ پیش کروں' آپ کو خود سرزمینِ فلسطین میں رہتے ہوئے بارہا ایسی جنگوں میں شریک کار رہنے کا اتفاق رہا ہوگا۔

اُمت کے خوابِ گراں کے اس دور میں برپا ہونے والا یہ جہاد خوشگوار بارش کی طرح اُمت کی بنجر زمین کو سیراب کر رہا ہے۔ اللہ پر ایمان رکھنے والوں' اسے اپنا ربّ' اسلام کو اپنا دین' محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی اور ہادی' جہاد کو اپنا طریقِ زندگی اور قرآن مجید کو زندگی کا لائحہ عمل قرار دینے والے والوں کو اس جہاد کی برکت سے ایک مرکز پر جمع ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ پس مبارک باد کا مستحق ہے ہر وہ شخص جس نے راہِ اللہ میں جہاد کا راستہ چن لیا۔ اللہ کی قسم' یہ نفع بخش تجارت ہے۔ دنیا میں عزت وسربلندی کا راستہ اور آخرت میں کامیابی ونجات کا ذریعہ۔ یہ گوشت اور مٹی سے بوجھل نفسوں کا بوجھ کم کرنے کا سب سے کارگر نسخہ ہے۔ یہی طمانیت کا' یقین کا رستہ ہے اور یہی اسلام کی سربلند چوٹی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ (یوسف: ۹۰)

''بے شک جو کوئی تقویٰ اختیار کرتا ہے (یعنی گناہوں سے بچتا ہے) اور صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا''۔

پس میرے بھائی' میں آپ کو بھی اور خود اپنے آپ کو بھی تقویٰ کی روش پر کاربند رہنے کی تلقین کرتا ہوں۔ (عبداللہ بن یحییٰ زھرانی)

ربّ کے مہمان ... علی موریتانی' حسین موریتانی اور نور الحق شہید

''مجھے نہیں یاد کہ میں نے انھیں کبھی صاف کپڑوں میں دیکھا ہو' کیونکہ ان کے کپڑوں پر ہمیشہ مٹی اور اسلحے کے تیل کے نقش ونگار بنے ہوتے۔ یوں معلوم ہوتا جیسے دونوں نے دنیا کا نقشہ زیب تن کر رکھا ہو''۔

۳۰ رمضان کو ہم جاجی پہنچے۔ دشمن نے مرکز (مأسدہ) پر حملے کی تیاری میں تھا۔ جب کبھی دشمن قریب ہونے کی کوشش کرتا' مجاہدین اپنے میزائلوں سے اسے منہ توڑ جواب دیتے۔ غذا اور اسلحہ سے لیس اس کی بکتر بند گاڑیاں اپنے مورچوں کی طرف چلنے لگتیں تو غازیوں کے پے در پے حملے انھیں فرار ہونے پر مجبور کر دیتے۔ دشمنوں نے بارہا چاہا کہ اپنے چھاپہ مار دستوں کو مأسدہ کے مقابلے پہ کھڑا کر دیں مگر آر۔ پی۔ جی۔ ۷' بیاسی۔ م۔ م اور ۷۵۔ م۔ م نے انھیں اپنے آخری سانس تک لینے کا موقع نہ دیا۔ ہیلی کاپٹر اپنے جہنمیوں کے جثے اٹھاتے پھر رہے تھے۔ دوربین سے دیکھنے والے مجاہدین نے بتایا کہ یہ ہیلی کاپٹر چن چن کر سفید چمڑی اور نیلی آنکھوں والے روسی مرداروں کو اپنے طیاروں میں ڈھوتے پھر رہے ہیں۔ مجاہدین کے مسئول نے صورتِ حال کی نزاکت بھانپ کر نوجوانوں کو پیچھے ہٹنے کا حکم دیا۔ ہیلی کاپٹر سے نبرد آزما دستے کے قائد سیف اللہ نے جواب دیا: ''نہیں ہرگز نہیں' وہ ہماری لاشوں کو روندے بغیر یہاں سے نہیں گزر سکتے...'' اس پر قائد نے چلا کر کہا: ''روزِ قیامت میں تم سے بری الذمہ ہو جاؤں گا اگر تم نے میرے حکم کی خلاف ورزی کی...''۔ وہ عید کی رات تھی میں نے دیکھا کہ سیف اللہ صرف اور صرف امیر کی اطاعت میں فوراً وہاں سے پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے۔ اس روز بہت سے دیگر دستے بھی واپس آ کر مرکز کی حفاظت پر مامور ہو گئے۔ ہم نے نمازِ فجر ادا کی' سیف اللہ نمازِ فجر کی ادائیگی کے ساتھ ہی اپنے دستے کے ساتھ باہر نکل آئے۔ ان کے مجموعے میں علی اور حسین بھی تھے۔ دو جگری دوست جو کبھی ایک دوسرے سے علیحدہ نہ ہوئے تھے۔

شاید ہماری قسمت میں بھی اللہ تعالیٰ شہادت لکھ دیں

سورج طلوع ہونے کے بعد میں اپنے بستر پر دراز تھا۔ میرے ساتھ ہی شیخ تمیم عدنانی بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم نے جنگی طیاروں کی گڑگڑاہٹ اور میزائلوں کے جوابی حملوں کی آوازیں سنیں۔ یہ تند و تیز چنگھاڑیں کانوں کے پردے پھاڑ رہی تھیں۔ قائد کی بلند آواز ہماری سماعت سے ٹکرائی: ”اٹھیے فوراً یہ کمرہ چھوڑ دیجیے، یہ میزائلوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا“۔ میں نے شیخ تمیم سے کہا: ”اٹھیے، جلدی کیجیے“۔ وہ مسکراتے ہوئے کہنے لگے: ”عید کے دن کی شہادت سے بڑھ کر کیا سعادت ہوگی“۔ میں نے زور دے کر کہا: ”بھئی اٹھیے! جلدی کیجیے....!“

ہم باہر نکل کر جنگی جہازوں سے گرائے گئے میزائل دیکھنے لگے۔ سارا آسمان کالے بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ ایک صاحب گویا ہوئے: ”میرے خیال میں یہ میزائل زہریلی گیس سے بھرے ہوئے تھے“۔

رفتہ رفتہ کالے بادل چھٹنا شروع ہوگئے۔ ہم مخابرے کے گرد بیٹھ کر لحہ بہ لحہ کی صورتِ حال سننے لگ گئے۔ اتنے میں ابوالحسن مقدسی اندر داخل ہوئے اور کہنے لگے: ”تین عرب مجاہدین کی شہادت کی اطلاع ملی ہے، خبر کی تصدیق ابومحمود سے ہوگی، وہ مجاہدین کے مخابرے پر گفتگو کر کے واپس آتے ہی ہوں گے“۔ اتنی دیر میں مخابرے سے آواز بلند ہوئی: ”تین عرب بھائیوں نے اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر کے شہادت کا مقام حاصل کر لیا۔ یہ تینوں مجاہد علی موریتانی، حسین موریتانی اور نورالحق مغربی ہیں“۔ تینوں شہادت کے متوالے تھے۔ علی تو سراپا انتظار تھے اور اکثر کہا کرتے: ”شاید ہماری قسمت میں بھی اللہ تعالیٰ شہادت لکھ دیں“۔ گویا:

كأنك من الصوارم في أهل　　مقيم مع الهيجاء في كل منزل

دونوں باہم محبت کرنے والوں کو ایک ہی قبر میں دفن کردو

حسین ایک برس سے علی کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ دونوں سائے کی طرح کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوتے۔ حسین کی پیدائش ۱۹۷۰ء کی تھی، بالکل نوخیز جوان تھے! انتہائی خوبصورت آواز میں تلاوت کرتے۔ یوں معلوم ہوتا لحنِ داؤدی میں سے کوئی حصہ انھیں دیا گیا ہو۔ مجھے نہیں یاد کہ میں نے انھیں کبھی

صاف کپڑوں میں دیکھا ہو، کیونکہ ان کے کپڑوں پر ہمیشہ مٹی اور اسلحے کے تیل کے نقش و نگار بنے ہوئے ہوتے، یوں معلوم ہوتا جیسے دونوں نے دنیا کا نقشہ زیب تن کر رکھا ہو۔

إذا اعتاد الفتى خوض المنايا　　فأهون مايمر به الوحول

اگر جوانوں نے موت کے میدانوں میں کودنے کا فن سیکھ لیا ہو تو پایاب پانیوں سے گزرنا ان کے لئے کیا مشکل ہے؟

میدانِ جہاد کی سختیوں کی وہ ذرا پروانہ کرتے، یخ بستہ سردی ان کے پاؤں نہ ڈگمگا سکتی۔ شب خیزی، بھوک کی شدت اور درد و آلام کو وہ قطعاً خاطر میں نہ لاتے۔ بالآخر علی اور حسین نے رتبۂ شہادت پالیا اور دونوں ایک ہی خندق میں دفن ہوگئے۔ ان کی شہادت کے واقعے نے مجھے اللہ کی راہ کے دو دوستوں حضرت جابرؓ کے والد عبداللہ بن حرامؓ اور عمرو بن الجموحؓ کی یاد دلا دی، جو اُحد میں شہید ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو اکٹھا دفن کرنے کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

((إدفنوا هذين المتحابين في الدنيا في قبر واحد)) (دلائل النبوة للبيهقي ۳/ ۳۵۲)

”دونوں باہم محبت کرنے والوں کو ایک ہی قبر میں دفن کردو“۔

ایک راستے کے سفر نے انھیں ایک ہی ٹھکانے پر اکٹھا کر دیا جہاں سے روزِ قیامت دونوں کو اکٹھا کھڑا کیا جائے گا۔

﴿اِذَا بُعْثِرَ مَا فِی الْقُبُوْرِ﴾ (العدیٰت: ۹)

”اس دن جب قبروں میں مدفون مردوں کو جلا اٹھایا جائے گا“۔

علی کی آخری گفتگو سچ ثابت ہوئی۔ انہوں نے کہا تھا: ”ہم عید منانا چاہتے ہیں“۔ علی خدائے رحمان کی ضیافت میں عید منانے چلے گئے....!

ہم یہاں واپس جانے کے لیے نہیں آئے

نورالحق مغربی کی ہجرت خالصتاً راہِ خدا میں تھی۔ ہم اللہ کے مقابل کسی کی پاکیزگی بیان نہیں کرتے مگر اپنے بھائی کے بارے میں ہمارا یہی نیک گمان ہے۔ نورالحق نے اللہ کی راہ میں ایسی ہجرت کی جس

میں واپسی کے تمام راستے بند تھے۔ وہ سب سے پہلے مغربی ممالک کی طرف سے خشکی کے راستے آئے۔ شام کی حدود کے قریب انھیں روک لیا گیا۔ کچھ عرصہ بعد وہ حج کے لیے روانہ ہوئے اور ام القریٰ میں مناسکِ حج ادا کر لینے کے بعد افغانستان کی طرف رختِ سفر باندھ لیا۔ پشاور آ کر انھوں نے مدرسۂ حرا میں تدریسی خدمات انجام دینی شروع کیں۔ انھی دنوں انھیں جاجی میں معرکہ گرم ہونے کی اطلاع ملی تو وہ جاجی کی طرف کھنچے چلے آئے۔ شہادت کی تمنا ان کے انگ انگ میں رچی تھی۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے "ہم یہاں واپس جانے کے لیے نہیں آئے"۔ گویا:

یوں شام کی دہشت سے سرِدشت ارادہ
رکنا تھا تو پھر سارا سفر کس کے لیے تھا؟

دن گزرتے گئے۔ مجاہدین مخابرے سے نکلنے والے ہر لفظ پر اپنے کان جمائے رکھتے اور صورتِ حال کے مطابق گفتگو کا جواب دے رہے ہوتے۔ یہ بڑا ہی کٹھن معرکہ تھا۔ بغیر کسی توقف کے بمباری کا سلسلہ جاری رہتا۔ روسی ہمارے نئے مرکز (مأسدہ) کو اکھاڑ پھینکنے کے لیے ساری کوششیں مرکوز کیے رہتے۔ مگر نورالحق جیسے نوجوانوں نے میزائلوں کی بارش میں مرکز کے دفاع کے لیے جان کی بازی لگا رکھی تھی۔

روسیوں نے اپنے پانچ زبردست چھاپہ مار دستے تیار کر رکھے تھے جن کو انھوں نے بہت طویل تربیت دے رکھی تھی۔ روس کو ان کی اس طرح فکر تھی جس طرح امریکیوں کو اپنے میرین دستوں کی فکر رہتی ہے۔ ان میں سے کسی ایک کا چلے جانا بھی روس کے لیے زبردست نقصان کا سودا تھا۔ ہیلی کاپٹروں نے مرکز پر پے در پے حملے کیے۔ پھر میزائلوں کی بارش شروع کر دی۔ بالآخر ستر روسیوں پر مشتمل خصوصی چھاپہ مار دستہ مرکز سے صرف ستر میٹر کے فاصلے پر ڈیرے جما بیٹھا۔ یہ دیو ہیکل روسی اپنی جسمانی قوت، تعداد، ذرائع اور اسلحے کے اعتبار سے مجاہدین سے بہت بڑھ کر تھے۔

غازیوں نے اپنی بندوقوں کے دہانے ان پر کھول دیے۔ آن کی آن میں سو کے قریب گولیوں کی بوچھاڑ کر دی گئی۔ چھے روسی قتل ہو کر گر پڑے۔ ایک روسی کے جسم پر آر۔ پی۔ جی۔ ے کا گولہ لگا اس کی دھجیاں ہوا میں اڑ گئیں۔ اب جنگ نے ایک نئی صورت اختیار کر لی۔ نوجوان غازیوں کا ایک دستہ روسی چھاپہ ماروں پر ٹوٹ پڑا۔ ان کی قیادت عکرمہ دستے کے سپرد تھی، جو ہمیں جنگِ یرموک کے دن موت پر

بیعت کرنے والے عکرمہ ﷛ کی یاد دلا رہی تھی۔ اس دستے میں منصور، ابوالفضل اور عبداللہ شامل تھے۔ لڑائی میں دستی بموں کا خوب استعمال ہو رہا تھا۔ ایک مجاہد نے بتایا، میں نے اپنے سامنے دستی بم پھینکا تو ایک روسی بم سے بچنے کے لیے فوراً نیچے کو جھک گیا۔ میں نے اس پر اپنا فائر کھول دیا۔ اور وہ گدھے کی طرح زمین پر ڈھے گیا۔

یہ مجاہد وہ نوجوان تھے جو موت کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ اگر یہ موت کے لیے اس قدر بے تاب نہ ہوتے تو اتنے غیر معمولی مدمقابل چھاپہ مار دستوں پر یوں نہ پل پڑتے۔ ان میں سے ایک ایک فرد انتہائی تربیت یافتہ تھا۔ مگر ایمان معجزات رونما کراتا ہے اور روحیں جسموں کو مات کر جاتی ہیں۔

مجاہدین اور روس کے مابین مقابلہ اختتام کو پہنچا۔ باقی ماندہ روسی اپنی قوم کو ایمان کے بیٹوں کی جرأت کا حیران کن قصہ سنانے نکل بھاگے۔ مجاہدین ان کے خون میں غوطہ زن ہونے کے بعد واپس پلٹ آئے۔

وقفتَ وما في الموت شك لواقف　　　كأنك في جفن الردى وهو نائم

تمربك الأبطال كلمى هزيمة　　　ووجهك وضاح و ثغرك باسم

"تم میدان میں جم گئے اور جو جم جائے اسے موت کے معاملے میں کوئی تردد نہیں ہوتا
موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بھی تم نے اس کو پچھاڑ دیا
دشمن کے سردار تمہارے سامنے ہزیمت زدہ پڑے ہیں
جب کہ تمھارا چہرہ خوشی سے تمتما رہا ہے اور مسکراہٹ اس پر چھائی ہوئی ہے"

منصور شہید

''وہ چھوٹی سنتوں پر بھی بڑی لگن سے عمل پیرا رہتے''

مجھے ایک نوجوان نے بتایا کہ میں نے دیکھا ''منصور شہید ہو کر گر پڑے ہیں اور ایک روسی آگے بڑھ کر ان کا جسم الٹ پلٹ کر رہا ہے...''۔

مجھے چار ماہ تک منصور کے ساتھ رہنے کا موقع ملا۔ مجھے یہ نوجوان بہت اچھا لگا۔ میں نے اسے پہلی ہی نظر میں کہا: ''آپ ہمارے بھائی ابو دجانہ سے بہت ملتے ہیں''۔ وہ کہنے لگے: ''کہاں ہم اور کہاں ابو دجانہ؟'' یاد رہے ابو دجانہ نہرین کے معرکے میں جامِ شہادت نوش کر چکے تھے۔ چھریرے بدن کے مالک ابو دجانہ بہت خوبیوں کے مالک تھے۔ شجاعت و بہادری کے ساتھ شرم و حیاء اور سخاوت ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ صحیح مسلم کی حدیث ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إنَّ الْحَيَاءَ وَالْإِيْمَانَ قُرِنا جَمِيْعاً، فَإِذَا رُفِعَ اَحدهما رُفِعَ الآخرُ)) (رواه الحاكم والبيهقي، أنظر صحيح الجامع ١٦٠٣)

''حیاء اور ایمان اکٹھے ہوتے ہیں۔ جب ایک رخصت ہو جائے تو دوسرا بھی رخصت ہو جاتا ہے''۔

منصور میں بھی ہمارے بھائی ابو دجانہ کی بہت سی صفات تھیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ دونوں حافظ قران تھے۔ میں ان دونوں کی مشترکہ خوبیوں پر حیرت زدہ تھا۔

منصور کم گو مگر زندہ دل نوجوان تھا۔ وہ جب ''صدہ'' کے مرکز میں عبدالرحیم کو دیکھتے تو کہنے لگتے: ''خدا سے دعا کیجیے وہ مجھے بھی ایسی خوبیاں عطا کرے''۔ وہ اسلحے کے بڑے ماہر تھے۔ شیخ جلال الدین حقانی کے مجموعے میں وہ تین ماہ تک رہے۔ مجاہدین میں وہ ہر دل عزیز تھے۔ انھوں نے ان کو اپنا قائد بنا لیا۔ منصور چھوٹی چھوٹی سنتوں پر بھی بڑی لگن سے عمل پیرا رہتے' بدعتوں سے سخت متنفر تھے۔ جب کوئی روایت سنتے تو اس کی تحقیق کرتے' بے سروپا روایات کو رد کر دیتے۔ بڑے ہی ذہین اور ذکی نوجوان تھے۔ بہت سی احادیث انھیں ازبر تھیں۔ جب کبھی کوئی نئی حدیث یا دعا ان کے سامنے رکھی جاتی اسے حفظ کرنے میں وہ

سب سے بازی لے جاتے۔

یہ ستائیس سالہ خوش اطوار نوجوان مصر کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ دیہاتی آب و ہوا میں پروان چڑھنے کی وجہ سے ان میں فطری طور پر جفاکشی اور سخت جانی کا مادہ زیادہ تھا۔ وہ اوائل عمر سے ہی بڑی کٹھن اور پر صعوبت زندگی کے عادی چلے آ رہے تھے۔ قاہرہ میں انھوں نے آرٹس میں گریجویشن کرنے کے بعد عربی میں ماجستیر (ماسٹر) کی سند حاصل کر رکھی تھی۔

وہ مجھے جب بھی دیکھتے مسکراہٹ ان کے چہرے پر ہوتی۔ ماسدہ میں ۱۹ شعبان کی جنگ میں وہ شریک رہے۔ وہ اللہ سے دعا کیا کرتے کہ ان کا شمار رمضان کے مبارک ماہ میں شہادت پانے والوں میں ہو جائے۔ عید الفطر کے روز منصور اپنے ربّ سے جا ملے۔ انعام پانے والے دن وہ اپنے ربّ کے ہاں حاضر ہوئے۔ ہمارے دل ان کی جدائی پر غم زدہ ہیں' مگر ان کے بلند رتبہ پا جانے پر رشک کی کیفیت بھی محسوس کرتے ہیں۔ اے دوست' ربّ کی مہمانی تجھے مبارک ہو۔ ہمیں امید ہے تم اعلیٰ علیین میں ابی دجانہ سے جا ملے ہو گے۔

ابوالفضل شہید

"وہ خاموشی سے مجلس میں بیٹھتے۔ جب کوئی کام خلافِ شرع دیکھتے، چپکے سے اٹھ کر چل دیتے"

ہمارے اگلے شہید ابوالفضل ہیں۔ شہید کی خاموشی ہمیں یہ پیغام دے جاتی ہے کہ

صامت لو تکلما　　　لفظ النار والدماء

قل لمن عاب صمته　　　خلق الحزم ابکما

اخو الحزم لم تزل　　　یدہ تسبق الفما

وہ خاموش رہتا، مگر بولتا تو اس کے الفاظ آگ اور خون کی برسات بن جاتے......

جو اس کی خاموشی پر معترض ہے تو اسے بتا دو کہ ہیبت خاموش ہی ہوتی ہے

اہلِ ہیبت کے ہاتھ ہمیشہ ان کی زبان سے سبقت لے جاتے ہیں

ان کی خاموشی ہی ان کی پہچان بن گئی تھی۔ وہ صرف اس وقت تکلم کرتے جب کوئی بات سنت کے خلاف پاتے، کہنے لگتے:

"یہ بات سنت کے خلاف ہے"۔ جو کام بھی کرتے اسے مکمل کر کے چھوڑتے۔ ہمیشہ قلم پکڑ کر اپنے قائد کے احکامات لکھنے کے لیے تیار رہتے۔ روشن چہرے کے مالک تھے۔ چہرہ سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے آراستہ تھا۔ خاموشی سے مجلس میں بیٹھتے۔ جب کوئی کام خلاف شرع دیکھتے چپکے سے اٹھ جاتے۔ مجھے علم نہیں، آیا انھیں پورا قرآن حفظ تھا یا نہیں، تاہم اس کا بہت سا حصہ انھیں ازبر تھا۔ وہ بہت عرصے سے جہادِ افغانستان میں شرکت کے لیے بے تاب تھے۔ مگر جاجی کے واقعے کے بعد ان کی بے تابی بڑھ گئی۔ ۳۰ رمضان المبارک کو انھیں اپنا ٹھکانہ چھوڑنے کا حکم ہوا۔ انھوں نے اپنے قائد سے اجازت چاہی کہ انھیں اسی جگہ رہنے دیا جائے۔ بالآخر عید کے روز انھوں نے اللہ سے انعام حاصل کر لیا۔ ان کے دوستوں نے انھیں ان کے بھائی منصور کے ساتھ ہی دفنا دیا۔

عبداللہ مصری شہید

"روشن رُو، کم گو، دین و دنیا کے نفع کے متلاشی، ہمیشہ اپنے ہاتھ میں کتاب پکڑے رکھتے"

میں نے سب سے پہلے انھیں اپنے دوست ہارون کے ہمراہ مکتبِ خدمات میں دیکھا، جوان کے ساتھ ہی قندھار سے آئے تھے۔ وہ واپس جانا چاہتے تھے۔ میں نے ان کے چہرے پر تھکن کے آثار دیکھے تو کچھ دیر آرام کرنے کو کہا۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ اپنے سفر کی سمت لوٹ چکے تھے۔ صدہ پہنچ کر انھوں نے دشمن کا بہت سا اسلحہ اپنے قبضے میں لے لیا۔ پھر وہ خوست واپس آئے، پھر دوبارہ صدہ گئے اور بالآخر جاجی جا پہنچے۔ جہاد کے لیے عبداللہ مصری کی بے تابی قابلِ دید تھی۔ بالآخر وہ اپنے آخری فیصلے پر مضبوطی سے جم گئے۔ اللہ کی راہ میں شہادت کی موت یا فتح و نصرت۔

روشن رو، کم گو، دین و دنیا کے نفع کے متلاشی، جب بات کرتے تو بقدرِ ضرورت۔ وہ ہمیشہ اپنے ہاتھ میں کتاب پکڑے رکھتے۔ آخری بار میں نے انھیں ماسدہ میں دیکھا۔ جہاں ان کا مقابلہ روسی چھاپہ ماروں کے ساتھ ہوا تھا۔

ابھی تک ان کے بارے میں کوئی حتمی معلومات نہیں مل سکیں کہ آیا راہ اللہ میں کام آ گئے یا خدا نے ان کی حفاظت کا کوئی انتظام کر لیا (یاد رہے کہ ان کی شہادت کی اطلاع تاخیر سے ملی، بعد ازاں مصنف نے ان کے بارے میں یہ کلمات کہے..) وہ عید کے دن شہید ہوئے، ان کی نعش ہمیں ایک ماہ ایک دن بعد دوذی القعدہ کو ملی۔ خون اب تک بہہ رہا تھا، اور ایسے لگتا تھا کہ جیسے سو رہے ہوں۔ جسم بھی تقریباً متغیر نہ ہوا تھا۔ جب کہ کمیونسٹوں کا حال یہ ہے کہ چند گھنٹوں ہی میں ان کی لاشیں پھول جاتی ہیں، اگلے دن ان کے ناک منہ سے پیپ رسنا شروع ہو جاتی ہے اور دو ایک دن بعد ان کی لاشیں پھول کے پھٹ جاتی ہیں اور ہر طرف سے اس میں سے کیڑے ابلنے لگتے ہیں، دوسری طرف عبداللہ کی نعش تھی، ایک ماہ بعد بھی تر و تازہ جیسے کوئی سو رہا ہو۔

عبد اللہ دیکھنے میں چھوٹے مگر عمل میں بڑے تھے۔ انجینئرنگ کے تیسرے یا چوتھے سال میں پڑھتے تھے۔ اتنے چھوٹے لگتے تھے کہ جب وہ جنگ کے دوران گم گئے تو ہم سوچتے تھے کہ شاید کوئی روسی چھاپہ مار انھیں اپنی کمر پہ لاد کے لے گیا ہو۔ ان کی والدہ نابینا ہیں جن کے پاس صرف عبد اللہ کی بہنیں رہتی ہیں۔ شہید ہوئے تو مقروض تھے۔ بھائی کو خط لکھا کہ مکہ مکرمہ میں کسی نے میرا قرض دینا ہے ہزار یا دو ہزار ریال وہ لے کر میری اماں کو بھیج دیا جائے۔

خدا انھیں اور ہمیں اپنی راہ کی شہادت نصیب فرمائیں اور نیکو کاروں کے زمرے میں ہماری شمولیت فرمائیں۔

ابو خالد جزائری شہید

"دوسروں کی عزت پر مٹی اچھالنا ان کا شیوہ نہ تھا۔ ان کی زبان لوگوں کا گوشت کھانے سے پاک تھی"

نوجوان شوق شہادت کا بے پایاں جذبہ لے کر میدان جہاد آن وارد ہوئے۔ وطن کی محبوب سرزمین' خوشحالی و فارغ البالی کی زندگی انھوں نے راہ جہاد کے بے پایاں شوق کی وجہ سے چھوڑ دی۔

مخابرا ہاتھ میں لیے اپنے قائد کی باتوں پر کان لگائے نوجوانوں کا پورا جھرمٹ اکٹھا کھڑا ہوتا۔ وہ ایک ایک ہدایت نہایت توجہ سے سنتے۔ اور حرکت میں آجاتے۔ کمان دان کا چہرہ اور آنکھیں تھکن کا بوجھ لیے ہوتیں۔ لوگ سو چکتے تو بھی ان کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور رہتی۔ آرام کا کوئی وقت میسر نہ تھا۔ نوجوانوں کے اعصاب سخت ہو چکے تھے۔ دل ان کے سینوں سے بار بار ابل پڑتے۔ نوجوان سانس روکے نئی خبروں پر کان دھرے رکھتے۔ روسی چھاپہ مار آگے بڑھتے۔ نوجوان پہاڑوں پر چڑھ کر آنے والے ٹینکوں پر گولے داغتے' جو ٹینکوں کو اڑا کر رکھ دیتے۔ باقی ماندہ ٹینک نارائی کی سمت بھاگ کھڑے ہوتے۔ رات کے آخری پہر تک دو بدو مقابلہ چلتا۔ مجاہدین کا قائد پکار اٹھتا: "اللہ تعالیٰ ہی اپنی قوت و طاقت کے جلوے دکھاتا ہے ورنہ ہماری کیا حیثیت ہے...!"

فضا دیر تک شہادت کی خوشبو سے مہکتی رہی

ایمبولینس گاڑیاں زمیں پر رینگتی ہوئی آتیں۔ یہ زخمیوں کی بچی کھچی سانسوں کو بچانے کی آخری کوشش ہوتی۔ بالآخر ایک روز ابو خالد جزائری کو بھی ایمبولینس گاڑی میں ڈال دیا گیا۔ راستے میں ابو خالد کی روح پہاڑوں سے بلند ہوتی ہوئی اعلیٰ علیین تک جا پہنچی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

میں نے جب پہلی مرتبہ ابو خالد جزائری کو دیکھا تو وہ ایک کلین شیو نئی تہذیب میں رنگے ہوئے نوجوان کا حلیہ لیے ہوئے تھے۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس نوجوان کا کانٹوں سے پُر اس راہ میں دو قدم بھی چلنا ممکن ہوگا؟ مگر کچھ ہی مدت کے اندر ان میں نمایاں تبدیلیاں واقع ہونا شروع ہوگئیں۔ انھوں نے

اپنی داڑھی بڑھالی۔ وہ لغو گوئی سے اجتناب برتتے۔ جب گفتگو کرتے تو نظریں جھکی ہوتیں' دوسروں کی عزت پر مٹی اچھالنا ان کا شیوہ نہ تھا۔ ان کی زبان لوگوں کا گوشت کھانے سے پاک تھی۔ تعصب کی کوئی علامت ان میں کبھی نہ نظر آئی۔ ان کا کسی پارٹی سے کوئی تعلق نہ تھا۔ ایک عام سلیم الفطرت مسلمان جو تمام مسلمانوں سے محبت کرتا تھا۔ جب ان کی روح جسدِ خاکی سے پرواز کر گئی تو فضا دیر تک شہادت کی خوشبو سے مہکتی رہی۔

ابو الولید شہید

"اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جاری جہاد سے آپ لوگوں کی دوری کے سوا' ہماری کوئی پریشانی نہیں"

روسیوں کو کسی معرکے میں اتنا نقصان نہیں ہوا جتنا یہاں ہوا تھا۔ ان کے تین ڈرائیور غازیوں کی صف میں شامل ہوئے۔ ان میں سے ایک نے کہا: "روس نے ہم تینوں کے ٹرک قبضے میں لے لیے اور میں نے دیکھا کہ میرا ٹرک روسیوں کی لاشوں سے بھرا ہوا تھا"۔

اے جنت کی خوشبو' جلدی آ!

میں جس کمرے میں رہائش پذیر تھا' وہ اتنا مضبوط نہ تھا کہ کسی بھی میزائل یا توپ کا حملہ سہار سکے۔ ہم روزانہ صبح سوا چھے اور نو بجے جنگی جہازوں کی بمباری اور گھن گرج سننے کے عادی ہو چکے تھے۔ مجاہدین کی توپیں اس حد تک تو ان کا مقابلہ کرتیں کہ بمباری کے وقت انھیں زمین سے دور بھاگنے پر مجبور کر دیتیں' تاہم میزائلوں کی مدد سے کئی ایک طیارے گرائے جا چکے تھے۔

عیدالفطر کے دن مخابرا کھولا گیا تو شیخ ابو عبداللہ (اسامہ بن لادن) کی آواز سماعت سے ٹکرائی: "ہم آپ کو ابو الولید سعودی کی شہادت کی اطلاع دے رہے ہیں"۔ جہاد کے عشق میں ڈوبے ہوئے یہ سلیم الفطرت مردِ مجاہد' بارہا افغانستان کی کوہ پیمائی کر چکے تھے' جنوب سے لے کر شمال تک افغانستان کا کوئی چپہ نہیں تھا' جسے انھوں نے روندا نہ ہو۔ مزار شریف میں وہ کئی ماہ ٹھیرے رہے' واپسی پر کچھ عرصہ علاقہ مشرقی میں اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ رہے۔ مگر زیادہ عرصہ وہاں نہ ٹھیر سکے کہ جہاد کا مزہ چکھ لینے کے بعد پیچھے رہ جانے والوں میں شامل ہونا بڑا دشوار ہوتا ہے:

﴿رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ﴾ (التوبہ:۸۷)

"وہ لوگ اس بات پر راضی ہو گئے کہ پیچھے رہ جانے والی عورتوں کے ساتھ (گھروں میں بیٹھ) رہیں"۔

سچ یہ ہے کہ غیرت مند لوگ اپنے دینی بھائیوں کو کٹ مرتا دیکھ کر خاموش نہیں رہ سکتے۔ ناممکن ہے کہ توپ اور ٹینک بردار جہاز ان کے سامنے مجبور مسلمانوں کا گوشت اڑا لے جائیں اور ان کے بدن میں کوئی حرکت، کوئی لرزش نہ آئے۔

عید الفطر کے روز پچیس روسیوں کے مقابلے میں تین مجاہدین تنِ تنہا صف آراء تھے۔ ابو الولید، یاسین اور خضر۔ یاسین تو تیر کی طرح موت کی تلاش میں آگے نکل گئے، موت کے ڈر سے وہ آشنا نہ تھے۔ خضر آر۔ پی۔ جی۔ ے قاذف کا شکار ہو گئے۔ چند لمحوں بعد ابو الولید بھی جامِ شہادت نوش کر گئے:

﴿وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كِتَابًا مُؤَجَّلًا﴾ (آل عمران: ۱۴۵)

”اور اللہ کے حکم کے سوا کوئی مر نہیں سکتا ایک وقت مقرر لکھا ہوا ہے“۔

ابو الولید شہادت کے متلاشی تھے، ان کی منزلِ مراد انھیں مل ہی گئی۔ شہادت کی خبر ملنے کے بعد میں نے ان کے دو خطوط کھول کر پڑھے، جو انھوں نے اپنے ساتھیوں کے نام بھیجے تھے، ایک میں لکھا تھا: ”میرے بھائی ثامر! اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جاری جہاد سے آپ لوگوں کی دوری کے سوا، ہماری کوئی پریشانی نہیں۔ اگر آپ لوگ سال میں دو عیدیں مناتے ہیں، تو ہماری عیدیں بے شمار ہیں۔ ہمیں جب بھی اللہ کے دشمنوں کے مقابلے میں کوئی کامیابی نصیب ہوتی ہے ہم اسے عید شمار کرتے ہیں۔ بے شک اللہ کی توفیق وعنایت کے بغیر کوئی کامیابی حاصل نہیں کی جا سکتی۔ خط میں لکھے گئے ان کے آخری کلمات یہ تھے۔“ اے جنت کی خوشبو، جلدی آ“۔

لبيك إسلامي البطولة كلنا نفدي الحمى

لبیک اے شجاعت کے دین اسلام ہم سب تجھ پر قربان

ہم دعا گو ہیں کہ ابو الولید شہادت کے بلند درجے سے ہمکنار ہو کر اپنے مقصد سے ہمکنار ہو چکے ہوں۔

بشیر مصری شہید اور سراقہ شہید

”بشیر مصری بڑے ہی سلیم الفطرت نوجوان تھے۔ سیدھے سادھے، خاموش طبع۔ ایک دن اپنے بارے میں کہنے لگے: ”میں پہلے سلفی تھا، پھر تبلیغی جماعت سے وابستہ ہو گیا اور بالآخر راہِ جہاد کا پیرو ہو گیا“۔ حاضرین میں سے کسی نے فوراً فقرہ چست کیا: ”یہ سارا چکر آپ نے صرف اس لیے کاٹا تاکہ شہید ہو سکیں!“

معرکہ جاری تھا، نت نئے حادثے روز کا معمول بن چکے تھے۔ مجاہدین کے قدم راہِ جہاد میں آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ سروں پر میزائلوں کی گھن گرج ہر لمحہ جاری رہتی، مخابرے پر لمحے لمحے کی نئی خبریں ملتیں، مخابرے کے گرد کھڑے نوجوان نئی نئی خبروں کے مشتاق نظر آتے۔ اسی دوران بشیر اور سراقہ کی شہادت کی خبر آ گئی۔ بشیر مصری بڑے ہی سلیم الفطرت نوجوان تھے۔ سیدھے سادھے، خاموش طبع۔ ایک دن اپنے بارے میں کہنے لگے: ”میں پہلے سلفی تھا، پھر تبلیغی جماعت سے وابستہ ہو گیا اور بالآخر راہِ جہاد کا پیرو ہو گیا“۔ حاضرین میں سے کسی نے فوراً فقرہ چست کیا: ”یہ سارا چکر آپ نے صرف اس لیے کاٹا تاکہ شہید ہو سکیں!“

صدہ مرکز میں بشیر دشمنوں کے مقابلے کی تیاری کے لیے تربیت کے مختلف مراحل سے گزرتے رہے۔ ساتھیوں سے کسی بات پر بحث زور پکڑ لیتی تو وہ درود شریف پڑھنے کی تلقین کرنے لگتے۔ عادل اور بشیر کے درمیان ہمیشہ ہلکا پھلکا مذاق اور نوک جھونک چلتی رہتی۔ تاہم وہ اپنے دوستوں کے لیے بڑے کشادہ دل تھے، ان کی غلطیوں سے نہایت فراخدلی کے ساتھ درگزر کرتے، ساتھی انھیں بڑی محبت سے ”صاف دل“ کا خطاب دیتے۔ بالآخر بشیر نے اپنے تربیتی مراحل طے کر لیے اور افغانستان جانے والے کسی قافلے کا انتظار کرنے لگے۔ رمضان المبارک کے آخری عشرے میں روانگی ہو گئی اور تین شوال کو وہ جامِ شہادت نوش کر گئے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں بھی یہ سعادت نصیب فرمائیں اور جنت الفردوس میں اپنے شہداء کے زمرے میں لکھ دے، آمین۔

یہ شہادت ڈگریوں کے بل بوتے پر نہیں ملتی!

سراقہ (احمد حزامی) دمام سے تعلق رکھتے تھے۔ ایسے خوش رو اور خوش اطوار نوجوان جو آپ کی اجازت کے بغیر ہی آپ کے خانۂ دل کے مکین بن جائیں! چہرے پر ہمہ وقت مسکراہٹ رہتی' ہر بات کا ناپا تلا مختصر جواب دیتے۔ حضرت ابوھریرۃ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّكُمْ لَنْ تَسَعُوا النَّاسَ بِأَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَسَعُهُمْ مِنْكُمْ بَسْطُ الْوَجْهِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ)) (حسن لغيره، رواه أبويعلىٰ في مسنده ٦٥٥٠، والحاكم في المستدرک ٤١٢/١)

"تم لوگوں کو اپنے مالوں سے فراخی نہیں دے سکتے البتہ تم اپنے چہرے کی بشاشت اور حسنِ خلق سے ضرور فراخی دے سکتے ہو۔"

ان کی جیب میں ایک گھڑی پڑی رہتی جس کا حلقہ گردن میں لٹکا ہوتا۔ میں نے اس سے متعلق پوچھا تو کہنے لگے "یہ بہت سستی سی گھڑی ہے"۔

رمضان المبارک کے اختتام پر ان کی امید بر آئی' دیکھنے والوں نے بتایا کہ مسکراہٹ آخری لمحے تک ان کے چہرے پر آویزاں رہی۔ ہمیں پیچھے چھوڑ کر وہ ربّ کے دامنِ رحمت میں چلے گئے۔ ہم سے بہت پہلے ہماری اولاد کی عمر کے نوجوان ربّ کے ہاں پہنچ گئے۔ سچ ہے کہ اللہ کی رحمت کا عمر سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ شہادت ڈگریوں کے بل بوتے پر نہیں ملتی نہ عمر کے ماہ و سال سے اس کا کوئی تعلق ہے۔

﴿أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا وَرَحْمَةُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ﴾ (الزخرف: ٣٢)

"کیا یہ لوگ آپ کے ربّ کی رحمت تقسیم کرتے ہیں' ان کی روزی تو ہم نے ان کے درمیان دنیا کی زندگی میں تقسیم کی ہے اور ہم نے ایک کو دوسرے پر رفعت دی ہے تاکہ ایک دوسرے سے کام لیتا ہے اور آپ کے ربّ کی رحمت اُس سے کہیں بہتر ہے جس کو یہ لوگ سمیٹتے پھرتے ہیں"۔

ابوذھب شہید

"وہ معاشرہ جسے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑنے والی مصیبتوں کے پہاڑ سے کوئی سروکار نہ آتا تھا' وہیں ہمارے شہید دوست کی زندگی کے ابتدائی دس سال گزرے"

ماسدہ کے شیر احمد زہرانی کے کوچ کے ایک ہی ہفتے بعد ابوذھب بھی اسی جادۂ حق پر چل پڑے۔ اسکندریہ کے قریب سمندر کے ساحلی علاقے میں اس نوزائیدہ بچے نے زندگی کا آغاز کیا۔ ان کے والدین سوڈان سے آکر مرسی مطروح میں آبسے تھے۔ اس علاقے کا ماحول بڑا ہی خوشگوار' سرسبز و شاداب اور دلنواز تھا۔ ساحل تک پہنچتے ہوئے سمندر کی گرم ہوائیں بھی خوشگوار اور مرطوب ہو جاتیں۔ علاقے کے رہنے والوں کی زندگی لہو لعب' متاعِ دنیا کی فراوانی اور مزاح و نکتہ آفرینی سے عبارت ہے۔ گرمیوں میں یہ علاقہ سیاحت کا مرکز بن جاتا ہے' دور دراز علاقوں سے خوشگوار موسم کے متوالے یہاں آکر گرمیاں گزارتے ہیں۔ یہاں ہر چیز دستیاب ہے' سوائے محنت و مشقت والی زندگی کے تصور کے' یہاں ہر چیز کی منصوبہ بندی کی جاتی ہے' ہر چیز کے بارے میں تفکرات پائے جاتے ہیں' سوائے جہاد' زہد اور پُرصعوبت زندگی کے۔

اس پرتکلف اور پرآسائش ماحول میں ہمارے شہید دوست نے زندگی کے میدان میں پہلا قدم رکھا۔ وہ معاشرہ جو دنیا کے غموں سے بے نیاز' من موجی زندگی کا عادی تھا' جسے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑنے والی مصیبتوں کے پہاڑ سے کوئی سروکار نظر نہ آتا تھا' وہیں ہمارے ساتھی کی زندگی کے ابتدائی برس گزرے۔ پُرمزاح گفتگو کا سلیقہ انھیں بغیر کسی تکلف اور بناوٹ کے ورثے میں ملا تھا' ہر لحظہ ان کے منہ سے شگوفے جھڑتے۔ بہت کم عرصے میں انھوں نے اپنے گرد دوستوں کا جمِ غفیر اکٹھا کرلیا۔ یونیورسٹی کے شعبۂ زراعت میں اپنے چند ساتھیوں کے ذریعہ انھیں جہادی تحریک سے وابستگی کا موقع ملا۔ وہاں انھوں نے پوری قوت وطاقت سے اسلام کا علم تھام لیا' دل میں اسلام کی راہ میں اپنی متاعِ حیات صرف کردینے کا جذبہ فزوں تر ہوتا چلا گیا۔ اس مقصد کے لیے انھیں افغانستان کی سرزمین جہاد سے بہتر کوئی جگہ نظر نہ آئی'

چنانچہ اپنے شوق کی منزل کی طرف کشاں کشاں چل دیے۔ اگرچہ اپنے دگرگوں معاشی حالات کی وجہ سے ان کے لیے افغانستان کا ٹکٹ حاصل کرنا کوئی آسان کام نہ تھا مگر سچ تو یہ ہے کہ شوق کی راہ میں حائل ساری رکاوٹیں ہیچ ہوا کرتی ہیں۔

چھوٹے سے معصوم بچے کی طرح دوزانو ہو کر بیٹھ جاتے اور شہادت کی دعا کرتے

بالآخر ابوذہب افغانستان پہنچ گئے' یہاں آتے ہی وہ تخار کے ایک قافلے کے ساتھ روس کی حدود میں داخل ہوئے۔ دبلے پتلے' نحیف جسم کے مالک ابوذہب میں بڑی توانا روح تھی' بڑا مضبوط عزم تھا۔ دریائے آمو (جیحون) کے کنارے اپنے بھائی ذبیح اللہ اور عبدالرحمن کے ساتھ انھوں نے چند روز گزارے۔ شہادت کا شوق ان کے خون میں گردش کرتا۔ سخت ترین حالات میں بھی خوش طبعی ان سے نہ چھوٹتی۔ اس کے بعد جنگ کی گھن گرج میں دشمن کا دوبدو مقابلہ کرتے ہوئے وہ ننگرھار پہنچ گئے۔ اپنے افغان بھائیوں کی نصرت اور مدد کا جذبہ ان کے انگ انگ میں رچا بسا تھا۔ ننگرھار پر روس کے حملے کے دفاع میں وہ اپنے افغان بھائیوں کے ساتھ پیش پیش رہے' بعد ازاں وہ عبدالرحمن اور ذبیح اللہ کے ساتھ جاجی پہنچ گئے۔ یہاں جہاد کا ایک نیا میدان منتظر تھا۔ چار کلومیٹر کی مسافت پر دشمن کی فوج سے دوبدو مقابلہ درپیش تھا۔ جنگ' دن کی روشنی اور رات کے اندھیرے میں یکساں رفتار سے جاری رہتی۔ میں نے ساتھیوں سے امام کے بارے میں جاننا چاہا' انھوں نے مجھے بتایا: ''ابوذہب ہمارے امام ہیں''۔ ان دنوں وہ قرآن حفظ کر رہے تھے۔ تلاوت کرتے ہوئے ان کی آواز میں بجتے جھرنوں کا سا ترنم نمایاں ہوتا۔ وہ ہمارے ساتھ فجر کی نماز ادا کرتے' پھر جنگاہ کے برفانی پہاڑوں میں کہیں غائب ہو جاتے اور عشاء سے قبل نظر نہ آتے۔

غازیوں کے اس جمگھٹے میں کسی کی عمر ۲۳ برس سے زائد نہ تھی' یوں معلوم ہوتا کہ شیروں کی کچھار ہے۔ سبھی شجاعت' بہادری اور صالحیت کے پیکر تھے مگر ابوذہب ان سب سے جدا خوبیوں کے مالک تھے۔ وہ ادب اور اخلاص کا پیکر تھے۔ مجھے یاد ہے جب وہ چھوٹے سے معصوم بچے کی طرح دوزانو ہو کر بیٹھ جاتے اور شہادت کی دعا کرتے۔ میں سمجھتا تھا انھیں مذاق کرنا نہیں آتا' کیونکہ میں نے کبھی انھیں قہقہہ لگا کر ہنستے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ لیکن ساتھیوں نے بتایا کہ نکتہ آفرینی اور بذلہ سنجی تو ان میں کوٹ کوٹ کر

بھری ہوئی تھی۔ تب مجھے علم ہوا کہ بزرگوں کے احترام کے احساس سے وہ میرے سامنے کبھی ہنسے نہ قہقہہ لگایا۔

یہ شخص اللہ سے ملنے کی تیاری میں ہے!

دن گزرتے جا رہے تھے۔ سردیوں کی ٹھنڈک جواں عزم مجاہدین کو متزلزل نہ کر پائی۔ وہ اپنے دشمن کا دوبدو مقابلہ کیے جا رہے تھے' دشمن کا پیچھا کرنے' معلومات اکٹھی کرنے اور اچانک یلغار کرنے سے وہ کسی لمحہ غافل نہ ہوتے۔ دو ماہ بعد انھوں نے دشمن سے دو سو میٹر کے فاصلے پر اپنا خیمہ گاڑھ لیا' خیمے میں ان کے ساتھی ابوخالد بتاتے ہیں: ''مجھے صمیمِ دل سے احساس ہو چلا تھا کہ یہ شخص اللہ سے ملنے کی تیاری میں ہے اور کچھ ہی دنوں میں ہم سے جدا ہو جائے گا''۔

ابوذہب رات گئے تک میزائل نصب کرنے' اسلحہ تیار کرنے اور اپنی منصوبہ بندی سے بھائیوں کو مطلع کرنے میں مصروف رہتے۔ رات کے آخری پہر دوبارہ اٹھ بیٹھتے اور کارِ جہاد میں مصروف ہو جاتے۔ جس دن کارروائی کا آغاز ہوا' وہ شہادت کے جذبے سے سرشار دشمن کے مقابلے میں صف آراء ہو گئے' مگر شہادت ہو یا کوئی بھی کام اللہ کے مقرر کردہ وقت سے پہلے اس کی آمد ناممکن ہے۔

﴿قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا﴾ (الطلاق: ۳)

''اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا اندازہ مقرر کر رکھا ہے''۔

﴿لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ﴾ (الرعد: ۳۸)

''ہر (حکم) قضاء (کتاب میں) مرقوم ہے''۔

نوجوان ابوذہب نے اپنی تربیت کا سلسلہ ساتھ ساتھ جاری رکھا اور اپنی جدوجہد اور کام میں کوئی تعطل نہ آنے دیا۔ ایک ہفتے بعد اپریل ۱۹۸۷ء بمطابق شعبان ۱۴۰۷ھ کو ابوذہب کی امید بر آئی۔ وہ اسامہ اور شفیق کے ساتھ صورتِ حال کا جائزہ لینے نکلے۔ عصر کے وقت تینوں نماز کی ادائیگی کے لیے صف بندی کر رہے تھے کہ ابوذہب کے پیروں کے نیچے زوردار دھماکہ ہوا' اور ٹخنے تک ان کا پاؤں اڑ گیا۔ اسامہ کی دو انگلیاں زخمی ہو گئیں اور شفیق کو معمولی زخم آئے۔ اسی دن صبح کے وقت خواب میں میں نے ابوذہب کو ایک حسین و جمیل دوشیزہ کے پہلو میں بیٹھے دیکھا تھا' یہ یقیناً ان کی شہادت کی خوشخبری تھی۔ خون

ان کے کٹے ہوئے پاؤں سے رس رہا تھا اور وہ مسلسل حسبنا اللہ و نعم الوکیل کا ورد کر رہے تھے۔ دو گھنٹے بعد ان کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ ان کے منہ سے نکلنے والے آخری الفاظ یا حي یا قیوم برحمتک أستغیث تھے۔

ابوذھب کا جسدِ طاہر مٹی کے دبیز پردوں میں چھپا دیا گیا۔ انھوں نے اپنے دین کے فرائض کی ادائیگی میں کوئی کمی نہیں کی اپنے ساتھیوں تک جہاد کا پیغام پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور پھر اپنے خون سے جاودانی زندگی کا باب رقم کیا۔ کیا ان کے خون کے قطرے لوگوں کے دلوں میں جہاد کی عظمت کا احساس بیدار کر پائیں گے؟... جب کہ آج امت مسلمہ پر جہاد فرض عین ہو چکا ہے اور رب العالمین کی اس پکار کے جواب میں والدین یا کسی بڑے سے اجازت لینا ضروری نہیں رہا۔

ابوذھب اپنے رب سے ملاقات کرنے جا چکے اللہ کی رحمتیں ان پر سایہ فگن ہوں۔

عبدالرحیم عرجہ شہید

"وہ افغان مجاہدین کے محبوب دوست کا روپ دھار چکے تھے۔ دوخوبیوں نے مجاہدین کے دل ان کی محبت سے لبریز کر دیے تھے ایک کشادہ روئی وحسنِ اخلاق اور دوسری شجاعت و بہادری اور شہادت کا شوق بے پایاں"

پہلی مرتبہ میں نے عبدالرحیم عرجہ شہید (یاسر ابونور) کو مکتب خدمات میں دیکھا تھا۔ چمکتے چہرے اور کشادہ پیشانی والے یاسر شہید نے ابھی زندگی کی اٹھارہ بہاریں ہی دیکھی تھیں۔ اپنا تعارف کرواتے ہوئے کہنے لگے: "میرا تعلق فلسطین سے ہے مگر کویت میں رہتا ہوں۔ آج کل میں پاکستان کی کسی یونیورسٹی میں داخلہ لینے کی کوشش کر رہا ہوں لیکن میری اصل خواہش جہادِ افغانستان میں شمولیت ہے"۔

انھی دنوں ایک قافلہ بلخ کی سمت جا رہا تھا۔ یاسر بھی اصرار کر کے اس قافلے میں شامل ہو گئے۔ ابھی زندگی کے گرم و سرد سے یاسر شہید کی آشنائی نہ ہوئی تھی، تلخ وشیریں تجربات ابھی اپنا دامن وا کیے یاسر شہید کے منتظر تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ میں جب بھی ان کی عمر کے نوجوانوں کو دیکھتا تو سوچتا "یہ نوجوان جہادِ افغانستان کو کیا دے پائیں گے؟" مگر اخلاص کی برکت اور سچائی کی حرارت نے سارے اندیشے ختم کر دیے اور انھی نوجوانوں نے معرکۂ جہاد میں جلیل القدر کارنامے رقم کیے۔

ہر وقت آگ کے عذاب سے اللہ کی پناہ طلب کرتے

یاسر کے عرب دوست اسد اللہ ابو اُسید کہتے ہیں "میں نے بارہا یاسر کے ساتھ سفر کیا ہے۔ میں ان کے ساتھ مزار شریف بھی گیا۔ وہ افغان مجاہدین کے محبوب دوست کا روپ دھار چکے تھے۔ دوخوبیوں نے مجاہدین کے دل ان کی محبت سے لبریز کر دیے تھے ایک کشادہ روئی وحسنِ اخلاق اور دوسری شجاعت و بہادری اور شہادت کا شوق بے پایاں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ان احادیث کے مصداق:

((مِنْ خَيْرِ مَعَاشِ النَّاسِ لَهُمْ رَجُلٌ مُمْسِكٌ عِنَانَ فَرَسِهِ فِي سَبِيلِ اللهِ يَطِيرُ عَلَى مَتْنِهِ كُلَّمَا سَمِعَ هَيْعَةً أَوْ فَزْعَةً طَارَ عَلَيْهِ يَبْتَغِي الْقَتْلَ وَالْمَوْتَ

مظانّہ")(صحیح مسلم، باب فضل الجهاد و الرباط)

"انسانی زندگی میں بہترین زندگی اس شخص کی ہے جو اللہ کی راہ میں اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے اور جب کسی خوف زدہ کی آواز یا کسی فریادرس کی فریاد سنے تو عجلت کے ساتھ گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو جائے (اس خوف زدہ یا فریادرس کی طرف دوڑتا ہوا چلا جائے) اور اپنی موت کو اس جگہ تلاش کرتا پھرے جہاں موت کا گمان ہو۔"

یاسر شہید نرم خو اور خوش اطوار نوجوان تھے۔ جب بھی انھیں کسی نئے معرکے کی اطلاع ملتی لپک کر اس طرف چل پڑتے۔ وہ زبانِ حال سے ہمیشہ اس صورتِ حال کی تصویر نظر آتے:

يلذ لأذني سماع الصليل

ويبهج نفسي مسيل الدما

تلواروں کی کھنک میرے کانوں کو لطف دیتی ہے اور میرا دل دشمن کے بہتے خون کی دھاروں سے ہی خوش ہوتا ہے

وہ کثرت سے تلاوتِ قرآن کا اہتمام کرتے، پیر اور جمعرات کو ہمیشہ روزہ رکھتے۔ انھوں نے کئی دفعہ خواب میں اپنی شہادت کا منظر دیکھا۔ ایک دفعہ خواب میں حورِ جنت کو دیکھا۔ وہ اکثر اپنا یہ خواب ساتھیوں کو سناتے۔ جہاد کے آغاز میں وہ اسد اللہ کے ساتھ کنڑ میں کچھ عرصہ رہے۔ اپنی گفتگوؤں میں وہ کنڑ اور اسد اللہ کا بہت تذکرہ کرتے۔

كم منزل في الأرض يعشقه الفتى

وحنينه أبدا لأول منزل

کتنے ہی ٹھکانے انسان بدلتا ہے لیکن پہلی منزل کی محبت کبھی دل سے نہیں نکلتی

مزار شریف میں مجاہدین کے امیر محمد علم نے ان کے شوقِ شہادت کو دیکھ کر انھیں دیوانے کا خطاب دے رکھا تھا۔ وہ اپنے دوستوں کو خط لکھتے تو دستخط کی جگہ پر یہ عبارت تحریر کرتے "مزار شریف کا پہلا عرب شہید، حورِ جنت کا عاشق"۔ یاسر ابو نور (عبدالرحیم) موت کی تلاش میں چل پڑے۔ جہاد کی گرما گرم خبروں سے ساتھیوں کی محفل کو گرمائے رکھتے۔ ہر وقت آگ کے عذاب سے اللہ کی پناہ طلب کرتے۔ اپنی شہادت کے لیے دعا گو رہتے۔ ۱۴۰۶ھ کا رمضان جب آخری عشرے سے گزر رہا تھا، مسلمان توبہ و

استغفار کے ساتھ رب کی رحمتوں اور مغفرتوں کے امیدوار بنے عبادت و دعا کے ساغر لیے رب کے در پر آنسو بہا رہے تھے۔ یاسر اس لمبے دعا اور عمل، دونوں مرحلوں سے گزر رہے تھے۔ انھیں علم ہوا کہ ہشد انہر کے علاقے میں دشمن کے خلاف تعارض (کارروائی) ہے تو اس طرف متوجہ ہو گئے۔ دشمن کے ایک دستے نے بکتر بند گاڑیوں اور جنگی جہازوں کے ذریعہ حملہ کر دیا۔ شہید نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ بھرپور جوابی وار کیا۔ مگر تقدیر کا فیصلہ اٹل ہوتا ہے۔ دشمن کے دستے نے ان کو گھیرے میں لے لیا اور ان کے ہاتھ باندھ دیے۔ یاسر کسی طرح ان کے چنگل سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے مگر انھوں نے دوبارہ انھیں گرفتار کر لیا اور ہیلی کاپٹر میں بند کر دیا۔ ہیلی کاپٹر اڑنے سے پیشتر ہی انھوں نے خود کو اس سے گرا لیا، اور بھاگ کر ایک باغ میں پناہ گزین ہو گئے۔ مالی نے انھیں چھپا لیا۔ کچھ دیر بعد شکاری کتے اپنے شکار کی تلاش میں ادھر آ نکلے۔ کسی غدار نے انھیں باغ کا رستہ بتا دیا۔ کچھ ہی دیر بعد انھوں نے باغ میں آ کر یاسر کو قابو کر لیا اور اپنے مرکز مزار شریف لے گئے، اگلے دن کابل منتقل کر دیا۔

ہمیں اپنا ایک عرب بھائی واپس چاہیے

ملک کے اطراف میں غم کی لہر پھیل گئی۔ یاسر کی گرفتاری کی خبر افغان بھائیوں پر بجلی بن کر گری۔ ان کی تلاوت کی کیسٹیں فضاؤں میں گونجنے لگیں۔ افغانوں کے نزدیک اپنے کسی سگے بھائی کی گرفتاری، کسی عرب دوست کی گرفتاری سے بہتر تھی۔ یاسر کے عرب بھائیوں کے لیے بھی اگرچہ یہ خبر کچھ کم الم ناک نہ تھی لیکن مجاہدین کے امیر محمد علم اور ان کے سولہ ہزار مجاہدین کے لیے یہ خبر کچھ زیادہ ہی گراں تھی۔ افغانوں کے نزدیک یاسر کی گرفتاری اپنے سو شہداء کی قربانی سے بھی بھاری تھی۔ امیر محمد علم کے پاس ایک روسی افسر قید تھا۔ روسیوں نے افغان قیدیوں کے تبادلے کے عوض اس کا مطالبہ کیا۔ محمد علم نے جواب دیا: "تمھارے قائد کے مقابلے میں ہمیں اپنا ایک عرب بھائی چاہیے"۔ روسیوں نے جواب دیا:

"اس عربی کے بجائے جتنے مرضی افغانی طلب کر لو"۔

محمد علم نے جواباً اصرار کیا "ہمیں تبادلے میں بس یہی عرب چاہیے"۔ بالآخر روسیوں نے کہا کہ ہم نے اسے قتل کر دیا ہے۔ مجبور ہو کر محمد علم نے روسی قیدی کے بدلے میں گیارہ افغان مجاہدین کی واپسی کو قبول کر لیا۔ اگر روسی کی یہ اطلاع ٹھیک ہے، اور غالب گمان یہی ہے کہ ٹھیک ہی ہوگی تو ہمیں امید ہے کہ

یاسر شہید اپنی جنت کی حور تک پہنچ چکے ہوں گے۔

﴿ فِيهِنَّ خَيْرَاتٌ حِسَانٌ ٥ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ٥ حُورٌ مَّقْصُورَاتٌ فِي الْخِيَامِ ﴾ (الرحمن: ۷۰، ۷۲)

''ان میں نیک خوبصورت عورتیں ہوں گی۔ پھر تم اپنے ربّ کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ وہ حوریں جو خیموں میں بند ہوں گی''۔

ذبیح اللہ ابو حامد مروان شہید

''یہ تمہارے شایانِ شان نہیں ہے کہ عزت و سربلندی کے راستے کو چھوڑ کر یونیورسٹی کی چاردیواری میں اپنے چار سال گزار دو' تا کہ اس عرصے میں تمہاری جہادی روح رفتہ رفتہ بالکل ہی کچلی جائے' تمہاری غیرت گہری نیند سو جائے اور تم جہادی فکر سے محروم ہو کر موت کے غار میں جا پہنچو''

ذبیح اللہ ابو حامد بڑے کھرے اور سچے انسان تھے' صاف اور دو ٹوک رائے رکھنے والے۔ اپنے عقائد اور اصولوں کا واضح تصور ان کے ذہن میں موجود تھا۔ خدائی ہدایت کی معرفت حاصل کر لینے کے بعد اس کی خاطر جینے مرنے کا عزم دل میں لیے وہ راہِ توحید میں اپنی ہر چیز قربان کرتے چلے گئے۔

ابو حامد مروان نے شام کی خوبصورت فضاؤں میں آنکھ کھولی۔ شام وہ سرزمین ہے جس کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

((طُوبىٰ لِلشَّامِ ... لِأَنَّ مَلَائِكَةَ الرَّحْمٰنِ بَاسِطَةٌ أَجْنِحَتَهَا عَلَيْهِ)) (رواه الترمذي، أبواب المناقب، باب في فضل الشام واليمن)

''شام کے لئے بھلائی ہے... اس لیے کہ رحمٰن کے فرشتے ان پر اپنے پر پھیلائے ہوئے ہیں''۔

جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی ابو حامد کو احساس ہوا کہ یہاں ''نُصیریوں'' کے ایک گروہ نے مسلمانوں کا جینا حرام کر رکھا ہے اور یہ لوگ اہلِ اسلام کی روایات اور اخلاقیات کا جنازہ نکالنے کے لیے سرگرم عمل ہیں۔ یہ خبریں اس نوخیز جوان کو مضطرب کیے رکھتیں۔ وہ اپنے گردونواح کی تاریک فضا کا جائزہ لیتا کہ شاید کہیں سے کوئی بقعۂ نور طلوع ہوتا دکھائی دے۔ انھی دنوں مروان حدید کی بہادری اور جرأت کے قصے اس کے کانوں میں پڑے' اس نے وہ نظمیں اور ترانے سنے جو ۱۹۶۴ء میں حکومت کے خلاف جہاد کا جھنڈا اٹھانے کا تذکرہ لیے ہوئے تھے۔ ظلم و خوف کے خلاف اٹھنے والی صدائے احتجاج کی تاریخی روایات اس کے کانوں میں رس گھولنے لگتیں۔

ستر کے عشرے میں شیخ مروان حدید کی جرأت و بہادری کو پسِ دیوارِ زنداں دھکیل دینے کی مذموم

سازش ہوئی۔ جیل ہی میں ان کی زندگی کے آخری لمحات آئے۔ اپنی کڑیل جوانی اور جواں عزم بڑھاپے کا ایک ایک لمحہ انھوں نے ظلم واستبداد کے عفریت کے خلاف مقابلے میں گزار دیا۔

طاغوت کے جہازوں نے ان کی تلاش میں زمین کا چپہ چپہ چھان مارا

ابو حامد مروان (مصطفیٰ) نے بھی ان روشن راہوں پر چلنے کے شوق میں اپنا نام مروان رکھ لیا۔ کچھ شیخ مروان کی قیادت عبدالستار، بسام اناؤوط اور عدنان کے ذمے تھی۔ ذبیح اللہ عرف مروان بھی اس دستے میں شامل ہو کر نظامِ کفر کے خلاف برسرِ جہاد ہو گئے۔ آخر کار انھیں دیگر سترہ مجاہدین کے ہمراہ گرفتار کر لیا گیا۔ شکار جال میں آ چکا تھا، اب ان کا بچنا محال تھا۔ مگر انھوں نے تو اسی وقت کے انتظار میں اس جگہ میں قدم رکھا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ زندگی اور موت کے فیصلے صرف اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔

﴿فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ﴾ (الاعراف: ۳۴)

”بے شک جب فیصلے کی گھڑی آجائے گی تو وہ اسے ایک ساعت بھی آگے پیچھے نہیں کر سکیں گے“۔

برامکہ کی جیل سے فرار کو ایک خواب سمجھا جاتا تھا۔ مگر اللہ کی قدرت سے کچھ بھی بعید نہیں۔ ایک دن ان گرفتار مجاہدین میں سے کسی کو جیل کی کھڑکی کے پاس ایک نوک دار چیز نظر آئی۔ اب ان سب نے روزانہ باری باری کھڑکی سے ایک ملی میٹر جگہ کھودنی شروع کی۔ بالآخر ایک رات انھوں نے یہ کھڑکی اکھاڑ پھینکی اور اس سے چھلانگ لگا کر سیدھے نیچے میدان میں آگرے۔ ایک احاطے سے دوسرے احاطے کی طرف دیواریں پھلانگتے جب یہ تیسرے میدان میں پہنچے تو وہاں طاغوت کا سپاہی انھیں دیکھ کر کانپ اٹھا۔ اس کے چہرے پر مُردنی چھا گئی، وہ ان سے پوچھنے لگا: ”تم لوگ کون ہو؟“

انھوں نے جواب دیا: ”ہم مجاہدین ہیں“۔ اس کا چہرہ فق ہو گیا اور وہ اپنے بال بچوں کا واسطہ دیتے ہوئے التجا کرنے لگا کہ

”خدارا میری جان بخشی کر دو“۔ انھوں نے اس سے بندوق لے کر اسے چھوڑ دیا۔ ساری دیواریں پھلانگ لینے کے بعد سڑک پر انھیں ایک فوجی اپنی گاڑی میں بیٹھا ہوا نظر آیا، انھوں نے گاڑی رکوا لی۔ وہ پوچھنے لگا: ”تم کون لوگ ہو؟“ انھوں نے جواب دیا: ”ہم ... مجاہدین ہیں“۔ وہ بھی اپنی جان بخشی کی

التجائیں کرنے لگا۔ انھوں نے اس سے مطالبہ کیا کہ ہمیں یہاں سے دور کسی جگہ پہنچا دو۔ ایک ساتھی نے آگے بڑھ کر فوجی کو اٹھایا اور خود ڈرائیور کی نشست سنبھال لی۔ بالآخر یہ سب لوگ سرحد عبور کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ شامی طاغوت کے جہازوں نے ان کی تلاش میں زمین کا چپہ چپہ چھان مارا مگر یہ وہاں ہوتے تو ملتے۔

ہاں... کل سے تم یونیورسٹی نہ آنا!

آخر ابو حامد مروان پاکستان پہنچ گئے۔ انھوں نے بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد میں داخلہ لے لیا۔ ایک روز اچانک وہ مجھے یونیورسٹی میں نظر آئے، آگے بڑھ کر مجھے سلام کیا۔ میں نے احوال پوچھے تو جواب میں انھوں نے مجھے اپنی ساری داستان سنا ڈالی۔ پھر کہنے لگے: ”میری یہاں تعلیم کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟“ میں نے کہا: ”یہ تمھارے شایانِ شان نہیں کہ عزت وسربلندی کے راستے کو چھوڑ کر یونیورسٹی کی چار دیواری میں اپنے چار سال گزار دو، تاکہ اس عرصے میں تمھاری جہادی روح رفتہ رفتہ بالکل ہی کچلی جائے، تمھاری غیرت گہری نیند سو جائے اور تم جہادی فکر سے محروم ہو کر موت کے غار میں جا پہنچو....“ وہ فوراً کہنے لگے: ”تو کیا میں یونیورسٹی چھوڑ دوں؟؟؟“ میں نے کہا: ”ہاں کل سے تم یونیورسٹی نہ آنا!“۔

مروان نے صدقِ دل سے میری نصیحتوں پر کان دھرے۔ یہی معاملہ ابو اُسید کا تھا ان کا بھی جامعہ میں داخلہ ہو چکا تھا۔ انھوں نے جب مجھ سے نصیحت کا کہا تو میں نے انھیں بھی یہی نصیحت کی کہ فوراً جہاد کی طرف واپس چلے جاؤ۔ ابو اُسید ابھی دو ماہ قبل ہی مزار شریف اور بلخ میں وقت گزار کر یہاں پہنچے تھے۔ دونوں نے جہاد کے لیے واپس جانے کا عزمِ صمیم کر لیا۔ کچھ ہی دنوں میں دو افراد کا یہ قافلہ واپس بلخ جا رہا تھا۔

مزار شریف کا پیدل سفر ایک ماہ کی مسافت پر مشتمل ہے۔ راستے کے زیادہ تر پہاڑ برف سے ڈھکے رہتے ہیں۔ ان پر چلنے والے کتنوں ہی کے پاؤں برف میں جم کر رہ گئے، کتنی ہی یخ بستہ انگلیوں سے ناخن اکھڑ گئے۔ ابو زیاد آخر بلخ پہنچ ہی گئے۔ وہاں انھوں نے اپنا رمزی نام حامد مروان رکھا، کیونکہ وہ مروان حدید سے عشق کی حد تک لگاؤ رکھتے تھے۔ گو انھوں نے مروان حدید کو دیکھا نہ تھا، مگر ان کے نقش

قدم پر چلنے کا عزم ان کے انگ انگ میں رچا تھا۔ مزار شریف میں انھیں وہاں کی تحریکِ جہاد کے بانی قائد ذبیح اللہ کی جرأت و بہادری کے واقعات سننے کا موقع ملا تو انھوں نے اپنے نام کے ساتھ ذبیح اللہ کا اضافہ کرلیا۔

ابو حامد (ابوزیاد) شہادت کے دیوانے تھے اور نہایت بہادر اور جی دار تھے۔ مگر انھوں نے تہیہ کر رکھا تھا کہ عدنان عقلہ شہید کو دشمن کے حوالے کرنے والے منافق کا کام تمام کر کے رہیں گے۔ وہ اکثر کہتے ”میں شہید ہونے سے پہلے اس شخص سے بدلہ لے کر رہوں گا“۔ ان کا نشانہ بڑا زبردست تھا خصوصاً جنگی جہازوں کی طرف دستی میزائل داغنے کے بڑے ماہر تھے۔ انھوں نے افغانوں کے ایک دستے کو بھی اس کی خصوصی تربیت دی۔ وہ شیر کی طرح پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جاتے اور دشمن کے جہازوں کا نشانہ باندھ کر میزائل داغتے۔

وہ افغانوں میں نہایت ہردلعزیز تھے۔ پیر اور جمعرات کے روزوں کا بڑا اہتمام کرتے۔ مجاہدین کے شفاخانے کی نگرانی کے ذمہ دار ڈاکٹر صالح روزوں میں ان کے ساتھ سحری و افطاری کرتے۔ انھوں نے اپنی کامیاب نشانہ بازی کے ذریعہ دشمن کے دو جنگی جہاز مار گرائے۔ ایک مرتبہ جنگی جہازوں کو مارنے کا تذکرہ کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ جہاں تک زکویک“ (طیارہ شکن توپ) کی بات ہے تو میں یہ بتاؤں کہ دشمن کے جہازوں کو نشانہ بنانا میرے لیے حسن و جمال میں ایک دوسرے سے بڑھی ہوئی سو دلہنوں کے جھرمٹ سے بھی زیادہ پسندیدہ اور راحت بخش ہے۔ ابو اُسید نے مجھے بتایا کہ ایک دن وہ جان پر کھیل کر ہوائی اڈے گئے اور وہاں سے تین سو میٹر کے فاصلے پر بم نصب کر آئے جس سے روسیوں کا ایک ٹینک تباہ ہو گیا۔

”کیا تم میں سے کوئی عیناء ہے؟“... ”نہیں ہم اُس کی کنیزیں ہیں!“

۱۲ ستمبر ۱۹۸۶ء بمطابق ۱۶ محرم ۱۴۰۷ھ کو کفار کے جنگی جہاز فضا میں بلند ہوئے۔ ایک جہاز نے ابو حامد کی سمت میزائل پھینکا جس سے وہ شہید ہو گئے۔ جاجی کی چوٹی پر مجاہدین کے شفاخانے کے قریب ہی ابو حامد اس دنیائے آب و گل کو الوداع کر گئے۔ شاید اب وہ عیناء سے مل چکے ہوں جس کا نام ہر وقت ان کے ہونٹوں پر رہتا تھا۔ عیناء کا قصہ بھی بڑا عجیب ہے۔ امام ابنِ مبارکؒ اپنی کتاب ”الجہاد“

(ص ۱۴۴) میں اس قصے کو بیان کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

”یہ واقعہ ثابت بنانی کی زبانی صحیح سند کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے کہ ایک نوجوان عرصہ دراز تک جہاد میں مصروف رہا۔ وہ شہادت کی تلاش میں بارہا موت سے آنکھ مچولی کھیلتا رہا مگر اس کی شہادت کی آرزو پوری نہ ہو سکی۔ بالآخر اس نے سوچا کیوں نہ میں اپنے خاندان والوں کے پاس جا کر شادی کر لوں۔ پھر وہ وہیں خیمے کے اندر قیلولے کی غرض سے لیٹ گیا۔ اس اثناء میں اس کی آنکھ لگ گئی۔ اس کے ساتھیوں نے نمازِ ظہر کی ادائیگی کے لیے اسے اٹھایا تو وہ رو پڑا اور بڑی دیر تک روتا رہا۔ ساتھیوں کو خدشہ ہوا کہ شاید اس کے ساتھ کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آ گیا ہے۔

ساتھیوں کی پریشانی دیکھ کر وہ کہنے لگا: ”مجھے کچھ نہیں ہوا‘ مگر ابھی میں خواب دیکھ رہا تھا کہ ایک شخص میرے پاس آ کر کہنے لگا ”چلو اپنی دلہن عیناء کے پاس چلو“۔ میں اس کے ساتھ چل پڑا۔ وہ مجھے ایک صاف ستھری‘ نہایت پاکیزہ زمین پر واقع ایک باغ میں لے گیا۔ یہ باغ اتنا خوبصورت تھا کہ میں نے زندگی بھر اتنا خوبصورت باغ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یہاں نہایت حسین و جمیل دس دوشیزائیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ اتنی حسین و جمیل کہ اس دنیا میں مجھے کبھی اتنا حسن نظر نہیں آیا۔ میں سمجھا شاید انھی میں سے کوئی عیناء ہے۔ میں نے ان سے پوچھا: ”کیا یہاں عیناء ہے؟“ وہ کہنے لگیں: ”وہ تو ہماری مالکہ ہے۔ ہم اس کی کنیزیں ہیں“۔ میرا ساتھی مجھے کچھ آگے ایک اور باغ میں لے گیا۔ یہ باغ اپنی خوبصورتی اور رعنائی میں پہلے باغ سے بھی بڑھ کر دلکش تھا۔ یہاں بیس دوشیزائیں بیٹھی ہوئی تھیں جن کا حسن و جمال پہلی دوشیزاؤں کے حسن و جمال کو مات کرتا تھا۔ میں نے سمجھا شاید انھی میں سے کوئی عیناء ہے۔ چنانچہ میں ان سے پوچھنے لگا: ”کیا تم میں سے کوئی عیناء ہے؟“ وہ کہنے لگیں: ”نہیں ہم اس کی کنیزیں ہیں“۔ اس کے بعد تیسرے باغ میں ہمیں تیس دوشیزائیں ملیں۔ پھر میرا ساتھی مجھے سرخ موتیوں سے بنے ہوئے ایک گنبد نما محل میں لے گیا اور مجھ سے کہنے لگا ”اندر آ جاؤ“۔ میں اندر چلا گیا۔ یہاں ایک نہایت حسین و دلکش ضوفشاں چہرے کی مالک حسینہ بیٹھی ہوئی تھی۔ جس کے چہرے کی روشنی گنبد کی روشنی کو ماند کر رہی تھی‘ میں اس کے پاس بیٹھ گیا۔ ہم وہاں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ پھر میرا ساتھی مجھے لینے آ گیا۔ میں مجبوراً اٹھ کھڑا ہوا تو عیناء نے میرا دامن پکڑ لیا اور کہنے لگی ”روزہ ہمارے ساتھ افطار کرنا“۔ اب جب تم لوگوں نے مجھے جگایا تو مجھے پتہ چلا کہ یہ تو خواب تھا‘ پس میں رو پڑا۔ (نوجوان جب یہ خواب سنا چکا تو) اسی اثناء میں امیرِ لشکر نے

گھوڑے تیار کرنے کا حکم دیا۔ اب دشمن کے ساتھ دوبدو مقابلہ ہو رہا تھا کہ عین افطاری کا وقت آ گیا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ وہ نوجوان جامِ شہادت نوش کر گیا"۔ (یہ نوجوان اُس دن روزے سے تھا)۔ ابن مبارک" لکھتے ہیں کہ "یہ ایک انصاری نوجوان تھا اور ثابت البنانی کو اس کا شجرۂ نسب معلوم تھا"۔

اللہ ذبیح اللہ کو غریقِ رحمت کرے۔ اس نے بھی دنیا کی دوشیزاؤں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے عیناء سے اپنی نسبت طے کر رکھی تھی۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ جنت الفردوس میں ہمیں اکٹھا فرما دیں۔ وہاں انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کی معیت نصیب فرمائیں کہ یہ بہترین رفقاء ہیں۔

فحیی علی جنات عدن

فانها منازلنا الأولى و فيها المخيم

ولكننا سبى العدوفعل ترى

نعود إلىٰ اوطاننا و نسلم

فيا بائعاً هذا ببخس معجل

كأنك لا تدرى ولا انت تعلم

فإن كنت لا تدرى فتلك مصيبة

و ان كنت تدرى فالمصيبة أعظم

"مروان کے ایک جاننے والے نے بتایا کہ وہ اکثر کہا کرتے تھے: "میری یہ دلی تمنا ہے کہ بلخ پہنچنے کے بعد میرے قدم امام بخاریؒ کے وطن کو بھی چھو سکیں"۔

ذبیح اللہ کے بعض قیمتی ملفوظات

دنیا سے بے رغبتی ان کا نمایاں وصف تھا۔ محاذ سے بھیجے گئے اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں: "میں دنیا کو چھوڑ چکا ہوں اور ہر قسم کے طاغوت کو اپنے قدموں سے روند ڈالا ہے، اسے دھتکار چکا ہوں"۔

جہاد کی حقیقت کے بارے میں ان کا نقطۂ نظر بڑا واضح تھا اور اس کے صحیح مقام و مرتبے سے وہ بخوبی آگاہ تھے۔ جہادِ افغانستان کے حوالے سے روسیوں کی چالوں اور ریشہ دوانیوں پر ان کی گہری نظر تھی۔

اپنے ایک اور خط میں وہ جہادِ افغانستان کی صورتِ حال کے بارے میں کہتے ہیں: "میرے بھائی! افغان،

عرب مجاہدین کی طرف سے کیے گئے موجودہ تعاون سے کہیں زیادہ مدد کے مستحق ہیں۔ کیونکہ اس لمبی جنگ نے افغانوں کی حالت پر شدید اثر ڈالا ہے"۔

اسی طرح ایک اور خط میں کچھ یوں لکھتے ہیں: "اے جوانانِ عرب! جہاد کے لیے نکل آؤ، اس سے پہلے کہ وقت گزر جائے اور موقع ہاتھ سے نکل جائے۔ اے ساتھیو! افغانستان میں جب تک جہاد باقی ہے، اپنے ایمان کی تکمیل کے لیے دوڑ پڑو! آؤ اور اپنے بھائیوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کرو تا کہ جہاد کی اس بھٹی کو ایندھن ملتا رہے اور اسلام پر طاری یہ خوفناک صورتِ حال بدلی جا سکے کیونکہ آج افغانوں کو محاذوں پر بھیجنے سے پہلے ـــــ دینی تعلیم و تربیت کے اداروں سے گزارنا اشد ضروری ہے اور اس ضمن میں آپ لوگوں کی مدد درکار ہے۔

اسی طرح وہ اللہ کے نور کے متلاشی، صبر و تربیت کے اداروں سے گزارنا اشد ضروری ہے ـــــ لیکن محاذوں سے دور بیٹھے ہوئے جوانوں سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں:

"آؤ نور کی طرف، صحابہء کرامؓ کے سے طرزِ زندگی کی طرف ـــــ جہاں کی تاریک راتیں، پہاڑی راستے، گھڑ سواری، بھوک پیاس کی شدت، خشک روٹیاں، دنوں اور ہفتوں پر محیط پیدل مسافتیں تمہیں صحابہ کے دور کی جھلک دکھائیں گی اور تم عملی طور پر خود کو صحابہ کے شریکِ سفر محسوس کرو گے بالکل اسی طرح جیسے تم روحانی و فکری اعتبار سے ان کی سیرت سے رہنمائی لیتے ہو"۔

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"جہاد کی ضرورت خود ہمیں ہے کیونکہ یہ ہمارے نفوس کو (دنیا کی محبت اور دل کی بیماریوں سے پاک کر کے) صیقل کرتا ہے، انھیں مہذب بناتا ہے، ان کو عملی طور پر اسلام پر جما دیتا ہے۔ جہاد ہی خون کی آمیزش سے ہمارے اعضاء و جوارح کو ایک نئی زندگی دیتا ہے، ایک ایسی زندگی جو اللہ کی اطاعت سے بھرپور اور نفسانی امراض سے پاک ہوتی ہے"۔

ہشام ہانی منصور شہید

"ایک طرف کویت کی آسودہ زندگی' نرم بچھونے اور عیش کی نیند' اور دوسری طرف اپنے ضمیر کا عذاب! یہ کشمکش جاری رہی یہاں تک کہ ہشام نے ایمان کی پکار پر لبیک کہا کیونکہ اب وہ جان گئے تھے کہ عذاب سعیر سے بچنے کے لیے صدائے نفیر پر لبیک کہے بغیر کوئی چارہ نہیں"

ہشام کے والد نے ارض مقدس' قبلۂ اول اور حرمِ ثالث کی مبارک زمین میں نشو ونما پائی اور اپنے وقت کے مشہور ومعروف قاضی بن گئے۔ میں نے ہمیشہ لوگوں سے ان کے بارے میں کلمۂ خیر سنا' کچھ عرصہ مقبوضہ فلسطین میں خدمات انجام دینے کے بعد اردن چلے گئے اور اردن کے شہر عمان کے ایک عالی شان علاقے میں رہائش اختیار کی۔ انھوں نے بچپن ہی سے اپنی اولاد کی اسلامی نہج پر تعلیم وتربیت کا اہتمام کیا۔ انھیں پنج وقتہ نماز کی ادائیگی کے لیے مسجد جانے کی عادت ڈالی۔ مسجد میں ہی ابوحفص ہشام کی ملاقات جہادی تحریک سے منسلک ایک نوجوان شیخ نظمی سے ہوئی۔ شیخ نظمی نے اپنے آپ کو نوخیز نسل کی تربیت کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ ان میں اس کام کے لیے انتہا درجے کی حکمت اور بردباری موجود تھی۔ ہشام ابھی دس برس ہی کے تھے کہ شیخ نظمی نے ان میں علمِ دین کا اور اپنے دفاع کے لیے جوڈو کراٹے کا شوق پروان چڑھا دیا۔

ولکنکم تستعجلون

ہشام ابوحفص میں جسمانی قوت کے ساتھ ساتھ ذہانت کا جوہر بھی نمایاں تھا۔ دس برس کی عمر ہی سے جہاد کے ساتھ ان کی وابستگی فریفتگی کی حدود کو چھونے لگی۔ ذہن میں اپنے اُن اسلاف اور معاصر کرداروں کی تصویریں جگمگاتی رہتیں جنھوں نے راہِ جہاد کے لیے اپنی متاعِ حیات وقف کر رکھی تھی' جو اس راہ کی بلاؤں اور دشواریوں کو کوچۂ حبیب کے سنگ ریزوں کی طرح محبوب رکھتے تھے۔ دل میں شیخ مروان حدید کی سپاہ میں شامل ہونے کا داعیہ موجود تھا مگر عمر اس کی اجازت نہ دیتی تھی۔ وہ اچھی طرح جان گئے

تھے کہ اپنے ہدف تک پہنچنے کے لیے اسلحے کا استعمال واحد راستہ ہے۔ ہشام بالآخر اپنے راستے پر چل پڑے۔ ان کے ساتھ ہم خیال دوستوں کا جھرمٹ تھا جن میں سے چار تو ہر وقت (اردن میں) میرے گھر میں منڈلاتے رہتے اور ہر ممکنہ طریقے سے جہاد شروع کرنے کا مطالبہ کرتے۔ میں انھیں سمجھانے لگتا کہ ولکنکم تستعجلون (تم لوگ کچھ زیادہ جلدی مچا رہے ہو)۔

دن گزرتے چلے گئے۔ دوستوں کا یہ جتھہ بھی بکھر گیا۔ ان میں سے ایک نوجوان فلسطین چلا گیا اور اسرائیل کی چولیں ہلا دینے "قارب مطاطی" والی کارروائی میں شریک ہوا اور وہیں جام شہادت نوش کر گیا۔ جب کہ ہشام اور ان کے جگری دوست ابی اسید کی نظرِ انتخاب کوہ ہندوکش پر پڑی۔

چار سال پہلے کی بات ہے کہ مجھے اچانک پشاور میں ایک ہی دن میں ہشام اور ابی اسید دونوں کو دیکھنے کا اتفاق ہوا' میں بہت خوش ہوا۔ حال چال پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ دونوں پکتیا کے جہادی قائد فیض محمد کے ساتھ جہاد میں شریک ہیں۔ پھر کچھ عرصہ بعد ہشام کویت آ گئے مگر افغانستان میں جو دکھ بھرے مناظر وہ دیکھ چکے تھے اس نے ان کے نرم گرم بستر کو کانٹوں سے بھر دیا تھا۔ یتیموں کی چیخیں اور بیواؤں کی آہیں ان کے کانوں میں گونجتی رہتیں۔ ایک طرف کویت کی آسودہ زندگی' نرم بچھونے اور عیش کی نیند اور دوسری طرف اپنے ضمیر کا عذاب! یہ کشمکش جاری رہی یہاں تک کہ ہشام نے ایمان کی آواز پر لبیک کہا کیونکہ اب وہ جان گئے تھے کہ عذاب سعیر سے بچنے کے لیے صدائے نفیر پر لبیک کہے بغیر کوئی چارہ نہیں!

نرم دمِ گفتگو' گرم دمِ جستجو

ہشام دوبارہ محاذ تک پہنچنے کے لیے بے تاب رہتے۔ وہ اس سلسلے میں بلخ میں اپنے دوست ابی اسید کے بارے میں معلومات حاصل کرتے رہے اور بالآخر ایک روز بلخ جانے والے ایک قافلے کی روانگی کی اطلاع پا کر اس کے ہمراہ ہو لیے۔ تند و تیز یخ بستہ ہواؤں کے تھپیڑے اور برف سے ڈھکے راستے ان کے عزمِ سفر کو متزلزل کرنے کی بجائے آتشِ شوق بڑھاتے جا رہے تھے۔ بلخ میں ابی اسید نے ان کا والہانہ استقبال کیا اور انھیں وہاں کی تحریکِ جہاد کے رہنما محمد علم کی خدمت میں لے گئے۔ جلد ہی یہ نوجوان مجاہدین کا ہر دلعزیز دوست بن چکا تھا۔

ہشام کے سینے میں بہت بڑا دل تھا اور اس میں مجاہدین سے محبت کا سمندر موجزن رہتا تھا۔ گو وہ خاموش طبع تھے مگر مسلمانوں کی حالتِ زار دیکھ کر ان کا دل بے قرار ہو جاتا۔ ان سے مل بیٹھ کر گفتگو کرنے والے کو یوں لگتا جیسے وہ کسی نوخیز جوان سے نہیں بلکہ چالیس سالہ پختہ تجربات کے حامل شخص سے محوِ گفتگو ہے۔ وہ خاموشی سے مخاطب کو بات کرنے کا موقع دیتے۔ پھر نہایت قرینے سے اپنا نقطہ نظر اس کے سامنے رکھتے۔

شہادت سے مہینہ بھر پہلے ایک روز مجھ سے کہنے لگے: ”میرے والد صاحب کویت میں قانونی وکیل تھے اب ان کا انتقال ہو گیا ہے۔ میری والدہ اور چھوٹی بہن وہاں اکیلی ہیں۔ میری بہن نے نرسنگ کا کورس کر رکھا ہے، وہ مجاہدین کے کسی ہسپتال میں خدمات انجام دینے کے لیے تیار ہے، میں چاہتا ہوں آپ ان کے لیے مجاہدین میں سے کوئی مناسب رشتہ تلاش کر لیجیے“۔ اس وقت مجھے احساس ہوا کہ سر سے پاؤں تک جہادی امور میں جکڑے رہنے کے باوجود اس نوجوان میں اپنے اہلِ خانہ سے متعلق ذمہ داریوں کا کس قدر احساس موجود ہے۔

کیا ہی اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو میسر آسکیں

پشاور سے بلخ تک کا راستہ ایک ماہ کی پیدل مسافت پر مشتمل ہے جس کی مشقت کا ایک عام انسان تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اب کی بار ہشام کو ادویات، کچھ لوازمات اور کتابیں لے کر بلخ کی طرف عازمِ سفر ہونا تھا۔ پشاور میں ایک لمحہ گزارنا ان کے لیے دشوار تھا۔ وہ مجھے جلد از جلد دوائیاں اور دینی کتب جمع کرنے کی تلقین کرتے۔ قتال سے زیادہ دیر کے لیے دوری انھیں شاق گزر رہی تھی، مجاہدین کے درمیان زندگی گزارنا انھیں محبوب تھا۔ ماسدہ سے تو انھیں انس تھا۔ انھوں نے ۱۹ شعبان ۱۴۰۷ھ میں ہونے والی کارروائی میں اپنے عرب بھائیوں کے ساتھ شرکت کی۔

بالآخر وہ ربّ کی جنتوں کی طرف پرواز کر گئے۔ ابھی تو ہم نے انھیں جی بھر کے دیکھا تک نہ تھا۔ اپنی شہادت سے کچھ روز قبل وہ جاجی آئے، میں اس وقت معرکے کی نگرانی میں مصروف تھا۔ مجھے اس بات کا ہمیشہ افسوس رہے گا کہ میں آخری دفعہ ان کو گلے نہ لگا سکا۔ مخابرے پر ان کی شہادت کی خبر سنی تو میرے آنسو نکل گئے اور نظروں کے سامنے ان کی ایک ایک مجاہدانہ صفت گھوم کر رہ گئی۔ مجاہد ابو محمود مجھے کہنے لگے:

جنہیں جنتوں کی تلاش تھی

”میرے تین سگے بھائی یکے بعد دیگرے فوت ہو گئے لیکن میرے آنسو نہ نکل سکے مگر ہشام ابو حفص کی شہادت کی خبر سنتے ہی میری آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات چھڑ گئی“۔ میں نے انھیں جواب دیا: ”ہشام جیسوں کے لیے آنکھوں کو رونا ہی چاہیے“۔ اللہ ان کی شہادت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں اور انھیں صالحین کے زمرے میں شامل کر دیں۔

اے ہشام! آپ کی جدائی ہمیں اور آپ کے دوسرے بھائیوں کو نہایت شاق گزری ہے تاہم اس یقین نے ہمارے دلوں کو سہارا دے رکھا ہے کہ اللہ نے آپ کو حیاتِ جاوداں نصیب کر دی ہے۔ اللہ ہمیں اور آپ کو انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کی معیت میں اکٹھا کرے، کیا ہی اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو میسر آسکیں۔

مجھے شاکر زندانی نے بتایا: ”ہشام سانولی رنگت کے مالک تھے۔ مگر جب وہ شہید ہوئے تو ان کے چہرے سے نور کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں، یہ اس قدر سرخ و سفید لگ رہا تھا گویا چودھویں کا چاند چمک رہا ہو۔ ان کو دوسرے دن دفنایا گیا مگر تب بھی ان کا چہرہ تروتازہ اور شگفتہ تھا۔ ان کے پاس ہی ایک روسی کی لاش پڑی تھی جس کا چہرہ انتہائی بدہیئت اور کلونس زدہ لگ رہا تھا“۔

میری دعا ہے کہ وہ بھی فتح یا شہادت میں سے کوئی ایک بھلائی پا لیں

ہشام شہید کی اماں نے مجاہدین فی سبیل اللہ کے نام جو خط لکھا وہ کچھ یوں ہے:

میرے مجاہد بھائیو اور بیٹو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

جرأت مند مجاہدوں کے کارواں نکل کھڑے ہوئے ہیں اور شہداء کا قافلہ بھی ان کی معیت میں رواں دواں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مصداق:

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُم مَّن قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُم مَّن يَنتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا﴾ (الاحزاب: ۲۳)

”ایمان والوں میں سے ایسے آدمی بھی ہیں جنھوں نے اللہ سے جو عدہ کیا تھا اُسے سچ کر دکھایا پھر ان میں سے بعض تو اپنا کام پورا کر چکے اور بعض منتظر ہیں اور (انھوں نے اپنے عہد میں کوئی تبدیلی نہیں کی“۔

اے میرے ھشام ... اے شہسوار ... بالآخر تو جاوداں زندگی کے راستے پر چل نکلا۔ یہ تیرا اپنا اختیار کردہ فیصلہ تھا۔ بے شک تو نے ہمیشہ اپنے لیے بہترین چیز کا انتخاب کیا۔ تو اپنے پیچھے آنے والے مجاہدین کے لیے سنگِ میل تراش گیا۔

راہِ جہاد میں پہلے اپنے نفس کو شیطان کی بندگی سے آزاد کروانے کا مرحلہ آتا ہے اور اس کے بعد زمین کی آزادی کی باری آتی ہے:

مری طرف سے کوئی یہ کہہ دے مجاہدِ بے خبر سے پہلے
صفائے قلب و نظر ہے لازم جہانِ تیغ و تبر سے پہلے!

اے ھشام! تم نے مٹی کی آلائشوں سے نکل کر آفاق کی بلندیوں کو اپنے لیے منتخب کیا' یہ وہ راستہ ہے جسے اللہ نے اپنے ان بندوں کے لیے خالص کر رکھا ہے جن سے وہ محبت کرتے ہیں اور جو انھیں محبوب جانتے ہیں۔

تم نے اس دن سے آزادی کے نقوش تراشنے کرنے شروع کیے تھے جب تم تین سال کے بچے تھے۔ تب تم اپنے معصوم بچپن کے تخیل میں پرواز کرتے ہوئے سرزمینِ فلسطین کے تقدس کو پامال کرنے والوں پر چڑھ دوڑتے۔ ان کے جہاز اور توپیں گراتے' ان کو شکستہ و پراگندہ کر کے رکھ دیتے۔ پھر جب جوانی کے دن آئے تو تم صعوبتوں سے پُر جہاد کی طرف محوِ سفر ہو گئے تاکہ اپنی آتشِ شوق بجھا سکو۔ سرزمینِ جہاد کی مسافت بہت دور تھی مگر تمہارا شوق اور جذبہ اس مسافت سے کہیں زیادہ تیز رو تھا۔ بس میرے بیٹے! تمھیں جاودانی زندگی مبارک ہو۔ تم سے پہلے بھی کئی ایک نے اس منزل کو جا لیا اور تمھارے بعد بھی بہت سے ہیں جو اپنی باری کے منتظر ہیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ انھیں اپنے مقصد میں کامیاب فرما دیں اور وہ الٰہی وعدے کے مطابق فتح یا شہادت دونوں میں سے کوئی ایک بھلائی پا لیں۔ (والسلام آپ کی والدہ اُمِ ھشام)

احمد محمد احمدی ... سرزمینِ یمن کا پہلا شہید

"میں نے انھیں رمضان شریف میں نہایت کثرت سے تلاوتِ قرآن کرتے ہوئے دیکھا۔ میرے بیٹے ابراہیم نے ان سے پوچھا: "آپ اس رمضان میں کتنی دفعہ قرآن مجید ختم کر چکے ہیں؟" کہنے لگے: "یہ چھٹی مرتبہ ہے"

احمد محمد شہید کے انگ انگ میں چستی بھری ہوئی تھی۔ ان کی سیماب پائی انھیں لحہ بھر سکون نہ لینے دیتی۔ ڈھائی سال پہلے جب وہ جہاد کے لیے آئے تو اپنی عمر کی تیسری دہائی سے گزر رہے تھے۔ رسمی تعلیم واجبی سی تھی مگر علمِ دین سے لگاؤ اور مطالعے کا بے پناہ شوق تھا۔ یمن کا علاقہ "اِب" ان کی جائے پیدائش تھا۔ بے انتہا ذہین اور حاضر جواب تھے اور ہر انسان کو اس کے مقام و مرتبہ کے مطابق جواب دیتے۔ برجستگی ان کی گفتگو کی خاص پہچان تھی۔ ایک دفعہ کسی نے ان سے پوچھا: "آپ کے پیٹ پر بندھا خنجر کدھر گیا؟" کہنے لگے: "میں نے کسی کا ناحق مال نہیں کھایا کہ اپنے معدے پر سختی کروں"۔ ایک مرتبہ ایک نوجوان سے جہاد کے مسئلے پر بحث چھڑ گئی۔ نوجوان کہنے لگا: "میں نہیں سمجھتا کہ جہاد فرضِ عین قرار پا چکا ہے"۔ محمد احمدی کہنے لگے: "جہاد فرضِ عین قرار پا چکا ہے۔ فلاں فلاں علماء نے اس کا فتویٰ بھی دے دیا ہے"۔ نوجوان نے اصرار کیا: "میں ان کی آراء کو مستند تصور نہیں کرتا"۔ محمد احمدی ہلکی سی مسکراہٹ لبوں پر لیے بے ساختہ بولے: "اچھا تو پھر آپ کے لیے احمد عدویہ (مصری گلوکار) سے فتویٰ لے لیتے ہیں"۔

غازیوں نے ان کی بہادری اور جرأت کی وجہ سے انھیں 'شیر' کا نام دے رکھا تھا۔ دو سال پہلے ہم نے ماہِ رمضان ان کے ساتھ گزارا۔ یہ تیسرا رمضان تھا جو مجھے مسلسل مجاہدین کی معیت میں گزارنے کی سعادت حاصل ہو رہی تھی۔

دو سال پہلے کی بات ہے جب وہ روسیوں سے مقابلے کے لیے ان کی چھاؤنی تک جا پہنچے تھے۔ چھاؤنی کا واقعہ بڑا دلچسپ ہے۔ احمد محمدی اور ان کے ساتھیوں نے لاؤڈ اسپیکر پکڑے ہوئے تھے اور قلعے میں موجود روسیوں کو مخاطب کر کے کہہ رہے تھے: "بزدلو! تم یہاں سے فوراً نکل جاؤ' خنزیر کی اولاد واپنے

سروں کی خیر مناؤ''۔ روسی اتنے خوف زدہ ہوئے کہ اندھادھند اور بے ہدف گولیاں برساتے ہوئے وہاں سے بھاگ نکلے۔

احمد رجب ۱۴۰۵ھ میں سرزمینِ جہاد آئے۔ میں نے انھیں رمضان شریف میں نہایت کثرت سے تلاوتِ قرآن کرتے ہوئے دیکھا۔ میرے بیٹے ابراہیم نے ان سے پوچھا: ''آپ اس رمضان میں کتنی دفعہ قرآن مجید ختم کر چکے ہیں؟'' کہنے لگے: ''یہ چھٹی مرتبہ ہے''۔

رمضان میں مرکز کے ساتھیوں کو سحری کے لیے اٹھانا ان کی ذمہ داری تھی۔ یمن میں وہ، مکتبہ توحید والارشاد، سے وابستہ تھے مگر وہاں بھی وہ جہاد کی طرف دعوت دینے میں مصروف رہے' جہادِ افغانستان کے لیے چندہ اکٹھا کرنا ان کا مشغلہ تھا۔

حق کے معاملے میں وہ کسی کی ملامت سے نہ ڈرتے

حق گوئی و بے باکی ان کا خاص وطیرہ تھا۔ کلمۂ حق کہنے سے ہرگز نہ ہچکچاتے' چاہے اس کی کچھ بھی قیمت کیوں نہ ادا کرنی پڑ جائے۔ ایک دفعہ انھیں ایک عالمِ دین کے ہمراہ یمن کے نائب صدر' وزیرِ داخلہ اور چند دیگر وزراء کے پاس جانے کا اتفاق ہوا۔ محمد احمدی نے کلاشنکوف اٹھا رکھی تھی۔ پہرے داروں نے انھیں اسلحہ باہر رکھنے کی تاکید کی مگر احمد محمدی مُصر رہے کہ وہ اسلحے سمیت اندر جائیں گے۔ بالآخر وہ اپنی کلاشن سمیت اندر جانے میں کامیاب ہو گئے۔ اندر جا کر نائب صدر کو مخاطب کر کے کہنے لگے: ''آپ لوگ یمن یونیورسٹی کے مدیر مقالح کی واہیات پر خاموش کیوں ہیں؟ جو کہتا پھر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ بادلوں کی صورت میں تھا اور اب (معاذ اللہ) مٹی کی صورت اختیار کر لی ہے؟'' وہ کہنے لگے: ''یہ سراسر جھوٹ ہے''۔ اس پر احمد نے انھیں اس اخبار کی نقل دکھائی جس میں یہ قصیدہ چھپ چکا تھا۔ باقی سارا قصیدہ جہادِ افغانستان سے متعلق تھا جسے اہلِ یمن خوب جانتے ہیں۔

وہ علماء اور ذمہ داران سے گفتگو کر کے انھیں مسئلہ افغانستان کی اصل صورتِ حال سے آگاہ کرتے۔ مسلمانوں کے کندھوں پر عائد گراں ذمہ داری کا تذکرہ کرتے۔ وہ بارہا شیخ عبدالعزیز بن باز سے ملے اور انھیں مسئلۂ افغانستان سے متعلق آگاہی دی۔ شیخ عبدالمجید زندانی سے بھی انھوں نے کئی ملاقاتیں کیں اور افغانستان کی صورتِ حال ان پر واضح کی۔

احمد محمد احمدی نے ایک لڑکی کی طرف منگنی کا پیغام بھیجا۔ لڑکی کے بھائی نے پوچھا: ''کیا تمھارے پاس کوئی شھادۃ (سند وغیرہ) ہے؟'' کہنے لگے: ''لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی شھادۃ ہے''۔ اس نے پھر پوچھا: ''کیا ملازمت کرتے ہو؟'' کہنے لگے: ''جہاد''۔ اس کا بھائی پوچھنے لگا: ''اپنا گھر ہے؟'' کہنے لگے: ''جنت سے بہتر کون سا گھر ہے؟'' پھر بولے: ''مجھے کوئی ایسی لڑکی نہیں چاہیے جس کی نظریں گھر اور ملازمت پر ہوں۔ مجھے کوئی ایسی رفیقۂ سفر چاہیے جو میرے ساتھ جہاد کی صعوبتوں اور مشقتوں کو جھیل سکے''۔ ان کی خواہش تھی کہ ان کی رفیقۂ سفر ان کے ساتھ معرکۂ جہاد میں حصہ لے۔

جہادِ افغانستان سے متعلق غیرت

محمد احمدی ہرگز برداشت نہ کرتے تھے کہ کوئی جہادِ افغانستان کو شکوک و شبہات کی نظر سے دیکھے۔ نہ انھیں یہ گوارا تھا کہ کوئی اس جہاد کی قیادت کو موردِ الزام ٹھہرائے یا جہاد کے اسلامی ہونے میں شک و شبے کا اظہار کرے۔ وہ افغانستان کے مجاہدین کے بارے میں کلمۂ شک کہنے والوں کے مقابلے میں ڈٹ کر اپنا موقف پیش کرتے۔ پائندہ محمد اور عبدالرحمٰن افغانوں کے جہادی قائدین تھے جن کے ہمراہ محمد احمدی کو کام کرنے کا اتفاق ہوا۔ دونوں احمدی کی جرات و بہادری کے قائل تھے۔ ان کی شجاعت کا تذکرہ کرتے ہوئے وہ جذباتی ہو جاتے' ان کی آنکھیں لبریز ہو جاتیں۔ بالآخر پیر ۱۲ شوال ۱۴۰۷ھ کو ایک لڑائی میں شدید زخمی ہو گئے۔ دماغی چوٹ کے باعث انھیں بے ہوشی کی حالت میں پاراچنار ہسپتال لے جایا گیا مگر ہسپتال پہنچنے سے پہلے ہی ان کی روح پرواز کر گئی۔ مجاہدین کے امیر نے حکم دیا کہ انھیں یحییٰ' ابی عبدالحق اور احمد فلسطینی کی قبروں کے ساتھ دفنایا جائے۔

شاید اللہ تعالیٰ حوضِ کوثر پر ہماری ملاقات کرادیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں جامِ کوثر کی میزبانی نصیب فرمائیں' جسے پینے کے بعد کسی پیاس کا' کسی تشنگی کا کبھی کوئی گزر نہ ہوگا۔ خدائے علیم و خبیر ہی کے پاس اس کا علم ہے۔ بے شک وہ بڑے بے نیاز' ستودہ صفات اور مہربان ہیں۔

ابواحمد اور صالح الیمنی راوی ہیں کہ ہم نے احمد محمدی کے خون کی خوشبو سونگھی جو مسک (مشک) جیسی تھی۔ ان شاء اللہ قیامت کے دن وہ اس حال میں آئیں گے کہ ان کا بدن لہو رنگ ہوگا اور اس سے اٹھنے والی خوشبو مُشک کی مانند ہوگی۔

''اس دن کا استقبال عید سمجھ کر کیا جائے'' احمد کی وصیت

''تعریفوں کی سزاوار خدائے واحد کی ذات ہے۔ درود وسلام ہو اللہ کے انبیاء اور رسولوں پر۔ میں اس ورق پر اپنے بھائیوں اور دوستوں کے نام وصیت تحریر کر رہا ہوں۔ اور کچھ پند و نصائح بھی تحریر کر رہا ہوں شاید کوئی ان پر بھی کان دھرلے:

''ہر مسلمان نوجوان پر فرض ہے کہ وہ باطل کے سامنے ڈٹ جائے' اللہ کے راستے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی ہرگز پروانہ کرے۔' اللہ کی راہ میں جہاد کرے۔ جس طرح جہاد کرنے کا حق ہے اور باطل کے سامنے ہرگز سرنگوں نہ ہو چاہے اس کا مقام و مرتبہ بظاہر کیسا ہی کیوں نہ ہو۔

میں نہیں جانتا کہ اللہ کی بارگاہ میرا انجام فتح ہوگا یا شہادت' تاہم احتیاطاً یہ وصیت تحریر کر رہا ہوں کہ صنعاء میں میرے بھائی محمد مؤید اور مکہ میں عبدالمجید زندانی سے کہہ دیں کہ حمادی سے میری رقم لے لیں۔ اس رقم کا تیسرا حصہ میری والدہ اور والد کو دے دیں۔ میرا ایک خنجر والدِ محترم کے پاس ہے اور ایک دوسرا خنجر قاضی محمد تنزیلی کے پاس ہے۔ یہ دونوں خنجر فروخت کر دیے جائیں اور ان کی قیمت افغان مجاہدین کو ارسال کر دی جائے۔ یہ رقم میرے کسی رشتہ دار کے ذریعہ بھجوائی جائے۔ جیسا کہ میں تذکرہ کر چکا ہوں' ایک تہائی یا نصف رقم میری والدہ اور والد کو دے دی جائے اور بقیہ رقم افغان مجاہدین کو بھجوا دی جائے۔

والدہ محترمہ اور والد صاحب سے میری گزارش ہے کہ اگر میری قسمت میں شہادت لکھی گئی تو آپ اس پر صبر فرمایئے۔ آہ و بکا اور ماتم ہرگز برپا نہ ہو۔ اس دن کا استقبال یومِ عید سمجھ کر کیا جائے' یومِ ماتم سمجھ کر نہیں۔ (احمد محمد مرشد الاحمری)

صفی اللہ افضلی شہید

''انھوں نے عالمِ اسلام کو جھنجھوڑنے کی کوشش کی مگر یہاں کوئی سخی ہاتھ اور مہربان دل نہ تھا' روٹی اور چاول کی عدم دستیابی کی وجہ سے معدے نازک ہو گئے۔ صفی اللہ نے دوا اور علاج کی تلاش میں پشاور کا رخ کیا''

۱۵ ذیقعد ۱۴۰۷ھ کی بات ہے۔ سورج کی سنہری کرنیں صدہ کے پہاڑوں کو روپہلا زیور پہنا چکی تھیں۔ عصر کی نماز کے عین بعد ابی صادق میرے پاس بیٹھے مجاہدین کی مختلف ضروریات کا تذکرہ کرتے چلے جا رہے تھے کہ اچانک ان کی زبان سے ایک ایسا جملہ نکلا جسے سننے کے لیے میرے کان ہرگز تیار نہ تھے ''صفی اللہ افضلی ہرات میں جامِ شہادت نوش کر گئے''۔ یہ خبر بجلی بن کر میرے اوپر گری۔

کیا واقعی شیرِ ہرات بھی جان سے گزر گیا؟

مجھے اپنی سماعت پر یقین نہیں آ رہا تھا' میں نے ان سے دوبارہ پوچھا: ''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ کیا یہ مصدقہ خبر ہے یا آپ نے ویسے ہی ادھر ادھر سے سنی ہے''۔ ابی صادق نے اپنے جملے پر زور دے کر کہا ''صفی اللہ بھائی کی شہادت کی اطلاع مصدقہ ہے''۔

میرے رخسار آنسوؤں سے تر ہونے لگے اور اعصاب چٹخنے لگے۔ میں خود کو اس ناگہانی خبر پر یقین کرنے کے لیے بڑی مشکل سے تیار کر پایا۔ مگر میرے ظاہری وجود پر اس خبر کا جو اثر ہوا وہ اس سے کہیں کم تھا جو میرے دل نے محسوس کیا۔ کیا واقعی ہرات کو تازگی' فرحت اور زندگی فراہم کرنے والا درخت ٹوٹ گرا؟ کیا وہ شیر جری جان سے گزر گیا جس نے کئی ماہ تک روسیوں کے دل دہلائے رکھے تھے؟؟

وہ ہرات کے دل کی دھڑکن تھا' اس کی رگوں کا خون' اس کی پیاسی دھرتی کے لیے منبعِ حیات اور کڑکتی دھوپ کے لیے شجرِ سایہ دار تھا۔ جواں مردی' ادب' تہذیب' شرافت' سخاوت ساری ہی خوبیاں اس کا طرۂ امتیاز تھیں۔ اللہ اسے انبیاء' صدیقین' شہداء اور صالحین کی پاکیزہ معیت نصیب کریں کہ ان سے

بہتر ساتھی کوئی نہیں جو کسی کو میسر آسکیں۔

دونوں بھائی شمع کی طرح روشنی پھیلاتے رہے

صفی اللہ کی پیدائش ۱۹۵۴ء میں ہرات کی مشہور بستی قیسان میں ہوئی۔ علاقے میں ان کا خاندان اپنی شرافت و وجاہت کی بنا پر عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ گھر میں سب سے پہلے ان کے بڑے بھائی حفیظ اللہ افضلی جہادی تحریک سے وابستہ ہوئے۔ انھوں نے اپنے ایک دوست نور اللہ عماد کے ساتھ مل کر علاقے میں دعوتی و تبلیغی سرگرمیوں کی بنیاد رکھی۔ کابل یونیورسٹی میں دونوں بھائی شمع کی طرح روشنی پھیلاتے رہے۔ بڑے بھائی حفیظ اللہ نے یونیورسٹی سے ایم۔ اے صحافت کیا۔ اس کے بعد انھوں نے داؤد کے خلاف مسلح جہاد میں حصہ لیا۔ تحریک کے پہلے اسیر حفیظ اللہ کے دوست سید نور اللہ تھے۔ ان کی اسیری کے بعد سیف الدین نصرت یار ہرات گئے اور قوم کو داؤد کے خلاف تحریک کے لیے سرگرم کرنے لگے۔ تحریک کے رہنما حبیب الرحمٰن کی اسیری کے بعد حکمت یار نے مسلح تنظیم کی زمام سنبھالی۔ انھوں نے ایک دستہ ڈاکٹر محمد عمر کی قیادت میں بدخشاں بھجوایا۔ دوسرا دستہ مولوی حبیب الرحمٰن کی قیادت میں لغمان ارسال کیا اور تیسرا دستہ احمد شاہ مسعود کی قیادت میں پنج شیر بھجوادیا۔ پنج شیر پہنچ جانے والے سپاہیوں میں صفی اللہ اور ان کے بھائی حفیظ اللہ بھی شامل تھے۔ ۲۹ جون ۱۹۷۵ء کو حفیظ اللہ افضلی جامِ شہادت نوش کر گئے۔ صفی اللہ کی عمر اس وقت ۲۱ سال تھی۔ جب وہ اس قافلہ سخت جان میں شامل ہوئے تو اس وقت ان کی عمر ۱۷ سال تھی۔ اور وہ لڑکپن کے دور سے گزر رہے تھے۔ بھائی کی شہادت کے بعد انھوں نے ان کا سربلند کیا ہوا راستی کا پرچم مضبوطی سے تھام لیا یہاں تک کہ اسی راہ پر چلتے چلتے اپنی جان واردی۔

جب ایک دن میں ہرات میں پچیس ہزار مسلمان شہید کر دیئے گئے

۱۵ مارچ ۱۹۷۹ء میں ترہ کئی کے دور میں شہر ہرات ایک خونچکاں حادثے سے گزرا۔ تحریک جہاد کی شبانہ روز کوششوں کی بدولت ہرات کے عوام سیکولر حکومت کے خلاف سراپا بغاوت بن چکے تھے۔ فوج بھی اسلام سے محبت کرنے والے عوام کی ہم آواز ہوگئی۔ فوج نے ملک کے تمام اہم مراکز کو اپنے زیرِ نگیں لے لیا اور تمام اداروں کو الحاد و دہریت کے نظام سے آزاد کروادیا۔ ہرات کے عوام اپنی اس کامیابی پر پھولے نہیں سما رہے تھے کہ سرخ ریچھ باطل کے کارپردازوں سمیت حرکت میں آگیا اور ہرات کو اپنی بری اور

بحری فوج اور جدید ترین ہتھیاروں کے زور پر کچل کے رکھ دیا۔ ایک دن کے اندر ہرات کے پچیس ہزار مسلمانوں کا قتلِ عام کردیا گیا۔ صفی اللہ نے مضبوط اعصاب اور فولادی عزم کے ساتھ اس سانحے کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ انھوں نے تہیہ کررکھا تھا کہ وہ ہر قیمت پر طاغوتی لشکر کو شکست دیں گے۔ لوگ حفیظ اللہ اور ان کے جاں نثار ساتھیوں کے خون کا بدلہ چکانے کے لیے ایک دفعہ پھر صفی اللہ کے گرد اکٹھا ہونا شروع ہو گئے۔ استاد ربانی نے ہرات کے کئی دستوں کو صفی اللہ کی قیادت میں دے دیا اور انھیں ان کے شہید بھائی حفیظ اللہ افضلی کے نام سے موسوم کردیا گیا۔ اس سپاہ میں صفی اللہ سے دو برس بڑے ان کے تیسرے بھائی عزیز اللہ افضلی بھی شامل تھے۔ صفی اللہ دعوتِ دین کے جاں نثاروں کی امیدوں کا مرکز و محور اور ان کے دلوں کی دھڑکن تھے۔ انھوں نے اس جاں گسل وادیٔ خارزار میں قدم رکھا اور آگے بڑھتے چلے گئے۔

مجاہدین ایک ایک کر کے ان کی سپاہ میں شامل ہوتے گئے ہم سفر ملتے رہے اور کارواں بنتا گیا!

ہرات و قندھار کے سرفروشو! اللہ تمھارا نگہبان ہو

ہرات ایک ڈھلوانی علاقہ ہے۔ جس میں کوئی سبزہ اور جنگل نہیں جو چھاپہ مار جنگ میں مجاہدین کی بنیادی ضرورت ہوتا ہے۔

اذا لم یکن الا الاسنة مرکبا
فما حیلة المضطر الا رکوبها

"اگر نیزے کی انی کے سوا کوئی جگہ نہ رہ جائے تو اسی پر کود جانا اچھی بات ہوتی ہے"

اس کھلے اور خطرناک علاقے میں مجاہدین نے اپنے مراکز اور مورچے بنا رکھے تھے۔ صبح و شام ان پر روسی جنگی طیارے منڈلاتے رہتے اور انسان اس سب کچھ کو دیکھ کر ورطۂ حیرت میں ڈوب جاتا کہ کس طرح یہ سرفروش ان وسیع و عریض میدانوں اور چٹیل ڈھلوانوں میں باطل کے پرستاروں کا مقابلہ کررہے ہیں۔ میں جب بھی ان چٹیل علاقوں میں جہاد کا جوش و جذبہ دیکھتا تو حیران رہ جاتا خصوصاً ہرات اور قندھار کے علاقے تو چھاپہ مار جنگ کے لیے قطعاً سازگار نہیں مگر ان علاقوں نے جہاد کے طویل سالوں میں جو پامردی دکھائی وہ ناقابلِ بیان ہے۔ میرا دل اس کیفیت کو دیکھ کر پکار اٹھتا "ہرات اور قندھار کے سرفروشو! اللہ تمھارا نگہبان ہو"۔

ہرات میں ایک بستی 'انجیل' نامی ہے۔ اس کا ایک گھر بھی ایسا نہیں جس کی چھت سلامت ہو مگر اس کے باوجود یہاں پایا جانے والا جہاد کا جوش و جذبہ دیدنی ہوتا۔ طویل و عریض صحرا جہاد کی مشقت کو بڑھا دیتے۔ مجاہدین کو بار بار یہ جاں گسل راستے عبور کرنے پڑتے' اس حالت میں کہ ہر لمحے یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کہیں کوئی طیارہ ان پر بمباری نہ کر جائے' کوئی ٹینک ان پر گولوں کی بوچھاڑ نہ کر دے۔ کئی دفعہ ان طویل راستوں کو ناپتے ناپتے یہ لوگ بھوک اور پیاس سے بے حال ہو جاتے' بار ہا مرنے تک کی نوبت آ جاتی۔ روس نے شاہراہوں کو بڑے پیمانے پر تباہ کر چھوڑا تھا۔ اسی دوران ہرات قحط سالی کی لپیٹ میں آ گیا' آسمان نے اپنا پانی روک لیا' پیاسی زمین نے غلہ اگانا چھوڑ دیا۔ صفی اللہ نے اپنی سپاہ سمیت نہایت حوصلے سے اس قحط سالی کا مقابلہ کیا۔ انھوں نے عالمِ اسلام کو جھنجھوڑنے کی کوشش کی مگر یہاں کوئی بھی سخی ہاتھ اور مہربان دل نہ تھا جو اہلِ ہرات کی مدد کے لیے لپکتا۔ اب پرانا بچا کھچا خوراک کا ذخیرہ اور خشک دودھ ہی ان کا واحد سہارا تھا۔ روٹی اور چاول کی عدم دستیابی کی وجہ سے معدے نازک ہو گئے۔ صفی اللہ نے دوا اور علاج کی تلاش میں پشاور کا رخ کیا اور اللہ کی تائید و نصرت سے بالآخر اس آزمائش سے نکلنے کا رستہ تلاش کر لیا۔

شادی کی مٹھائی شہادت کی خوشی میں تقسیم ہو رہی تھی

صفی اللہ راہِ جہاد و عزیمت میں کمالِ ہمت سے آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ کامیابیاں ان کے قدم چوم رہی تھیں۔ اسی دوران انھوں نے جب اپنے کارواں پر نظر دوڑائی تو سفر کے آغاز میں ان کے ساتھ پابہ رکاب ہونے والوں میں سے چند ہی باقی بچے تھے' باقی اپنے اپنے عہد کو پورا کرتے ہوئے جامِ شہادت نوش کرتے چلے گئے۔ دو برس قبل ان کے دستِ راست قاضی عبدالرحیم رحمانی بھی داغِ مفارقت دے گئے' وہ اس کارواں کے روحانی پیشوا اور مربی تھے۔ ان کی جدائی فضل اللہ پر بے حد گراں گزری۔ روسی ملیشیا کے سرپرست شیر آغا کو قتل کرنے والے عبداللہ جان بھی راہِ شہادت میں کام آ چکے تھے۔ بابا عبدالعلی اور انجینئر میر احمد بھی عہدِ وفا کو پورا کر کے دنیائے فانی سے رخصت ہو چکے تھے۔

ایک سال پہلے روس نے گمری کی حدود اور چشمہ شیریں پر زوردار حملہ کیا۔ صفی اللہ کے چچا زاد بھائی قاسم یہاں کی سپاہ کے قائد تھے۔ قاسم جامِ شہادت نوش کر گئے تو خلیفہ سبحان نے آگے بڑھ کر صفی اللہ سے

کہا: "میں آپ کی فوج کا ادنیٰ سپاہی ہوں' آپ یوں سمجھیں کہ بس قاسم کی روح میرے اندر سرایت کر گئی ہے' میں قاسم کا ادھورا کام پورا کروں گا۔" صفی اللہ نے نہایت حوصلے کے ساتھ قاسم کی شہادت کی خبر سنی۔ ٹھٹھرتی جان لیوا سردی میں گمری سے دوآب تک کے علاقے کی قیادت کی۔ روسیوں کو ناکوں چنے چبواتے ہوئے آگے بڑھتے چلے گئے۔ معرکے کے اختتام پر عصر کی نماز ادا کی۔ اس کھلے وعریض آسمان تلے چٹیل ڈھلوانوں پر روس کو شکست دینا بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کے بغیر ناممکن تھا۔

صفی اللہ کے چچا زاد بھائی عتیق اللہ نے نذر مان رکھی تھی کہ سر ہتھیلی پر رکھ کر ہر روز ایک روسی کا خاتمہ کر کے چھوڑے گا۔ ان کے والد نے ان کی شادی کی تاریخ مقرر کر رکھی تھی۔ شادی کی مٹھائی منگوائی جا چکی تھی کہ عین شادی کے دن عتیق اللہ کی نعش شہید کے روپ میں اپنے گھر وارد ہوئی۔ اب شادی کے لیے آئی ہوئی مٹھائی ان کی شہادت کی خوشی میں تقسیم ہو رہی تھی۔ شہید نے دوآب کے معرکے میں کمیونسٹوں کے چھ مراکز پر قبضہ کرنے کے بعد عروسۂ شہادت کو گلے لگایا تھا۔

قزل سیکولر عناصر کا مرکز تھا جس میں کمیونسٹوں نے اپنے قیام و تحفظ کے لیے تمام تر اقدامات کر رکھے تھے' سیمنٹ اور دیگر خصوصی مواد سے نہایت مضبوط سرنگیں بنائی گئی تھیں جس کی وجہ سے اسے زیر کرنا بہت مشکل تھا۔ صفی اللہ نے اپنے دستِ راست محمد اسماعیل خان اور خلیفہ سبحان کے ساتھ مل کر اس پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا اور ایک روز اپنی یہ سپاہ لے کر اس پر پل پڑے۔ صفی اللہ اپنے ساتھیوں سمیت اسلحہ اٹھائے سرنگ میں داخل ہوئے۔ سب سے پہلے جس روسی سے پالا پڑا اس نے صفی اللہ سے پوچھا: "تم کون ہو؟" جواب دیا: "میں صفی اللہ ہوں"۔ روسی کہنے لگا: "مجھے ساتھ لے چلو تمھارے ہاتھوں گرفتار ہونا کسی اور کے ہاتھوں گرفتار ہونے سے زیادہ بہتر ہے"۔

دشمن سے اسلحہ غنیمت کر کے اپنا کام چلا لیتا ہوں

ایک ماہ قبل ان کے بھانجے فقیر احمد شہید ہو گئے۔ وہ بھی ایک دستے کے قائد تھے۔ عمر بائیس سال سے زائد نہ تھی' مگر وہ اہلِ ہرات کے ہاں ہر دلعزیز تھے۔ بڑے دلیر اور بہادر نوجوان تھے' اپنی کم سنی کے باوجود کٹھن سے کٹھن معرکہ ان کے قدم نہ ڈگمگا سکتا نہ ان کے حوصلے پست کر سکتا تھا۔

مجھے بارہا صفی اللہ سے گفتگو کا موقع ملا۔ وہ ہمیشہ ایک طالب علم کی طرح مؤدب بیٹھے رہتے' کسی

مخاطب کی بات نہ کاٹتے' ہمیشہ بقدرِ ضرورت گفتگو کرتے۔ مخاطب ان کی دل نشین گفتگو کے طول کی خواہش کرتا رہ جاتا۔ خوشبو میں بسی' خوبصورت لڑی میں پروئے پھولوں جیسی گفتگو سیدھی مخاطب کے دل میں اتر جاتی۔ ایک دفعہ ان کی گفتگو سے ابومازن اتنا متاثر ہوئے کہ یک دم اٹھ کر اپنی خوبصورت قیمتی عبا اتار کر انھیں اوڑھا دی' ان سے بغل گیر ہوئے اور کہنے لگے: ''میرے پاس اس سے قیمتی کوئی چیز نہیں جو میں آپ کی خدمت میں پیش کرسکوں''۔

حلقہءیاراں میں اس قدر دل پذیر اور دل نشین گفتگو کرنے والے نے اپنی ہیبت سے دشمنوں کا دل دہلا رکھا تھا۔ ایک دفعہ ایک روسی چھپ کر ان پر حملہ آور ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ صفی اللہ کو اچانک اس کا احساس ہو گیا۔ وہ آگے بڑھے تو روسی کی انگلیاں وہیں اپنے ہتھیار پر پڑی پڑی شل ہو گئیں' مارے ہیبت کے وہ وہیں جم کر رہ گیا۔ صفی اللہ نے اس کے ہاتھ سے اسلحہ چھینا اور آگے بڑھ گئے۔ اکثر کہا کرتے تھے: ''مجھے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں کیونکہ میں دشمن سے اسلحہ غنیمت کر کے اپنا کام چلا لیتا ہوں''۔ ان کی شہادت سے قبل میں نے روسیوں سے چھینے گئے اسلحے کے دو کریٹ ان کی طرف بھجوائے۔ گذشتہ سال آٹھ ماہ کے اندر انھوں نے ہرات سے اسلحے کے چھوٹے بڑے دو سو ساٹھ ذخائر غنیمت کیے۔ اس علاقے میں اتنا اسلحہ غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔

مگر جو جانِ انجمن تھا وہ کہاں چلا گیا؟

صفی اللہ قافلہءجہاد کے روحِ رواں تھے۔ دل ان کی طرف کھنچے چلے جاتے' جو ایک دفعہ اُن سے ملتا اُن کی شخصیت کا اسیر ہو جاتا۔ ایک دفعہ نور اللہ عماد بھائی نے پشاور میں ان کے اعزاز میں عشائیہ دیا جس میں بہت سے عرب اور افغان بھائی شریک تھے۔ وہ خاتمِ محفل کے رنگین عقیق کی طرح سب کی توجہ کا مرکز بنے ہوئے تھے۔

شریکِ بزمِ دل تو ہیں' چراغ بھی ہیں پھول بھی
مگر جو جانِ انجمن تھا وہ کہاں چلا گیا؟

صفی اللہ کے ساتھ ترکی کے ایک مجاہد محمد رہتے تھے۔ صفی اللہ جب بھی ان کی طرف دیکھتے مسکرا کر کہتے ''آپ نے شہید ہو جانا ہے''۔ ان کی بات سچ ثابت ہوئی' محمد ترکی شہید ہو گئے اور ان کی شہادت

کے ٹھیک پانچ ماہ بعد صفی اللہ بھی ان کے ساتھ جا ملے۔ بے شک وہی جگہ ہے جہاں باہم محبت کرنے والے اکٹھے ہو پائیں گے۔ ان کی شہادت سے قبل سید نور اللہ نے انھیں فون کر کے کہا: ''میں نے پچھلے دنوں کئی بار آپ سے رابطے کی کوشش کی مگر بات نہ ہو سکی''۔ صفی اللہ نے جواب دیا: ''میں اسلحہ لانے کے لیے کرائے پر گدھے لینے گیا ہوا تھا''۔

نور اللہ نے کہا: ''روس جہازوں پر اپنا سامان لادنے میں مصروف ہے اور آپ گدھوں پر لاد رہے ہیں''۔ صفی اللہ کہنے لگے: ''ہم اللہ کے اذن سے اپنے گدھوں سے ہی روس اور اس کے جہازوں کو شکست فاش دے کر چھوڑیں گے''۔ پھر مزید کہنے لگے: ''مجھے محسوس ہوتا ہے اب میرا بلاوا قریب ہے' میں جلد فون پر آپ سے دوبارہ بات کروں گا''۔

انھیں یہ احساس ہر وقت دامن گیر رہتا کہ ان کا وقت برق رفتاری سے گزرتا چلا جا رہا ہے۔ دنیا انھوں نے مکمل طور پر پسِ پشت ڈال رکھی تھی۔ جنت کی خوشبو انھیں بے چین کیے رکھتی۔

ہمیشہ ہراول دستے میں رہے مگر کبھی خراش تک نہ آئی

علاقہ غربی میں ان کی جہادی کارروائیوں کی بازگشت ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ کون سی زبان تھی جو ان کے تذکروں سے خالی ہو۔ لوگ سوچتے' پتہ نہیں ان کے اہل و عیال کتنے عیش و تنعم کی زندگی بسر کر رہے ہوں گے مگر اس وقت ان کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ جاتا جب انھیں معلوم ہوتا کہ ان کے اہلِ خانہ دیگر خاندانوں کے ساتھ ایک پرانے بوسیدہ گھر میں رہائش پذیر ہیں' جس کا کرایہ صرف پانچ سو روپے ہے۔ مجھے ایک ساتھی نے توجہ دلائی کہ ان کے اہلِ خانہ کے لیے کوئی بہتر گھر تلاش کیا جائے تا کہ گھر میں پائی جانے والی رطوبت اور دیمک ان کے اہلِ خانہ کو بیمار نہ کر دے اور پھر علاج میں مصروفیت ان کے لیے جہادی ذمہ داریوں کی ادائیگی مشکل نہ بنا دے۔ چنانچہ ہم نے ان کے گھر والوں اور اس طرح کے دیگر تمام گھروں کے لیے ایک ہزار روپیہ وظیفے کا انتظام کر دیا۔ وہ کہنے لگے:

''میں بیمار ہوں اور ڈرتا ہوں کہ کہیں اونٹ کی طرح میری موت بستر پر نہ آئے''۔ پھر وہ کارزارِ جہاد کی طرف چل پڑے اور بالآخر ہمیں ان کے بجائے ان کی شہادت کی خبر کا استقبال کرنا پڑا۔

انسان کی حیرت کی انتہا نہیں رہتی جب پتہ چلتا ہے کہ صفی اللہ میدانِ کارزار میں ہمیشہ ہراول دستے

میں اور دشمن سے دو بدو رہے مگر ان کے جسم پر کبھی ایک خراش بھی نہ آئی۔ اللہ نے انھیں سالہا سال تک محفوظ رکھا تا کہ وہ پوری صحت اور تندرستی کے ساتھ معرکہ جہاد میں حصہ لیتے رہیں۔

یہ آنسو اب نہیں بہیں گے تو پھر کب بہیں گے؟

دشمن نے صفی اللہ کی گاڑی میں بم رکھ دیا۔ بم پھٹ گیا مگر اللہ نے صفی اللہ کو بچا لیا کیونکہ وہ نماز تراویح میں مصروف تھے۔ پھر انھوں نے دوبارہ اسی گاڑی کی مرمت کروالی۔ ان کی سرخ رنگ کی یہ گاڑی آخری لڑائی تک ان کے زیرِ استعمال رہی۔

۷ جولائی ۱۹۸۷ء کو ان کے دشمن ان کے لئے گھات لگائے ہوئے تھے۔ وہ اس بہادر جوان کا میدانِ کارزار میں دو بدو مقابلہ کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتے تھے اس لیے انھوں نے سازش کا جال بچھایا۔ گاڑی جب ایک عوامی سڑک سے گزر رہی تھی تو اچانک دشمنوں نے اوٹ سے نکل کر ان کی سمت بے دریغ گولیاں برسانا شروع کر دیں۔ گاڑی الٹ کر رہ گئی اور صفی اللہ نے اپنے لہو میں ڈوب کر جامِ شہادت نوش کر گئے!

روسی افواج کو ناکوں چنے چبوانے والا مجاہد ہمیں داغِ مفارقت دے گیا۔ ان کی جدائی نے دلوں میں حسرت و غم کے سائے پھیلا دیے۔ آنسو ہیں کہ تھمنے کا نام نہیں لے رہے۔ ہاں آنسوؤں کو حق ہے کہ وہ بہتے چلے جائیں، یہ آنسو صفی اللہ کی جدائی پر نہیں بہیں گے تو پھر کب بہیں گے؟ آلِ افضلی کی عورتوں کو بھی حق ہے کہ وہ اپنے عزیز کی جدائی پر روئیں لیکن نوحہ اور چیخ و پکار سے باز رہیں کیونکہ شریعت میں اس کی اجازت نہیں۔ سید نور اللہ اس موقع پر اتنا روئے کہ یوں معلوم ہوتا تھا اب ان کی آنکھیں لہو برسانے لگ جائیں گی۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ فردوسِ بریں میں ہمیں اکٹھا فرما دیں۔

فدت نفس وما ملكت يميني

فوارس صدقت فيهم ظنوني

فوارس لا يهابون المنايا

إذا دارت رحى الحرب الزبون

"میں نے اپنی جان اور سب کچھ ان شہسواروں پر قربان کر دیا جنھوں نے میرے گمان

کو سچا ثابت کر دیا۔ یہ وہ شہسوار ہیں جو جنگ کے بھڑکتے شعلوں میں بھی موت سے نہیں گھبراتے"۔

پاک و برتر ہے اے رب آپ کی ذاتِ اقدس! ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ ہم آپ سے اپنی خطاؤں اور گناہوں کی معافی چاہتے ہیں اور آپ کے حضور میں توبہ کرتے ہیں۔

خالد کردی، مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا شہید

''میں جب بھی پوچھتا: ''عثمان مدینہ واپس جانے کا کوئی ارادہ ہے؟'' وہ کہتے

''ہرگز نہیں' میں جب تک زندہ ہوں جہاد چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا''

مناسکِ حج تکمیلی مراحل تک پہنچ چکے تھے۔ مگر دل ابھی تک وہیں اٹکے ہوئے تھے۔ منیٰ کے خیم میں، مسجد نمرہ، مسجد خیف اور حرمِ مکی میں گونجنے والی اذان کی صدائیں دل و دماغ کی کیفیت پر عجب سحر طاری کیے رکھتیں۔ امتِ مسلمہ کے مسائل خصوصاً افغانستان کا مسئلہ مسلمانوں کی گفتگو کا مرکزی موضوع تھا۔ میں نے حجاز سے ہی ڈاکٹر ابو حذیفہ کو فون کر کے جہاد کی صورتِ حال کی بابت دریافت کیا۔

ڈاکٹر ابی حذیفہ نے خالد کردی (عثمان) کی شہادت کی خبر سنا کر مجھے بھونچکا کر دیا۔ کچھ ہی دنوں بعد مجھے فون پر سید قلیشی (عبد السنان) اور سید محمد عبد المجید (عبد الرحمن مصری) کی شہادت کی خبر سننے کو ملی۔ یکے بعد دیگرے ماسدہ (مرکز) کے تین ستون نظروں سے اوجھل ہو چکے تھے۔ تینوں راہِ جہاد کے بنیادی پتھر تھے۔ گہرے رنج و غم نے میرے دل و دماغ کی کیفیات میں ہلچل مچادی۔

جسے نہ آنکھ نے دیکھا' نہ کانوں نے سنا جس کو!

ان کی شہادت مجھے ان کے پیش رووں کی یاد دلاتی چلی گئی۔ میں نے اپنے دل میں کہا: ''اپنے پسینے سے اس مرکز کی تعمیر کرنے والے آج اپنے لہو سے اس کی آبیاری کر کے رخصت ہو گئے''۔ سب سے پہلے ابو ذھب نے جان کی بازی لگائی۔ پھر اسامہ زخمی ہوئے۔ پھر یہ تینوں یکبارگی شہید ہو گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تینوں ماسدہ کا دھڑکتا ہوا دل تھے۔ میرا دل کہنے لگا:

''سبحان اللہ تینوں حج بیت اللہ کا قصد رکھتے تھے مگر راستے کی مشکلات ان کے ارادے میں حائل ہو گئیں۔ تینوں شادی کی تیاری میں تھے۔ عبد السنان کی منگنی ہو چکی تھی۔ عبد الرحمن بھی اس کا ارادہ رکھتے تھے اور عثمان کہا کرتا تھا: ''شادی فرض عین ہے۔ میں شادی کرنے ضرور جاؤں گا' پھر دوبارہ میدان جہاد میں واپس لوٹ آؤں گا''۔

﴿وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ﴾ (القصص: ٦٨)

''اور آپ کا رب جس چیز کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور پسند کرتا ہے' انہیں کوئی اختیار نہیں ہے''۔

تینوں نے حج کے سفر اور اس کے بعد شادی کے لیے پشاور آنے کی کتنی ہی کوشش کی۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لیے اس سے بہتر بھلائی کا انتخاب کرتا ہے جس کا بندہ خود اپنے لیے انتخاب کرنا چاہتا ہے۔ حج بیت اللہ اور کعبۃ اللہ کی دید کے لیے ان کے دل تڑپ رہے تھے۔ مگر اللہ نے اس سے بھی زیادہ تابناک اور عظیم سفر ان کی قسمت میں لکھ رکھا تھا۔ اللہ کرے کہ یہ سفر انہیں رب کی رضا اور خلدِ بریں سے فیضیاب کر دے۔ وہ دنیا کی کسی عورت سے شادی کر کے اپنے کندھوں پر اس کے نان نفقہ کی بھاری ذمہ داریاں اٹھانا چاہ رہے تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ شہادت کے ذریعہ بہتر (۷۲) حوروں کے ساتھ انہیں رشتۂ ازدواج میں منسلک کرنا چاہ رہے تھے۔

﴿فِيهِنَّ خَيْرَاتٌ حِسَانٌ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝ حُورٌ مَقْصُورَاتٌ فِي الْخِيَامِ﴾ (الرحمن: ۷۰۔۷۲)

''ان میں نیک خوبصورت عورتیں ہوں گی۔ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

وہ حوریں جو خیموں میں بند ہوں گی''۔

بغیر کسی مشقت اور تگ ودو کے وہاں وہ کچھ ملے گا جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں کیا ہے:

﴿مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ وَأَنْتُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ (الزخرف: ۷۱)

''اور وہاں جس چیز کو دل چاہے گا اور جس سے آنکھیں خوش ہوں گی موجود ہوگی اور تم اس میں ہمیشہ رہو گے''۔

ان کے خواب' ان کی امیدیں امت مسلمہ سے وابستہ تھیں

''پاراچنار'' کی وادیوں میں بیٹھے جب وہ اپنی ذمہ داریوں اور فرائض کی ادائیگی کے لیے منصوبہ بندی کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اپنا منصوبہ تیار کر لیا۔ قابلِ رشک مقام و مرتبہ کی منصوبہ بندی! جس تک رسائی کے لیے ہر مومن کے دل میں تڑپ اور خواہش موجود ہے۔ اطلس و دیبا کے ملبوسات زیب تن کیے سنہری مسندوں پر ایک دوسرے کے بالمقابل آسودہ خاطر' وہ اس مقام و مرتبے پر رب کے حضور سراپا شکر ہوں گے۔ وہ منیٰ پہنچ کر ایامِ تشریق کی قربانی کا منظر اپنی آنکھوں میں سجانا چاہتے

تھے۔ مگر اللہ نے ۱۳ ذی الحجہ کو ان کے جوان جسموں کی قربانی اپنی بارگاہ میں طلب کر لی۔ بشریت کے لبادۂ خاکی میں ملبوس یہ فرشتہ صفت نوجوان امت کے مصائب پر تڑپتے۔ ان کے خواب' ان کی امیدیں امت سے وابستہ تھیں۔ انھوں نے دیکھا کہ اس ملت کا بدن زخم زخم ہے' ظلم کے سیاہ بادل ہر ہر گھاٹی سے اس پر برس پڑنے کو تیار ہیں۔ درندے اس کی بو سونگھتے پھر رہے ہیں۔ پس انھوں نے اونٹ کی طرح بستر مرگ پر مرنے سے انکار کر دیا۔ یہ نوجوان موت کے عاشق تھے۔ حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مصداق:

((من خير معاش الناس رجل آخذ بعنان فرسه يطير على متنه كلما سمع هيعة أو فزعة ضجة مخيفة طار اليها يبتغي يطلب الموت مظانه))

''بہترین انسان وہ شہسوار ہے جو اپنا گھوڑا لے کر چل پڑے اور جب کسی خوف زدہ آواز یا کسی فریاد کرنے والے کی فریاد سنے تو عجلت کے ساتھ گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو جائے اور اپنی موت گویا اس جگہ تلاش کرتا پھرے جہاں موت کا گمان ہو''۔

یعنی موت تلاشتا پھرے۔ جہاں خوف ناک آواز یا گونج سنائی دے اپنے گھوڑے کا رخ اس سمت کر لے! آیئے تینوں شہداء کی زندگی کا لمحہ بہ لمحہ تذکرہ پڑھتے ہیں.....''

شہر مدینہ کے دامن میں واقع کوہِ عیر اور ثور کے پاس ہی خالد کا خاندان رہائش پذیر تھا۔ یہاں کی دھوپ چھاؤں میں زندگی کے ابتدائی سال گزارنے کے بعد انھوں نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا۔ ان کی زندگی پر اسلامی تعلیم و تربیت کی چھاپ بڑی گہری تھی۔ وادیٔ بطحا کا ہر ذرہ' کھجوروں کے درختوں کی قطاریں اور لق و دق ریت کے صحرا ان کے ذہن پر صحابہ کرام ؓ کے نقوش اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یادیں تازہ کر چھوڑتے۔ انھیں یہاں کی معطر ہوائیں ہر لمحہ یاد دلاتیں کہ کس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر اپنے خون اور پسینے سے اسلام کی روشن تاریخ رقم کی۔ قباء کی ہوائیں' کعب بن اشرف کے محلات اور بنی قریظہ کے مکانات ان کے سامنے دعوتِ حق کی راہ میں حائل مشکلات اور رکاوٹوں کی کہانی بیان کرتے۔

جوارِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے میدانِ قتال کی طرف!

خالد کی اسکول کی زندگی کا سفر جب ثانوی جماعت تک پہنچا تو کوہِ ہندوکش کی گھاٹیوں سے بلند

ہونے والی توپوں اور گولیوں کی گھن گرج نے انھیں بے چین کر کے رکھ دیا۔ نرم گرم بستر ان کے لیے کانٹوں کا بستر بن گیا اور ان کی نیند اچاٹ ہو گئی۔ ایک روز کمرہ جماعت میں ان کے استاد نے طلبہ کو جہاد کے لیے ابھارا تو یہ لمحہ خالد کی زندگی کے لیے بڑا فیصلہ کن ثابت ہوا۔ انھوں نے فوراً نفیر جہاد پر لبیک کہنے کا عہد کر لیا۔ ۱۴۰۵ھ میں ماہِ رمضان میں جاجی کے علاقے میں میری ان سے ملاقات ہوئی۔ میرے پوچھنے پر انھوں نے اپنا نام خالد بتایا۔ میں نے کہا: ''نہیں آپ کا نام عثمان ہے''۔ وہ اپنی حیاداری کی وجہ سے ہمارے سامنے حضرت عثمان ؓ کی یاد تازہ کر دیتے۔ چہرے پر ایسی معصومیت تھی جو کسی کم سن نونہال کا خاصہ ہوتی ہے۔ کسی مکاری' چال بازی اور عیاری کے ہر نشان سے پاک۔ رمضان کے بعد عثمان جنگ میں حصہ لینے کے لیے کارزارِ جہاد کی طرف چل پڑے۔

کچھ ماہ چکری میں رہنے کے بعد انھوں نے ایک دفعہ پھر مدینہ منورہ کی طرف رختِ سفر باندھا اور جامعہ میں داخلہ لے لیا۔ مگر جہاد کا مزہ چکھ لینے کے بعد ان کے لیے ممکن نہ رہا کہ وہ خود کو بیٹھے ہوؤں میں شامل رکھتے' چاہے بیٹھنے کے لیے سرزمین مدینہ منورہ ہی کی کیوں نہ ہو یا جامعہ اسلامیہ کے بیچ ہی کیوں نہ ہوں جہاں تفسیر و حدیث کی کتابوں سے علم کے سوتے پھوٹتے ہیں۔

معرکے کی یادیں ہر لمحہ ان کے دل و دماغ پر چھائی رہتیں۔ اب دنیا کی محفلیں اور رونقیں ان کا دل نہ بہلا سکتی تھیں۔ انھوں نے اہلِ دنیا کے شور و شغب سے دور ایک پرانا گھر کرائے پر لے لیا۔ یہ گھر آپ کے سامنے حضرت ابوذر غفاری ؓ کے گھر کی یاد تازہ کرانے والا تھا۔ اس گھر کو انھوں نے اپنا ٹھکانہ بنا رکھا تھا۔ اہلِ دنیا کی امیدوں' خواہشوں اور گفتگوؤں سے دور۔ ان کا جسم مدینۂ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں تھا اور روح پغمان' کابل اور جاجی کے میدان میں اٹکی ہوئی تھی۔ مدینہ منورہ میں زیادہ عرصہ رہائش رکھنا ان کے لیے مشکل ہوتا جا رہا تھا۔ شہادت کی تمنا ایک دفعہ پھر انھیں جوارِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے میدانِ قتال میں لے آئی۔ خالد ایک دفعہ پھر ماسدہ گئے۔

ابو عبداللہ کی عثمان سے محبت

عثمان ماسدہ کے لیے ایک شجرِ سایہ دار کی صورت اختیار کر چکے تھے۔ ان کی دوری ہم میں سے کسی کو بھی گوارا نہ تھی۔ میں اکثر ان سے مذاق کرتے ہوئے پوچھتا:

"بھائی آپ عثمان ہی ہیں یا خالد؟" وہ جواب دیتے۔ "عثمان! مجھے اس نام پر فخر ہے کیونکہ آپ نے مجھے اس نام سے موسوم کیا ہے"۔ کبھی انھیں اداس دیکھ کر میں مزاحاً ان سے پوچھ بیٹھتا: "عثمان! آپ ہم سے ناراض ہیں؟" وہ جواب دیتے: "اللہ کی پناہ اس سے کہ میں جاہلانہ رویہ رکھوں"۔ میں جب بھی ان سے پوچھتا: "عثمان! مدینہ واپس جانے کا کوئی ارادہ ہے؟" وہ کہتے: "ہرگز نہیں' میں جب تک زندہ ہوں جہاد چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا"۔

ماہِ شوال میں میں ابوعبداللہ (اسامہ بن لادن) کے ساتھ میدانِ کارزار میں تھا۔ جب معرکہ خوب گرم ہوتا ابوعبداللہ کہنے لگتے: "عثمان کو بھیجو کہ وہ یہاں پہرہ دیں اور کھانا تیار کریں"۔ ہماری ہمیشہ یہ خواہش ہوتی کہ ہمارے کمرے کا پہرہ عثمان دیں۔

عبدالمنان اور عبدالرحمن نیچے اتر کر دشمن کے مورچے کا جائزہ لینے گئے ہوئے تھے۔ کافی انتظار کے بعد بھی دونوں واپس نہیں لوٹے تو شیخ ابوعبداللہ اسامہ بن لادن نے ایک دستہ عثمان کی سرکردگی میں نیچے بھیجا کیونکہ انھیں علاقے کے چپے چپے سے واقفیت تھی۔ عثمان' سعد اور ڈاکٹر صالح کے ساتھ نیچے اتر رہے تھے۔ اگلا رستہ کئی ذیلی رستوں میں تبدیل ہو رہا تھا۔ اب عثمان آگے ہو لیے۔ ابھی وہ چند میٹر ہی آگے گئے تھے کہ ان کا پاؤں دشمن کی لگائی ہوئی لَغم پر پڑا اور کئی ٹکڑوں میں کٹ گیا' پیٹ چر گیا اور انتڑیاں باہر نکل آئیں۔ معمولی زخم ان کے ہاتھ پر بھی لگا۔

چیونٹی کے کاٹنے جیسی تکلیف

امام احمد' اور نسائی نے حدیث حسن روایت کی ہے کہ......

((مَا يَجِدُ الشَّهِيدُ مِنْ مَسِّ الْقَتْلِ إِلَّا كَمَا يَجِدُ أَحَدُكُمْ مِنْ مَسِّ الْقَرْصَةِ))

(رواه الترمذي، أبواب فضائل الجهاد)

"شہید قتل کی صرف اتنی تکلیف محسوس کرتا ہے جتنی چیونٹی کے کاٹنے سے ہوتی ہے"۔

یہی صورتِ حال عثمان کی تھی۔ جب ان کی انتڑیاں پیٹ کے چرنے سے باہر نکل آئیں اور پاؤں آدھی پنڈلی تک کٹ کر رہ گئے تو ڈاکٹر صالح آگے بڑھ کر انتڑیاں لپیٹ کر ان کے پیٹ کے اندر ڈالنے لگے۔ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے تر تھیں۔ وہ ان کا پیٹ جوڑنے کی کوشش کرنے لگے۔ عثمان نے انھیں

جنہیں جنتوں کی تلاش تھی

روتے دیکھا تو کہنے لگے: "ڈاکٹر صالح! آپ کیوں رو رہے ہیں۔ میری انگلی پر معمولی زخم آیا ہے"۔ انھیں اپنے پاؤں اور پیٹ کے زخم کا قطعاً کوئی علم نہ تھا' نہ ہی درد والم کی کوئی کیفیت وہ محسوس کر رہے تھے۔ وہ اکثر کہا کرتے: "میں شہادت کا طالب ہوں مگر جہاد کرتے کرتے بڑھاپے تک پہنچنا چاہتا ہوں"۔

ان کی روح خلدِ بریں کی طرف پرواز کر گئی۔ ان کے خون سے مشک کی بو پھوٹ رہی تھی۔ اللہ سے وہ اس حال میں مل رہے تھے کہ انھیں اپنے پیٹ کے شق ہونے اور پاؤں کے اڑ جانے کا قطعاً کوئی علم نہ تھا۔ ہمارے دلوں میں غم کے گھاؤ لگا کر وہ ہم سے جدا ہو گئے۔ شہداء کے قبرستان میں احمد زہرانی' محمد منیر اور عبداللہ مصری کے پہلو میں انھیں دفن کر دیا گیا۔

سید احمد سلیمان شہید

''ابوعبداللہ (اسامہ بن لادن) نے توپوں اور ٹینکوں کی گھن گرج سنی تو عبدالمنان اور عبدالرحمٰن کو آوازوں کی سمت روانہ کیا۔ چلتے ہوئے یہ اسد اللہ سندھی کے پاس گزرے اسد اللہ ان سے پوچھنے لگے ''آپ کب آئیں گے؟'' عبدالمنان نے جواب دیا ''ہم ان شاء اللہ واپس نہیں آئیں گے''

سید احمد (عبدالمنان) ہمیشہ ہنستے مسکراتے رہتے' کبھی انھیں غمزدہ اور دل شکستہ نہ دیکھا گیا۔ سخت سے سخت حالات میں بھی نہ تو غصے میں آتے اور نہ اپنے اعصاب مضمحل کرتے۔

برکۃ السبع میں زندگی کے ابتدائی برس گزارے۔ ثانوی اور کالج کی تعلیم کے بعد انھوں نے جامعہ زرعیہ میں داخلہ لے لیا اور زرعی انجینئر کے طور پر عملی زندگی کا آغاز کیا' پھر بلادِ حرم کا رخ کیا۔ وہیں جہاد کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنے کا آغاز ہوا اور یوں عبدالمنان پوری یکسوئی کے ساتھ مجاہدین کے قافلے میں شامل ہو گئے۔

رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاک باز!

اپنے ساتھیوں کو نیکیوں کی رغبت دلاتے اور برائیوں سے منع کرتے' غیبت سے سخت بے زار تھے' چغلی کو انتہائی ناپسند کرتے۔ ان کے سامنے اگر کوئی کسی بھائی کا ذکر برائی سے کرتا تو مارے غصے کے منہ سرخ ہو جاتا۔ وقت کا ضیاع انھیں انتہائی ناگوار تھا۔ ہمیشہ ابن قیمؒ اور ابن تیمیہؒ کی جہادی کتب کے مطالعے میں مصروف رہتے۔ سفر و حضر میں کتاب ان کی رفیق تھی۔ جب ان کا پشاور آنے کا ارادہ ہوتا تو ''مکتبِ خدمات'' میں ٹھیرتے کیونکہ یہاں ان کے ذاتی کتب خانے کی کئی کتابیں موجود تھیں۔ کارزارِ جہاد میں جاتے تو کتابیں ہمراہ رکھتے۔ بعض دفعہ اپنی کتابیں بھائیوں کو تحفتاً بھی دیتے۔ اپنی شہادت سے قبل انھوں نے جلدی میں میری طرف خط لکھ کر زادالمعاد جلد سوم' مغنی جلد ہفتم (جہاد کے بارے میں ابواب) طلب کیں۔ یہ ان کے ساتھ میری آخری خط و کتابت تھی۔

انھیں سیف اللہ کے ساتھ زکویک (طیارہ شکن توپ) کی ذمہ داری سونپی گئی۔ زکویک کے دستے میں شیخ تمیم بھی شامل تھے۔ وہ کہتے ہیں' عبدالمنان ہمیشہ پیر اور جمعرات کے روزے رکھتے' اور رات کو پہرہ دینے کے بعد قیام اللیل کا اہتمام کرتے۔

اور واقعتاً وہ جنت ہی کی خوشبو تھی!

ابوعبداللہ (اسامہ بن لادن) نے توپوں اور ٹینکوں کی گھن گرج سنی تو عبدالمنان اور عبدالرحمٰن کو آوازوں کی سمت روانہ کیا۔ چلتے ہوئے عبدالمنان' اسد اللہ سندھی کے پاس سے گزرے۔ اسد اللہ ان سے پوچھنے لگے: ''آپ لوگ کب آئیں گے؟'' عبدالمنان نے جواب دیا: ''ہم ان شاء اللہ واپس نہیں آئیں گے''۔ شہادت کے قرب کا احساس دیگر کئی شہداء کو بھی ہو چلا تھا۔ شیرِ ہرات صفی اللہ افضلی جب اپنی گاڑی میں بیٹھنے لگے تو کہنے لگے: ''مجھے بڑی عجیب سی خوشبو محسوس ہو رہی ہے۔ شاید یہ جنت کی خوشبو ہے''۔ اور واقعتاً وہ جنت ہی کی خوشبو تھی' جو چند گھنٹوں کے اندر اندر انھیں شہادت کا مژدہ سنانے آئی تھی۔

غزوہ احد کا واقعہ ہے کہ انس بن نضر نے سعد بن معاذ کو پکار کر کہا:

''واها يا أبا عمرو! الجنة إني لأجد ريحها من دون أُحد''

''ابا عمرو! (سعد بن معاذ کی کنیت) مجھے احد کی گھاٹیوں سے جنت کی خوشبو آ رہی ہے''۔

ماسدہ کے امیر عبدالرحمٰن کو بھی اپنی شہادت کا پیشگی احساس ہو گیا تھا۔ انھوں نے ابومحمود کی طرف خط لکھا: ''بس دو دن اور ہمیں برداشت کر لو' پھر ہم سے ہمیشہ کے لیے چھٹکارا مل جائے گا''۔ اور دو ہی دن بعد وہ اپنے ربّ کے پاس چلے گئے۔ وہ اپنی اہلیہ کو لینے کے لیے اسکندریہ جانے' اور اپنے ساتھ کارزارِ جہاد میں رکھنے کا ارادہ رکھتے تھے۔

الغرض سرفروش مجاہد موت کی تلاش میں روسیوں کے مرکز کی طرف چلنے لگے! مخابرے پر عبدالرحمٰن کی آواز سنائی دی: ''عبدالمنان نیچے گر گئے ہیں'' اور پھر یک لخت آواز آنی بند ہو گئی۔ دیگر غازی متفکر ہو گئے کہ آیا دونوں شہید ہو گئے ہیں یا گرفتار؟ مجاہدین ان کی تلاش میں چل پڑے۔ بالآخر انھوں نے ان بارودی الغام کو پا لیا جو ان کی شہادت کا باعث بنی تھیں۔ یہ سارے بم ایک دوسرے کے ساتھ پڑے ہوئے تھے' قریب ہی عبدالمنان کی نعش دو ٹکروں میں کٹی پڑی تھی اور دوسری طرف عبدالرحمٰن کی نعش میں

سے صرف سینے کا حصہ موجود تھا۔ دونوں شہداء اپنے جسم و جاں کی امانتیں ایک مؤمن اور مہیمن ذات کے سپرد کر چکے تھے۔

وصیت: ''میں جب بھی سیرت کی کتابیں پڑھتا تو رو پڑتا''

''محترم ابا جان! میری پیاری بہنو حدیٰ' زینب' یسریٰ! میرے عزیز بھائیو محمد اور سلیمان! تمام اہل خانہ اور وہ تمام لوگ جنھیں میں جانتا ہوں اور جو مجھے جانتے ہیں! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

میں نے اپنی زندگی کے بائیس برس جاہلیت میں گزارے ہیں۔ اس دوران میرا جب جی چاہتا میں نماز پڑھتا اور جب جی چاہتا نماز چھوڑ دیتا۔ میرے والد محترم گو تعلیم یافتہ نہیں تھے مگر وہ ہمیشہ مجھ سے کہا کرتے کہ اگر تم نماز نہیں پڑھتے تو میرے ساتھ کھانا ہرگز نہ کھایا کرو۔ ان میں اسلام سے محبت کا بے کراں جذبہ موجود تھا' نماز کی پابندی بڑے اہتمام سے کیا کرتے تھے۔ ایک عرصہ تک نفس اور شیطان کے خلاف جنگ جاری رہی۔ دین ولادینیت کے مابین اس کشمکش کے بعد بالآخر اللہ کا شکر ہے کہ مجھے ہدایت کے راستے پر ثابت قدمی سے چلنا نصیب ہو سکا۔

۱۸ رمضان ۱۳۹۸ھ بمطابق ۱۹۷۸/۹/۲۲ء ہدایت کے راستے پر میرے سفر کا آغاز ہوا۔ میں چند نوجوانوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ اذان کی آواز گونجی۔ نوجوان مجھ سے کہنے لگے: ''اٹھو نماز کے لیے چلو۔ تم نے کبھی ایک رکعت نماز بھی ادا نہیں کی۔''

میں ان کی باتوں کا مذاق اڑانے لگ گیا۔ انھوں نے اسی وقت مجھے میرے حال پر چھوڑ دیا اور خود تیز تیز مسجد کی طرف چل پڑے۔ میں ایک دفعہ پھر دین اور لادینیت کی کشمکش سے نبرد آزما ہونے لگا... بے مقصد زندگی' بے راہ رو جوانی...... فوراً بہت سے سوالات میرے ذہن میں سر اٹھانے لگے۔ مجھے ان تمام سوالوں کا ایک ہی جواب سمجھ میں آیا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ وہ خود اپنے عرش پر جلوہ افروز ہے اور تمام کائنات سے بے نیاز ہے۔ میں ان نوجوانوں کو پکارتا ہوا ان کے پیچھے مسجد کی سمت ہو لیا۔ مسجد پہنچا تو وہاں ہر کوئی میری طرف تعجب خیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ میں نے اس بات کی پروا نہ کی۔ دن گزرتے گئے۔ آہستہ آہستہ میں نے اسلام کے بارے میں کتابیں تلاش کر کے ان کا مطالعہ شروع کر دیا۔ اس وقت پہلی مرتبہ مجھ پر اسلام اور مسلمان کی اہمیت آشکار ہوئی۔ میں اس نتیجہ

پر پہنچا کہ اسلام کے بغیر ہماری زندگی کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ جہادِ افغانستان سے متعارف ہونے سے قبل میں جب بھی سیرت کی کتابیں پڑھتا تو یہ سوچ کر رو پڑتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلامی غزوات کے دوران کن کن حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ کس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسلام کے لیے اپنی ہر متاع پیش کر دی۔ مگر ہم نے کیا پیش کیا؟ انھوںؓ نے اپنی جانوں کی بازی لگا دی اور ہم؟... ہم کچھ بھی قربانیاں نہ دے سکے۔ اس کے باوجود ہمیں امید ہے کہ اللہ ہماری مغفرت فرما دیں گے اور مغفرت کی یہ امیدیں ہر امید پر غالب ہیں۔ آج جو وقت ہم پر آن پڑا ہے اس میں مسلمان ہر جگہ آزمائشوں میں گرفتار ہیں۔ کیوں؟ کیونکہ وہ دعوے دار ہیں کہ ہمارا ربّ اللہ ہے اور وہ اسی کی طرف دعوت دیتے ہیں' انھیں دین کی راہ سے ہٹانے کے لیے صبح و شام اور دن رات یلغاریں ہو رہی ہیں' نئے نئے فتنے برپا کیے جا رہے ہیں۔ مادیت' لذتوں اور خواہشات کی محبت نے حکومتوں کا ہاتھ تنگ کر رکھا ہے۔ گویا سیاہ رات کے ٹکڑوں کی طرح فتنے ہیں کہ ایک آدمی صبح مومن ہے تو شام کو کافر ہے اور شام کو مومن ہے تو صبح کفر کی حالت میں بیدار ہوتا ہے۔ بے وقعت دنیا کی خاطر آرام سے اپنے دین کا سودا کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس صورتِ حال سے عافیت عطا فرمائیں' آمین۔

اپنا دین بچانے کی خاطر میں وہاں سے فرار ہو گیا

میری نہایت پیاری امی جان! میرے پیارے ابا جان! میں نے آپ کے سایۂ عافیت میں انتہائی لاڈ پیار کے دن گزارے ہیں۔ بے فکر اور ہر قسم کی ذمہ داری سے بے نیاز' مگر آج میرے اوپر دنیا کی حقیقت آشکار ہو گئی ہے۔ یہ دنیا جس کا انجام موت ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے گناہوں سے صرف نظر فرمائیں اور ہمیں ایسی موت نصیب فرمائیں جو ان کو راضی کرنے والی ہو۔

مسلمان طاغوت کی جیلوں میں قید ہیں' ان کی کوئی شنوائی نہیں۔ باقی کتنے ہیں جو اپنی دعاؤں میں انھیں یاد رکھتے ہیں۔ اگر اللہ کے دین کو سرنگوں دیکھ کر ہمارے جذبات میں کوئی ہلچل نمودار نہیں ہوتی تو تف ہے ہم پر اور زمین کا پیٹ ہمارے لیے اس کی پیٹھ سے بہتر ہے۔ اگر یہ صورتِ حال برقرار رہی تو بے شک اللہ تعالیٰ ہمیں ہٹا کر کوئی اور قوم پیدا فرمائیں گے جو ان کے دین کی صحیح معنوں میں نصرت کرے گی۔

امی جان! میری شہادت کی خبر سن کر صبر کیجیے اور خوش ہو جائیے کہ شہادت موت کا نام نہیں بلکہ زندگی

کا نام ہے۔ ایسی زندگی جس کی میزبانی خود اللہ نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔ اللہ اپنے پاس سے شہید کو رزق بہم پہنچاتا ہے۔ شہید اپنی دنیا بیچ کر اس کے عوض آخرت کا خریدار بن جاتا ہے۔

مجھے یاد ہے کہ ۱۹۸۳ء میں جب میں نے پہلی مرتبہ مصر کی حدود سے قدم باہر نکالا تو میری منزل رزق کا حصول نہیں تھا بلکہ مصر کا طاغوت لیبیا کی حدود پر حملہ آور ہونا چاہتا تھا اور مجھے بھی اس جنگ میں شرکت کے لیے طلب کیا جا رہا تھا چنانچہ میں اپنا دین بچانے کی خاطر وہاں سے فرار ہوا اور بغیر اطلاع دیے وہاں سے نکل آیا۔ ایک مومن یوں ہی زندگی بسر کرتا ہے کہ ہر دم آخرت کے سفر کے لیے تیار رہتا ہے۔ وہ اس عارضی قیام گاہ میں زندگی اس طرح نہیں گزارتا کہ گویا ہمیشہ کی زندگی یہی ہے۔

امی جان! میری دلی خواہش تھی کہ میں آپ کو حج کرواؤں

دن گزرتے چلے گئے۔ میری راتوں کی نیند اچاٹ ہو کر رہ گئی۔ بالآخر میں نے اپنے لیے راستے کا انتخاب کر لیا۔ میں نے جہادِ افغانستان میں شرکت کا مصمم ارادہ کر لیا۔ میں ایک دفعہ جہاد میں شریک ہونے کے بعد جب مصر لوٹا تو لوگوں نے مجھ پہ لعن طعن اور ملامت کی حد کر دی۔ آخر ہمیں یہ دن بھی دیکھنا تھا کہ خود مسلمانوں کی طرف سے ہمیں اس رویے کا سامنا کرنا پڑا۔ نہ جانے غیرتِ مسلم کو کس چیز نے ختم کر دیا ہے؟ اپنے ہی بھائی بندوں کے لاشے تڑپتے اور عزتیں لٹتی دیکھ کر ان کے احساسات بیدار نہیں ہوتے۔

میں نے ایک دفعہ پھر سفر کی راہ لی اور یحییٰ الحبیب، عبدالصمد، عبدالوہاب، سعود، حمدی البنا الحبیب اور ابی دجانہ کے نقوشِ راہ کی پیروی کا فیصلہ کر لیا۔ اللہ کے ہاں اپنی جانوں کو فروخت کرنے والوں کو ان راہوں کی پیروی لازم ہے۔

میں اپنی شہادت کے موقع پر خلافِ شریعت کیے جانے والے تمام کاموں کی اللہ کے حضور برأت ظاہر کرتا ہوں۔ میں آپ کو اپنے بچوں میں اسلام کی محبت پروان چڑھانے اور اس کے اوامر و نواہی کی پابندی کرنے کی تلقین کرتا ہوں۔ میں آپ کو 'بہترین ذکر' سے اپنی زبان تر رکھنے کی تلقین کرتا ہوں۔ بے شک قرآن مجید بہترین ذکر ہے اور دلوں کے لیے شفاء ہے۔ استغفار کی کثرت کیجیے، رب سے اس کی رحمتوں کے ہر دم طالب بنے رہیے، میرے لیے دعا گو رہیے!

اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری پرورش کے لیے اٹھائی جانے والی کلفتوں پر بہترین جزا عطا فرمائیں۔

جنہیں جنتوں کی تلاش تھی

والدین کے عظیم حقوق کے حوالے سے جو کوتاہیاں مجھ سے سرزد ہوئی ہیں ان پر میں آپ سے معافی اور درگزر کا خواستگار ہوں۔

امی جان! میری دلی خواہش تھی کہ میں آپ کو حج کرواؤں۔ اگر زندگی رہی تو میں اس کی ضرور کوشش کروں گا اور اگر اس کی مہلت نہ ملی تو اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں جنت میں اکٹھا کر دے۔ (آپ کا بیٹا، سید احمد سلیمان قلشی)

سیّد محمد عبدالمجید شہید

"اُن کے لیے بڑا آسان تھا کہ وہ بھی کروڑہا دیگر انسانوں کی طرح یوں زندگی بسر کرتے چلے جاتے کہ اچھے کپڑوں اور لذیذ کھانوں کے سوا ان کا کوئی اور مقصد زندگی نہ ہوتا... مگر یہ کس قدر گھاٹے کا سودا ہوتا؟"

وہ سچ مچ کے سید تھے۔ حیاء، مردانگی، عملِ پیہم اور کم گوئی ان کی نمایاں صفات تھیں۔ بہترین اخلاق اور اعلیٰ آداب ان کی پہچان تھے۔ وہ ابی ذہب اور ذبیح اللہ کی ہمراہی میں روسی سرحدوں کے قریب والے محاذوں تک پہنچ گئے۔ پھر واپس ننگرہار چلے آئے اور دفاعی معرکوں میں شریک رہے، پھر وقت انھیں ماسدہ لے آیا۔ ماسدہ (مرکز الجدید) کو وہ کسی لمحہ بھی چھوڑنا گوارا نہ کرتے۔ بہت کم ایسا مرحلہ آتا کہ وہ کہیں دوسری جگہ جاتے ہوں۔ وہ ان پانچ ستونوں میں شامل تھے جن پر ماسدہ کی بنیاد استوار تھی۔ اپنی زندگی کا ابتدائی عرصہ شہزادوں کی طرح گزار آئے تھے مگر اب یہ عالم تھا کہ بھائیوں کے لیے خود کھانا تیار کرتے۔ پہلے انھیں کھانے کا کہتے اور خود آخر میں بچے کھچے ٹکڑوں پر اکتفا کرتے۔

ہمارے بعد اندھیرا نہیں اجالا ہے

میں نے انھیں ہمیشہ جھکی نظروں کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے دیکھا۔ ایک دفعہ میں نے پوچھا: "اگر اس طرف کوئی روسی دستہ حملہ آور ہوا تو آپ لوگ کیا کریں گے"؟ کہنے لگے: "مورچے تو بہر حال ہم نہیں چھوڑیں گے، روسی ٹینک ہماری لاشوں کو روند کر ہی آگے بڑھ پائیں گے"۔

کام میں بے تحاشا مصروف رہنے کے باوجود کبھی انھیں طولِ خاطر نہ دیکھا گیا۔ محاذ کی سختی اور حالات کی سنگینی میں بھی ان کے حوصلے بلند رہتے۔ خالد، عبدالمنان اور عبدالرحمٰن تینوں یکبارگی آگے پیچھے ہمیں داغِ مفارقت دے گئے۔ اپنے خون سے دعوتِ حق کا پودا سیراب کر گئے۔ اپنی ہڈیوں سے انھوں نے نئے دور کی اسلامی تاریخ کی بنیاد رکھی۔ ان کے لیے بڑا آسان تھا کہ وہ بھی کروڑہا دیگر انسانوں کی طرح یوں زندگی بسر کرتے چلے جاتے کہ اچھے کپڑوں اور لذیذ کھانوں کے سوا ان کا کوئی اور مقصد زندگی

نہ ہوتا۔ اور یہ بھی ممکن تھا کہ وہ ان لوگوں کی صف میں بیٹھے رہتے جنھوں نے محاذوں کے بجائے اپنے گھروں میں ہی مہلک بیماریوں کا شکار ہو کر مرنا پسند کر لیا یا جن کی نظریں دن رات روٹی کے نوالوں اور دنیا کی ردی اشیاء پر لگی رہتی ہیں۔ مگر یہ کس قدر گھاٹے کا سودا ہوتا؟

خالد کے لہو کے قطروں نے زمین کو سیراب کرنے سے پہلے امت کی خشک و بے آب کھیتی کو حیات تازہ سے نوازا، عبدالمنان کے اکھڑتے سانسوں نے جاتے جاتے امت کے مردہ جسم میں زندگی کی روح بیدار کر دی۔ عبدالمجید (عبدالرحمٰن) کی روح نے جاجی کی فضاؤں سے بلند ہو کر کتنے ہی مردہ دلوں کو شعور اور بیداری کی نعمت سے آشنا کیا۔

وصیت: "...تا کہ جہاد کے لیے میری جلدی کی وجہ آپ سمجھ سکیں"

"پیارے ابا جان، پیاری امی جان اور عزیز بہن بھائیو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

میں آپ کو الوداع کہہ کر فردوسِ بریں میں انبیاء، صدیقین اور شہداء کی معیت میں جا رہا ہوں۔ کیسے ہی بہترین رفیق ہیں یہ سب! میں اللہ سے دعا گو ہوں کہ وہ مجھے ان کا ساتھ نصیب فرمائیں۔ یہ آپ کے لیے بھی خوشخبری ہوگی کہ آپ کو ایک ایسے شہید سے واسطہ پیش آئے گا جو اس روز ربّ کے حضور آپ کی شفاعت کرے گا جب کوئی مال اور اولاد کسی کے کام نہ آئے گی۔

﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۝ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ۝ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ﴾ (عبس: ۳۴-۳۶)

"جس دن آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے"۔

بلا اجازت جہاد کے لیے چلے آنے پر میں آپ سے معذرت خواہ ہوں۔ درحقیقت اللہ نے مجھ پر اور ہر مومن پر جہاد فرض قرار دے رکھا ہے۔ پس میں نے خدا کے اس حکم پر ہی لبیک کہا ہے۔ میں اپنے ربّ سے دعا گو ہوں کہ اللہ آپ سے راضی ہو جائے، اور جنت میں ہمیں اکٹھا کر دے تا کہ آپ کو جہاد کے لیے میری جلدی کی وجہ آپ سمجھ سکیں۔ امید ہے کہ آپ لوگ اللہ سے میرے لیے مغفرت اور رحمت طلب کرتے رہیں گے، بے شک اللہ ہی سب کا کارساز ہے۔

پیارے ابا جان! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ میرے بھائی مجدی کو میری طرف سے

رقم ادا کر دیں۔ اور عبدالحکیم سے کہیے کہ وہ جمعہ مفتاح سے بھی پوچھ رکھے کہ اس کی کتنی رقم میرے ذمہ ہے۔ مجھے اس بات کا شدت سے احساس ہے کہ میں آپ کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کا مرتکب ہوا ہوں خصوصاً جب میں آپ سے جدا ہو رہا تھا تو اس وقت آپ کی شفقت، محبت اور ہماری پرورش کے لیے اٹھائی جانے والی آپ کی مشقت مجھے رہ رہ کر یاد آ رہی تھی۔

پیاری امی جان! آپ کی بے پناہ محبت اور ہماری خاطر آپ کا تکلیفیں اٹھانا مجھے ہر لحہ یاد ہے۔ میں اللہ سے دعا گو ہوں کہ وہ آپ کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی پر مجھ سے درگزر فرمائیں۔ اپنے پیارے بہن بھائیوں کی اُنس بھری رفاقت اور آپس کا اتفاق و محبت بھی مجھے ہر دم یاد رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان سب کو اپنی ہدایت کے راستے پر کاربند رکھیں اور انھیں اپنے نیکوکار بندوں میں شامل فرمائیں۔ مجھے امید ہے کہ میری شہادت پر آپ لوگ غم و حزن کے بجائے خوشی کا اظہار کریں گے، خلاف سنت کسی کام کے کرنے سے اجتناب برتیں گے اور "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن" کہہ کر میری شہادت کی خبر کا استقبال کریں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا نگہبان ہو۔ (آپ کا بیٹا، عبدالرحمٰن)

ھشام بن عبدالوہاب دیلمی شہید

"ابا جان! امی! میری وصیت بھی ہے کہ آپ میری کوتاہیوں اور نادانیوں سے درگزر فرمایئے۔ میرے لیے دعا گو رہیے۔ قیامت کے روز اگر مجھے اپنے اہل خانہ میں سے کسی کی شفاعت کا موقع ملا تو ان شاء اللہ سرفہرست آپ ہوں گے۔"

زکریا کہنے لگے: "اللہ کرے کہ آج کا دن شام میں تبدیل ہونے تک میں جام شہادت نوش کر لوں"۔ مالک نے ان کے قول کی لاج رکھ لی۔ نماز عصر کی ادائیگی کے بعد نمازی شام کے اذکار پڑھ رہے تھے اور اللہ کے حضور الحاح و دعا اور مناجات میں مصروف تھے۔ آج ہی تین گھنٹے پیشتر جمعہ کے خطبے میں وہ شہداء کی کرامتیں اور حیرت انگیز واقعات سن چکے تھے اور اس وقت بھی وہ ذہنی اور روحانی اعتبار سے انھی شہداء کی خوش کن یادوں میں مگن تھے کہ اسی اثنا میں دور سے ابو عمار یمانی نمودار ہوتے ہیں۔ ان کے چہرے پر ماسدہ کے گرد و غبار کے آثار واضح ہیں، ہاتھ میں پکڑے ہوئے بستے پر تو ماسدہ کی مٹی اور گرد کی اتنی موٹی تہہ جم چکی ہے کہ بستے کا اصل رنگ پہچاننا دشوار ہے۔

انھی پتھروں پہ چل کر اگر آ سکو تو آؤ
مرے گھر کے راستے میں کوئی کہکشاں نہیں ہے

ابو عمار یمانی نے آ کر جو خبر سنائی، اس نے دلوں میں ہلچل مچا دی۔ "دشمن کی طرف پھینکنے کے لیے جو میزائل تیار کیا گیا تھا وہ اچانک ہی پھٹ گیا ہے جس سے دو مجاہدین شہید ہو گئے"۔ عمار یمانی اپنی سانس درست کیے بغیر اگلا جملہ بھی ساتھ ہی کہہ گئے کہ "میزائل پھٹنے سے حمزہ (ھشام) یمنی اور (زکریا) ابو مصعب فلسطینی شہید ہو گئے ہیں، سیاف مصری زخمی ہیں"۔ عسکری معلومات رکھنے والے افراد اپنی حیرانی کا اظہار کیے بغیر نہ رہ سکے، بھلا میزائل خود ہی کیسے پھٹ سکتا ہے؟ ضرور لگاتے ہوئے کی فنی غلطی کا ارتکاب ہوا ہو گا۔ ابو عمار کہنے لگے: "نہیں میزائل بالکل درست طریقے پر لگایا گیا تھا، میں خود اس وقت وہاں موجود تھا"۔ اتنے میں ایک اور صاحب ابو عمار یمانی کی تائید کرتے ہوئے

بولے: ''ہاں ہاں... چاچی' خوست اور باڑی میں بھی بعض بالکل درست طریقے سے لگائے گے میزائل پھٹ گئے تھے''۔

اب سب لوگ مل کر اس حیران کن مسئلے پر اظہار خیال کرنے لگے اور نتیجے نکالنے لگے کہ شاید بازار میں کچھ اس نوعیت کے میزائل فروخت ہو رہے ہوں جو خود تیار کرنے والے شخص پر ہی پھٹ جاتے ہوں۔

(یاد رہے کہ دشمن کی ایک جنگی چال یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ از خود پھٹنے والے بم اور میزائل اپنے مورچوں میں چھوڑ دیتے ہیں تاکہ اگر کبھی مجاہدین انھیں غنیمت میں پائیں تو انھیں بے دھیانی میں نقصان پہنچ جائے)۔

مجھے معلوم تھا کہ اب ذہنوں میں یہ سوال اٹھے گا کہ: ''اپنے ہی اسلحے سے واقع ہونے والی موت یا میدانِ جہاد میں اپنا ہی ہتھیار لگنے سے شہید ہو جانے والے کے بارے میں اسلام کی رائے کیا ہے؟''

چنانچہ فوراً ہی خیبر کے معرکے میں عامر بن الاکوع ؓ کا واقعہ اس مسئلے کے جواب کے طور میں میرے ذہن میں نمودار ہوا۔ میں نے عامر بن الاکوع ؓ کے واقعے کی تحقیق کے لیے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی کتابوں کے صفحات پلٹنے شروع کر دیے۔

معرکے میں اپنے ہی ہاتھوں شہید ہو جانے والے کا حکم!

عامر بن الاکوع ؓ بڑے بلند پایہ شاعر تھے۔ ان کی شعر گوئی شہسواروں کو حوصلہ اور جرات عطا کرتی۔ بخاری میں ان کے بھائی سلمہ بن الاکوع ؓ کا بیان کردہ قصہ کچھ یوں درج ہے:

''ہم رات کی تاریکی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی میں خیبر جا رہے تھے کہ ہماری قوم کے ایک آدمی نے عامر سے کہا: ''عامر ؓ تم ہمارے گھوڑے کی چاپ نہیں سن رہے؟''

عامر ؓ نے فوراً قافلے کی حدی خوانی شروع کر دی اور شعر پڑھنے لگے:

اللھم لو لا أنت ما اهتدينا   و لا تصدقنا و لا صلينا

پروردگار اگر آپ نہ ہوتے تو نہ ہمیں ہدایت ملتی' نہ ہم صدقہ و خیرات کرتے اور نہ ہی نمازیں پڑھتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: ''یہ شہ سوار کون ہے؟'' لوگوں نے عرض کیا: ''یا رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ عامر بن الاکوع ؓ ہیں''۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ اس پر رحم فرمائے''۔ ایک شخص نے اٹھ کر عرض کیا (کہا جاتا ہے کہ یہ شخص حضرت عمر ؓ تھے): ''اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے طے کر رکھا تھا کہ اگر ہمارا ساز و سامان ساتھ نہ ہوتا تو خیبر جا کر دشمن کا محاصرہ کر لیتے''۔ عامر کی تلوار کافی چھوٹی تھی۔ جب جنگ شروع ہوئی تو انھوں نے اپنی تلوار ایک یہودی کی ٹانگ پر ماری۔ تلوار کی نوک واپس پلٹ کر ان کے گھٹنے پر لگی جس سے ان کی موت واقع ہو گئی۔

جب قافلہ واپسی کے لیے چل پڑا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مغموم دیکھ کر میرا ہاتھ پکڑ لیا اور دریافت کیا: ''کیا بات ہے؟'' میں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ لوگوں کا خیال ہے کہ عامر ؓ کے سارے اعمال غارت چلے گئے''۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس جس نے بھی ایسا کہا ہے غلط کہا ہے''۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو انگلیوں کو جمع کر کے فرمایا: ''انه لجاهد مجاهد، قل عربي مشى بها مثله'' یعنی ''عامر کو جہاد اور مجاہدے کے دونوں کا اجر ملے گا اور ہر اس شخص کو بھی جس کے ساتھ ایسا حادثہ گزرے''۔

(مختصر البخاری. التجرید الصحیح. رقم ۱۶۴۴، نووی ۔ مسلم ۔ ۱۲/۱۶۷)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت سلمہ ؓ کے بھائی عامر بن الاکوع ؓ کی شہادت کے بارے میں گواہی ثبت ہو چکی۔

امام مالک ؒ' امام شافعی ؒ اور امام احمد بن حنبل ؒ اس بات پر متفق ہیں کہ دورانِ جنگ اپنے اسلحے سے وفات پانے والے کو نہ غسل دیا جاتا ہے اور نہ اس پر نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ وہ ایسا ہی شہید ہے جیسا کفار کے ہاتھوں شہید ہونے والا۔

امام مالک کتاب الدسوقی کے حاشیہ ۱/۴۲۶ میں تحریر کرتے ہیں:

''معرکے میں حصہ لینے والے شہید کو غسل نہ دیا جائے گا' چاہے وہ دار الاسلام میں ہی کیوں نہ قتل ہوا ہو۔ گھوڑے سے نیچے گر جانے والے' اپنی تلوار یا تیر کے پلٹا کھا جانے سے وفات پانے والے' کنویں میں گر جانے سے وفات پانے والے اور میدانِ جنگ میں اپنی سواری سے گر کر وفات پانے والے کے بارے میں بھی یہی حکم ہے''۔

خون کا ایک قطرہ میری قمیض پر بھی آ گرا...

آیئے شہادت کے واقعے کے چشم دید گواہ ابو عمار یمنی سے شہداء کی زندگی کے آخری لمحات کی روداد سنتے ہیں:

''ہم چاروں دشمن کے مورچے پر داغنے کے لیے میزائل تیار کر رہے تھے۔ ابو مصعب فلسطینی میزائل تیار کر کے مجھے اور حمزہ یمانی کو پکڑاتے جا رہے تھے۔ پانچواں میزائل لگایا جا رہا تھا کہ وہ دشمن کی طرف جانے کے بجائے ابو مصعب کے ہاتھ ہی میں پھٹ گیا۔ ان کا جسّہ تین میٹر دور جا گرا اور وہ فوری طور پر شہید ہو گئے۔ حمزہ یمانی بھی دس منٹ تک وہاں بے سدھ پڑے رہے اور بالآخر ان کی روح بھی خالقِ حقیقی کی طرف پرواز کر گئی' جب کہ سیاف مصری زخمی ہو گئے۔ میں نے ابو مصعب کی نعش کو چادر میں لپیٹ دیا' ایک روح افزاء خوشبو سارے علاقے میں پھیل گئی۔ ابو عمار نے بارہا قسمیں کھا کر کہا کہ میں نے زندگی بھر کہیں بھی ایسی خوشبو نہیں سونگھی۔ پھر کہنے لگے: 'یہ دوسرا موقع تھا جب میں ایسی خوشبو سونگھ رہا تھا۔ پہلی مرتبہ یہ خوشبو میں نے ایک ماہ قبل ۱۳ ذی الحجہ کو شہید ہونے والے خالد کردی کے جسم سے بہنے والے خون سے سونگھی تھی۔ الغرض میں حمزہ یمانی (ھشام) کی نعش کو اٹھانے کے لیے آگے بڑھا''... حمزہ جسے فراموش کرنا ناممکن ہے!

یہ پیارا نوجوان جس سے میری پہلی ملاقات صنعاء میں ہوئی تھی' میں نے بارہا اس کے گھر کھانا کھایا تھا۔ وہ خود اکثر روزے سے ہوتا تھا۔ مجھے اس سے اور اس کے والد محترم سے بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا۔ اس کی نعش سے پھوٹنے والی خوشبو فضاء کو معطر کیے جا رہی تھی۔ کچھ ہی دیر میں اس کے پاکیزہ لہو سے اردگرد کی ساری زمین لالہ زار ہو گئی۔ خون کا ایک قطرہ میری قیص پر بھی گرا۔ جس کی خوشبو سے وہاں بیٹھے ہوؤں کے دل و دماغ معطر ہو کر رہ گئے۔ ماسدہ کی سرزمین پر بہتے لہو سے پھوٹنے والی خوشبو بالیقین شجرِ اسلام کو سیراب کر کے دورِ خزاں کا خاتمہ کر دے گی اور گلستانِ اسلام بہار کا منظر پیش کرنے لگے گا' ان شاء اللہ۔

ابو سیاف مصری زخمی تھے۔ میں انھیں پاراچنار ہسپتال لے گیا۔ رات آٹھ بجے جب میں واپس آیا تو ہر کوئی اس پاکیزہ لہو اور نیک روحوں کے تذکرے کر رہا تھا۔ ہر کسی کی زبان پر اس جاں افزاء خوشبو کا تذکرہ تھا۔ شہداء کے جسموں سے پھوٹنے والی خوشبو عربوں اور افغانوں کے لیے اب کوئی انہونی بات نہ رہی تھی۔

یہ واقعہ اپنے شہداء کے ساتھ پیش آ چکا تھا کہ اب اسے جھٹلانا یا اس کے بارے میں کسی شک کا اظہار کرنا ناممکن ہو گیا تھا۔

صبح میں یرموک واپس آ گیا' یہ وہی جگہ تھی جہاں یہ دونوں بھائی شہید ہوئے تھے۔ میں نے اپنا ہاتھ ان کے لہو میں ڈبو دیا۔ لہو ابھی تک سیال حالت میں تھا اور جما نہیں تھا' خوشبو ابھی تک موجود تھی۔ یرموک کے مجاہد ساتھی اس خوشبو کے منظر سے جھوم رہے تھے اور رب کی حمد و ثناء بیان کر رہے تھے۔ ہاتھ خالقِ ارض و سماء کے حضور دست بدعاء تھے کہ وہ شہداء کی قربانی کو قبول فرمائیں اور انھیں اپنے عرشِ بریں کے سائے تلے جگہ عطا کر دیں۔

اِنَّمَا تُقَاتِلُوْنَ بِاَعْمَالِكُمْ

یمنی خاندان کے چشم و چراغ ھشام نے دعوت دین اور علم و ادب کے گہوارے میں آنکھ کھولی تھی۔ سرزمین طائف ان کی جائے پیدائش تھی۔ ان کے والد کئی سعودی جامعات سے فارغ التحصیل تھے۔ والد کی شدید خواہش تھی کہ ھشام کو قرآن مجید حفظ کروائیں' لہٰذا انھوں نے بالکل ابتداء ہی سے انھیں قرآنی حلقوں میں بھیجنا شروع کر دیا۔ ھشام کے والد شیخ عبدالوہاب نے جب ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کر لی تو صنعاء یونیورسٹی میں تدریسی فرائض انجام دینے کے لیے واپس اپنے وطن لوٹ آئے۔ ھشام اس وقت ثانوی اسکول میں زیر تعلیم تھے۔ صنعاء آنے کے کچھ ہی عرصہ بعد ھشام جہادِ افغانستان میں شرکت کے لیے چل پڑے۔ ان کی عمر اس وقت صرف اٹھارہ برس تھی۔ وہ خوست اور گردیز میں جہادی سرگرمیوں میں شریک ہوئے۔ ان کے ساتھ ہم عمر ساتھیوں کا ایک غول تھا مگر ایک ایک کر کے سب واپس چلے گئے' صرف ھشام اس راہ پر ڈٹے رہے۔ کچھ عرصہ بعد ثانوی درجے کا سالانہ امتحان دینے کے لیے وہ واپس صنعاء لوٹ گئے۔

وہ اس وقت لڑکپن کی عمر میں تھے' مگر عقل و خرد میں پختہ۔ بقدرِ ضرورت گفتگو کرتے' ان کے منہ سے ہمیشہ کلمۂ خیر سنا جاتا۔ مجھے ان کے دوست نے بتایا: ''ہم نے ان میں کبھی کوئی برائی نہ دیکھی' ان کی زندگی کا ہر باب اجلا اور روشن تھا' اس پر بدی کا کوئی داغ نہ تھا''۔ اخلاق شروع سے ہی نہایت پاکیزہ تھے۔ بچپن میں جب صنعاء کی مسجد میں قرآن حفظ کر رہے تھے تو تبھی سے اپنے محدود سے جیب

خرچ کو اسلامی سرگرمیوں میں صرف کرتے۔

بے شک ابوالدرداءؓ نے سچ فرمایا کہ:

"إِنَّمَا تُقَاتِلُونَ بِأَعْمَالِكُمْ" (رواه البخاري، كتاب الجهاد والسير، باب عمل صالح قبل القتال)

"تم لوگ اپنے نیک اعمال کے ذریعے ہی جنگ کرتے ہو"

اور اس سے قبل اللہ تعالیٰ خود یہ فرما چکے ہیں:

﴿وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَآءَ﴾ (ال عمران: ۱۴۰)

"اور (تاکہ) تم میں سے بعضوں کو شہید (کے مرتبے پر فائز) کرے"۔

پس مسئلہ دراصل انتخاب کا ہے۔ اور یہ انتخاب بھی اس ہستی کا ہے جو غیب کا علم جاننے والا اور دلوں کے حال سے واقف ہے۔

﴿أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾ (الملک: ۱۴)

"بھلا وہ نہیں جانتا جس نے (سب کو) پیدا کیا اور وہ بڑا باریک بین خبردار ہے"۔

جہاں تک شہید کے والدین ہیں تو اہلِ یمن میں سے کون ہے جو ڈاکٹر عبدالوہاب دیلمی کو نہیں جانتا؟

ہمیں پہلے ہی سے ان کی شہادت کا اندازہ تھا!

ہشام سے میری ملاقات ایک ماہ قبل حج کے موقع پر بھی ہوئی تھی۔ تب ہشام نے کہا تھا: "میں بہت جلد سرزمین افغانستان آرہا ہوں۔ ہماری اگلی ملاقات ان شاء اللہ وہیں ہوگی"۔

حج کے موقع پر ہی مجھے یمن کے خیموں میں تقریر کرنے کا کہا گیا۔ ایک صاحب کھڑے ہو کر ڈاکٹر عبدالوہاب کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگے: "آپ ڈاکٹر عبدالوہاب کو جانتے ہیں۔ یہ بڑے مجاہد آدمی ہیں"۔ میں نے جواباً کہا: "ہاں میں انھیں بھی جانتا ہوں اور ان کے بیٹے ہشام کو بھی بہت اچھی طرح جانتا ہوں"۔ ہشام شہید اس وقت ان کے ساتھ ہی کھڑے تھے۔ حج کے بعد ان سے صدہ میں ملاقات ہوئی، کہنے لگے: "میں ماسدہ جا رہا ہوں کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ عسکری تربیت وغیرہ تو میں پچھلے سال لے چکا ہوں"۔ یہ آخری موقع تھا جب میں نے انھیں الوداع کہا۔

ابوعمار یمنی اور عبداللہ یمنی کہتے ہیں کہ ہمیں پہلے ہی سے ان کی شہادت کا اندازہ تھا۔ کیونکہ انھوں نے خواب میں اپنی شہادت دیکھی تھی۔ اس کے بعد ہی انھوں نے اپنی وصیت تحریر کی اور اپنے والد کے نام دیگر باتوں کے علاوہ یہ بھی لکھا: پیارے ابا جان! جب سے میں نے خواب میں آپ کو الوداع کہتے ہوئے دیکھا ہے مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے کہ میں اس بھری دنیا کو الوداع کہنے والا ہوں اور اپنے ربّ کے روبرو حاضر ہونے کو ہوں۔ ابا جان' میری وصیت یہی ہے کی آپ میری کوتاہیوں اور نادانیوں سے درگزر فرمائیے' میرے لیے دعا گو رہیے۔ قیامت کے روز اگر مجھے اپنے اہلِ خانہ میں سے کسی کی شفاعت کا موقع ملا تو ان شاء اللہ سرِ فہرست آپ ہوں گے۔

اپنے نفس سے مکالمہ

ہشام اردنی کے بعد بالآخر ہشام یمنی بھی حیاتِ جاوداں پا گئے۔ میں نے اپنے درونِ خانہ دل میں جھانکا اور خود سے پوچھنے لگا: زہرانی' ابوذھب' عبدالمنان' عبدالرحمٰن اور خالد کُردی کہاں چلے گئے؟ ماسدہ کے وہ سارے ستون ایک ایک کر کے جان سے گزر گئے! ابوطیب کا یہ شعر مجھے یاد آ گیا:

لك يا منازل في القلوب منازل

أقفرت أنت وهن منك أواهل

"اے منزلِ شوق! تیرے لئے میرے دل میں جو مقام ہے' وہ تیری شکستگی کے باوجود بھی کم نہیں ہوگا"۔

شیروں کی اس کچھار (ماسدہ) کو بنیاد فراہم کرنے والے رخصت ہو گئے مگر ان کی یادیں ابھی تک یہاں بسیرا کر رہی ہیں۔ میرے نفس نے ایک بار پھر مجھے جھنجھوڑا: "ان کے مقابلے میں تم کہاں کھڑے ہو؟ کیا اس عظمت اور بلندی تک کا سفر طے کرنے کی اہلیت تمھارے اندر موجود ہے؟" میں اپنے آپ کو طفل تسلی دیتے ہوئے کہتا ہوں: "میرے لیے یہی بڑی سعادت ہے کہ مجھے ان سے شناسائی کا موقع ملا' حقیقت میں ان پاک باز جوانوں نے میری زندگی کو بھی ایک نئی نہج اور نیا دستور عطا کیا ہے"۔

أحب الصالحين ولست منهم

لعلي أن أنال بهم شفاعة

"مجھے نیک لوگوں سے محبت ہے' اگرچہ میں خود اُن جیسا نہیں ہوں' شاید کہ مجھے بھی ان کی شفاعت میں سے حصہ مل جائے۔"

جو "حي على الصلاة" پر لبیک نہ کہے...

ابومازن' ہشام کے استاد ہیں۔ اپنے شاگرد شہید کو انھوں نے ان الفاظ میں یاد کیا:

"کیا واقعتاً وہ جھکی نگاہوں والا نوجوان ہمیں داغ مفارقت دے گیا؟ اب میری سمجھ میں آرہا ہے کہ ہشام سبق سے غیر حاضر کیوں رہتے تھے اور میری سرزنش کو معذرت سے کیوں ٹال جایا کرتے تھے۔ میں ان سے کہتا: "ہشام! خدا کا خوف کیجیے' آپ اپنی جماعت کے مندوب ہیں' آپ اگر باقاعدگی سے نہیں آئیں گے تو کوئی دوسرا کیوں کر آئے گا؟ میں جب بھی کسی طالب علم کو غیر حاضر ہونے پر سرزنش کرتا ہوں وہ مجھے آپ کی مثالیں دیتا ہے"۔ وہ جواباً کہتے: "جناب میں آج کل بہت مصروف ہوں' بیرونِ ملک جانے کے لیے ویزا لگوانے کی کوشش کر رہا ہوں' ہوسکتا ہے واپس نہ آسکوں۔ آپ تو جانتے ہیں نا کہ پاسپورٹ وغیرہ بنوانے کے لیے کتنی دوڑ دھوپ کرنی پڑتی ہے"۔ میں حیران ہو کر کہتا: "بھلا کہاں کے لیے پاسپورٹ بنوانے کی دوڑ دھوپ؟"۔ وہ کہتے: "معاف کیجیے گا' اگر مجھے ویزا مل گیا اور سفر کے لوازمات تیار ہوگئے تو پھر میں آپ کو بتاؤں گا"۔ اور میں طالب علموں کے اعتراضات' ان پر اپنے اعتماد اور ان کی سچائی کے درمیان ایک عجیب کیفیت کا شکار ہو جاتا۔ دن گزرتے چلے گئے۔ ہشام ابھی سفر پر روانہ نہیں ہوئے تھے' البتہ روزانہ چھٹی کی درخواست دینے کا سلسلہ متروک ہوگیا اور وہ باقاعدگی سے اپنے اسباق میں شرکت کرنے لگے۔ پھر ان کے دوستوں کی طرف سے دوبارہ شکایت آئی کہ ہشام آخری سبق میں کمرہ ٔجماعت سے غیر حاضر ہوتے ہیں۔ میں نے بلا بھیجا اور شکایت کے بارے میں دریافت کیا۔ کہنے لگے: "جناب! میرے لیے ممکن نہیں کہ آذان کی آواز سن کر بھی اپنی جگہ پر بیٹھا رہوں اور نماز باجماعت ادا نہ کرسکوں"۔ تعلیمی سال اختتام کو پہنچا اور ہشام نے ثانوی تعلیم مکمل کرنے کی سند حاصل کرلی۔ ایک دن ان کے بارے میں پوچھا تو پتہ چلا کہ وہ کوہ ہندوکش کی طرف سدھار گئے' انھیں شہادت کی سند لینے کی جلدی جو تھی۔

اے ہشام! اللہ آپ پر رحم فرمائیں! ہم اللہ عزوجل سے دعا گو ہیں کہ ہمیں آپ کے ساتھ جنتوں

میں اکٹھا کردیں' ہم پر اپنی رضا اور سکینت کی بارش نازل فرمائیں۔

ہشام آپ کا کہنا بالکل سچ تھا۔ جو "حي على الصلاة" کی پکار پر لبیک نہیں کہہ سکتا اس کے لیے "حي على الجهاد" کی پکار پر لبیک کہنا ناممکن ہے! (ابومازن استاذ ہشام شہید)

ہشام شہید کے والد ڈاکٹر عبدالوہاب دیلمی کی مجلہ "الجہاد" سے گفتگو

مجلہ الجہاد: آپ ہمیں ہشام شہید کی ابتدائی تعلیم وتربیت' ان کی عمر اور دیگر امور کے بارے میں کچھ بتایئے؟

دکتور عبدالوہاب: ہشام شہید ۱۳۸۹ھ کو عیدالفطر کے دن پیدا ہوئے۔ ان کی والدہ کا جب انتقال ہوا تو ہشام اس وقت بہت چھوٹے تھے۔ ماں کی محبت وشفقت ایک بچے کی سب سے بڑی ضرورت ہوتی ہے' لیکن انھیں آپا کی گود میں پلنا پڑا۔ ہشام سات سال کے تھے جب میں نے دوسری شادی کی۔ ہشام کو مجھ سے زیادہ محبوب کوئی نہ تھا' وہ ہر لمحہ میرے ساتھ رہنے کی کوشش کرتے۔ میں نے بھی اپنی ساری محبتیں ان پر نچھاور کر رکھی تھیں۔ کوئی جب ان سے پوچھتا: "ہشام کہاں جانا پسند کروگے؟" تو وہ جواب دیتے: "جہاں ابا جان میرے ساتھ ہوں گے"۔

پرانی یادوں کو جب میں ٹٹولتا ہوں تو مجھے یاد آتا ہے کہ ایک دفعہ اپنی والدہ کی زندگی میں شیرخوارگی کی عمر میں ہشام کو شدید بیماری نے گھیر لیا۔ بظاہر بچنا ممکن نظر نہ آتا تھا' معلوم ہوتا تھا بس اب یہ آخری سانس لے رہے ہیں۔ ہم ان کی زندگی سے مکمل طور پر مایوس ہو چکے تھے۔ مگر زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر اس وقت ان کو بچالیا۔ اور ایک تنومند مجاہد کی حیثیت سے انھیں شہادت کی موت سے سرفراز کیا۔

بچپن ہی سے ہشام میں جو چیز نمایاں تھی وہ ان کی حیاء تھی۔ کبھی کسی اجنبی عورت کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھتے۔ گفتگو بھی کرتے تو انتہائی دھیمی آواز سے کہ بعض اوقات ساتھ بیٹھے ہوئے کو بھی ان کی بات سنائی نہ دیتی۔ جو بھی ان سے ملتا اس کا تاثر ہوتا کہ ہشام عقلاً اپنی عمر سے کہیں زیادہ بڑے ہیں۔ انھوں نے صنعاء کے جس تعلیمی ادارے سے اپنی ابتدائی اور ثانوی تعلیم حاصل کی' اس کی عمدہ تربیت کے نہایت گہرے نقوش ان کی شخصیت کا حصہ بنے۔ مجھے زندگی بھر اپنے بیٹے کے بارے میں کوئی حرف شکایت سننے

کا موقع نہیں ملا، نہ کبھی کسی نے ان کے کردار پر انگلی اٹھائی۔

ھشام نے صحیح العقیدہ افکار اور ایمانیات کے ساتھ ہی اپنی باشعور زندگی کا آغاز کیا۔ وہ عبادات کا ذوق و شوق سے اہتمام کرتے، بری صحبت سے دور رہتے۔ عالمِ اسلام کے حالات جاننے کا بڑا اہتمام کرتے۔ اسلام کے بارے میں معلومات میں اضافے کے ساتھ ساتھ، مسلمانوں کی حالت دیکھ دیکھ کر ان کا دل کڑھتا۔ اسلامی طرزِ زندگی سے مسلمانوں کی دوری اور بے عملی انھیں ناگوار گزرتی۔ آخر انھوں نے اپنی زندگی کی سب سے بڑی خواہش کو پالیا، اور جہاد فی سبیل اللہ میں اپنی جان وار دی۔

مجلہ الجہاد: اپنے بیٹے کی شہادت کی خبر سن کر آپ کا تاثر کیا تھا؟

عبدالوہاب: ۱۹ محرم کو ظہر کے وقت اس کے چند دوست پاکستان سے فون پر اس کی شہادت کی خبر سن کر میرے پاس آئے، اُس وقت ان کی آمد میرے لیے بڑی غیر متوقع تھی۔ وہ شہادت کی خبر سنانے سے پہلے فضا ہموار کرنے کی غرض سے جہاد اور شہادت کی فضیلت وغیرہ پر باری باری اظہارِ خیال کرنے لگے۔ مجھے محسوس ہوا کہ ضرور کوئی غیر معمولی بات ہے، میں نے خود ہی پوچھ لیا: ''آپ کے پاس کسی کی شہادت کی خبر آئی ہے؟'' (ظاہر ہے میرے دل میں اپنے بیٹے ہی کا خیال تھا) انھوں نے کہا:

''اللہ آپ کو اس کے اجرِ عظیم سے نوازے''۔ دل اس کی فرقت کے احساس سے رنجیدہ ہو گیا اور آنکھیں چھلک پڑیں۔ میں نے فوراً ''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ'' پڑھا اور اللہ کے فیصلے کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہوئے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہا۔ انھوں نے مجھے بتایا کہ شہادت کا واقعہ جمعہ کے روز پیش آیا۔ لیکن بعد میں مجھے فون پر پاکستان بات کرنے کا موقع ملا تو تفصیلات کا علم ہوا۔ شہادت کا واقعہ ۷ محرم ۱۴۰۸ھ بروز جمعرات ساڑھے چھ بجے مغرب سے قبل پیش آیا۔ مجھے ھشام کے دوست عبداللہ قبیسی نے بتایا کہ وہ آخری وقت ھشام کے پاس تھے، ان کے شہید جسم سے ایسی خوشبو پھوٹ رہی تھی جو انھوں نے اس سے پہلے کبھی نہیں سونگھی۔

مجلہ الجہاد: اللہ نے آپ کو دو بیٹوں سے نوازا۔ ایک تو ھشام تھے اور دوسرے گیارہ سالہ محمد۔ اگر آپ کے بہت سارے بیٹے ہوتے تو آپ ان کے لیے کس چیز کی خواہش کرتے؟

دکتور عبدالوہاب: میرے بیٹے تھوڑے یا بہت جتنے بھی ہوتے میری ان کے لیے یہی دعا ہوتی کہ اللہ تعالیٰ انھیں علم کی روشنی نصیب فرمائیں، جس سے وہ اس دنیا میں اپنے مقصدِ وجود کو جان سکیں۔ میں

چاہتا کہ وہ اپنے قول و فعل سے اسلام کے ترجمان بن جائیں اور دنیا کو انبیاء کے راستے پر چلنے کی دعوت دے سکیں۔ اپنے بیٹوں کے علاوہ ہر مسلم نوجوان کے لیے بھی میری دعا یہی ہے۔ اس لیے کہ امتِ مسلمہ کی سرخروئی اسی سے وابستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے میرے بیٹے ھشام کو جس سعادت سے نوازا ہے وہ میری توقع سے بہت بلند ہے۔ مجھے کبھی اس کا احساس نہیں ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے بیٹے کی شہادت کے اعزاز سے نوازیں گے۔ شاید اللہ تعالیٰ مجھے اور ھشام کے بھائی کو بھی اس سعادت سے بہرہ ور کردیں۔ اور شاید میری بیٹیوں کو اللہ تعالیٰ یہ سعادت بخشے کہ وہ شہداء کی مائیں بننے کا اعزاز حاصل کرسکیں، بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

مجلہ الجہاد: عموماً ھشام کی عمر کے جوان ذرائع ابلاغ کی غلط پالیسیوں، بری صحبت، اور تربیت کے فقدان کی وجہ سے بے راہ روی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یہ عالمی صہیونی ایجنڈے کی سازشوں کا وسیع جال ہے، امت کے نوجوانوں کو عزت و سربلندی کی راہ پر موڑنے کے لیے کیا طریقہ کارگر ہو سکتا ہے؟

دکتور عبدالوہاب: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تربیت اور ماحول کے انسانی شخصیت پر اثرات کے بارے میں ہمیں خبردار کیا ہے۔ امت کے نوجوانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ سلفِ صالحین کی سیرت و کردار کا مطالعہ کریں اور خود کو اس پر ڈھالنے کی سعی کریں۔ کتاب و سنت کو مضبوطی سے تھامے رکھیں، سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرتِ صحابہ ؓ کا مطالعہ کریں اور اس کی روشنی میں اپنی زندگی کے خدوخال ترتیب دیں، یہی دنیا و آخرت کی کامیابی کی راہ ہے۔ یہی ایمان، اخلاق اور کردار کی درست سمت ہے۔ امت کے نوجوانوں پر مستقبل کی تعمیر کی گراں بہا ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ امت کا مستقبل ان کے اخلاق و کردار اور جدوجہد پر منحصر ہے۔ اخلاقی فساد، بے راہ روی اور حق و عدل کا فقدان ہماری ملت کو بدبختی کی راہ پر لے جانے کا باعث ہے، ایک ایسے تاریک مستقبل کی طرف جہاں انسان وحشی چوپایوں میں تبدیل ہو جائیں گے، مال و دولت کی بہتات اور مادی تہذیب انھیں کوئی خوشی نصیب نہ دِلا سکے گی کیونکہ وہ انسانیت کی حقیقی متاع سے محروم ہو چکے ہوں گے۔

ہر آنے والے دن میں جنگی ضروریات میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے

مجلہ الجہاد: جہادی ضروریات اور لوازمات کے لیے مسلمانوں کی طرف سے جو مالی تعاون کیا جاتا

ہے اس کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟

دکتور عبدالوھاب: اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام اور کفر کی اس جنگ میں مسلمان بھائیوں کی طرف سے جو مالی تعاون کیا جا رہا ہے وہ جنگ کی حقیقی ضروریات اور لوازمات سے بہت کم ہے۔ ہر آنے والے دن میں جنگی ضروریات میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے' راہِ جہاد میں قربانیوں کی مانگ بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ جنگ کے متاثرین میں زخمیوں کی بہت بڑی تعداد ہے' بہت سے گھر مسمار کیے جا چکے ہیں اور تباہی و بربادی کی شرح میں مسلسل اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ مہاجرینِ افغانستان کی تعداد لاکھوں سے تجاوز کر چکی ہے۔ ان مشکلات پر صرف انفرادی کوششوں سے قابو نہیں پایا جا سکتا۔ ضرورت اس عزم کی ہے کہ مسلم ممالک کی حکومتیں اپنے مجاہد بھائیوں کے لیے دستِ تعاون بڑھانے کے لیے آمادہ ہو جائیں۔ تاہم انفرادی مدد بھی دو پہلوؤں سے اہمیت کے حامل ہے: پہلا یہ کہ مجاہدین محسوس کرتے ہیں کہ ان کے بہت سے دینی بھائی ان کے مسئلے کو سمجھتے ہیں اور بقدرِ استطاعت ان کی مدد کے لیے دستِ تعاون بڑھائے ہوئے ہیں۔ روحانی اعتبار سے یہ احساس ان کے عزم کو مضبوط کرنے اور راہِ جہاد میں ان کے قدم ثابت رکھنے کا باعث ہے۔ دوسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ اس تھوڑے مالی تعاون میں بھی اپنی برکت شامل فرما دیتے ہیں' کیونکہ یہ ان مومن نفوس کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے جو اس کے عوض اللہ کی رضا کے سوا کسی دوسری چیز کے طلب گار نہیں ہوتے۔

مجلہ الجہاد: بعض والدین موت کے خوف سے اپنے بچوں کی جہاد میں شرکت سے ڈرتے ہیں' آپ ان سے کیا کہنا چاہیں گے؟

دکتور عبدالوھاب: عقیدۂ اسلام میں اس ڈر کی کوئی گنجائش نہیں دی گئی۔ زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جہاد سے کسی کی موت کا وقت قریب نہیں آ جاتا۔ اسی طرح جہاد کی راہ سے روگردانی کسی کی عمر میں اضافہ نہیں کر سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو کفار اور منافقین کی طرح اس ڈر کا اسیر ہونے سے منع کیا ہے اور فرمایا ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴾ (ال عمران ۱۵۶)

"اے ایمان والو! تم اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جو کافر ہوئے اور وہ اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں' جب وہ ملک میں سفر پر نکلیں یا جہاد پر جائیں' اگر ہمارے پاس رہتے تو نہ مارے جاتے تا کہ اللہ اس خیال سے ان کے دلوں میں افسوس ڈالے اور اللہ ہی جلاتا اور مارتا ہے اور اللہ تمہارے سب کاموں کو دیکھنے والا ہے"۔

زکریا فلسطینی شہید

''جو بھی گہرائی سے قرآن کا مطالعہ کرے گا' جہاد فی سبیل اللہ میں شرکت کے لیے بے تاب ہو جائے گا''

ابو مصعب فلسطینی (زکریا) شہید کی پیدائش جزیرۂ عرب میں ہوئی۔ طائف کی مسجد میں قرآن کے سائے میں انھوں نے ابتدائی تعلیم و تربیت کے مدارج طے کیے۔ وہ اپنے آپ کو ابو مصعب طائفی کہلوانا پسند کرتے تھے۔ جہاد سے انھیں عشق تھا' کیوں نہ ہوتا کہ وہ اپنی محبوب سرزمین فلسطین سے دور جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے' مسجدِ اقصیٰ کے دیدار کو ان کی آنکھیں ترس گئی تھیں۔ ان کا دل ہر لمحہ اپنے قبلہ اوّل کی زیارت کے لیے تڑپتا رہتا تھا۔

جو بھی قرآن کا گہرائی سے مطالعہ کرے گا جہاد فی سبیل اللہ میں شرکت کے لیے بے تاب ہو جائے گا۔ ابو مصعب بھی جہاد میں حصہ لینے کے لیے بے تاب ہو گئے۔ یہاں انھیں کل تین ماہ رہنے کا موقع ملا جس میں سے ڈیڑھ ماہ کا عرصہ انھوں نے عسکری تربیت میں گزارا اور بقیہ ڈیڑھ ماہ محاذ پر۔ ماسدہ میں دکتور ابو ہشام کے ساتھ انھوں نے ابتدائی عرصہ گزارا۔

ہر آنے والے دن کے ساتھ ان کی ہمت بلند اور عزم مضبوط تر ہوتا چلا گیا۔ جمعرات کی صبح انھوں نے کئی خطوط لکھ کر ابو ہشام کے ہاتھ اپنے اہلِ خانہ کو بھجوائے۔ ایک خط میں لکھا: ''میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ آج کی شام ڈھلنے سے پہلے میری شہادت کی تمنا پوری ہو چکی ہو'' اور سچ مچ زکریا کی خواہش پوری ہو گئی۔ اس دن کا سورج 'اپنے غروب سے پہلے شہید کی فرقت کے غم میں آنسو بہاتا ہوا ہم سے رخصت

ہوا۔ ان کے آخری وقت کے ساتھی ابو عمار' ابو زبیر اور دیگر تمام لوگ ان کے جسد سے پھوٹنے والی خوشبو کے گواہ ہیں۔ دونوں شہداء ھشام دیلمی اور زکریا' عمر کے ایک ہی مرحلے میں تھے انیس برس کی پاکیزہ نوجوانی۔

وہ شب کو قیام کرنے اور جمعرات اور پیر کے روزے کے عادی تھے۔ اللہ ان کی شہادت کو قبول فرمائیں اور ہمیں جنت الفردوس میں ان سے ملنے کی سعادت نصیب کریں۔

دوسرے جو کام مہینوں میں کرتے انھیں وہ دنوں میں پورا کر ڈالتے

ان کی شہادت پر طائف سے ابو عبدالرحمٰن نے اپنے جذبات کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

''تمام تعریفیں اس بزرگ و برتر ہستی کے لیے جس نے ہم میں سے ایک کو شہادت کے اعزاز کے لیے منتخب کر لیا۔ اس اللہ کی حمد و ثنا' جس نے اہلِ امت کے دلوں میں شہداء کے پاکیزہ و طاہر لہو سے زندگی کی لہر دوڑا دی اور وہ دوبارہ سے راہِ جہاد کے شہسوار بن اٹھے۔ درود و سلام ہو مومنین کے امام اور مجاہدین کے قائد پر۔ میں طائف کی اُس بستی سے آپ سب سے مخاطب ہو رہا ہوں جس نے حالیہ جہادی معرکے میں اپنے دو سپوت پیش کر دیے ہیں۔ احمد زہرانی بھائی' جن کے ولولہ انگیز ترانے طائف کے کوچہ و بازار پر اب بھی وجد کی سی کیفیت طاری کیے دیتے ہیں اور زکریا ابو مصعب جن کی شہادت کی خبر سن کی میری آنکھوں سے اشکوں کا سیلِ رواں بہہ نکلا۔ باللہ! ان آنسوؤں میں ماتم اور سوگ کی کیفیت کا شائبہ تک نہ تھا کہ شہادت تو وہ منزل ہے جس کی میں اپنے لیے اور اپنے تمام بھائیوں کے لیے تمنا رکھتا ہوں۔ میرے آنسو خود اپنے پیچھے رہ جانے کے احساس کا نتیجہ تھے کہ دن گزرتے چلے جا رہے ہیں' شہداء کا قافلہ ایک ایک شہید کو اپنے جلو میں لیے جانب منزل رواں دواں ہے اور میں ابھی محو انتظار' معرکہ' جہاد سے دور' بہت دور ہوں۔

یہ نوجوان جسے مجھ سے جدا ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا ہر لمحہ میری نظروں کے سامنے اس کا سراپا موجود رہتا ہے' اس کی بے پناہ غیرت ایمانی کے گرد اطمینان و سکون کے نور نے ایک ہالہ سا بنا رکھا تھا۔ اس کی جدوجہد اور ہر مشکل کو انگیز کرنے کی صلاحیت ہر لمحہ یاد آتی ہے۔ اپنے ہم عمروں میں وہ سب سے نرالا اور جدا تھا۔ اس میں نوجوانوں کا سا جوش اور بزرگوں جیسی حکمت اور خاموشی تھی۔ وہ چھوٹی سی عمر میں ہی

راہِ جہاد پر گامزن ہو گیا۔ اسے دیکھ کر نہ جانے کیوں مجھے احساس ہوتا کہ جلدی جلدی سارے مراحل طے کرتے ہوئے کہیں یہ ہمیشہ کے لیے ہی ہمیں داغِ مفارقت نہ دے جائے۔ شاید وہ ہم جیسوں کے لیے مثال بننے کے لیے ہر کام اتنی جلدی انجام دیتے چلے گئے۔

چھٹیاں ختم ہونے کے بعد زکریا تعلیم مکمل کرنے کی بجائے، خود اپنی آنکھوں سے معرکۂ حق و باطل کا مشاہدہ کرنے اور اس کا ایک کردار بننے کے لیے روانہ ہو گئے۔ ان کے اس فیصلے کو ایک قریبی دوست کے خواب نے مزید تقویت دی۔ ان کے دوست نے زکریا کو افغانستان میں خون میں لت پت دیکھا۔ اس خواب کا سننا تھا کہ انھوں نے فوری بوریا بستر سنبھالا اور عازمِ سفر ہو گئے۔ مجھے دورانِ جہاد ان کے ساتھ رہنے والوں نے بتایا کہ وہ اپنے وقت کا ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرتے تھے، بلکہ دوسرے جو کام مہینوں میں کرتے، انھیں وہ دنوں میں پورا کر ڈالتے۔ اپنے ایک ساتھی کو جہاد کی رغبت دلانے کے لیے انھوں نے وہاں کا آنکھوں دیکھا حال تحریر کرتے ہوئے لکھا: "یہاں نیکیوں کا سلسلہ دن رات رواں دواں رہتا ہے، اور برائی کا یہاں کوئی گزر نہیں"۔

اپنے ساتھ ہمارے دل کے ٹکڑے بھی لے گئے!

"عسکری تربیت کی تکمیل کے بعد زکریا نے جاجی کا رخ کیا جہاں ان کے کئی دیگر ساتھی بھی تھے۔ وہیں ان کے بعض ساتھیوں نے جامِ شہادت بھی نوش کر لیا۔ انھوں نے جتنے دن وہاں گزارے انتھک کام اور محنت میں صرف کیے۔ جہاد کا مزہ چکھ لینے کے بعد اپنے ایک دوست کو راہِ جہاد میں حاصل ہونے والی طمانیت اور لذت کی کیفیت کا تفصیلی حال لکھا اور جہاد کی طرف آنے کی تلقین کی۔

ماہِ محرم کی پہلی جمعرات کو جب زکریا نمازِ عصر کی ادائیگی سے فارغ ہوئے تو ان کے قائد ان کے پاس آ کر کہنے لگے: "زکریا! میزائل لگانے کے بارے میں کیا رائے ہے؟" زکریا نے اپنے قائد کے فرمان پر حامی بھر لی اور شہید ہشام دیلمی کے ساتھ میزائل تیار کرنے میں مصروف ہو گئے۔ ابھی پہلا ہی میزائل لگانے کی کوشش شروع کی تھی کہ وہ یک دم پھٹ گیا اور زکریا کئی میٹر دور، نشیب کی طرف جا گرے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیس میٹر دور درخت کی آڑ نہ ہوتی تو وہ اس سے بھی دور، نہ جانے کہاں جا پڑتے۔ جب ساتھی ان کے پاس پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ ان کی روح اپنے پروردگار کے پاس

پہنچ گئی ہے اور جسم خون میں لت پت ہے، بالکل اسی طرح جس طرح خواب میں ان کے دوست نے یہ منظر دیکھا تھا۔ کچھ لمحے بعد ابو حمزہ بھی ان کے ہمسفر ہو گئے۔

انھیں دفن کرنے سے پہلے نمازِ مغرب کے بعد انھیں دیکھنے والے دوستوں نے بتایا کہ "ان کے جسم سے خوشبو کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں، ہمیں خدشہ گزرا کہ کہیں ان کے کپڑوں میں عطر کی کوئی شیشی نہ ٹوٹ گئی ہو۔ ہم نے ان کے کپڑے پوری طرح چھان مارے مگر کچھ برآمد نہ ہوا۔ انھیں قبر میں اتارنے والے ساتھی نے بتایا: "خدا کی قسم! میں نے ان کے چہرے پر ایسا نور دیکھا جو اس سے پہلے مجھے کبھی نظر نہ آیا تھا"۔ شہادت کی رات انھوں نے اپنے ایک دوست کو خط میں جہاد کی مکمل صورت حال سے آگاہ کرتے ہوئے لکھا کہ ان کا پختہ فیصلہ ہے کہ وہ آئندہ سال بھی تعلیم مکمل کرنے کی بجائے جہاد ہی میں تمام وقت گزاریں گے۔

اللہ کریم ابو مصعب کو اپنی رحمت کے سائے میں رکھیں۔ وہ اور احمد زہرانی ہم سے جدا کیا ہوئے، اپنے ساتھ ہمارے دل کے ٹکڑے بھی لے گئے۔ اللہ ہمیں جنت الفردوس میں ان کی معیت نصیب فرمائیں"۔ (آپ کا بھائی، واثق اللہ ابو عبدالرحمٰن، طائف)

شاکر حسن قریشی شہید

’’ابوشہاب (شاکر) کا نام مجھے ان کے بھائی عبدالرحمٰن کی وجہ سے یاد رہا جو انجینئرنگ کے طالب علم تھے۔ بلخ پہنچنے کے بعد وہ اکثر یہ کہتے ہوئے پائے گئے میں یہاں (سینے) پر گولی کھانے کی خاطر آیا ہوں تاکہ وہاں (آسمان) پر جاسکوں‘‘

امام ابوحنیفہ نعمان رحمۃ اللہ علیہ کی سرزمین پر راہِ جہاد کے شہسواروں کو دیکھا جائے تو زیادہ تر کا تعلق جزیرۃ العرب سے نظر آئے گا۔ سرزمینِ جزیرہ کے شمال میں حرمینِ شریفین سے تعلق رکھنے والے اور جنوب میں یمن سے تعلق رکھنے والے یہ وہ سرفروش ہیں، جنھوں نے اللہ اکبر کی صدا پر لبیک کہا اور کشاں کشاں کوہِ ہندوکش کی سمت چل پڑے۔

یوں معلوم ہوتا ہے کہ یمن کے شہسوار اس میدان میں جزیرۃ العرب کے فرزندوں سے بھی بازی لے گئے، اور باقی امت تو خوابِ خرگوش میں مدہوش، فریضۂ جہاد کو قریب قریب فراموش کر چکی ہے۔ مگر میدان اس لحاظ سے سرزمینِ حرم کے فرزندوں کے ہاتھ ہے کہ ان کے شہداء کی تعداد سولہ سے بھی تجاوز کر چکی ہے، البتہ یمن کے غازی ہیں کہ ہر آنے والا دن، ان کی تعداد میں اضافے کی نوید لے کر آتا ہے۔ اس غیر معمولی اضافے کی وجوہات میں، سرزمینِ جہاد کے محرمِ راز عبداللہ احمر کی جدوجہد کو خصوصی دخل

ہے۔ انھوں نے راہِ جہاد و عزیمت کی داستانیں کھول کھول کر لوگوں کے سامنے رکھیں اور جہاد کے لیے تیاری کرتے کرتے رک جانے والے نوجوانوں کو، شیر کی سی گھن گرج کے ساتھ مخاطب کر کے کہا کہ وہ مجاہدین کو اسلحہ مہیا کرنے اور شہداء کے گھرانوں کی کفالت کی ذمہ داری لیں۔

گزشتہ ماہ راہِ جہاد میں جان کی بازی لگانے والے تین شہداء میں سے دو کا تعلق جزیرۃ العرب کے فرزندوں سے ہے اور تیسرے ہمارے مہاجر جدِّ امجد ابراہیم ؑ کی سرزمین شام سے تعلق رکھتے ہیں۔

جہاد جب فرضِ عین ہو تو والدین سے اجازت لینا ضروری نہیں

ابوشہاب شاکر کی پیدائش مسجدِ عباس ؓ کے نزدیکی محلے میں ہوئی۔ اس بہادر نوجوان نے طائف میں نشوونما پائی، ثانوی تعلیم مکمل کرنے کے بعد مزید تعلیم کے حصول کے لیے امریکا کی طرف رختِ سفر باندھا۔ وہاں اللہ نے انھیں جاہلیت جدیدہ کی گندگی میں پھنسنے سے بچائے رکھا بلکہ اس کے برعکس انھوں نے وہاں اپنے دین کو مضبوطی سے پکڑے رکھا، گویا اپنے ہاتھ میں انگارے پکڑے رکھے۔ جاہلیت کی کڑکتی دھوپ میں بھی وہ کسی شجرِ سایہ دار کی تلاش میں رہے تاکہ فتنوں کی دنیا میں اپنا ایمان محفوظ رکھ سکیں۔ کفر و ظلم کے اس بنجر صحراء میں انھوں نے مسلم نوجوانوں کی ایک تنظیم کے ساتھ تعلق استوار کر کے دعوتی و تبلیغی سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کر دیا اور دو سال تک امریکا میں مقیم رہے لیکن دعوت و تحریک کو اوڑھنا بچھونا بنائے رکھنے کے باوجود اب وہ کوکا کولائز ماحول اور عیش و تنعم کی زندگی سے تنگ آ چکے تھے چنانچہ امریکا کو تین طلاقیں دے کر انھوں نے دیارِ حرم کا رخ کیا اور ایک مقامی کمپنی میں ملازمت اختیار کر لی۔ وہ ہر لحظہ عالم اسلام کے حالات کا تجزیہ کرتے، بالآخر انھوں نے افغانستان سے اٹھنے والی جہاد کی پکار پر لبیک کہنے کا فیصلہ کر لیا اور توپوں، بندوقوں، میزائلوں اور بارود بھری دنیا کی طرف چل پڑے۔

بلاشبہ اس وقت جہاد کے حکم کی وضاحت کی جا چکی ہے، وہ یہ کہ ان حالات میں جان اور مال سے جہاد کرنا فرضِ عین ہے اور اس موقع پر والدین سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے بقول:

’’إذا دخل العدو بلاد الإسلام فلاريب أنه يجب دفعه على الأقرب فالأقرب إذ بلاد الاسلام كلها بمنزلة البلد الواحد وأنه يجب النفير إليه

بلا إذن والد ولا غريم)) (الفتاوی الکبری ۴/۶۰۸)

''دشمن جب کسی بھی سرزمینِ اسلام پر حملہ آور ہو جائے تو بے شک اُس کے قریب اور پھر اُس سے قریب تر کے تمام ممالک پر اس کا دفاع کرنا واجب ہو جاتا ہے کیونکہ تمام اسلامی ممالک بمنزلہ ایک ملک کے ہیں' اور اس کے دفاع کے لیے والد اور قرض خواہ کی اجازت کے بغیر ہی نکلنا فرض ہو جاتا ہے۔

تم ابھی تک سوئے پڑے ہو' تمھاری حور تمہیں بلا رہی ہیں!

شاکر افغانستان آئے تو یہاں انھوں نے اپنا رمزی نام ابوشہاب رکھا۔ واقعتاً شہابِ ثاقب کی طرح انھوں نے حق کے دشمنوں کو جلا مارا۔ اللہ کے راستے کو اپنے کردار کی روشنی سے منور کرتے چلے گئے۔ ان کے پاس بیٹھنے والے فرد کو ہمیشہ یہ احساس ہوتا کہ اسے اسلام اور مسلمانوں کے حالات سے گہری واقفیت رکھنے والے پختہ نظریات کے مالک شخص سے گفتگو کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ میں نے صدہ کے معسکر میں انھیں دیکھا' نرم دم گفتگو' گرم دم جستجو کی عملی تفسیر۔ کبھی امیر کی اطاعت سے روگردانی کی اور نہ کبھی اپنے دوستوں کے لیے کسی پریشانی کا باعث بنے۔

ابوشہاب کا نام مجھے ان کے بھائی عبدالرحمٰن کی وجہ سے یاد رہا جو انجینیرنگ کے طالب علم تھے۔ بلخ پہنچنے کے بعد وہ اکثر اپنے سینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ''میں یہاں (سینے پر) گولی کھانے آیا ہوں تاکہ وہاں (آسمان پر) جا سکوں'' ۔ ایک دن عبدالرحمٰن نے مجھے کہا: ''ہم چاہتے ہیں کہ ابوشہاب بلخ تک ہمارے ساتھ چلیں''

مگر اللہ کا فیصلہ تھا کہ عبدالرحمٰن اکیلے جائیں اور ابوشہاب کو اپنے ٹھکانے پر ہی دشمن سے دست و گریباں ہونے کا موقع مل جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ﴾ (ال عمران: ۱۵۴)

''کہہ دو کہ اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن کی تقدیر میں مارا جانا لکھا تھا وہ اپنی اپنی قتل گاہوں کی طرف ضرور آتے''۔

اللہ کی مشیت یہی تھی کہ خوست میں ان کا بستر ہی ان کے لیے رزم گاہ بن جائے۔ شاکر اکثر شہادت کے خواب دیکھتے اور حوروں سے متعلق گفتگو کرتے رہتے۔ بعض اوقات انھیں رات گئے تک جاگنا پڑتا تو صبح اٹھنے میں دشواری ہوتی۔ ابوخالد قطری انھیں جگاتے ہوئے کہتے: ''تم ابھی تک سوئے پڑے ہو' حور تمھیں بلا رہی ہے اور تمھارا انتظار کر رہی ہے''۔ شاکر فوراً اٹھ بیٹھتے اور کہنے لگتے: ''آرہا ہوں' آرہا ہوں' میرا انتظار کرو''۔

اپنے بیٹے کو جنت سے اور اپنے آپ کو اس کی شفاعت سے محروم نہ کیجیے گا

ان دنوں ہم لوگ صدہ میں تھے جب پروقار شخصیت کے مالک دو افراد' جن کی خاندانی وجاہت اور رعب چہرے کے خدوخال سے ٹپک رہا تھا' اچانک ہمارے کمرے میں داخل ہوئے۔ میں ان سے ملا' پتہ چلا ایک شاکر کے والد صاحب ہیں اور دوسرے ان کے ماموں جو طائف میں تعلیم وتربیت کے شعبے میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔

دونوں نے شاکر سے بات کی اور انھیں اپنے ساتھ چلنے اور ہسپتال میں پڑی بیمار ماں سے ملاقات کے لیے قائل کرنے کی ازحد کوشش کی' بس نہ چلا تو آخر انھوں نے شاکر سے وعدہ لیا کہ کم از کم وہ پشاور تک ان کے ساتھ جائیں تاکہ وہاں سے فون پر اپنی والدہ سے بات کر کے انھیں مطمئن کر سکیں۔ صبح جب وہ مجاہدین کے مورچے سے روانگی کے لیے تیار ہو رہے تھے میں نے ان سے کہا: ''اپنے بیٹے کو جنت سے اور اپنے آپ کو اس کی شفاعت سے محروم نہ کیجیے گا''۔

بالآخر چھبیس برس کی عمر میں شاکر رتبۂ شہادت سے فیض یاب ہو گئے۔ ان دنوں وہ ابراہیم کے ساتھ شمال (بدخشان) کی طرف جانے کی تیاریاں کر رہے تھے مگر خوست کے حالات نے ہم سبھی کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ خوست کے معرکے میں ڈیڑھ سو عرب جوانوں نے شرکت کی۔ ابوشہاب نے اس لڑائی میں تی کاندو کا مورچہ سنبھال رکھا تھا۔ زمین آتش فشاں کا روپ دھار چکی تھی اور آسمان گویا شہاب ہائے ثاقب کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ شاکر اس وقت اپنے دوستوں سے مخابرے پر گفتگو کر رہے تھے کہ تقدیر کا لکھا آ پہنچا' دشمن نے ایک بی۔ ایم۔ ۲۱ میزائل پھینکا جس نے ان کے پاؤں پر کاری زخم لگایا اور سینہ بھی چھلنی کر دیا۔ شاکر کو اسی کی آرزو تھی اور یہی ان کا خواب تھا۔ ساتھ ہی ان کے چار دوست بھی زخمی ہو گئے۔

عجیب وغریب کرامات کاظہور

شاکر کے حوالے سے بعض عجیب وغریب کرامتوں کا ظہور ہوا۔ شہادت کے وقت ان کا ہاتھ اپنے زخم پر تھا۔ ان کے ساتھیوں نے اسے ایک طرف ہٹا دیا اور خود پھر سے جنگ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ معرکہ خوب گرم تھا' اس لیے تین دن تک انھیں شہید کی طرف متوجہ ہونے کا کوئی ہوش نہ رہا۔ تین دن بعد انھوں نے شاکر کی نعش کو دیکھا تو حیران رہ گئے کہ آج پھر ان کا ہاتھ اپنے زخموں پر تھا۔ دوسرے یہ کہ تین دن بعد جب ساتھی شدید ٹھٹھرتی سردی میں واپس پلٹے جب کہ موسم کی شدتِ کیفیت اتنی تھی کہ پانی جم کر فوراً برف کی شکل اختیار کر جاتا تھا تو اس ٹھنڈ میں بھی نعش اس قدر شگفتہ اور تروتازہ تھی گویا وہ نیند میں ہوں۔ ایک مجاہد نے قسم اٹھا کر کہا کہ میں نے خواب میں انھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں طرف مدفون دیکھا ہے!

میری اہلیہ نے ان کی والدہ کو فون کر کے شہادت کی خبر سنائی تو وہ کہنے لگیں: ''میں اس پر صابر و شاکر اور اللہ سے اجر کی طلب گار ہوں' یہ ہمارے لیے بہت بڑا شرف ہے۔ میں نے طے کیا ہے کہ نہ خود روؤں گی اور نہ تعزیت کے لیے آنے والی کسی اور عورت کو رونے دوں گی''۔ والد کہنے لگے: ''میں اللہ سے دعا گو ہوں کہ وہ ان کی شہادت کو شرفِ قبولیت بخشے تاکہ قیامت کے روز ہم ان کی شفاعت سے بہرہ ور ہو سکیں۔ میں نے شاکر کی ذاتی یادداشتوں یہ تحریر لکھی ہوئی دیکھی:

''اے اللہ ہمارے بزدلوں کو شجاعت عطا کیجیے' اور ہمیں بہادروں اور شہیدوں کی معیت نصیب فرمائیے''۔

جبران شریف ناصر شہید

''نہ جانے بھرے مجمع میں میرا دل اسی نوجوان کی طرف کیوں کھنچا چلا جا رہا تھا...
مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے انھیں الوداع کہتے ہوئے کہا: ''مجھے آپ کے چہرے
پر شہادت کا نور جگمگاتا دکھائی دے رہا ہے''

حمزہ (جبران) نے امریکا کے جہنمِ سوزاں 'ڈیٹرائیٹ' کی جاہلیت سے بھاگ کر کارزارِ جہاد میں پناہ لی۔ میں امریکا ہی میں تھا جب ان کی شہادت کی خبر مجھے ملی۔ میں ان کے والدین کو مبارک باد دینے کے لیے ڈیٹرائیٹ پہنچا۔ وہاں میں نے جمعے کا خطبہ دیا۔ نماز کے بعد میں نے ان کے والد کو وہیں مسجد کے ایک کمرے میں بلا کر بیٹے کی شہادت کی مبارک باد دی۔ والد نے اپنے لختِ جگر کی شہادت کی خبر کمال حوصلے اور صبر سے سنی اور کہنے لگے: ''زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے اور تقدیر پر ساری گرفت اسی ذات کی ہے''۔ ان کے والد بالکل معمول کی کیفیت میں نظر آ رہے تھے۔

عشاء کی نماز کے بعد مسجد میں میری تقریر تھی۔ میرے بعد امام مسجد محمد موسیٰ خطاب کے لیے کھڑے ہوئے۔ سنجیدہ' باوقار افراط و تفریط سے پاک اور علم اور اعتدال کے ہتھیار سے لیس محمد موسیٰ اپنے اردگرد موجود متدیّن (دین دار) نوجوانوں کے حلقے میں ایک مینارۂ بلند کی مانند موجود ہیں۔ میں نے ان سے کہا: ''میں چاہتا ہوں کہ ہم شہید کے گھر جائیں اور ان کی والدہ کو مبارک باد دیں اور صبر و حوصلے کی تلقین بھی کر آئیں''۔ یوں ہم ان کی رہنمائی میں جبران کے گھر پہنچ گئے۔

میرا دل کہہ رہا تھا کہ یہ نوجوان بہت جلد شہادت کا انعام پا لے گا

میرا خیال تھا ان کی والدہ کو حمزہ کی شہادت کی اطلاع مل چکی ہو گی مگر محمد موسیٰ نے بتایا کہ ہمارے اطلاع دینے سے قبل ان کی والدہ کو شہادت کی خبر نہیں ملی تھی۔ ان کی والدہ صبر و ہمت کا پیکر بنی تھیں انھوں نے صرف اتنا کہا: ''الحمدللہ ہم اللہ کے فیصلے پر راضی ہیں''۔ البتہ ان کی بہن اپنے بھائی کی جدائی کا سن کر رو پڑی۔

میں نے ان کی والدہ کو جبران کے ساتھ گزرے لمحات کی روداد سناتے ہوئے بتایا: ''چمک دار چہرہ دیکھتے ہی دل گواہی دیتا تھا کہ اس چہرے پر شہادت کا نور جگمگا رہا ہے۔ میں نے پہلی دفعہ انھیں بہت سے نوجوانوں کے درمیان کھڑے دیکھا تو سب سے ہٹ کر میری توجہ ان کی طرف مبذول ہو گئی۔ میں نے ان سے پوچھا: ''آپ کا تعلق کس علاقے سے ہے؟'' کہنے لگے:

''تعلق یمن سے ہے، مگر میرے گھر والے ڈیٹرائیٹ میں رہائش رکھتے ہیں، میں پہلے امریکا سے یمن چلا گیا۔ پھر کچھ عرصہ جزیرہ (حجاز) میں رہائش اختیار کیے رکھی۔ بس اب جہاد کا فرض نبھانے افغانستان چلا آیا ہوں۔ نہ جانے بھرے مجمع میں میرا دل اسی نوجوان کی طرف کیوں کھنچا چلا جا رہا تھا اور جس انداز سے یہ اپنی دنیا کو تج کر کے آیا تھا اس پر میرا دل کہہ رہا تھا کہ یہ نوجوان بہت جلد شہادت کا انعام پا لے گا۔ مجھے یاد پڑتا ہے میں نے اسے الوداع کہتے ہوتے ہوئے کہا بھی تھا کہ ''مجھے آپ کے چہرے پر شہادت کا نور جگمگاتا دکھائی دے رہا ہے''۔ یہ سارا قصہ میں نے جبران کے گھر والوں کو سنایا۔

خوابوں کو ملیں پھر تعبیریں

کئی دفعہ ایسا ہوا ہے کہ مجاہدین نے خواب میں اپنے آپ کو جنت کی حور کے ساتھ محو گفتگو پایا، یا کبھی ان کے ساتھیوں نے انھیں شہادت سے قبل خواب میں حسین و جمیل دوشیزاؤں کے جھرمٹ میں دیکھا تو بیدار ہو کر انھیں شہادت کی خوشخبری سنائی۔ ابی دجانہ، یحیٰی سینو، ابی عاصم، عبدالوہاب غامدی، سعد رشود، ابی عبدالحق اور دیگر بہت سے عربوں اور افغانوں کو اس قسم کے خواب دکھائی دیے۔ جبران نے بھی شہادت سے قبل خواب میں خود کو ایک حسین و جمیل دوشیزہ کے ساتھ دیکھا۔ ساتھیوں نے خواب سن کر انھیں شہادت کی خوشخبری سنائی۔ اور اللہ تعالیٰ نے فی الواقع انھیں شہادت سے سرفراز فرما دیا، ربّ العزت ان کی شہادت کو شرف قبولیت بخشے، آمین۔

ابو جعفر شامی سرزمینِ شام کا تیسرا شہید

''اے نوجوانو! اللہ کے دشمن اللہ کی زمین پر پھیل چکے ہیں۔ پس تم عیش و عشرت کی زندگی، اور کھانوں کپڑوں کی لذتیں دھتکار دو، دشمنانِ خدا کے خلاف برسرِ جنگ ہو جاؤ۔ افغانستان، فلپائن، اریٹیریا اور فلسطین، ہر جگہ جہاد جاری ہے اور تمھارا منتظر ہے''

ہمارے یہ شہید اپنے پیش رو شہداء سے عمر میں بڑے تھے۔ ان کی عمر تیس سال کے لگ بھگ تھی۔ دوسرے شہداء سے ان کی انفرادیت یہ تھی کہ یہ اپنے پیچھے ایک بیٹا، دو بیٹیاں اور ایک بیوہ چھوڑ گئے۔

ابو جعفر دنیا کو لات مار کر پوری طرح اللہ کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ انھوں نے سرزمین شام میں نُصیری طاغوت کو دین کی جڑیں کاٹنے میں پیہم مصروف دیکھا تو اس کے خلاف ڈٹ گئے۔ پھر وہ اسلام کے ایک تاریخی شہر قندھار چلے آئے جو اپنی دینداری، علماء کی بہتات اور خواتین کے حجاب اور حیاء کے معاملے میں معروف ہے۔ وہ قندھار جس نے شرعی پردے کے دفاع کے لیے اپنے ایک ہزار شہداء راہ جہاد میں وار دیے، وہ قندھار جس نے ظاہر شاہ کی سرپرستی میں ہونے والی منشیات کی تجارت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کر کے رکھ دیا تھا۔

دونوں سگے بھائی محاذ کی طرف چل پڑے

اسد اللہ اور ابو جعفر دونوں سگے بھائی، سعادتوں کی سرزمین کی طرف چل پڑے۔ محاذوں پر ابو جعفر

اکثر ترنگ میں آ کر ترانہ گنگنانے لگتے۔

جاهد في الله اخي
جاهد ان كنت تقيا
تملك آفاق الدنيا
و تلاقي الله رضيا
جد بالمال و بالنفس
ان تطمع بالفردوس
فهنالك احلى عرس
للمؤمن والحورية

انھیں جب معرکے کی تیاری کی خبر ہوئی تو اگرچہ وہ عرب نوجوانوں کے دستے میں شامل تھے مگر انھیں خدشہ ہوا کہ شاید اجازت نہ ملے۔ وہ دوسرے کمان دان کے پاس پہنچے جنھوں نے ایک اور کارروائی تیار کر رکھی تھی۔ دوسرے نے بھی انھیں اجازت نہ دی۔ تب یہ ابوخبیب اور علاقے کے دوسرے جوانوں کی سفارش لے کر آئے، جنھوں نے اصرار کر کے انھیں معرکے میں شامل کروا دیا۔

ابوجعفر کے دستے نے آخر میں نکلنا تھا۔ وہ اپنے بھائی کی نظروں سے اوجھل ہو گئے، شہادت کی طلب انھیں آگے لے گئی۔ اُس روز مجاہدین پر ہونے والا جوابی حملہ نہایت زوردار تھا۔ غازیوں کے قدم اکھڑ گئے اور وہ پس قدمی پر مجبور ہوئے۔ اسی دوران ان کے دائیں بازو میں آر۔ پی۔ جی۔ ۷ کا گولہ لگا جس سے ان کا سینہ تک جل گیا۔ اس وقت ان کے پاس اپنے بھائی کے سوا کوئی اور نہ تھا، وہ انھیں اٹھا کر جنگ سے کچھ دور لے گئے، پانچ گھنٹوں تک مسلسل زخموں سے خون بہتا رہا یہاں تک کہ انھوں نے جامِ شہادت نوش کر لیا۔

ان کے ایک مجاہد ساتھی نے بتایا کہ مجھے پہلے سے ان کے چہرے پر شہادت کا نور محسوس ہوتا تھا۔ مگر میں نے انھیں اس سے متعلق بتایا نہیں۔ شہادت کے بعد ان کا چہرہ اور بھی دمک اٹھا۔ وہ جمعہ کے روز ۱۸ دسمبر ۱۹۸۷ء کو شہید ہوئے۔ بے شک جمعہ، ہفتے بھر کے دنوں کا سردار ہے۔ مجاہدین ان کی شہادت پر یوں دل گرفتہ تھے جیسے وہ ان کے درمیان کئی برسوں سے رہ رہے ہوں۔ حالانکہ وہ صرف نو دن تک ان کے

ہمراہ رہے تھے۔ مسکراہٹ ہمیشہ ان کے چہرے پر موجود رہتی۔ خوش و خرم رہتے، دلوں کو موہ لینے والی ایک ایسی شخصیت جو گئی تو کتنے ہی دلوں کو اداس کر گئی:

گئے دنوں کا سراغ لے کر کدھر سے آیا کدھر گیا وہ؟
عجیب مانوس اجنبی تھا، مجھے تو حیران کر گیا وہ!

ہم اللہ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہمارے شہداء کی شہادت کو شرفِ قبولیت بخشیں، جنت الفردوس میں ہمیں اکٹھا فرما دیں۔ اور ملتِ اسلامیہ کو فلسطین و افغانستان کے جہاد میں فتح و نصرت عطا فرمائیں اور انسانیت کو اس خلافتِ اسلامیہ کے خواب کی تعبیر دکھلا دیں جس کا ہم صدیوں سے انتظار کرتے چلے آ رہے ہیں۔

آپ ان شاء اللہ جنت میں حوروں کی ملکہ کا مرتبہ پائیں گی!

خون میں ڈوبی ہوئی ابوجعفر کی وصیت ان کی جیب سے برآمد ہوئی اور پھر میرے ہاتھ لگی، وصیت کے الفاظ یہ تھے:

''تمام تعریفیں اللہ کی ذات کے لیے مختص ہیں، درود و سلام ہو خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

میں یہ وصیت تحریر کرتے ہوئے آپ کو کھلے اور پوشیدہ ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں۔ اس کی نافرمانی سے بچنے اور اطاعت و فرمانبرداری کے راستے پر چلتے رہنے کی تاکید کرتا ہوں۔ اللہ مجھے اور آپ کو اپنے نیکوکار بندوں میں شامل کر دے۔ میں والد صاحب اور والدہ صاحبہ کو تقویٰ اور صبر پر کاربند رہنے کی وصیت کرتا ہوں۔ موت کا وقت معین ہے پس آپ نہ تو رنجیدہ خاطر ہوں اور نہ میرے حوالے سے کوئی تعزیت قبول کریں، کیونکہ شہید زندہ ہوتا ہے اور اپنے ربّ سے رزق پاتا ہے۔ شہید کا مقام و مرتبہ اور اس کو حاصل شدہ اللہ کی محبت ذہن میں رکھیے۔

میری اولاد کے بارے میں آپ کو وصیت ہے کہ ان میں اللہ کا ڈر اور تقویٰ پیدا کیجیے۔ میری اہلیہ جہاد کی فرضیت کے بارے میں بخوبی سمجھتی ہیں۔ اللہ انھیں ان کے صبر پر بہترین اجر عطا فرمائیں۔ میرا ان سے صرف اس قدر مطالبہ ہے کہ اپنی اولاد میں بھی جہاد کی اہمیت و فرضیت کا احساس پیدا کریں۔ اور اسلامی نہج پر ان کی تربیت کریں، بیٹیوں کی شادیاں مجاہدین سے کریں۔ میں ان سے کسی حق کی ادائیگی

میں کمی رہ جانے پر معافی کا خواست گار ہوں۔ میری شہادت کے بعد میری اہلیہ اپنے بارے میں آزاد ہیں، جو چاہیں فیصلہ کریں۔

اپنے بھائی بندوں اور رشتہ داروں خصوصاً جوانوں کو میری نصیحت ہے کہ یہ حدیث ذہنوں میں رکھے: ((ذروة سنام الإسلام الجهاد في سبيل الله)) اسلام کی بلند ترین چوٹی جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ یہاں افغانستان میں انھیں اپنے سامنے جہاد اور صبر کی زندگی نظر آئے گی۔ میں کہتا ہوں کہ ہر وہ فرد جو جہاد کی استطاعت رکھنے کے باوجود دنیا کی دلدل میں پھنسا ہوا ہے وہ گنہ گار ہے۔ پس اے میرے بھائیو! اے نوجوانو! اللہ کے دین کی نصرت کے واسطے جہاد کے لیے اٹھ کھڑے ہو۔ مجاہدینِ افغانستان جب عرب نوجوانوں کو اپنی مدد کے لیے آتا دیکھیں گے تو ان کی عزیمت دوچند ہو جائے گی اور وہ جہاد چھوڑ کر اپنے گھر والوں کی طرف پلٹتے ہوئے شرم محسوس کریں گے۔

جہاں تک میری ملکیت سے متعلق اشیاء کا تعلق ہے تو ان سب کا تفصیلی حساب میں نے اپنی اہلیہ کے نام دوسری وصیت میں لکھ چھوڑا ہے۔ میں اپنی بات دہراتا ہوں کہ آپ لوگ میری شہادت کی خبر سن کر ہرگز رنجیدہ نہ ہوں، صبر کریں، اور اے میری شریکۂ حیات! سن لیں کہ آپ ان شاء اللہ جنت میں حوروں کی ملکہ کا رتبہ پائیں گی، وہ جنتیں ابدی ہوں گی کیونکہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ پر ہمارا ایمان ہے۔

ملتِ اسلامیہ کے نوجوانوں کے نام میری وصیت ہے کہ اے نوجوانو! اللہ کے دشمن اللہ کی زمین پر پھیل چکے ہیں، پس تم عیش و عشرت کی زندگی اور کھانوں، کپڑوں کی لذتیں دھتکار دو، اللہ تمھیں بہترین جزا دے، آؤ اور دشمنانِ خدا کے خلاف برسرِ جنگ ہو جاؤ۔ افغانستان، فلپائن، اریٹیریا اور فلسطین ہر جگہ جہاد جاری ہے اور تمھارا منتظر ہے"۔ (اللہ کا عاجز بندہ اور اس کی راہ میں تمھارا بھائی، ابوجعفر ۱۷۔۱۲۔۱۹۸۷ء)

میں قسم کھاتا ہوں، کبھی آپ کا رستہ نہ چھوڑوں گا

اسد اللہ نے اپنے شہید بھائی کی یاد میں یہ تحریر لکھی:

"میرے شہید بھائی! اے میرے بچپن، لڑکپن اور جوانی کے ساتھی... ہمارے درمیان خونی رشتہ اور دینی و جہادی تعلق، دونوں ہی استوار تھے۔ اللہ کی رضا ہی کی خاطر ہم اکٹھے رہے اور آج جدائی کا سبب بھی اللہ ہی کی رضا جوئی ہے۔ آپ نے اپنے لہو کا نذرانہ پیش کر کے جان وار دی اور میں پیچھے رہ گیا۔ ہاں، میں

نے بہت دیر کر دی۔ مگر ان شاء اللہ یہ راستہ میں کبھی نہیں چھوڑوں گا۔

میرے بھائی! آپ بہت دور سے آئے تھے۔ جہاد کو فرضِ عین جان لینے کے بعد آپ نے پیچھے بیٹھ رہنے کے لیے کوئی بہانہ نہیں تراشا۔ میں ہمیشہ آپ کی سوچ کا جائزہ لیتا اور آپ کے احساسات سمجھنے کی کوشش کرتا۔ مجھے آپ کی بے چینی پر ترس آتا۔ یتیم بچوں کی چیخیں، بیماروں کی آہیں اور بے بس عورتوں کی چیخیں آپ کو اندر ہی اندر سلگا رہی تھیں۔ مجاہدین کی کامیابیوں کے تذکرے اور اللہ اکبر کے نعرے ہی آپ کے من کی آگ کو تسکین پہنچاتے تھے۔ بالآخر آپ میدانِ قتال کی طرف آ گئے، اپنی بیوی اور بچوں کو پیچھے چھوڑ دیا۔ دنیا کی فتنہ سامانیوں اور راحت کے سامان کو ٹھکرا دیا۔ دنیا کی آلائشوں میں غرق جوانیوں کو آپ پیچھے چھوڑ گئے، وہ جوانیاں جو اسلام کی بلند ترین چوٹی "جہاد" کو چھوڑ کر عیش و عشرت کے سامانوں میں مگن ہیں۔ جب کہ آپ عزت کی زندگی کی تلاش میں جہاد سے اپنی روح کو سیراب کرنے نکل آئے، وہ جہاد جسے آج ہم قصۂ پارینہ سمجھ کر بھلا بیٹھے ہیں۔

مجھے یاد ہے جب آپ کالا عمامہ سر پر لپیٹے دشمن سے غنیمت کیا ہوا اسلحہ اٹھا کر میدانِ جہاد کی طرف جا رہے تھے اس لمحے آپ کا رعب و دبدبہ کس طرح آپ کی شخصیت کو نکھار بخش رہا تھا۔ کچھ ہی دنوں میں آپ نے اپنی زندہ دلی اور شگفتہ مزاجی سے مجاہدین افغانستان کے دلوں میں گھر کر لیا۔ مجاہدین خود کہتے ہیں کہ انھیں آپ کے چہرے پر جھلکتا شہادت کا نور صاف دکھائی دے رہا تھا، لیکن مجھے آج بھی یقین نہیں آ رہا کہ آپ ہمیں اس قدر جلدی چھوڑ کر جا چکے ہیں۔ آپ نے مجاہد بھائیوں کے ساتھ منجمد کر دینے والی سردی کو جھیلا، ان کے ساتھ کئی کئی دن مسلسل صرف چائے، روٹی اور آلو کھا کر گزار دیے۔ ان کی مسکراہٹوں، آنسوؤں، خوشیوں اور دکھوں میں آپ ان کے ساتھ رہے۔ پھر آپ میری آنکھوں کے سامنے ان میدانوں میں معرکہ آراء ہوتے ہوئے جان سے گزر گئے۔ آپ کا لہو دور تک بہتا چلا گیا، آنکھوں سے پہلے میرا دل یہ سارا منظر دیکھ چکا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر آپ کو اپنے ہاتھوں میں اٹھا لیا۔ میرے آنسو بہتے چلے گئے، آپ کی شہادت پر نہیں، صرف اپنے پیارے بھائی اور عزیز دوست کے بچھڑنے پر جو ہمیشہ مجھے خیر خواہی سے نصیحت کیا کرتا اور اپنے آپ پر مجھے ترجیح دیتا تھا۔ جس کے ساتھ ساتھ میں نے اپنا سارا بچپن اور جوانی گزار دی۔ آزمائشوں کے دور میں مسکرا کر جینا سکھانے والا میرا بھائی مجھ سے بچھڑ چکا۔ اللہ نے آپ کو شہادت کے لیے پسند فرما لیا اور مجھے چھوڑ دیا حالانکہ شہادت کے وقت ہم دونوں ایک ہی

مورچے میں تھے۔ آپ جنت اور سعادت کی منزل پر پہنچ گئے اور میں اُس فتنہ خیز دنیا میں پڑا رہ گیا جس میں بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہے۔ بس اب میری ساری امید اور خواہش یہی ہے کہ جلد آپ سے جاملوں۔

میرے پیارے بھائی! مجھے آپ کی شہادت پر فخر ہے۔ یہاں مجھے ہر کوئی شہید کے بھائی کے طور پر جانتا ہے۔ زندہ ہونے کے باوجود وہ میرا نام بھلا بیٹھے ہیں لیکن آپ کا نام وہ کبھی نہیں بھلا پائیں گے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ آپ کی شہادت کی خبر سن کر عیش وعشرت میں غرقاب کئی نوجوان خوابِ غفلت سے بیدار ہوئے اور آپ کے منتخب کردہ راستے پر چل پڑے! آپ نے اپنے خون سے انھیں وہ سبق سکھادیا جو کتابیں وتقریریں نہ سکھا سکیں۔ آپ نے اپنے جسم کی ہڈیوں سے وہ پل تعمیر کر دیا جسے عبور کر کے نوجوان مقتل کی طرف امڈے چلے آرہے ہیں۔ ہم نے پختہ عزم کر رکھا ہے کہ شجرِ اسلام کی آبیاری اپنے لہو سے کریں گے اور جہاد کے راستے پر رواں دواں رہیں گے۔

میرے پیارے بھائی! کبھی یہ گمان نہ کیجیے گا کہ آپ کے جانے کے بعد میں واپس پلٹ جاؤں گا' میری عزیمت ڈگمگا جائے گی یا میں سست رو ہو جاؤں گا۔ ہرگز نہیں میں قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ میں کبھی آپ کا رستہ نہ چھوڑوں گا۔ میں اپنا لہو آپ کے لہو کے ساتھ ملاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو اور تمام دیگر شہداء کو اپنی وسیع وعریض جنتوں میں آباد رکھے"۔

(آپ کا بھائی' اسد اللہ)

اور اللہ کریم نے میرے دل پر سکینت نازل فرمادی

ابوجعفر شہید کی اہلیہ کا خط اہلِ ایمان کے نام کچھ یوں تھا:

﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ﴾ (التوبة: ١١١)

"بے شک اللہ نے مسلمانوں سے ان کی جان اور ان کا مال اس قیمت پر خرید لئے ہیں کہ اُن کے لئے جنت ہے' اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں پھر قتل کرتے ہیں اور قتل کئے بھی جاتے ہیں"۔

جنہیں جنتوں کی تلاش تھی

ارضِ افغانستان کے مجاہد بھائیو! اور میری تمام وہ بہنیں جن کے شوہر اللہ کے دین کو سر بلند کرنے کی خاطر شہادت سے ہمکنار ہو چکے ہیں قندھار کے معرکے میں اپنے شوہر کی شہادت کی خبر جب مجھے ملی تو ابتدا میرا دل رنجیدہ ہو گیا' بے قراری نے مجھے گھیر لیا مگر جلد ہی اللہ کریم نے میری یہ کیفیت ختم کر دی اور میرے دل پر سکینت نازل فرمادی۔ میں ان کے اس مقام ومرتبہ پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے لگی' راہِ جہاد و شہادت میں ان کی کامیابی پر مسرور ہو گئی۔ اور شہید سے کیے جانے والے وعدہ اجر وثواب کو یاد کرنے لگی۔

میرے مجاہد بھائیو! اپنے رب کی طرف سے عائد کردہ ذمہ داری کو ادا کرتے اور اسلام پر جان وار کے میرے شوہر نے جو مقام حاصل کیا وہ میرے اور میرے بچوں اور شہید کے دیگر اہلِ خانہ کے لیے بہت بڑا اعزاز ہے۔ اللہ گواہ ہے کہ میں نے اپنے بچوں کو بھی ان کے والد اور مجاہد بھائیوں کے نقشِ قدم پر چلانے کا تہیہ کر رکھا ہے۔ پس اے سرزمینِ جہاد تجھے اور تیرے شہداء کو مرحبا جنھوں نے امت کو اس کا بھولا ہوا سبق یاد دلا دیا۔

ہم اللہ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہمارے بھائیوں کے قدم ثابت رکھے انھیں فتح ونصرت سے ہمکنار کرے۔ میری بہنو! اللہ کی راہ میں شہادت کا مقام اتنا بلند ہے کہ ہمیں اپنے دل اس کی آرزو سے آباد رکھنا چاہئیں۔ اور اپنے بچوں میں یہی جذبہ پروان چڑھانا چاہیے۔ یہی فتح ونصرت کا رستہ ہے اور یہی وہ ہتھیار ہے جو کافروں اور مشرکوں کو نیست ونابود کر سکتا ہے۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنی راہ کے مجاہدین میں شامل رکھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو یاد رکھیے گا:

((أَرْوَاحُهُمْ فِي جَوْفِ طَيْرٍ خُضْرٍ لَهَا قَنَادِيلُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ تَسْرَحُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ شَاءَتْ ثُمَّ تَأْوِي إِلَى تِلْكَ الْقَنَادِيلِ)) (صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب بيان أن أرواح الشهداء في الجنة...)

"شہداء کی روحیں سبز پرندوں کی شکل میں عرش کے گرد گھومتی ہیں اور جنت میں جدھر چاہیں اڑتی پھرتی ہیں"۔

(آپ کی بہن' ام جعفر)

علی مصطفیٰ شہید

”میرے پاس اپنے رب پر بھروسے کے سوا کچھ بھی نہیں' میں نے اپنا معاملہ اسی ذات کے سپرد کررکھا ہے۔ اللہ نے ہم سے تیاری کا مطالبہ کیا ہے، پس ہم حسب استطاعت ہی تیاری کے مکلف ہیں...“

آج پورے عالمِ اسلام کے نوجوانوں میں عیش وحشم کی زندگی چھوڑ کر شوقِ شہادت اور جذبہء جہاد انگڑائیاں لے رہا ہے' یہ محاذوں پر جانے کے لیے بے تاب ہیں۔ سرکاری ملازمتیں' مقامی کمپنیاں اور کیریئر کے سہانے سپنے ان کے قدموں کی بیڑیاں بننے میں ناکام رہے ہیں۔ نوجوان اپنے دل وجان اور خون و پسینے کے ساتھ مسلمانوں کے مسائل حل کرنے کے لیے تڑپ رہے ہیں۔ آج عالمِ اسلام کا انگ انگ الم رسیدہ ہے۔ کتنے ہی نوجوان ہیں جن کی میتوں پر رونے والوں کا' ان سے کوئی قریبی رشتہ نہیں ہے۔ جہاد کا شوق نوجوان نسل کے دلوں کی دھڑکن بن چکا ہے۔ ان کا سوزِ جگر انھیں دنیا کے دھندوں کو خیر باد کہنے' مادی دنیا کی بیڑیوں کو توڑ کر انھیں سرزمین شوق کی طرف جانے پر مجبور کررہا ہے۔

فاروق نے عراق سے ہجرت کا فیصلہ کرلیا

محمد فاروق (علی مصطفیٰ) کی پیدائش ۱۹۶۱ء میں کرکوک کے مقام پر ایک نہایت غریب خاندان میں ہوئی۔ سخت ترین حالات کے باوجود انھوں نے اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ جوانی کی عمر پہنچنے تک وہ ایک صالح داعیِ حق کا روپ دھار چکے تھے۔ اس راستے میں دیگر اصحابِ عزیمت کی مانند انھیں بھی آزمائشوں اور صعوبتوں کی چکی میں پسنا پڑا۔

﴿ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ﴾ (العنکبوت: ۲)

”کیا لوگ خیال کرتے ہیں' یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لائے ہیں' چھوڑ دیے جائیں گے اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی؟“۔

فاروق نے لگ بھگ دس ماہ کا عرصہ جیل کی تنگ وتاریک کوٹھری میں گزارا اور اس اثناء میں قرآن مجید کے دس سپارے حفظ کیے۔ وہ اپنے زندان کے ساتھیوں کے لیے ایثار وقربانی کی زندہ مثال تھے۔ ان کے دکھ درد میں شریک رہتے' اور دل میں ان کے لیے اخلاص ومحبت کے بے پناہ جذبات رکھتے۔ ہمیشہ پیر اور جمعرات کے روزوں کا اہتمام کرتے۔ ان کے زندان ہی کے ایک ساتھی نے بتایا: ”میں جب بھی رات کی تاریکی میں اپنی کسی ضرورت کے لئے بیدار ہوتا تو انھیں قرآن مجید کی تلاوت کرتے یا نماز پڑھتے پاتا“۔

ان کے دل میں جہاد کا بے پایاں شوق تھا لہٰذا انھوں نے عراق سے ہجرت کا فیصلہ کرلیا اور اس وادی کی طرف قدم بڑھانے کا ارادہ کیا جہاں سے انھیں جنت کی خوشبو آتی تھی' جہاں زندگی تلواروں کے سائے تلے بسر ہوتی ہے۔ فاروق طب کی تعلیم حاصل کررہے تھے' خون اور پسینہ بہانے کا جذبہ انھیں بار بار تعلیم چھوڑ کر معرکہء جہاد میں کود پڑنے پر آمادہ کرتا رہا تاہم اپنے بھائیوں کے اصرار کی بناء پر انھوں نے تعلیم مکمل کرنے کا فیصلہ کرلیا تاکہ جہاد کی خدمت کے لیے زیادہ سے زیادہ اہلیت اپنے اندر پیدا کرسکیں۔

رات کے اندھیرے میں یہ دستہ اپنے لیے راستہ تلاش کرتا ہوا آگے بڑھتا جارہا تھا۔ دستے کے امیر نے انھیں بتایا کہ ان کے پاس موجود میزانیہ ختم ہوگیا ہے' تو کون اب مال کی فراہمی کا بیڑا اٹھانے کے لیے حامی بھرتا ہے؟ پورے دستے پر ہُو کا عالم طاری تھا' موت چہار طرف سے اپنے سائے پھیلائے بیٹھی تھی۔ کسی کے پاس بھی اپنا شناختی کارڈ نہیں تھا اور اگر کسی کو عراقی اہلکار اٹھا کرلے جاتے تو اس کے لیے موت کے سوا کوئی دوسرا انجام نہ ہوتا۔ ان حالات میں علی نے اپنے دستے کے ساتھیوں کی جانیں بچانے کے لیے یہ ذمہ داری قبول کی۔ مجھے غزوۂ احزاب کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی حذیفہ بن یمان ؓ کا کردار یاد آنے لگا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہء کرام ؓ کو مخاطب کرکے حملہ آور جتھوں کی خبر رسانی کرنے کے لیے کسی ایک کو اپنے آپ کو پیش کرنے کی ہدایت کی۔ سارے مجمعے پر سکوت کا عالم طاری ہوگیا اور کوئی بھی خود سے نہ نکلا۔ ایسے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حذیفہ بن یمان ؓ کو اس کام کے لیے منتخب کیا۔ الغرض علی اس مشکل مہم کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ بعد میں مجھے ان کے ایک دوست نے بتایا: ”میں گاڑی میں ان کے ہمراہ سوار تھا جب ہمیں تفتیشی چوکی پر روک لیا گیا' میں نے ان سے پوچھا: ”آپ کے پاس کیا ہے؟“ انھوں نے جواب دیا: ”میرے پاس اپنے رب پر بھروسے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ میں نے اپنا معاملہ اسی ذات کے سپرد کررکھا ہے۔ اللہ نے ہم

سے تیاری کا مطالبہ کیا ہے' ہم حسب استطاعت تیاری کرنے کے مکلف ہیں جو تیاری میں کر سکتا تھا وہ میں کر چکا اگرچہ میں مادی تیاری کچھ بھی نہیں کر سکا' میرے پاس رب پر ایمان کے سوا کچھ بھی نہیں''۔

ان کی اس گفتگو نے میرے دل پر گہرے اثرات مرتب کیے اور میرا ذہن دیر تک اس کی بازگشت سے گونجتا رہا۔ الغرض ہم آگے بڑھے' بڑی سخت تفتیشی کارروائی جاری تھی۔ تفتیشی افسر ایک ایک فرد کے سامان کی تلاشی لے رہا تھا اور اس سے شناختی کارڈ کا مطالبہ کر رہا تھا۔ مگر یک بہ یک اس کا انداز بدلا اور اس نے ساری گاڑیوں کو فراخدلی سے 'بغیر تلاشی کے گزرنے کا اشارہ دے دیا۔ حقیقت میں اُس دن میں نے اپنی آنکھوں سے قرآن مجید کی اس آیت کی جیتی جاگتی تفسیر دیکھی:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا﴾ (الطلاق: ۳،۲)

''جو کوئی بھی اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے نکلنے کی راہ فراہم کرے گا اور اسے ایسی جگہ سے رزق مہیا کرے گا جس کا اسے گمان بھی نہیں ہوگا اور جو کوئی اللہ پر بھروسہ کرے گا تو اللہ اس کے لیے کافی ہو جائے گا بے شک اللہ اپنا فیصلہ نافذ کر کے رہتا ہے۔ اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک حد مقرر کر رکھی ہے''۔

یہ جہاد کوئی قومی جنگ نہیں بلکہ ایک عالم گیر اسلامی جہاد ہے!

ایران سے ہوتے ہوئے بالآخر فاروق ہرات پہنچ گئے جہاں بہادری اور شجاعت لہو اور آہن کے ہم رکاب تھی۔ وہ عین میدانِ جنگ میں غازیوں کا علاج معالجہ کرتے رہے اور دورانِ جہاد ہی رازیؒ و ابن حبانؒ کے وطن (ہرات) میں شہید ہو گئے اور اپنے اُن پیش رو بھائیوں سے جا ملے' اللہ کی راہ میں جن کی قبریں افغانستان کے طول و عرض میں آج موجود ہیں۔ عالمِ اسلام کے یہ نمائندہ شہداء اللہ کے دربار میں اور تاریخ کے صفحات میں اس بات کے گواہ رہیں کہ یہ جہاد کوئی قومی جنگ نہیں بلکہ ایک عالم گیر اسلامی جہاد ہے۔

و سبحانک اللهم و بحمدک أشهد أن لا اله الا أنت استغفرک و أتوب الیک.

مرزوق شہید

''دعوت الی اللہ ان کا شعار تھا' وہ الجزائر یونیورسٹی کے ان طلبہ میں سے تھے جو التزامِ دین اور شجاعت کے بہترین نمونے اپنے پیچھے چھوڑ گئے''

یہ اجنبیوں کا قافلہ ہے' جس کے راہیوں نے اپنے رب کی طرف جانے کا رستہ پہچان لیا ہے۔ آج اس کارواں میں ایک نئے گروہ نے شمولیت اختیار کر لی ہے۔ یہ لوگ اجنبی ہیں اپنی سوچ میں' اپنی ضرورتوں میں' اپنی ترجیحات میں۔ یہ دنیا داروں سے یکتا اور منفرد ہیں۔ انھوں نے اُس دنیا کو اپنے پاؤں کی ٹھوکر پر رکھ دیا جس کی چوکھٹ پر کتنے ہی ''عقل مند'' فتنوں کا شکار ہو گئے' انھوں نے اس کی زینت کو چھوڑ دیا جس کی تلاش میں کتنے ہی ''دانا'' آگ کا ایندھن بن گئے۔

دل ان اجنبیوں کی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں

یہ اجنبی آج اپنے گھروں سے دور ہیں۔ خوشخبری ہے ان اجنبیوں کے لیے' نگاہیں ان کی عظمت اور مرتبے کو دیکھنے سے عاجز ہیں لیکن کبھی کبھی ان کی خدمت میں آنسوؤں کا نذرانہ پیش کرنے لگ جاتی ہیں۔ دل ان کی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں۔ سینوں میں اسی آخری گھر کی یادیں بسی رہتی ہیں جس کی خاطر وہ جان تک سے گزر گئے۔ یہ اجنبی بھی ہیں اور سعید بھی' اور اپنی اجنبیت اور سعادت پر شاداں و فرحاں ہیں۔ درہم و دینار کے بندے اور غمِ دنیا کے اسیر انھیں بار ہا دھتکار چکے ہیں مگر ان کی خودداری و غیرت کو کبھی کسی لالچ کا اسیر نہیں کیا جا سکا۔ انھوں نے جاہلیت کے تاریک صحرا میں اپنے لیے کرنوں کا راستہ تلاشا۔ اب ان میں سے ہر کوئی اپنی نذر پوری کرنے کا منتظر ہے۔ یہ موت کی تلاش میں اس طرح سرگرداں رہتے ہیں جس طرح دنیا والے دنیا کمانے کی حرص میں مادی چیزوں پر جھپٹتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے مصداق:

''......وہ اپنے گھوڑے پر سوار موت کو تلاشتا پھرتا ہے''۔ ((فوق صهوة جواده يبتغي الموت مظانه))

زندگی کا سفر برق رفتاری سے گزرتا چلا جا رہا ہے۔ خود اپنا جائزہ لیتا ہوں تو نظر آتا ہے کہ اپنی زندگی کی پینتالیس بہاریں پلک جھپکتے میں گزر گئیں۔ کاش ہم بھی اپنے پیش رو رفیقوں سے ملنے کی سعادت حاصل کر چکے ہوتے۔ یہ زندگی' یہ طویل اور کٹھن زندگی جو حوروں اور جنتوں کے دیدار میں رکاوٹ بن چکی ہے۔ بے شک بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں جنت میں جانے سے پہلے ہی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے وہ جنت میں ہوں۔ کسی نے ٹھیک ہی کہا ہے؛

إن في الدنيا جنة من لم يدخلها لا يدخل جنة الآخرة

"دنیا میں ایک جنت ہے جو اس میں داخل ہونے سے محروم رہا' وہ آخرت کی جنت میں داخل ہونے سے محروم رہے گا"۔

آپ کو تو کئی برس پہلے ہی کوہستانوں کی طرف کوچ کر جانا چاہیے تھا

جب تک میری رگوں میں خون کی گردش جاری رہے گی یہ تابندہ لمحے میری یادداشت میں ثبت رہیں گے' وہ اوّلین لمحے جب میں نے رابطہء عالم اسلامی کے صدر دروازے پر کھڑے اس نوجوان کو دیکھا۔ اس کے رگ و پے سے زندگی کی حرارت پھوٹتی دکھائی دے رہی تھی' وہ دو دکتوروں کے ساتھ بڑی گرم جوشی سے میری طرف استقبالی مصافحہ کرتے ہوئے آگے بڑھا۔ میں نے اس کی مسکراہٹ کا جواب دیتے ہوئے پوچھا: "آپ کی تعریف؟" جواباً انھوں نے اپنا تعلق ذری الا اور اس سے بتلایا۔ تبھی میں نے حیرت سے ان کی جسمانی صحت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "کتنا عرصہ آپ مزید... معرکوں سے دور' اللہ کی عطا کردہ توانائیوں کو بچا بچا کر رکھیں گے۔ آپ کو تو کئی برس پہلے ہی کوہستانوں کی طرف کوچ کر جانا چاہیے تھا"۔ وہ فوراً بولے: "میں تیار ہوں"۔ میں نے کہا: "تو کل سفر میں آپ میرے ساتھ ہوں گے"۔ کہنے لگے: "بس ذرا ٹھیریئے"۔ یہ کہہ کر وہ میرا بستہ اٹھائے گاڑی کی طرف بڑھے' گاڑی ہم دونوں کو اس قیام گاہ کی طرف لے گئی جہاں سے اگلے روز مجھے جدہ کے ہوائی اڈے پہ جا کر اسلام آباد کی پرواز پکڑنی تھی۔

اے اللہ! میری عمر بھی ان نوجوانوں کو لگا دیجیے

وہ میرا بستہ تیار کرتے ہوئے اپنا سامان اور کپڑے بھی میرے سامان میں رکھنے لگے تو میں نے انھیں منع کرتے ہوئے کہا: "اگر آپ اپنا سامان الگ بستے میں رکھ لیں تو زیادہ بہتر ہے کیونکہ میرا نہیں

خیال کہ آپ کل میرے ساتھ سفر کر پائیں گے"۔ انھوں نے مطمئن اور پر یقین لہجے میں جواب دیا: "نہیں... ان شاء اللہ کل میں ضرور آپ کے ساتھ سفر کروں گا"۔ میں نے کہا: "بہت سی رکاوٹیں حائل ہیں' ٹکٹ ویزا ابھی کچھ بھی تو تیار نہیں ہوا۔ آج کل ویسے بھی حج کی وجہ سے بہت اژدہام ہے"۔ کہنے لگے: "اللہ تعالیٰ سب کام آسان فرما دیں گے"۔ اور پھر سچ اللہ تعالیٰ نے سرکاری اہلکار کے دل میں ان کے لیے نرمی پیدا کر دی' ان کے تمام معاملات بآسانی انجام پا گئے اور اگلے روز مرزوق میرے ساتھ اسلام آباد کے ہوائی اڈے پر اتر رہے تھے۔ یہاں ہمارے استقبال کے لیے آئے ہوئے مجاہد بھائی نے جب مرزوق کو دیکھا تو گرم جوشی سے ان کی سمت بازو پھیلاتے ہوئے کہنے لگے: "اے اللہ میری عمر بھی ان نوجوانوں کو لگا دیجیے کہ یہ راہِ جہاد میں خدمات انجام دیتے رہیں"۔

مرزوق ایک مہینہ پشاور میں رہے۔ جوازِ سفر (پاسپورٹ) ابتدائی دنوں میں ہی کہیں کھو گیا مگر وہ ذرا نہ گھبرائے۔ ان کا دل شمال جانے کے لیے تڑپ رہا تھا' ہر لمحہ بس اسی کی تیاری رہتی۔

عبداللہ انس کی خوشی مرزوق کو دیکھ کر دیدنی ہو گئی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے آسمان سے کوئی ہدیہ ان کے لیے بھیج دیا گیا ہو۔ میں جب کبھی مجاہدین کے دفتر میں جاتا مرزوق کو جہادی قافلوں کی تیاری و ترسیل کے امور میں مصروف پاتا۔ عبداللہ انس مجاہدین کو اکٹھا کرنے کی دھن میں مگن رہتے۔ ان کا بس نہیں چلتا تھا کہ پورا پشاور اپنے ساتھ اکٹھا کر لاتے۔ میں انھیں کہتا: "اکٹھا کیے جاؤ' اکٹھا کیے جاؤ"... اور وہ مسکراتے ہوئے اپنے کام میں منہمک ہو جاتے۔

میں صرف آپ کی دید کے لیے آیا ہوں

مرزوق بالآخر خود بھی ایک جہادی قافلہ کے ساتھ تخار پہنچے اور نہرین کی فتح میں شریک ہوئے۔ مجھے ان کی طرف سے کئی خطوط موصول ہوئے۔ ہر خط ان کے آتشِ شوق کا غماز تھا' وہ ملاقات کے لیے بے چین تھے۔ ایک دفعہ کسی طرح وقت نکال کر میری طرف چلے آئے اور ملتے ہی کہنے لگے: "میں صرف آپ کی دید کے لیے آیا ہوں"۔

کچھ عرصہ وہ ہمارے ساتھ رہے۔ وہ کوشش کر رہے تھے کہ اپنے گم شدہ جوازِ سفر کی جگہ نیا بنا لیں مگر جنگ میں شمولیت کا جذبہ اور کوہستانِ تخار کی سمت واپسی کی سوچ احساسات اور جذبات پر حاوی

تھی اور بالآخر مرزوق واپس لوٹ گئے۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ مجاہدین کے دفتر میں ہونے والی ملاقات ان کے ساتھ آخری ملاقات ثابت ہوگی۔ دورانِ سفر ان کی گاڑی قلابازی کھا کر الٹ گری اور ان کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر کے اپنے مالکِ حقیقی سے جاملی۔ یہ حادثہ اعظم ورسک، جنوبی وزیرستان میں پیش آیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک ہے:

((مَنْ فَصَلَ فِي سَبِيلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ فَمَاتَ أَوْ قُتِلَ فَهُوَ شَهِيدٌ، أَوْ وَقَصَهُ فَرَسُهُ أَوْ بَعِيرُهُ، أَوْ لَدَغَتْهُ هَامَّةٌ، أَوْ مَاتَ عَلَى فِرَاشِهِ، أَوْ بِأَيِّ حَتْفٍ شَاءَ اللهُ فَإِنَّهُ شَهِيدٌ وَإِنَّ لَهُ الْجَنَّةَ)) (سنن أبي داؤد، كتاب الجهاد، باب فيمن مات غازياً)

"جو شخص اللہ کے راستے میں (جہاد کے لئے) نکل پڑا، پھر اس کی وفات ہوگئی یا وہ قتل کر دیا گیا تو وہ شہید ہے، یا اُسے اس کے گھوڑے یا اونٹ نے کچل دیا، یا کسی زہریلے جانور (سانپ بچھو وغیرہ) نے اسے کاٹ لیا، یا اپنے بستر پر اپنی موت مر گیا، یا کسی بھی اور طریقے سے، جو اللہ نے چاہا مر گیا، تو بلاشبہ وہ شخص شہید ہے اور اس کے لئے جنت ہے۔"

ان کی سواری بھی پھسل گئی اور ان کی روح اپنے ربّ کے پاس پہنچ گئی۔ ہمیں اللہ کی بارگاہ سے امید ہے کہ وہ شہادت کے مقامِ بلند پر فائز ہوں گے۔

وہ انسان کی صورت میں صفتِ سیماب تھے۔ احساسِ دروں انھیں مسلمانوں کی حالتِ زار پر بے چین رکھتا۔ وہ جنت کے سفر تک اہلِ کفر کو خاکستر کرنے کے لیے شعلۂ جوالا بنے رہے۔

مرزوق نے دورِ حاضر کے تمام مسلم مفکرین کی انقلابی تحریروں کا گہرا مطالعہ کر رکھا تھا۔ دعوت الی اللہ ان کا شعار تھا۔ وہ الجزائر یونیورسٹی کے ان طلبہ میں سے تھے جو التزامِ دین اور شجاعت کے بہترین نمونے اپنے پیچھے چھوڑ گئے۔ شہید کا خون اعظم ورسک کی مٹی کو لالہ زار بنا گیا لیکن اندھیری شب میں مجاہدین کا قافلہ آج بھی ان راہوں میں رواں ہے۔

ابوالحارث یمانی شہید

"قرآن مجید کی قراءت و تجوید اور تفسیر میں وہ ماہر تھے، سورہ توبہ میں پڑھے جانے والے درس کی عملی تفسیر انھوں نے پروان جا کر اپنے خون سے رقم کی"

خاموش طبع، بقدرِ ضرورت گفتگو کرنے کے عادی، مہذب، حیادار اور نیچی نگاہیں رکھنے والے ابوالحارث! میں نے کبھی انھیں مخاطب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گفتگو کرتے نہیں دیکھا۔ ان کی روشن جبیں کو شرم و حیا کی صفات نے حسن و جمال اور رعب و دبدبے کی عجب تابانی عطا کر رکھی تھی۔ بہتی آبشار جیسی آواز میں پرسوز تلاوت کرتے۔ پروان کے لیے رخصت کرتے ہوئے جب میں انھیں اور عبدالحمید کو الوداع کہہ رہا تھا تو میری آنکھیں نم تھیں۔

پروان میں اللہ کے شیروں کو قرآن حکیم کی تعلیم دینے کے لیے ان کا کردار ناقابلِ فراموش ہے۔ ان کے ساتھیوں کا کہنا ہے: "ہم نے ہر مشکل اور سخت مصیبت کے موقع پر بھی ان کو اسلامی اخلاق پر سختی سے جمے ہوئے پایا"۔ حقیقت میں اہلِ یمن کی مخصوص حلیمی طبع اور سکینت ان کے مزاج کا حصہ تھی، جسے جہادی ماحول نے مزید نکھار بخشا تھا۔ وہ چھے ماہ تک غوربند میں رہے، پھر مرزوق شہید کی گاڑی کے حادثے میں وہ بھی شہید ہو گئے۔ اک ضوفشاں چراغ تھا جو اچانک بجھ گیا، اک مہکتا گلاب تھا جو مرجھا گیا، گویا ایک خوبصورت خواب تھا جو ہمیں اپنے طلسم کا اسیر کر کے کہیں کھو گیا۔

ذبحان ان کی جائے ولادت تھا۔ صنعا کے گہوارۂ علمی نے ان کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کیا۔ یہی وہ ادارہ تھا جہاں سے ھشام دیلمی نے بھی تعلیمی مدارج طے کیے تھے۔ اپنے تعلیمی ادارے سے اخذ کیے گئے قرآن و سنت کے علم کی گہری چھاپ ان کی سیرت پر نقش تھی۔ اے شہیدو! تمھیں یہ سعادت مبارک ہو۔

احمد ابو غوش شہید

’’سیدھا راستہ رب کا یہی دین اور اسلام کا یہی عقیدہ ہے جو مردہ دلوں کو زندگی کی حرارت بخشتا ہے۔ یہ وہ راستہ ہے جس پر ہر زمانے میں انبیاء علیہم السلام‘ صدیقین اور شہداء گامزن رہے ہیں۔ یہ کاروان قیامت تک جادہ پیما رہے گا‘‘

یہ مسجد بھی اپنی نوعیت کی انوکھی اور منفرد مسجد ہے۔ مٹی سے بنی ہوئی اس مسجد کے ستونوں نے کتنے ہی شب زندہ داروں کو مصروفِ سجدہ دیکھا ہے‘ اس کی مٹی میں کتنے ہی شہیدوں کے آنسو جذب ہیں‘ جنت کے کتنے ہی شائقین نے یہاں آہِ سحر گاہی میں راتیں گزاریں‘ اس کی دیواروں کے سائے میں کتنے ہی اسود راعی تیار ہوئے‘ وہ مردانِ خود آگاہ جنھوں نے اپنے خون سے بہادری کی داستانیں رقم کیں اور اپنے نام تاریخ میں محفوظ کر چھوڑے۔ ہم نے اس مسجد کا نام سرزمینِ افغانستان کی جہادی تحریک کے پہلے شہید انجینئر حبیب الرحمان شہید کے نام پر مسجدِ شہید رکھ دیا‘ مگر حق تو یہ ہے کہ اب یہ مسجد ’’مسجد شہدا‘‘ کا روپ دھار چکی ہے۔

احمد کو میں نے پہلی مرتبہ صدہ کی اسی مسجد میں دیکھا۔ ایک خوش رو نوجوان‘ جس کے چہرے پر وضو کی چمک اور حیاء کے جلال نے اپنا نور جما رکھا تھا۔ انھوں نے مجھے بڑی تفصیل سے بتایا کہ یہاں آنے کے لیے انھیں کس قدر مشکلات اور رکاوٹوں کو انگیز کرنا پڑا۔ وہ زندگی‘ جس میں روح کی تشنگی دور کرنے کا‘ نفس کو صیقل کرنے کا اور دل کا تزکیہ کرنے کا کوئی سامان نہ تھا‘ اسے چھوڑنے کے لیے اپنوں نے کتنے روڑے اٹکائے! لوگ کیونکر دنیا کی لذتوں میں منہمک چوپایوں کی سی زندگی گزارتے ہوئے اپنے دن پورے کرتے چلے جا رہے ہیں۔ ان کے بے جان الفاظ ایمانی کیفیات سے خالی ہوتے ہیں۔ وہ دلوں کی دنیا میں جھانکنے کا جھنجھٹ پالنا گوارہ نہیں کرتے‘ نہ دلوں کو صیقل کرنے کا کوئی سامان ان کے پاس موجود ہوتا ہے‘‘۔

میں نے ابو غوش کو جب اس شوق اور وارفتگی سے گفتگو کرتے ہوئے دیکھا تو حیرت زدہ ہو گیا کہ

آخر اب تک ان کا چہرہ سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مزین ہونے سے محروم کیوں ہے؟ بعد ازاں انکشاف ہوا کہ ان کے چہرے پر داڑھی تھی مگر سفارت خانے نے انھیں ٹکٹ دینے سے انکار کر دیا اس لیے...!

نورستان کے برفانی پہاڑوں میں وہ سب مرتے مرتے بچے

وہ اپنے فیصلے کے پکے تھے۔ الیکٹرانکس انجینئرنگ میں تخصص حاصل کرنے کے بعد انھوں نے کچھ عرصہ اس شعبے میں ملازمت کی۔ پھر عمان میں مسجدِ شہید میں شیخ تمیم عدنانی سے جہاد کی اہمیت پر بیان سننے کے بعد دنیا کو دھتکار کے شہید ہونے کے لیے چلے آئے۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مصداق شہادت کی طمع میں اس تاج کے حصول کی فکر میں مگن ہو گئے‘ جس کا ایک ہیرا بھی دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

اپنے رفقائے سفر کے ساتھ احمد نے شلمان جانے کا ارادہ کیا‘ ان کا دل وہیں اٹکا ہوا تھا مگر اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ شدید برف باری نے راستے مسدود کر دیئے اور اہلِ قافلہ کو واپس لوٹنا پڑا۔ نورستان کے برفانی پہاڑوں میں وہ سب مرتے مرتے بچے‘ تاہم بعد میں وہ بخیریت ننگرہار پہنچ گئے۔ یہ وہ منطقہ ہے جہاں ہمارے کتنے ہی جگر گوشے فی سبیل اللہ قربان ہو گئے۔ شلمان میں پہلے سعد‘ عبدالوہاب غامدی اور اب احمد کو بھی اس زمین نے خوشی خوشی اپنی آغوش میں لے لیا۔

یوں تاریخ کا ایک اور ورق الٹ گیا اور وہ شیر جوان پلک جھپکنے میں ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ ہم اللہ سے دست بدعا ہیں کہ وہ ہمیں فردوس بریں میں اکٹھا کر دے۔ بے شک وہ دعاؤں کو سننے والا ہے اور مہربان ہے!

وصیت: یہ کارواں قیامت تک جادہ پیما رہے گا

ذیل میں شہید کی وصیت نقل کی جاتی ہے۔

تمام تعریفیں رب العالمین کو سزاوار ہیں جس نے اپنی کتاب میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ﴾ (الانفال: ۶۰)

’’اور ان سے لڑنے کے لئے جو کچھ قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے جمع کر سکو سو تیار رکھو‘‘۔

مزید ارشاد فرمایا:

﴿وَجَاهِدُوْا فِي اللهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ اجْتَبٰكُمْ﴾ (الحج :۷۸)

"اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے اُس نے تمہیں پسند کیا ہے"۔

درود و سلام ہو مجاہدین کے قائد اور متقین کے امام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ اما بعد! یہ میری وصیت ہے' احمد محمد ابو غوش شہید کی (ان شاء اللہ)۔ میں اپنی والدہ محترمہ' والد محترم' بھائیوں اور بہنوں کو اللہ تعالیٰ سے تقویٰ اختیار کرنے' اُس کی حرمتوں کا تحفظ کرنے اور اس کے احکام کی بجا آوری کی وصیت کرتا ہوں۔ میں سب سے پہلے اپنے لیے ربّ کی مغفرت اور رحمت کی دعا کا خواستگار ہوں۔ ساتھ ہی میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ میری جانب سے' آپ میں سے کسی کے ساتھ بھی زیادتی یا حق تلفی ہوئی ہو تو وہ مجھے معاف کر دے۔

محترم والدین اور پیارے بہن بھائیو!

یاد رکھیے کہ میں نے اپنے لیے جو راہ منتخب کی ہے یہ وہ راہ ہے جس کی پیروی کی ہدایت ہمیں ہمارے ربّ نے دی ہے رب کریم کا ارشاد ہے:

﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهِ﴾ (الانعام: ۱۵۳)

"اور بے شک یہی میرا سیدھا راستہ ہے سو اسی کا اتباع کرو اور دوسرے راستوں پر مت چلو وہ تمہیں اللہ کی راہ سے ہٹا دیں گے"۔

سیدھا راستہ' ربّ کا یہ دین اور یہی عقیدہ ہے جو مردہ دلوں کو زندگی کی حرارت بخشتا ہے۔ یہ وہ راستہ ہے جس پر ہر زمانے میں انبیاء' صدیقین اور شہداء گامزن رہے۔ یہ وہ کارواں ہے جو قیامت تک جادہ پیما رہے گا۔ اس راہ کو ہر دور میں قربانیاں درکار رہی ہیں۔ آزادی کی راہ خون کے دریا سے گزر کر آتی ہے۔ غلامی کا جوا اتار پھینکنے کے لیے کچھ جواں مردوں کی قربانی کوئی مہنگا سودا نہیں۔ اور یہ سودا اب ہمیں کرنا ہی ہے۔ بس راستہ یہی ہے۔ عزت و سربلندی کا راستہ۔ جہاد و شہادت کا راستہ!

آخر میں' میں سب سے اپنے لیے مغفرت اور رحمت کی دعا کا طلب گار ہوں۔ و سبحانک اللھم و بحمدک اشھد ان لا الہ الا انت استغفرک واتوب الیک۔

والسلام علیکم! اللہ کا عاجز بندہ' احمد ابو غوش ابو الجہاد ۲/۱۱/۱۹۸۷ء (۱۰ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ)

خالد علی شرجبی شہید

"اب یونیورسٹی کی چار دیواری میں زیادہ وقت گزارنا ان کے لیے محال ہو چکا تھا' یہاں کھانے کے آداب' تعدد ازدواج کی شرعی حیثیت اور اس قسم کے دیگر مسائل کے سوا کوئی دوسرا موضوع سننے کو نہ ملتا... چنانچہ انھوں نے یونیورسٹی کو خیر باد کہا اور ما سدہ کی طرف روانہ ہو گئے"

اللہ کے دین کی طرف دعوت دینا ایک اعزاز ہے' ایک سعادت ہے اور اس دعوت کو لے کر چلنے والے اہل علم کا مقام معاشرے میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ ایک سچا داعی اور عالم لوگوں کی نگاہوں کا مرکز اور ان کے دلوں کی دھڑکن ہوتا ہے' لوگ مشکل اُمور میں اُسی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اپنے دینی معاملات میں اسی کی رہنمائی کے متلاشی ہوتے ہیں۔

معاشروں کو علمائے دین کی ضرورت' کھانے پینے اور سامانِ زیست کی ضرورت سے بھی زیادہ ہے۔ ان کی اطاعت و فرماں برداری والدین کی اطاعت و فرماں برداری سے بھی اہم تر ہے' جیسا کہ امام احمدؒ نے بھی صراحت کی ہے۔ دین کی طرف دعوت دینے والے ہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے سمندر کی مچھلیاں اور زمین و آسمان کی تمام مخلوقات محوِ دعا رہتی ہیں۔ وہ انسانوں کے خیر خواہ اور محسن ہوتے ہیں۔ وہ لوگوں کی بھلائی کے کس حد تک حریص ہوتے ہیں اور لوگ ان کے ساتھ بُرا سلوک کرنے میں کس حد تک گزر جاتے ہیں!

قیامت کے روز جب اللہ کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ سات (طرح کے) لوگ ایسے ہیں کہ جنہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے سائے سے فیض یاب کریں گے' جس دن اللہ کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا' ان میں ایک نوجوان وہ بھی ہوگا جس نے اپنی جوانی اپنے رب کی عبادت میں

گزاری ہوگی اور ایک شخص وہ بھی ہوگا جس کا دل مسجدوں میں اٹکا رہتا تھا۔

جب میں محاذوں پر موجود نوجوان غازیوں کو دیکھتا ہوں تو میری نظروں میں یہی حدیث گھوم جاتی ہے۔ یہ وہ نوجوان ہیں جن کے دل مسجد میں اٹکے رہتے ہیں' جن کی نگاہیں باطل کی آلائشوں کو دیکھنے سے محفوظ رہتی ہیں' شر کے مقامات کی طرف جانے سے ان کے پاؤں رکے رہتے ہیں۔ دن کے روزہ دار اور شب زندہ دار نوجوان' قرآنِ پاک کے پاروں کو اپنے سینوں میں محفوظ کرنے والے اور اس کی تلاوت میں شب و روز مصروف۔ جنت سے متعلق آیات کی تلاوت پر وارفتگی و شوق سے گریہ زار اور جہنم سے متعلق آیات پڑھنے پر عذابِ جہنم کے خوف سے لرزاں و ترساں! اللہ کی قسم' یہ نوجوان اُس وقت جاگ رہے ہوتے ہیں جب پوری دنیا نیند کی چادر اوڑھے محوِ خواب ہوتی ہے۔ اُس وقت روزہ رکھتے ہیں' جب پوری قوم کھانے پینے میں مصروف ہوتی ہے۔ ان کے چہروں کے تاثرات اور آنکھوں کی روشنی سے یوں معلوم ہوتا ہے گویا پوری ملت کا غم ان کے سینے میں ہے۔ ان کی گفتگو ہمیشہ بقدرِ ضرورت ہوتی ہے۔

ابومحمد (خالد) کا شمار بھی ان خاموش جاں نثاروں میں ہوتا تھا۔ چہرے پر ہمیشہ دل آویز مسکراہٹ موجود رہتی۔ ان شخصیت ایسی تھی کہ وہ بغیر اجازت لیے' چپکے سے آپ کے خانۂ دل کے مہمان بن جاتے۔ وہ ایک قائد تھے' جب بھی انھیں اپنے ہمقدم ساتھیوں میں دل گرفتگی کے کوئی آثار نظر آتے وہ انھیں صبر کی تلقین کرنے لگ جاتے اور عزیمت و بہادری کی داستانیں ان کے سامنے بیان کرتے۔ نوجوانوں کی تربیت اور ان کو اپنے ربّ سے ملانے کا کام وہ بڑی خوبی سے رہے تھے۔

ابومحمد یمن کے علاقے تعز میں پیدا ہوئے۔ ان کی تعلیمی کارکردگی ہمیشہ ممتاز رہی۔ کالج سے فراغت کے بعد حکومت نے انھیں سعود یونیورسٹی' ریاض بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ یہاں وہ شعبۂ سائنس میں داخل ہوگئے۔ یہ وہ دور تھا جب جزیرۂ عرب کے نوجوان جوق در جوق مقتل کی طرف لپک رہے تھے۔ وہ سردیوں کی چھٹیوں میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ توپوں' ٹینکوں اور بارود کے شعلے اگلتی سرزمینِ کہسار پہنچے تو ان کا دل یہیں اٹک کر رہ گیا' یونیورسٹی واپس گئے مگر اپنا دل یہیں چھوڑ گئے۔

میں پہنچ گیا... میں پہنچ گیا!

عام افراد اور عزیمت کی داستانیں رقم کرنے والے مردانِ کار کی زندگیوں میں بڑا نمایاں فرق ہوتا

ہے۔ اب یونیورسٹی کی چاردیواری میں زیادہ وقت گزارنا ان کے لیے محال ہو چکا تھا۔ یہاں کھانے کے آداب' تعددِ ازدواج اور اس کی شرعی حیثیت اور اسی قسم کے دیگر مسائل کے سوا اور کوئی دوسرا موضوع سننے کو نہ ملتا تھا۔ نوجوانوں کا سارا وقت شادی کے لیے ماہانہ وظیفے جمع کرنے اور کیریئر کے حسین خواب دیکھنے میں صرف ہوتا۔ تاہم ابومحمد کی روح ان بلند و بالا عمارتوں اور مادیت کے ملبے تلے آ کر کچلنے سے محفوظ رہ گئی' یونیورسٹی کو خیرباد کہا اور ماسدہ روانہ ہوگئے' کچھ عرصہ انھوں نے جلیمن میں گزارا۔ اپنی خاموش طبعی اور اعلیٰ اخلاق کے حوالے سے وہ اپنے ساتھیوں میں ممتاز تھے' ساتھیوں کے لبوں پر ہر لمحہ ان کا نام رہتا۔ قرآن مجید ان کا حرزِ جاں اور تنہائی کا رفیق تھا۔ انھوں نے اپنی محبتوں سے ساتھیوں کے دل موہ لیے تھے۔ شہادت کی محبت میں انھوں نے جلیمن کو اپنی پہلی جائے قیام قرار دیا:

'اے زیست ہماری راہ سے ہٹ' ہم موت کی عزت کرتے ہیں'

آخر وہ گھڑی بھی آ ہی گئی جس کے انتظار میں ان کی زندگی کی ساعتیں صرف ہو رہی تھیں۔ فضا میں چھٹے والے میزائل نے ان سمیت دو نوجوانوں کو دنیا کی قید سے رہائی دلا دی۔ عدنان سعدالدین کے داماد دکتور ابو بشر لپک کر ان کی طرف بڑھے۔ انھوں نے ابومحمد یمنی کا سر اپنی گود میں رکھ لیا اور ان کو ابتدائی طبی امداد پہنچانے کی فکر کرنے لگے۔ فوری طور پر ان کا سانس بحال کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ ان کے پاؤں اور سینہ زخموں سے چھلنی ہو چکے تھے' کچھ دیر بعد گاڑی کا انتظام کر کے ہسپتال پہنچایا گیا۔ ان کے لب مسلسل اللہ کے ذکر میں ہل رہے تھے' لیکن کچھ دیر بعد غشی کی کیفیت طاری ہوگئی۔ یہ ۱۹ رمضان المبارک کی مبارک ساعت تھی۔ ابو بشر نے جب ان سے حال چال دریافت کیا تو وہ اسی غشی کی حالت میں کہنے لگے: "میں پہنچ گیا! میں پہنچ گیا!" اسی دم چار سُو دل خوش کن خوشبو پھیل گئی۔ ابو بشر کہتے ہیں: "مجھے احساس ہوگیا کہ ان کی روح اپنے خالق سے جا ملی ہے"۔

خلافتِ اسلامیہ کی کرنوں سے عالم کو ضویاب دیکھنے سے قبل ہی ہم سے منہ موڑ لیا

ابومحمد یمنی ہمیں داغِ مفارقت دے کر چلے گئے مگر نجانے کیوں میرے دل کی آنکھیں اب بھی انھیں چلتا پھرتا دیکھ رہی ہیں۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ اتنی جلدی موت کے کندھے پر سوار ہو جائیں گے۔ وہ جنھوں نے اپنی آنکھوں میں اسلام کے پھریرے لہرانے کے خواب سجا رکھے تھے۔

٢٣ برس کی چھوٹی سی عمر میں ان کے بالوں میں اکادکا چاندنی کے تار جھلملاتے نظر آتے' پیشانی پر گہری سنجیدگی کا عکس ہوتا' اور آنکھوں کی گہرائی مخاطب کو تول رہی ہوتی۔ مسکراہٹ کبھی بھی ان کے لبوں سے جُدا نہ دکھائی دی۔ ذہین وفطین' خوش خلق اور خوش اطوار۔ آنکھوں سے عزم کی کرنیں جھلملا رہی ہوتیں' سینے میں امیدوں کے چراغ روشن ہوتے اور دور دل کی گہرائیوں میں انقلاب کے جذبے انگڑائیاں لے رہے ہوتے۔ ان کی سیماب صفت شخصیت میں زندگی' حرارت اور تحریک کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ ایک مسجد سے دوسری مسجد تک درسِ قرآن کا سلسلہ آئے روز جاری رہتا۔ اپنے ہم عمر نوجوانوں میں قرآن سے تعلق کے جذبات ابھارتے۔ فوج میں ملازمت کے دوران ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔ وہ فوج کے جوانوں کے سامنے اپنے عقیدے پر مرمٹنے کی زندہ مثال تھے۔ اعلیٰ افسران تک ان کے گرویدہ تھے۔ انھوں نے انھیں فوجی اساتذہ پر نگران مقرر کردیا۔ ہر فرد ان کی طرف محبت واحترام اور عزت کی نگاہ سے دیکھتا۔ وہ اپنے عقائد میں پختہ' امیدوں میں بلند نظر تھے۔ مخاطب ان کی مدلل گفتگو کے سامنے ہیچ کر اپنا نقطہ نظر فراموش کردیتا۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ کمال مہارت سے مخاطب کے جذبات مجروح کرنے سے دامن بچالیتے۔ جس نشست میں بیٹھتے ساتھیوں کی توجہ اللہ کے ذکر' امتِ مسلمہ کے مسائل اور دنیا بھر کے مسلمانوں کو درپیش چیلنجوں کی طرف مبذول کرواتے۔ انھوں نے جدید دور کی پرآسائش زندگی کو دھتکار دیا۔ یہ زندگی جو کھوکھلے نعروں اور جھوٹے بیانات کے بوجھ میں سانس لیتی ہے۔ فوجی نوکری چھوڑ کر وہ سیدھے اللہ کی راہ میں برسرِ پیکار باصفا نوجوانوں سے آملے جن کے شب وروز جہاد کی مشقتوں میں بسر ہوتے ہیں۔

شہید کا سینہ اپنے ساتھیوں کے لیے بے پناہ محبت' بھائی چارے اور ایثار کے جذبات سے بھرا ہوا تھا۔ تعلیمی ریکارڈ ان کی ذہانت کا گواہ ہے۔ دنیا کی سند بھی انھوں نے اعلیٰ اعزاز سے حاصل کی لیکن اس سند کی ناپائیداری کے احساس نے ان کے دل میں شہادت کی تمنا جگادی۔ وہ ایک ایسی ڈگری کے متمنی تھے جو شہادت کی جاوداں زندگی کی طرح دائمی اور زندہ وجاوید رہے۔ جو ان کے عقیدے کی طرح بلند وبالا اور اعلیٰ وارفع ہو۔ یہ سند' یہ اعزاز' یہ منزلت شہادت کے مقامِ بلند کے سوا کہاں مل سکتی تھی' چنانچہ اس کی تلاش میں وہ افغانستان کی طرف چل دیے۔

اے زندہ وجاوید شہید! کل تک آپ ایک طالب علم تھے مگر آج راہِ اللہ میں قربانی اور جاں نثاری کی

مثال پیش کر کے آپ نے ہم سب کے معلم ہونے کا درجہ حاصل کر لیا۔ آپ نے ہمیں سمجھایا کہ مومن کی شہریت اس کا عقیدہ ہے' اس کا وطن سارا جہاں ہے' اور اس کا راستہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ آپ نے ہمیں سمجھایا کہ راہِ خدا میں جہاد زمین کی آلائشوں سے دامن جھاڑ کر عروج کے راستے کا انتخاب ہے' گوشت اور ہڈیوں سے بنے انسان میں اعلیٰ عقائد کے لیے مرمٹنے کا جذبہ پیدا کرنے کی کاوش ہے۔ اے زندہ وجاوید شہید! آپ نے فانی دنیا سے منہ موڑ کر دار البقاء کی طرف پرواز کر لی اور خلافتِ اسلامیہ کی کرنوں سے عالم کو ضویاب دیکھنے سے قبل ہی ہم سے منہ موڑ لیا۔

اللہ تعالیٰ شہادت کے لیے اسی کو منتخب کرتے ہیں جو...

آپ کی یاد میں بہتے ہمارے آنسو ہماری ہمتوں کو پسپا تو نہیں کر سکتے۔ آپ کے فراق میں آنے والوں کی تعزیت ہمیں راہِ جہاد میں مزید شہداء پیش کرنے کا حوصلہ بڑھا رہی ہے۔ شہادت کی آیت ہمارے رب کی نازل کردہ کتاب میں ہے' جس کی تلاوت ہمارے کان شب وروز سنتے ہیں:

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ (آل عمران ١٦٩، ١٧٠)

"اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے گئے ہیں انہیں مردے نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے ہاں سے رزق دیے جاتے ہیں' وہ خوش ہیں اُس چیز سے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں عطا فرمائی اور جو لوگ اُن کے پیچھے رہ گئے ہیں اور (شہید ہو کر) اُن کے پاس نہیں پہنچے' اُن کی بھی اس حالت پر وہ خوش ہوتے ہیں کہ اُن کو بھی نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غم ناک ہوں گے"۔

پس یہ رس گھولتی آواز کانوں میں پڑتے ہی سارے غم ہوا ہو جاتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ لوگ ہر روز مرتے ہیں' مگر موت کی اس وادی سے شہداء کا کوئی گزر نہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ شہادت کے لیے صرف اسی کو منتخب کرتے ہیں جو دنیا کو اپنے بدن کی حدود سے باہر دھتکار دیتا ہے۔

ابو محمد! آپ کو شہادت مبارک ہو اور ان سب کو بھی جو آپ سے پہلے اس راستے سے گزرے۔ آپ قہر بن کر کفار پر ٹوٹے' سرزمینِ جہاد کی تشنگی آپ کے پاکیزہ لہو سے دُور ہوگئی۔ روزِ قیامت کا یہ اعزاز آپ کو مبارک ہو جس دن شہداء اس حال میں اٹھائے جائیں گے کہ ان کے لہو کا رنگ تو لہو جیسا ہوگا مگر خوشبو مِسک جیسی۔ آپ نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا۔ آپ ارضِ افغانستان میں خلافتِ راشدہ کے خواب کی تعبیر دیکھنے کے خواہش مند تھے' آپ کو مبارک ہو۔ کامیابی کی بشارتیں' افق سے سربلند ہوتی نظر آ رہی ہیں۔ آپ نے اپنے پاک لہو سے اس درخت کو سینچا۔ بے شک عزت و سربلندی کے متلاشیوں کو یہی راستہ سزاوار ہے۔

ہم دست بدعا ہیں کہ جہاد کی نصرت کرنے والے تمام شہداء کی شہادت کو بارگاہِ ایزدی میں قبولیت مل جائے' اُن شہداء کو' جنھوں نے افغانستان کی چوٹیوں پر اپنے خون سے یہ بات لکھ دی کہ اللہ کی راہ میں موت سے بڑھ کر کسی شے کی لذت نہیں۔

محمد عبدالحمید شحادہ شہید

"وہ سارا راستہ میں نے اسی طرح رینگتے اور گرتے پڑتے طے کیا۔ آخر کار میں ایک گڈریے کے پاس جا پہنچا۔ اس نے مجھے قندھاری سمجھا' اور عمامے کے بغیر مجھے دیکھ کر اپنی حیرت کا اظہار کرتے ہوئے اپنا عمامہ مجھے پہنا دیا"

ہم اللہ کی قدرت و عظمت' نعمت و احسان پر حیران و انگشت بدنداں ہیں۔ خصوصاً ان افراد کے بارے میں جو سر سے پاؤں تک دنیا کی آسائشوں میں ڈوب چکے تھے۔ دنیا کی جس نعمت' جس آسائش کا تصور کیا جاسکتا ہے' وہ ان کے گھر کی باندی تھی۔ یکا یک ان کی زندگیوں میں ایک انوکھی تبدیلی آ گئی۔ جہاد کی محبت نے ان کے شب و روز بدل کر رکھ دیے۔ وہ ایک نئے رنگ میں ڈھل گئے۔ کردار کے غازی' پاک دل و پاک باز جوان ایک انوکھی شان کے حامل بنتے چلے گئے۔ انھی میں عبدالحمید بحرینی اور حذیفہ مدنی کا شمار بھی ہوتا ہے۔ حذیفہ مدنی کے ساتھ ابو طارق فلسطینی اور ابو حسین سُوری بھی جان گنوا کر حیاتِ جاوداں پا گئے۔

حذیفہ کی پیدائش ینبع میں ہوئی۔ بعد ازاں ان کے والد نے مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کر لی۔ زمین کا کون سا گوشہ تھا جہاں جہازوں کی اُڑانیں ان کو لے کر نہ گئی ہوں۔ لیکن عیش و تنعم کی زندگی گزارتے ہوئے بھی انھیں احساس تھا کہ زندگی بے مقصد اور بے مصرف گزرتی چلی جا رہی ہے۔ آخر وقت کا پہیا انھیں یورپ لے گیا۔ وہیں انھوں نے ایک یورپ زادی سے شادی رچالی۔ مگر کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ انھیں اپنے اس فیصلے پر پشیمانی ہونے لگی' انھوں نے اسے طلاق دے ڈالی۔ اسی اثناء میں انھیں جہادِ افغانستان کی بازگشت سنائی دی۔ دل میں جذبہء ایمانی نے جوش مارا اور وہ سیدھے قندھار چلے آئے۔

جب کہ بھیڑ کی بھی اپنی قیمت تھی!

مجھے ابو ثابت نے بتایا "ہمارا قافلہ ایک کٹھن سفر سے گزرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ لگتا تھا کہ موت اپنے بازو پھیلائے کھڑی ہے۔ کتنے ہی جسم تھے جو اس عفریت کی خوراک بن چکے تھے۔ کتنوں کا خون تھا جو اس ریت میں بہہ چکا تھا' کتنوں کی ہڈیاں مٹی میں دفن ہو چکی تھیں' ایک دہشت انگیز سماں تھا' دلوں کی دھڑکنیں تک سنی جا سکتی تھیں' سانس ساکت تھے۔ ٹینکوں' توپوں کی گولہ باری جاری تھی جس کا مقابلہ وہ پاک نفوس کر رہے تھے جو اپنی جانوں کو اللہ کے ہاں رہن رکھوا چکے تھے۔ وہ اپنی جانوں کو داؤ پر لگائے موت سے کھیل رہے تھے۔

روسی طیارے جگہ جگہ قافلوں اور لوگوں کی حرکت پر نظریں جمائے اڑ رہے تھے۔ یہ راستہ تین دن کی مسافت کا تھا۔ چلتے چلتے چہروں کے رنگ تک بدل گئے تھے۔ حذیفہ نے شہادت کا وقت قریب آنے کے متعلق اپنے داخلی احساسات بتائے۔ انھوں نے اپنے فوت شدہ بھائی کو خواب میں دیکھا جو انھیں اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ تیسری رات وہ قندھار کے ہوائی اڈے سے ۸ گھنٹے کی مسافت پر موجود تھے۔ ان کا قافلہ موت کے سائے میں آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ حذیفہ کا ہاتھ ابو ثابت نے تھام رکھا تھا۔ اچانک بندوقوں اور توپوں کے دہانے ان کی سمت کھل گئے۔ غازیوں کے اس دستے پر دونوں اطراف سے جدید ترین اسلحے کے ساتھ زوردار حملہ شروع تھا۔

ابو ثابت کہتے ہیں' توپ کا ایک گولہ ہمارے درمیان گرا اور ہمیں زخمی کر گیا۔ حذیفہ کے زخم بہت گہرے اور کاری تھے۔ وہ زمین پر گرے اور ان کی سانسیں اکھڑنے لگی۔ میں نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالا اور پیٹ کے بل رینگتا ہوا پتھر کی اوٹ میں ہو لیا۔ باقی سارا راستہ بھی میں نے اسی طرح رینگتے اور گرتے پڑتے طے کیا۔ آخر کار میں ایک گڈریے کے پاس جا پہنچا۔ اس نے مجھے قندھاری سمجھا' اور عمامے کے بغیر مجھے دیکھ کر اپنی حیرت کا اظہار کرتے ہوئے اپنا عمامہ مجھے پہنا دیا (افغانوں کے عرف میں برہنہ سر رہنا معیوب بات ہے)' پھر وہ مجھے اپنے گھر لے گیا۔

گھر پہنچ کر جب گڈریے کو یہ معلوم ہوا کہ میں عرب ہوں تو اس نے فوراً مہمان نوازی کے لیے ایک بھیڑ ذبح کر ڈالی۔ وہ چاہتا تو مجھے کمیونسٹوں کے سپرد کر کے لاکھوں' کروڑوں روپے کما سکتا تھا مگر اس کے نزدیک مہمان نوازی سب سے بڑا فریضہ تھی۔ فریضے کی ادائیگی کا جذبہ اہلِ قندھار میں کوٹ کوٹ کر بھرا

ہوا تھا۔ جب کہ بھیڑ کی بھی اپنی قیمت تھی جو اس غریب نے فی سبیل اللہ قربان کر دی۔

قندھار کے دروازے پر جاہلیت کا لباس اتار

ہم ہوائی اڈے کے قریب ہی تھے۔ کچھ ساتھی اپنے رب سے جا ملے تھے۔ اب ہم اپنے بقیہ عرب بھائیوں کو تلاش کرنے لگے۔ حذیفہ' ابو طارق فلسطینی اور ابو حسین سُوری... میں ان سب کا انجام جاننے کے لیے بے چین تھا اور انھیں دیکھنے کے لیے تڑپ رہا تھا۔ آخر ایک جگہ ہمیں ان تینوں کی نعشیں نظر آئیں۔ تین دن گزرنے کے باوجود حذیفہ شہید کا خون جما نہیں تھا' نہ ان سب کے جسموں میں کوئی اور تبدیلی رونما ہوئی تھی۔ جب کہ مردہ روسیوں کے چہرے کالے پڑ چکے تھے' جسم پھول چکے تھے اور ان کے ناک اور منہ سے جھاگ نکل رہی تھی۔

یوں محمد عبدالحمید (حذیفہ مدنی) میدانِ جہاد میں تین ماہ تک جولانیاں دکھانے کے بعد اپنے رب سے جا ملے۔ ہم اپنے رب سے دعا کرتے ہیں کہ یہی قلیل مدت ان کی شہادت کی قبولیت کی دلیل بن جائے کہ حضرت ابو ہریرہ ؓ کے بقول صحابیِ رسول عمرو بن ثابت بن اقیش رضی اللہ عنہ نے ایک نماز بھی نہیں پڑھی اور جنت میں داخل ہو گئے۔

قندھار کے دروازے پر ہی محمد عبدالحمید نے اپنا جاہلیت کا لباس اتار پھینکا اور اپنی شخصیت کو اخلاقِ اسلامیہ کے زیور سے آراستہ کر لیا۔ اور یوں ایثار و شجاعت کی ایک سنہری داستان اپنے پیچھے چھوڑ گئے۔

ابو طارق فلسطینی شہید

"وہ بخوبی جانتے تھے کہ تیاری اور استعداد کے بغیر اقصیٰ کی طرف رختِ سفر باندھنا بے معنی ہے"

میں نے پہلے پہل انھیں دیکھا تو ان کی آنکھوں میں عزم ویقین کی روشنی پھوٹتی نظر آئی۔ کچھ ہی عرصہ بعد وہ قندھار چلے گئے' واپس آئے تو مجاہدین کے لیے امداد طلب کر رہے تھے۔

اس جوان کے آباواجداد غزہ سے تعلق رکھتے تھے۔ خود اس نے جدہ کی ساحلی ہواؤں میں آنکھ کھولی اور یہیں جوان ہوا' مگر اس کا دل اقصیٰ کی یادوں میں ہی اٹکا رہتا۔ وہ بخوبی جانتا تھا کہ تیاری اور استعداد کے بغیر اقصیٰ کی طرف رخت سفر باندھنا بے معنی ہے۔ وہ زبانی گفتگوؤں اور خطابت کے خالی جوہر دکھانے والوں سے نالاں رہتا۔ وہ عمل کی دنیا کا شہسوار تھا اور عمل ہی سے اپنے جذبوں کی سچائی ثابت کرنے پر یقین رکھتا تھا۔ سولہ شعبان ۱۴۰۸ھ کو حذیفہ اور ابوحسین سُوری کے ساتھ اپنے دفتر میں مجھے اس نوجوان کے ساتھ چند لمحوں کی الوداعی ملاقات کا شرف نصیب ہوا۔

اے ابو طارق! اگر ہمیں غزہ کی دوشیزاؤں کے غم واندوہ کی فکر نہ ہوتی تو ہم تمہاری نعش کو یونہی پڑا چھوڑ دیتے تاکہ قیامت میں اللہ کے اذن سے درندوں اور پرندوں کے پوٹوں سے تمہارے حصے بکھرے جمع ہوتے۔

ابوالحسین السُّوری شہید

"وہ چھوٹوں اور بڑوں کے درمیان یکساں مقبول اور محبوب تھے۔ ان کا سنجیدہ چہرہ ہمیشہ کسی گہری سوچ کا غماز ہوتا۔ نماز باجماعت کی ادائیگی میں کبھی سستی نہ برتتے"

ان کا اصلی نام عبدالفتاح محمد عبدالرحیم سُوری تھا۔ اصلی وطن سُوریہ (شام) تھا۔ مگر کئی برسوں سے ان کے اہلِ خاندان جدہ میں رہائش پذیر تھے۔ کالج کی تعلیم کی تکمیل کے بعد انھوں نے یہیں جامعہ میں داخلہ لیا۔ تعلیم وتدریس کے دوسرے ہی سال کوہِ ہندوکش سے اٹھتی مسلمان بیٹیوں کی چیخیں' مظلوموں کی آہ وبکا اور معصوم بچوں کی فریاد نے انھیں بے چین کر کے رکھ دیا۔ انھیں گوارا نہ ہوا کہ وہ ٹھنڈے الفاظ اپنے قلب وذہن پر نقل کرتے چلے جائیں اور پھر اس کے بعد خود بھی دو ہزار ریال کے عوض دوسروں کے قلب وذہن پر انھیں منتقل کرنے کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے معلمی کا لبادہ اپنے تن پر سجالیں۔ ان کے شب وروز ایک عجیب بے چینی میں بسر ہو رہے تھے۔ یہ بے چینی آہستہ آہستہ کفار سے انتقام لینے کی آرزو میں ڈھل گئی۔

وہ چھوٹوں اور بڑوں کے درمیان یکساں مقبول اور محبوب تھے۔ ان کا سنجیدہ چہرہ ہمیشہ کسی گہری سوچ کا غماز ہوتا۔ نماز باجماعت کی ادائیگی میں کبھی سستی نہ برتتے۔ بالآخر ایک دن قسمت نے ان کے لیے قندھار کے مقتل سے ابدی جنتوں تک کا سفر طے کرا دیا۔ اپنے سفرِ شوق پہ نکلے تو پہلے حذیفہ اور ابو طارق کے ساتھ صدہ پہنچے اور پھر رب کی رحمت نے ان کے لئے بھی اپنے بازو پھیلا دیئے۔

کویت میں مجھے ان کی اور تین دیگر بھائیوں کی شہادت کی اطلاع ایک ساتھ سننے کو ملی۔ دل ایک طرف ان کی خوبیِ قسمت پر رشک کی کیفیت میں مبتلا تھے اور دوسری طرف ان کی مفارقت کے خیال سے غمگین بھی۔

عبدالحمید عبداللہ بحرینی شہید

''ہم دونوں چھٹیاں گزارنے کے لیے بحرین کی گرم ہواؤں سے دور' کسی دلفریب اور پرفضا مقام پر گھنے سرسبز درختوں اور ٹھنڈی چھاؤں کی تلاش میں تھے۔ اسی دوران ایک جہادی مجلے نے ہمارے ارادوں کو ایک نئی دنیا دکھادی''

عبدالحمید کی شہادت کی خبر ابراہیم کے دل پر بجلی بن کر گری۔ نرم دل اور دھیمے مزاج والے اس بھائی کے لیے اپنے جگری دوست کی یک لخت جدائی بہت گراں تھی۔ اب ان کی ملاقات صرف اور صرف اُس ایک جہان میں متوقع ہے' وہاں جہاں سونے کے جڑاؤ تختوں پر اہلِ ایمان' بھائی بھائی بن کر ایک دوسرے کے مقابل بیٹھیں گے۔

ہم کمیونسٹوں کے خلاف جہاد کے لیے' خود انھیں کے سفارت خانے میں پہنچ گئے

ابراہیم ابھی تک اس دل گداز خبر کے اثرات سے نکلنے کی کوششوں میں تھے' شہید کے ساتھ گزرے ہوئے لمحات کی یادیں تازہ کرتے ہوئے کہنے لگے:

''ہم دونوں چھٹیاں گزارنے کے لیے بحرین کی گرم ہواؤں سے دور کسی دلفریب اور پرفضا مقام پر' گھنے سرسبز درختوں اور ٹھنڈی چھاؤں کی تلاش میں تھے۔ اسی دوران ایک جہادی مجلے نے ہمارے ارادوں کو ایک نئی دنیا دکھادی۔ سرزمینِ جہاد کی خبریں اور مجاہدین کی فتح ونصرت کے واقعات ہمارے طرزِ فکر' سوچ اور رائے پر اثر انداز ہونے لگے۔ یہاں کی باتیں ہمارے دلوں میں ہلچل مچانے لگیں' رفتہ رفتہ یہ ہلچل ایک پختہ عزم اور مضبوط ارادے میں ڈھل گئی''۔

''چنانچہ ایک دن ہم اسلام آباد میں موجود کمیونسٹوں کے (افغان) سفارت خانے میں پہنچ گئے۔ ہم نے سفارت خانے کے کارپردازوں سے' کابل جانے کے لیے' ویزے کے حصول سے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہیں۔ انھوں نے ہم سے وہاں جانے کی وجہ دریافت کی۔ ہم نے جواب دیا'' ہم وہاں

مجاہدین کے ساتھ مل کر جہاد کرنے کے خواہش مند ہیں''۔ سفارت خانے کے اہل کار ایک دوسرے کی سمت دیکھ کر مسکرانے لگے۔ اب ہمیں اپنی نادانی کا احساس ہوا' انھیں بحرین سے ہمارے تعلق کا علم ہو گیا' بس ہم چپکے سے وہاں سے نکل آئے۔

اللہ کا صد شکر کہ مجاہدین کا مرکز وہاں سے کافی قریب تھا۔ انھوں نے ہمیں پشاور بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ پشاور سے ہوتے ہوئے ہم آگ اور خون کے اس دریا کے کنارے پہنچ ہی گئے۔ یہ وہ سرزمین تھی جہاں موت ہر منزل پر پہرہ دیے بیٹھی تھی۔ ہمارا قریب ترین مقام لوگر تھا۔ یہاں مجاہدین کی محترم اور ہردلعزیز شخصیت ڈاکٹر ولی ہمارے استقبال کے لیے موجود تھے''۔

کتنے اچھے تھے وہ دن!

''خیر دار (لوگر) میں ہم لوگ دکتور ولی کے گھر میں ٹھیرے۔ یہاں ڈاکٹر صاحب کی صورت میں ہمیں انتہائی شفیق اور محبوب دوست کی معیت نصیب ہوئی۔ لوگر کے سبزہ زاروں کے درمیان' ہمیں زندگی کا ایک نیا لطف ہاتھ آیا۔ منبر ومحراب پر گونجتے الفاظ' ہمیں بے وزن دکھائی دینے لگے۔ دکتور ولی اور ان کے نوجوان ساتھی الفاظ کے داؤ پیچ میں الجھانے والے لوگوں سے یکسر مختلف نوعیت کے انسان تھے۔ یہ کردار کے وہ غازی تھے' جنھوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے امت کے تنِ مردہ میں زندگی کی روح پھونکی۔ اپنے خون سے تاریخ کے صفحات کو زیب وزینت بخشی اور اپنی ہڈیوں سے امت کی سربلندی کی عمارت کھڑی کی۔ وہاں گزرے تمام شب وروز نوجوانی کے سپنوں اور شاعری کے آہنگ کی طرح حسین ودلکش تھے' مگر وہ پلک جھپکنے میں گزر گئے۔ ہماری خواہش تھی کہ یہ گھڑیاں ابدی ساعتوں میں تبدیل ہو جائیں مگر اے بسا آرزو کہ خاک شد۔

کچھ ہی دن گزرے تھے کہ دشمن کی فوجیں اپنی فضائی اور بڑی طاقت کے ساتھ حملہ آور ہوئیں۔ جنگ کی چکی کے دونوں پاٹ گردش میں آئے۔ عبدالوہاب غامدی شہید' ابوالعز سوری اور یعقوب ہمارے ہمراہ تھے۔ اب دکتور ولی کو ہماری حفاظت کی فکر دامن گیر ہوئی۔ وہ ہمیں بچانے کے خیال سے باہر نکلے۔ خطرناک جنگ شروع تھی اور کچھ ہی لمحات بعد ہمارا محبوب قائد ہمیں چھوڑ کر حیاتِ ابدی کی سمت سفر کر گیا۔ اور یوں مجاہدین ان شفقت بھری آنکھوں سے محروم ہو گئے۔ ایک گولی عبدالحمید کے ہاتھ کو زخمی کر گئی۔

یعقوب بھی زخموں سے چُور ہو گئے۔ ہم عبدالحمید کو علاج کی غرض سے افغان سرجیکل ہسپتال (پشاور) لے آئے۔ پاکستانی ہسپتالوں میں ان کا علاج کامیاب نہ ہو سکا۔ بالآخر کچھ مخیّر حضرات کے تعاون سے انھیں بغرض علاج بیرونِ ملک بھجوا دیا گیا۔

ادھر قندھار کی طرف ایک بار پھر جنگ کے تند و تیز شعلے بھڑکنے لگے۔ خبر پھیلی تو مجاہدین کے قافلے جوق در جوق محاذِ شوق کی سمت روانہ ہونے لگے۔ اس ذوقِ جوانمردی نے ان مجاہدین کے ہاتھوں دشمن سے صرف سوگز کے فاصلے پر سے عجب کرشمے دکھلائے۔ حافظ ابن قیم کے الفاظ میں:

"تلمح القوم الوجود ففهموا المقصود فأجمعوا الرحيل وشمروا للسير في سواء السبيل، فالناس مشتغلون بالفضلات وهم في قطع الفلوات وعصافير الهوىٰ في وثاق الشبكة ينتظرون الذبح"

"یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے زندگی کے ہدف سے شناسائی حاصل کر لی۔ پس رختِ سفر باندھ لیا۔ جب لوگ گھٹیا لذتوں میں گم ہو بیٹھے تھے، اس وقت یہ متاعِ قلب و جگر لے کر میدان میں جا اُترے۔ انھوں نے حرص و ہوس کے پرندوں کو شکار کر کے ذبح کر لیا"۔

الغرض عبداللہ نے قندھار کے مجاہدین کے ساتھ ہر جنگ میں سرگرم حصہ لیا۔ ہر لمحہ شہادت ہی ان کا مقصود رہی"۔

اہلِ قندھار میں بعض ایسی خصوصی صفات ہیں جو...

"وہیں ہماری ملاقات جانان نامی قائد سے ہوئی۔ یہ چھبیس سالہ نوجوان، جس کے چہرے پر شرم و حیا کا جلال رنگ جمائے ہوتے تھا، اس کے سینے میں بجلیاں بھری ہوئی تھیں لیکن حیا اور ادب کے باعث دورانِ گفتگو نظریں زمین پر گڑی رہتیں۔

عبدالحمید نے اپنے قائد جانان کے ساتھ مل کر بہت سی کامیاب کارروائیاں کیں۔ جانان اور اہلِ قندھار کے ساتھ عبدالحمید کا رشتہ بھی تھا۔ اہلِ قندھار میں بعض ایسی خصوصی صفات ہیں جو انھیں دیگر افغانوں سے ممیز کرتی ہیں۔ بہادری، جود و سخا، حیاء و بردباری، صبر و ہمت ان کے لئے فطرتِ ثانیہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ قندھار کی عورتوں کی غیرت و حمیت کے قصے زبان زدِ خاص و عام ہیں، اور اس معاملے

میں "دین دار" اور "بے دین" برابر ہی ہیں! چنانچہ ظاہر شاہ نے جب قندھار کی عورتوں کو چہرے کا نقاب ہٹانے کا 'فرمانِ شاہی' جاری کیا تو انھوں نے صاف انکار کر دیا اور وہ سب متفقہ طور پر بادشاہ کے فیصلے کے خلاف ڈٹ گئیں۔ ظاہر شاہ اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔ لیکن سبکی سے بچنے کے لئے اس نے اپنا حکم بزور نافذ کرنے کی ٹھانی۔ خان محمد کی سرکردگی میں فوجیوں کی بڑی تعداد بھیج کر جب جبراً شاہی فرمان نافذ کرنے کی کوشش کی گئی تو اہلِ قندھار اور طاغوتی اہل کاروں کے مابین زوردار معرکہ ہوا، جس کے نتیجے میں ہزارہا افراد جان سے گزر گئے اور بادشاہ کو ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑا۔ یاد رہے کہ قندھار کے لوگ "پشتون" نسل سے ہونے کی وجہ سے اپنی بہادری، شجاعت اور کھرے پن میں مشہور ہیں۔

قندھار میں غازیوں نے انتہائی بے جگری سے دشمن کے خلاف معرکے لڑے۔ ہمارے ایک ساتھی نے بتایا: "ہم پر ایک پورا ماہ اس طرح گزرا کہ روزانہ کوئی نہ کوئی کارروائی ہوتی اور ہم صبح سے شام تک برسرِ جنگ رہتے۔ ایک مرتبہ دشمن نے دھماکہ خیز مواد سے بھری ہوئی گاڑیاں کابل بھجوائیں۔ ہم نے وہ ساری گاڑیاں راستے ہی میں تباہ کر دیں"۔ عالمی اعلام اور خبر رساں اداروں نے اس خبر کو خوب اچھالا۔

آخر وہ دن آیا جب عبدالحمید اور جانان نے اسی طرح کی ایک اور کارروائی کا فیصلہ کیا لیکن اس مرتبہ ایک غلطی کے باعث دھماکہ خیز مواد قبل از وقت ہی پھٹ گیا۔ شہداء کے جسموں کے ٹکڑے ہر طرف پھیل گئے، مجاہدین ان بکھرے ٹکڑوں کو جمع کرنے لگے۔ یوں عبدالحمید شہید اور جانان شہید بھی خیبر کے شہسوار عامر بن الاکوع سے جا ملے جن کی اپنی تلوار پلٹ کر ان کے جسم کو چیر گئی تھی، جس سے ان کی موت واقع ہو گئی۔ اس موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: "عامر دوہرے اجر کے مستحق ٹھیرے"۔

اللہ کی زمین کے اوپر اور آسمان کے تلے سب سے بہترین کام

"عبدالحمید چلے گئے لیکن اپنے پیچھے ایک زندہ مثال چھوڑ گئے! ان لوگوں کے لئے جو چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے لئے توبہ کے دروازے کھول دیں، جو جاہلیت کی زندگی سے منہ موڑ کر جہاد فی سبیل اللہ کے راستے اعلیٰ مرتبوں تک پہنچنا چاہتے ہیں۔ پس سلامتی ہو عبدالحمید ایسے سرفروشوں پر۔ خدا ان کی شہادت کو قبول فرمائیں، انھیں اعلیٰ علیین میں بلند رتبہ عطا فرمائیں اور نیک لوگوں کے ساتھ ملا دیں"۔

ابراہیم کی یادوں کی شریط یہاں آ کر رک گئی۔ انھیں اس دن کی یاد آئی جب یہ دونوں دوست اسلام

آباد میں پہلی مرتبہ کیمونسٹوں کے خلاف لڑنے کے لئے خود انھیں کے سفارت خانے میں جا پہنچے تھے۔ پھر انھیں وہ دن بھی یاد آیا جب مجاہد سرفراز نے ان سے چند دعوتی کتابوں سے متعلق استفسار کیا تھا۔ تب ابراہیم نے انھیں بتایا تھا کہ انھیں یہ کتابیں بحرین یونیورسٹی میں پڑھائی جاتی رہی ہیں۔ انھیں وہ ساری مسافتیں، وہ ساری مشقتیں رہ رہ کر یاد آ رہی تھیں جو لوگر میں دکتور ولی نے ان کے ساتھ کاٹی تھیں۔ انھی آزمائشوں نے انھیں راہِ جہاد کا غیر مشروط مسافر بنا دیا اور ان کے دلوں میں اُس کام کے لئے اپنا تن، من، دھن لگانے کا حوصلہ پیدا کر دیا تھا، جو بلاشبہ اللہ کی اس زمین کے اوپر اور آسمان کے تلے انجام دیے جانے والے کاموں میں سے سب سے بہترین کام ہے۔

عبدالرحمٰن مصری شہید

''محاذ کی محبت ان کی رگ رگ میں سما گئی تھی، دل اس کی لمحہ بھر جدائی بھی گوارا نہ کرتا تھا۔ پشاور جو پیچھے رہ جانے والوں کی پناہ گاہ تھا، ان کے لیے وحشت گاہ تھا۔ وہ ان جگہوں سے دور بھاگتے تھے، جہاں زندگی محض زبانی کلامی بحثوں، آسودہ شب و روز اور سیاسی نکتہ آفرینیوں سے عبارت ہے، جہاں لوگ مجاہدین کے مراتب اور مقام پر تبصرے اللہ کی کتاب کے بجائے اپنی ذہنی اختراعات اور سطح کے مطابق کرتے ہیں''

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ راوی ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((تَعِسَ عَبْدُ الدِّينَارِ وَ عَبْدُ الدِّرْهَمِ وَ عَبْدُ الْخَمِيصَةِ، اِنْ اُعْطِيَ رَضِيَ وَ اِنْ لَّمْ يُعْطَ سَخِطَ، تَعِسَ وَانْتَكَسَ، وَ اِذَا شِيْكَ فَلَا انْتَقَشَ، طُوْبٰى لِعَبْدٍ اٰخِذٍ بِعِنَانِ فَرَسِهٖ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَشْعَثَ رَاْسُهٗ، مُغْبَرَّةٍ قَدَمَاهُ، اِنْ كَانَ فِي الْحِرَاسَةِ كَانَ فِي الْحِرَاسَةِ، وَاِنْ كَانَ فِي السَّاقَةِ كَانَ فِي السَّاقَةِ، اِنِ اسْتَاْذَنَ لَمْ يُؤْذَنْ لَهٗ وَ اِنْ شَفَعَ لَمْ يُشَفَّعْ)) (بخاري كتاب الجهاد، باب الحراسة في الغزو في سبيل الله)

''تباہ ہو جائے دینار کا بندہ اور درہم کا بندہ، اور کمبل (چادر) کا بندہ۔ اگر اُسے دیا جائے تو خوش اور نہ دیا جائے تو غصے! تباہ ہو جائے اور منہ کے بل گرے! اور اگر اسے کانٹا چبھے تو (اللہ کرے کہ) نہ نکلے۔ بشارت ہو اس بندے کے لئے جو اللہ کی راہ میں اپنے گھوڑے کی باگ تھامے ہوئے ہو، بال بکھرے اور گرد آلود پاؤں! اگر اسے پہرے پر لگا دیا جائے تو پہرے پر رہے، اور اگر پچھلے لشکر میں چھوڑ دیا جائے تو پچھلے لشکر ہی میں رہے۔ اگر اجازت مانگے تو اجازت نہ ملے اور اگر سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول نہ کی جائے''۔

عبدالحمید بہت سے نوجوانوں کو پیچھے چھوڑ کر معرکہ جہاد میں جا پہنچے۔ شیخ جلال الدین حقانی کی صحبت سے فیض خوب اٹھایا' پھر ان کا شوق شہادت انھیں خوست لے آیا۔ شیخ جلال الدین اب اس راستے میں ان کے پیرو مرشد تھے۔ اشد ضرورت کے بغیر وہ ایک لمحہ بھی اپنے جہادی دستے سے الگ نہ ہوتے۔ جب بھی میری ملاقات ہوتی' ان سے گفتگو کر کے اور ان کے پرنور چہرے کو دیکھ کر خوشی ہوتی۔ ان کی نظریں شرمیلے مزاج کی وجہ سے ہمیشہ جھکی رہتیں۔ حیاء داری اور شجاعت و بہادری' یہ دونوں صفات ان میں کوٹ کوٹ کر بھری تھیں۔ بچپن سے ہی طالع آزمائی کا شوق فطرت میں رچا بسا تھا' ہر مشکل میں ہنستے ہنستے کود پڑنا ان کا شیوہ تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مصداق:

((النَّاسُ مَعَادِنُ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ خِيَارُكُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُكُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقِهُوا)) (مسند أحمد، باب مسند أبي هريرة رضي الله عنه)

"لوگ خیر و شر کی کان ہیں، تم میں جو لوگ ایام جاہلیت میں بہتر تھے وہ زمانہ اسلام میں بھی بہتر ہیں اگر وہ سمجھیں۔"

خوست کے ہوئی اڈے کی تباہی

غزنوی کے دیس میں میزائلوں' دھماکوں اور توپوں کی گھن گرج سے معمور ماحول نے انھیں ایک عبقری شخصیت کے قالب میں ڈھال دیا تھا۔ یہاں ان کی صلاحیتوں کو چار چاند لگ گئے تھے۔ ان کی دلیری کی وجہ سے دشمن انھیں انسان کے لبادے میں ایک جن تصور کرتے تھے۔

شیخ جلال الدین حقانی سے ان کا غائبانہ تعارف پشاور ہی میں ہو گیا تھا۔ وہیں انھوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ ان کے شانہ بشانہ نئی نسلوں کی تعمیر' امت کے احیاء اور تاریخ بنانے کے عمل میں شریک ہوں گے۔ محاذ کی محبت ان کی رگ رگ میں سما گئی تھی' دل اس کی لمحہ بھر جدائی بھی گوارا نہ کرتا تھا۔ پشاور جو پیچھے رہ جانے والوں کی پناہ گاہ تھا' ان کے لیے وحشت گاہ تھا۔ وہ ان جگہوں سے دور بھاگتے تھے' جہاں زندگی محض زبانی کلامی بحثوں' آسودہ شب و روز اور سیاسی نکتہ آفرینیوں سے عبارت ہے۔ جہاں لوگ مجاہدین کے مراتب اور مقام پر تبصرے اللہ کی کتاب کے بجائے اپنی ذہنی اختراعات اور سطح کے مطابق کرتے ہیں۔ عبدالرحمن کو جہاد کے لئے نکلے ہوئے لگ بھگ پانچ برس بیت چکے تھے۔ انھوں نے 'باڑی' کی کارروائی میں حصہ

لیا' دیگر کارروائیوں کے علاوہ خوست کے ہوائی اڈے کی تباہی میں بھی شرکت کی۔ ابی حفص' مصطفیٰ اور ابو عبیدہ ان کے ہمراہ تھے۔ بعد ازاں ابو حفص کو اسلام آباد میں چند دیگر مصروفیات نے جکڑ لیا لیکن عبدالرحمن' شیخ جلال الدین کے ساتھ پیہم شریک جنگ رہے۔

عبدالرحمن بھائی کی شادی اور پھر شہادت

ایک دن مجھے کچھ مجاہد دوستوں نے بتایا کہ ہم پشاور میں عبدالرحمن کے لیے گھر تلاش کر رہے ہیں' وہ شادی کے خواہش مند ہیں۔ میں نے فوراً رضامندی ظاہر کرتے ہوئے کہا: "آپ لوگ گھر دیکھ لیں اور ضرورت کا سامان بھی اس میں ڈال دیں"۔ شادی ہو گئی' اب انھوں نے کچھ وقت اپنے گھر والوں کے لیے بھی مخصوص کر لیا' لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد انھیں محسوس ہونے لگا کہ گھر آنے جانے میں ان کا کافی وقت' کہ جو جہاد میں استعمال ہونا چاہیے' ضائع ہو جاتا ہے۔ انھوں نے اپنا مسئلہ شیخ حقانی کے سامنے پیش کیا۔ شیخ نے میران شاہ میں ان کے لیے گھر دیکھا اور انھیں وہاں منتقل ہونے کا کہا۔ اب انھوں نے پشاور کو الوداع کہہ کر میران شاہ میں رہائش اختیار کر لی۔ مورچوں سے ان کے گھر کی مسافت ایک گھنٹے سے زیادہ نہ تھی۔ عرب ساتھی کئی دفعہ آتے جاتے، ان کے گھر پر رہتے۔ اس اثناء میں انھوں نے فارسی زبان پر غیر معمولی عبور حاصل کر لیا۔ بار ہا ایسا ہوا کہ پاکستانی پولیس عرب مجاہدین کو پکڑ لیتی مگر فارسی کی وجہ سے عبدالرحمن مصری کبھی بھی پکڑے نہ گئے۔ سب انھیں افغانی سمجھتے۔ انھیں صرف اپنی بندوق سے لگاؤ تھا' تنہائی اور اسلحہ ہی ان کے اصلی ساتھی تھے۔ وہ کئی مرتبہ موت کے منہ سے بال بال بچے۔

﴿وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا﴾ (آل عمران: ۱۴۵)

"اور اللہ کے حکم کے سوا کوئی مر نہیں سکتا ایک وقت مقرر لکھا ہوا ہے"۔

آخری حادثہ جوان کی زندگی میں پیش آیا وہ گاڑی کا حادثہ تھا' جس میں موجود تمام افراد شہید ہو گئے' سوائے عبدالرحمن مصری کے۔ مگر کچھ ہی دنوں کے بعد اجل اپنا پیام لے کر ان کے پاس بھی پہنچ گئی۔ وہ بغیر گلے ملے' بغیر مصافحہ کیے ہمیں چھوڑ کر چپکے سے رخصت ہو لیے۔ خُلد کے سفر پر' جہاں سے کبھی کوئی اس فانی دنیا میں واپس نہیں آیا۔

شیرِ پروان موحد افغانی شہید

"دونوں دوست ایک ایسے کارِ خیر کو انجام دینے کے لیے سرگرمِ عمل رہتے جو نفلی نماز/روزوں سے بھی بڑھ کر ہے۔ فتنہ وفساد کی آگ بجھانے اور مجاہدین کے درمیان صلح جوئی کا فریضہ انجام دینے کی کوششیں انھیں تھکنے نہ دیتیں"

ابوسیف ہرات سے واپس آئے تو رازی اور احنف بن قیس کے قصے اور جہاد وقتال کے واقعات ہر وقت ان کے وردِ زباں رہنے لگے۔ موحد افغانی کا نام بھی ان کے لبوں پر رہتا۔ وہ کہتے 'پروان سے اٹھنے والا یہ مبارک قدم نوجوان افغانستان کے طول وعرض میں پہنچ کر ہر لمحہ مجاہدین کو متحد کرنے اور ان کی صفوں میں ہم آہنگی پیدا کرنے میں مصروف رہتا ہے۔ موحد کے بارے میں یہ باتیں سن کر میرا دل ان کی ملاقات کے لیے مشتاق رہتا۔ آخر ان سے ملاقات کا شرف حاصل ہو ہی گیا۔ یہ نوجوان جس کے رگ و پے میں زندگی کی حرارت اور غیرت وخودداری سرایت کیے ہوئی تھی' بڑی روانی سے عربی میں گفتگو کرتا حالانکہ کسی جامعہ کا فارغ التحصیل نہ تھا۔

میری ان سے پہلی ملاقات معہد الانصار میں ہوئی۔ میں نے انھیں معہد کی نگرانی کی پیشکش کی تاکہ طلبہ کے دلوں میں ایمان و جہاد کی شمع جلا سکیں اور ان میں موجود گروہی اور فرقہ وارانہ اختلافات کو مٹا سکیں' ان کی شخصیتوں کو شریعت کے سانچے میں ڈھال سکیں۔ فقہ' تفسیر اور توحید کے اساتذہ کی تقرری کے لیے ان کے سامنے چند دیگر اساتذہ کے نام بھی تجویز کیے مگر انھوں نے اس پیشکش کو قبول کرنے سے معذرت چاہی۔ آخر ابوحسن مدنی نے طلبہ کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری قبول کر لی۔

کارواں تو لٹ گیا' راہبر نہیں ہارا!

چارسدہ کی جہادی قیادت کی ذمہ دار ساتوں رہنما شخصیات سینکڑوں ہزاروں مجاہدین سے جہاد جاری رکھنے کا عہد لیتیں اور اس مبارک جہاد کو دشمن کی سازشوں سے بچانے کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرنے کے عزم کا اقرار کرواتیں۔ یہ موحد اپنے قائد کے شانہ بشانہ کھڑے ہو کر مجاہدین کو اپنی صفیں متحد

رکھنے اور دشمن کی ریشہ دوانیوں سے بچنے کی تلقین کرتے۔

مجاہدین کی اکثریت جوش وجذبات سے سرشار تھی۔ مگر انھوں نے تو سب کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی۔ نگاہیں ان کے چہرے پر ٹک گئیں۔ دل ان کے لبوں سے نکلنے والی گفتگو کا لفظ لفظ سن کر دھڑکنے لگے۔

ایک مرتبہ جب میں موحد کے بارے میں کسی سے گفتگو کر رہا تھا تو مجاہدین کی حکومت کے صدر احمد شاہ نے ان کے بارے میں سن کر کہا: "مجھے اس نوجوان کے ساتھ ہوئی تاریخی ملاقات ہمیشہ یاد رہے گی"۔

ایک دن انھوں نے اپنا قافلہ تیار کیا اور سامان باندھ لیا۔ ابوالحسن خاموشی سے ان کی روانگی کی تیاریاں دیکھتے رہ گئے۔ انھیں امید تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے پروان کے مجاہدین کی صفوں کو اتحاد کی دولت مرحمت فرمادیں گے۔ الوداع ہوتے ہوئے موحد کے لبوں سے نکلنے والے الفاظ یہ تھے: "اگر اللہ نے مجھے شہادت نصیب فرمائی اور کسی کے حق میں میری شفاعت قبول فرمائی تو میں بارگاہِ ایزدی میں عرض کروں گا کہ سب سے پہلے میں جس مسلمان کی شفاعت کا خواہش مند ہوں وہ ابوالحسن مدنی ہیں"۔

بالآخر اس قافلۂ ایمان کے کوچ کا وقت آن پہنچا۔ دو سو اونٹ اور بھاری مقدار میں اسلحہ ساتھ تھا لیکن غداروں نے کابل کے کمیونسٹ عناصر کو مخبری کر دی۔ چنانچہ دشمنوں کے شعلہ اگلتے جہاز اس قافلہ پر حملہ آور ہو گئے۔ اونٹ یکے بعد دیگرے نیچے گرتے چلے گئے' سارا اسلحہ جل کر راکھ ہو گیا۔ آخر کار جب موحد پروان کے مرکز پہنچے تو ان کے پاس کچھ اونٹوں اور بچے کھچے سامان کی چند نشانیوں کے سوا کچھ نہ بچا تھا۔ پروان پہنچ کر موحد نے ہمت نہ ہاری اور سرگرمی سے جہادی کارروائیوں اور تعلیم وتدریس کے مشاغل میں حصہ لینا شروع کیا۔

وہ ٹوٹے دلوں کو جوڑنے کا کام کرتے رہے

ان کی شخصیت بڑی ہر دلعزیز تھی۔ جہاں جاتے دل ان کی محبت کے اسیر ہو جاتے۔ باگرام میں ان کے ہمراہ شفق' فتحی کے علاوہ چند دیگر عرب ساتھی بھی تھے۔ وہ اللہ سے دعا گو رہتے کہ اللہ انھیں اتنی مہلت ضرور دے دیں کہ پورے علاقے کو منافقوں اور جاسوسوں سے خالی کر کے رکھ دیں۔

موحد اور جارود دونوں ایسے ساتھی تھے جن کی شخصیت میں ٹھہراؤ اور جمود نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ جارود کی گاڑی ہر لمحہ پروان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک گھومتی رہتی۔ دونوں دوست اس کارِ خیر کو

انجام دینے کے لیے سرگرم عمل رہتے جونفلی نماز روزوں سے بھی بڑھ کر ہے۔ فتنہ وفساد کی آگ بجھانے اور مجاہدین کے مابین صلح جوئی کا فریضہ انجام دینے کی کوششیں ان کو تھکنے نہ دیتیں:

جو دلوں کو دلوں سے ملاتے رہیں　　جو اخوت کے نغمے سناتے رہیں
اپنی ملت کو وحدت بناتے رہیں　　جن کی نفرت ' محبت جدا
ان کو جنت کے راستے چلا!

اپنی زندگی کی آخری جنگ میں موحد کمیونسٹوں کے مورچوں کو اُڑانے اور علاقوں کو فتح کرنے کے لیے سرگرم عمل تھے۔ انھوں نے خود آگے بڑھ کر لڑائی کی قیادت سنبھالی اور تین مورچوں کو بہ نفس نفیس فتح کیا' اتنے میں دشمن کا ایک میزائل انھیں آلگا۔ ان کی شہادت کی خبر غازیوں کے دل پر بجلی بن کر گری۔ ان کے قائد نے شہادت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: ''یہ جانکاہ صدمہ ہمارے لئے ایک عظیم ابتلاء ہے۔ مجھے دنیا میں موحد سے بڑھ کر کبھی کوئی محبوب نہیں تھا' اس کی شہادت کی خبر پر میرے احساسات یہ تھے کہ کاش میں اس کی جگہ اپنے کسی بیٹے کو پیش کر دیتا''۔ یہ المناک خبر پورے علاقے میں پھیل گئی۔ لوگ جوق در جوق اس شہسوار کا آخری دیدار کرنے کے لیے چلے آئے جس نے چند ساعتوں کے بعد مٹی کی پنہائیوں میں اتر جانا تھا۔

رهبان باللیل فرسان بالنّهار

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی ابوطلحہ ؓ تھے' ان کے بارے میں حضرت انس ؓ راوی ہیں:

((كَانَ أَبُو طَلْحَةَ لَا يَصُومُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَجْلِ الْغَزْوِ فَلَمَّا قُبِضَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ أَرَهُ مُفْطِرًا إِلَّا يَوْمَ فِطْرٍ أَوْ أَضْحَى)) (رواه البخاري، كتاب الجهاد والسير، باب من اختار الغزو على الصوم)

''حضرت ابوطلحہ ؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں غزوات میں شرکت کے خیال سے (نفلی) روزے نہیں رکھتے تھے' لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد میں نے

انہیں عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے سوا روزے کے بغیر نہیں دیکھا''۔

حضرت ابوطلحہ ؓ جہاد میں ہوتے تو نفلی روزہ چھوڑ دیتے' مدینہ میں ہوتے تو ضرور روزے کا اہتمام کرتے۔ پشاور میں موحد کی یہی کیفیت تھی۔ ابوالحسن مدنی کہتے ہیں: ''موحد جب بھی مجھے ملنے پشاور آتے' مجھے نہیں یاد کہ انہوں نے کبھی میرے گھر کھانا چکھا ہو' ہمیشہ روزے سے ہوتے۔ ایک رات انھوں نے ہمارے ہاں گزاری۔ میں نے رات انھیں طویل وقت کے لیے قیام اللیل میں مصروف دیکھا۔ صبح انھوں نے ہماری امامت بھی کی۔ مجھے محسوس ہوا کہ قرآن زندہ معجزہ ہے' جسے سمجھنا کسی عجمی کے لیے بھی چنداں مشکل نہیں' بس تھوڑی جدوجہد کی ضرورت ہے''۔

وہ کسی دینی مدرسے کے فارغ التحصیل نہ تھے' اس کے باوجود بڑی روانی سے لسان القرآن بولتے اور سمجھتے تھے۔ تیرہ برس کی عمر میں انھوں نے داؤد کے زمانے میں ہجرت کا سفر کیا اور جہاد کی راہ میں اپنا خون پسینہ ایک کر دیا۔ ۱۹ رمضان المبارک ان کی شہادت کا دن ٹھہرا۔ مسلسل فتوحات کی خوشی میں کمیونسٹوں نے ایک بڑی تقریب کی تیاریاں کر رکھی تھیں۔ موحد نے دل میں ٹھان لی تھی کہ ان کافروں کو ہرگز اس تقریب کے انعقاد کی مہلت نہ دیں گے' چنانچہ انھوں نے علاقے کے تمام غازیوں کو اکٹھا کیا اور اردگرد کے تمام مراکز کو فتح کرتے چلے گئے' اور رمضان کی مبارک گھڑی میں اپنے رب سے جا ملے۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں بھی ان لوگوں کی معیت نصیب فرمائیں' جنھیں وہ قیامت کے روز صدیقین' شہداء اور صالحین کے زمرے میں شامل کریں گے۔

شہید اپنے پیچھے ایک بیوہ' ایک یتیم بیٹا اور بیٹی چھوڑ کر چل دیے۔ ان کے جانے کے بعد غربت' یتیمی اور بھوک وافلاس کی آندھی ان چراغوں کو نرغے میں لیے ہوئے ہے۔ خدایا آپ ہی شہداء کے ان بچوں کی سرپرستی فرمائیے! تاکہ یہ ہمارے کل کی روشن تاریخ کا عنوان بن سکیں۔

خالد علی قبلان شہید

"ثانوی تعلیم کی تکمیل کے بعد انھوں نے ریاض کی جامعہ ملک سعود کے شعبۂ سِول انجینئرنگ میں داخلہ لیا، مگر جلد ہی عیش و تنعم کی زندگی سے ان کا دل اچاٹ ہوگیا۔ بالآخر وہ اینٹ، مٹی اور فولاد کے ان عارضی ٹھکانوں سے نکل کر اپنے ایمان کی تعمیر کے لئے محاذوں کی طرف چل دیئے"

اب کی بار گرمیاں آئیں تو میدانِ جہاد و قتال کی گرمی بھی دو چند ہوگئی۔ شہداء کی مالا کے موتی یکے بعد دیگرے، ہم سے بچھڑتے گئے اور اُفق کے اس پار جھرمٹ کی صورت جمع ہوتے گئے۔ یہ شہداء کا خون ہی ہے، جس کی سرخی ہمارے لفظوں میں ڈھل جاتی رہی، پھر یہ خون ہماری ان تحریروں کو ایک نئی زندگی، حرارت، روانی اور بجلی کی سی چمک دے دیتا ہے۔ اس پاکیزہ خون کا ہم پر یہ حق ہے کہ ہم اس کے بارے میں لکھیں، کیونکہ یہی وہ خون ہے جو تاریخ کے ہر موڑ پر اسلام کی حفاظت کے لئے بہہ نکلتا ہے۔

اُس صبح میں عبدالرحمٰن مصری شہید کے مورچے کی سمت رواں تھا کہ راستے میں میری ابو سعد نجدی سے ملاقات ہوئی۔ وہ مجھے پکڑ کر چپکے سے ایک طرف ہو لیے اور سرگوشی میں کہنے لگے: "کل بروز جمعہ ۲۴ نومبر 1986ء کو ابوالولید (خالد) بھی جامِ شہادت نوش کر گئے"۔ میرے منہ سے یک دم نکلا: "شہادت مبارک ہو"۔ مرکز کی سمت اٹھتے میرے قدموں میں تیزی آگئی، کچھ دیر بعد جب ہم مرکز پہنچے تو وہاں بیٹھے مجاہد بھائیوں کو دیکھ کر میرا دل ایک عجیب سی کیفیت سے سرشار ہوگیا۔

کردار ہمارا ہے زمانے کی نظر میں

ہم نے وہاں ابوالولید کی بابت دریافت کیا تو ساتھیوں نے ان کی سیرت کے جو نمونے سامنے رکھے اس نے میری آنکھوں کے سامنے اُمت کی اُن ابتدائی تین ادوار کی یادیں تازہ کردیں، جن کے 'خیر القرون' (بہترین ادوار) ہونے کی گواہی دی جاچکی ہے۔ مجاہدین نے مجھے بتایا کہ: "ابوالولید ہمیشہ رات ۱۲ سے ۱ بجے تک پہرہ دینے کی خواہش کرتے تاکہ رات کے بقیہ حصے میں یعنی فجر تک انھیں قیام

اللیل کا موقع مل سکے۔ جمعہ کے دن انھوں نے پہلے اپنے معینہ اوقات میں پہرہ دیا، اس کے بعد فجر تک کا وقت انھوں نے قیام اللیل میں گزار دیا۔ فجر کی اذان کا ثواب سمیٹنے کے لئے ہمارا ہمیشہ ان سے جھگڑا چلتا۔ آج بھی انھوں نے فجر کی اذان کے لیے صدا بلند کی پھر نماز ادا کی اور صبح کے مسنون اذکار پڑھنے کے بعد ابوالولید شہید ھاون کے گولے لے کر ابوسعد نجدی، ابودجانہ صنعانی کے ساتھ آگے چل پڑے۔ سارا راستہ ان کے ہونٹ تلاوت قرآن پاک کے لیے ہلتے رہے۔ جب ہم منزل پر پہنچے تو میں نے ان سے پوچھا: "سورۃ کہف پڑھ لی ہے؟" کہنے لگے: "جی"۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی قسمت میں بڑا اونچا مقام و مرتبہ لکھ رکھا تھا۔ غازی اس وقت کمیونسٹوں کے قریبی مرکز پر میزائل پھینکنے کی تیاری کر رہے تھے۔ خالد اگلے دن کی تیاری کی غرض سے، آج حملہ روک لینے کی تجویز پیش کر رہے تھے کہ اچانک دشمن کے پھینکے گئے ایک میزائل نے ان کو فانی دنیا سے حیاتِ ابدی میں لا پہنچایا۔

یہ سوچ کر ابوالولید نے انجینئرنگ کی تعلیم کو ادھورا چھوڑ دیا

خالد نہایت کثرت سے نوافل پڑھتے۔ پیر، جمعرات کے روزوں، اور اسی طرح شوال کے چھے اور ایام بیض یعنی ہر قمری ماہ کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کے روزوں کا خاص اہتمام کرتے۔ ان نیکیوں کی برکت سے، ان کی والدہ کا رویہ جہاد کے حوالے سے مثالی ہوگیا تھا۔ وہ خود خالد کی طرف خطوط بھیجتیں اور ان کے دل میں جہاد کی اہمیت اور اس کا شوق پیدا کرنے کی کوشش کرتیں۔ قصیم کا علاقہ 'الرس' خالد کی جائے پیدائش تھا۔ ثانوی تعلیم کی تکمیل کے بعد انھوں نے ریاض کی جامعہ ملک سعود کے شعبۂ سول انجینئرنگ میں داخلہ لیا، مگر جلد ہی عیش و تنعم کی زندگی سے ان کا دل اچاٹ ہوگیا۔ بالآخر وہ اینٹ، مٹی اور فولاد کے ان عارضی ٹھکانوں سے نکل کر اپنے ایمان کی تعمیر کے لئے محاذوں کی طرف چل دیئے۔

آج وقت کے فارس و روم کو شکست دینے کے لئے قعقاع اور معتصم کی تلواریں کہیں نظر نہیں آتیں، اسی چیز کی آج کمی ہے اور یہی سوچ لے کر ابوالولید نے انجینئرنگ کی تعلیم کو ادھورا چھوڑ دیا اور جنتوں کی تلاش میں چل دیئے......

دل لگی دل لگی نہیں ناصح
تیرے دل کو ابھی لگی ہی نہیں

مؤذنِ جامعہ، ابوعمرو مکی شہید

"اُنہوں نے مازن کو سمجھانے کی کوشش کی کہ اب کچھ ہی عرصے میں انھیں انجینئرنگ کی سند ملنے والی ہے ایسے موقع پر یونیورسٹی نہیں چھوڑنی چاہیے مگر..."

یونیورسٹی ہاسٹل کے در و بام بار ہا اس نوجوان کی بلند آہنگ اذان سے گونج گونج اٹھتے۔ پکول (افغانی ٹوپی) سر پر پہنے وہ یونیورسٹی کے احاطوں اور راہداریوں سے گزر رہا ہوتا' یہ ٹوپی ہر لمحہ اس کے سر پر دھری رہتی۔ یونیورسٹی کی فضا جب اس نوجوان کی اذان کی بازگشت سے گونجتی تو سننے والوں کا ایمان تازہ ہو جاتا۔

ولٰکن شتان بین الأقوال والأفعال

جی ہاں' مازن اُن نوجوانوں میں سے تھا جن کی راتیں ربّ کے حضور جاگتے اور آہ و زاری کرتے ہوئے گزرتی ہیں۔ وہ پورا ماہِ رمضان حرمِ مکی کے احاطے میں گزارتا۔ حذیفی' سدیس اور علی عبداللہ جابر کی تلاوتِ قرآن سننا ان کا محبوب مشغلہ تھا مگر اس میں انھیں ہرگز وہ لذت میسر نہ آتی جو ارضِ جہاد میں غبار آلود قدموں اور پسینے کے قطروں میں ڈوب کر وہ اپنے اندر محسوس کرتے۔ وہ دوبارہ مورچوں کی طرف جانے کے لیے بے چین ہو جاتے۔ بے چین تو اور بھی بہت سے لوگ ہو جاتے ہیں لیکن کتنا فرق ہے محض سوچنے اور نکل آنے میں!

یہ بات صحیح ہے کہ مازن کی اُس زندگی کا کوئی لمحہ معروف کو پھیلانے اور منکر کا زور توڑنے سے خالی نہ تھا۔ اس کے باوجود سورۂ توبہ ان کی راتوں کی نیند اڑا کر رکھ دیتی' نرم گداز بستر کانٹوں کا روپ دھار لیتا۔ جہاد و قتال کی آیات انھیں عورتوں کی مانند گھر میں بیٹھنے پر شرمسار کرتیں۔ مقداد بن اسودؓ کی مانند جب انھیں ایک تابعیؒ نے حمص کی دکان پر بیٹھے دیکھا۔ ان کا جسم کافی بھاری ہو چکا تھا۔ تابعیؒ نے انھیں دیکھ کر حیرت سے دریافت کیا: "کیا اس سال بھی آپ جہاد کرنے کے لیے جائیں گے؟" حضرت مقدادؓ نے جواب دیا: "مجھے یہ احکام (یعنی سورۂ توبہ میں نازل کردہ احکام) بیٹھنے نہیں دیتے"۔

حرمین کا عابد افغانستان پہنچ گیا

جامعہ ملک عبدالعزیز کے انتظامی عہدیداران نے اتنی بڑی تعداد میں طلبہ کو جامعہ سے غائب دیکھا اور ساتھ ہی مازن کی بھی مسلسل غیر حاضری دیکھی تو انھیں شدید تشویش لاحق ہوئی۔ انھوں نے مازن کو سمجھانے کی کوشش کی کہ اب کچھ ہی عرصے میں انھیں انجینئرنگ کی سند ملنے والی ہے ایسے موقع پر یونیورسٹی نہیں چھوڑنی چاہیے۔ مگر اب اس دل میں کوئی اور ہی سند لینے کی خواہش تھی۔

مکہ مکرمہ کی بستی اس نوجوان کے بچپن اور پاکیزہ جوانی سے آشنا تھی۔ کتنے ہی اجنبی تھے جو اس نوجوان کو دیکھ کر بصد احترام اپنی گاڑی روک لیتے۔ حرمِ مکی کے در و دیوار اس سے مانوس تھے خصوصاً رمضان کا تو پورا مہینہ ہی ان در و دیوار کے سایوں میں اعتکاف و عبادت میں بسر ہو جاتا۔

ابوحمزہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات مجھے اذانِ فجر سے کچھ قبل ہاسٹل کی مسجد میں جانے کا اتفاق ہوا۔ میں نے دیکھا کہ مازن پہلے سے وہاں موجود ہیں اور رات قیام اللیل میں گزارنے کے بعد اب اذان کے لیے فجر کے وقت کا انتظار کر رہے ہیں۔ میں بار ہا یونیورسٹی کے طلبہ سے مازن کا غائبانہ تذکرہ سن چکا تھا' میری دلی خواہش تھی کہ ان سے مل سکوں۔ ایک دن میں اُن تک پہنچ ہی گیا' وہ خاموش بیٹھے تھے مگر ان کی خاموشی بولنے والوں کو بھی جھنجھوڑ رہی تھی۔

انھیں اپنے دل میں ہر لمحہ امت کے درد کی ٹیسیں اٹھتی محسوس ہوتیں' دشمنانِ دین کی سازشوں کا احساس انھیں چوکنا رکھتا۔ توپوں کی گھن گرج' گولیوں کی بوچھاڑ اور جنگی جہازوں کی دور سے آتی آوازیں ہر لمحہ ان کے کانوں کی صدا بنی رہتی۔

مازن ارد گرد دیکھتے' ساری ملتِ اسلامیہ میں انھیں صرف افغانی نوجوان ہی سر بلند اور دشمن کے مذموم عزائم کے سامنے برق تپاں بنے نظر آتے۔

تقویٰ کی بدولت اللہ نے اُن کا ہر کام آسان فرمادیا

جامعہ چھوڑنے سے پہلے مازن نے تختۂ اطلاعات پر ایک کاغذ چسپاں کر دیا' جس پر تحریر الفاظ نے دلوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ ان کی یادوں کی خوشبو سے آج تک یونیورسٹی کی فضائیں معطر ہیں۔ گھر سے نکل کر وہ دو ہی دنوں میں صدہ پہنچ گئے اور ابوعمرو کے ہمراہ شمال جانے والے ایک قافلے کے ساتھ ہو لیے۔ ابو

عمرو نے انھیں کچھ رقم دی اور تمام جہادی مجموعوں کے احوال پُرسی کے لیے ان کے درمیان گشت پر مامور کر دیا گیا' وہ جہاں بھی جاتے اپنی خوشگوار یادوں کا تاثر چھوڑ جاتے۔ مجاہدین کی ضروریات معلوم کرتے اور بازار سے ان کے لیے آٹا' چاول' چینی اور دیگر اشیاء خرید لاتے۔ ایک ایک مجاہد کی زبان پر ان کا ذکر رہتا۔ مازن کا طرزِ عمل آج بھی ایسا ہی تھا' جہاں برائی دیکھی اسے مٹانے کے لیے فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کی عبادات اُن کے صیام وقیام کے معمولات ہر جگہ یکساں رہتے۔

اپنے حلقۂ تعارف میں ان کی شخصیت ہر دلعزیز ومحبوب تھی۔ خدا نے ان کے تقویٰ کی بدولت ان کے تمام کاموں کو آسان بنا دیا تھا۔ ہمیں ان کے بارے میں ایسا ہی نیک گمان ہے تاہم اللہ کے مقابلے میں ہم کسی کی پاکیزگی بیان کرنے سے گریزاں ہیں؛

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا﴾ (الطلاق: ۲،۳)

"اور جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اُس کے لئے نجات کی صورت نکال دیتا ہے اور اُسے وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے اُسے گمان بھی نہ ہو اور جو اللہ پر بھروسا کرتا ہے سو وہی اُس کو کافی ہے بے شک اللہ اپنا حکم پورا کرنے والا ہے اللہ نے ہر چیز کے لئے ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے"۔

ان کی زبان سے جو بات نکلتی سیدھا دل کی گہرائیوں میں جا اترتی کہ یہ دل کے اندر سے اٹھنے والی آواز ہوتی۔ سچ ہے کہ خالی خولی ہونٹوں سے نکلنے والی گفتگو مردہ و بے جان ہوتی ہے جو دل کے تاروں کو ہرگز نہیں چھیڑ سکتی۔

ایک دن وہ اپنی دیگر جہادی مصروفیات کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے بلند تر مقصد کے لیے اپنے گھر سے نکلے۔ (مجاہدین کے چند مجموعوں کے مابین صلح کرانے کی ذمہ داری ان کے کندھوں پر آن پڑی تھی)۔ مجاہدین کے دستہ کو لے کر وہ بستی کی مسجد میں ٹھہرے تھے کہ کسی نے اللہ کے دشمنوں کو مخبری کر دی۔ انھوں نے فوراً مسجد پر دھاوا بول دیا اور سبھی کو چُن چُن کر شہید کر دیا۔

مازن دیگر مجاہدین کے ہمراہ اپنے ربّ سے جا ملے' مجاہدین کی صفوں پر یہ خبر بجلی بن کر گری۔

مازن شہید کے قلم کی پکار

آج افغانستان کا جہاد بھی نماز روزہ اور دیگر عبادات کی طرح ہر مسلمان کے لئے فرض عین قرار پا چکا ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ إِن كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ﴾ (التوبہ: ۲۴)

"کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور برادری اور مال جو تم نے کمائے ہیں اور سوداگری جس کے بند ہونے سے تم ڈرتے ہو اور مکانات جنھیں تم پسند کرتے ہو (اگر یہ سب) تمھیں اللہ اور اُس کے رسول اور اُس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیارے ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیج دے اور اللہ نافرمانوں کو راستہ نہیں دکھاتا"۔

الحمد اللہ ربّ العالمین والصلاۃ والسلام علیٰ خاتم الانبیاء والمرسلین

میرے مسلمان بھائی! میرے قلم کی یہ پکار میرا یہ پیام آپ کے لیے ہے..... صرف اور صرف آپ کے لیے۔ ہاں اے سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مزین چہرے کے مالک! اے آئے روز طواف وعمرہ کے لیے رختِ سفر باندھنے والے میرے مسلمان بھائی! جہاد کی یہ پکار آپ کو اس عظیم کام میں اپنا حصہ ڈالنے کے لیے آمادہ کرتی ہے۔ یہ وہ فریضہ ہے جس کی ذمہ داری خدا نے آپ کے کندھوں پر عائد کی ہے۔ آج افغانستان کا جہاد بھی نماز روزہ اور دیگر عبادات کی طرح ہر مسلمان کے لیے فرضِ عین قرار پا چکا ہے۔ میرے پیارے بھائی! اس خطے میں جاری خیر وشر کا معرکہ آپ کی مزید بے پروائی کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ کیا مجاہدین کے ساتھ کیا گیا نعمتوں بھری جنت کا ربانی وعدہ آپ کے اذہان سے فراموش ہو چکا؟

کیا آپ جنت سے بے نیاز ہو کر فانی دنیا کی آسائشوں پر قناعت کر بیٹھے؟... وہ دنیا جس کی ہر چیز ملعون ہے سوائے اللہ کے ذکر اور اس سے جوڑنے والی چیزوں کے۔

میرے پیارے بھائیو! یہ موقع ہاتھ سے نکلنے نہ پائے

میرے پیارے بھائیو! میری یہ پکار آپ کے ساتھ میری قلبی محبت کا نتیجہ ہے‘ کیونکہ عنقریب قیامت کے دن آپ سے پوچھا جائے گا کہ آپ نے اس جہاد میں کس حد تک حصہ ڈالا تھا؟ باللہ مجھے بتایئے کہ جب آپ کے پاس اس بات کا کیا جواب ہوگا؟ پس میرے بھائی! یہ سنہری موقع ہاتھ سے جانے نہ پائے کہ آپ مجاہدینِ افغانستان کی صف میں شامل ہو کر خدائی جنتوں کے امیدوار بن جائیں۔ دنیا کی حقیر خواہشات کہیں آپ کے پاؤں کی زنجیر نہ بن جائیں۔ میرے بھائی! خدارا! خدارا! اپنے اوپر رحم کیجیے۔ اپنے ربّ کی پکار پر کان دھرنے میں دیر نہ کیجیے۔ بزدلی اور تردد کی چادر اتار پھینکیے۔ موت برحق ہے مگر کتنا فرق ہے کہ ایک انسان اپنے نرم بستر پر ایئر کنڈیشنڈ ہواؤں میں بیوی بچوں اور دنیا کی آسائشوں کے گھیرے میں موت کو گلے لگا لے یا مجاہد فی سبیل اللہ بن کر حیاتِ جاوداں سے ہمکنار ہو۔ ذرا تصور تو کیجیے ربّ کے حضور پیشی کے روز آپ کی کس قدر خواہش ہوگی کہ اے کاش! میں بھی مجاہدین کے زمرے میں شامل ہو جاتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ لَوَدِدْتُ أَنِّيْ أُقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ ثُمَّ أُحْيَا ثُمَّ أُقْتَلُ، ثُمَّ أُحْيَا ثُمَّ أُقْتَلُ، ثُمَّ أُحْيَا ثُمَّ أُقْتَلُ)) (بخاري، كتاب الجهاد و السير)

"اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے‘ میری تو آرزو ہے کہ میں اللہ کے راستے میں قتل کر دیا جاؤں‘ پھر زندہ کیا جاؤں‘ پھر قتل کیا جاؤں‘ پھر زندہ کیا جاؤں‘ پھر قتل کیا جاؤں‘ پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر قتل کر دیا جاؤں"۔

یہ اس پیغمبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے‘ اللہ تعالیٰ نے جس کی تمام گذشتہ اور آئندہ خطاؤں کی معافی کا وعدہ کر رکھا تھا۔ میرے عزیز بھائی! میں پھر کہتا ہوں کہ یہ موقع ہاتھ سے نکلنے نہ پائے‘ آپ اس سے فائدہ اٹھا کر اپنا فرض ادا کریں۔ اپنے ربّ کے عطا کردہ احسانات کا شکر ادا کرتے ہوئے اپنے اوقات کا ایک حصہ اس کی راہ میں لگائیں۔

ایسا نہ ہو کہ پھر یہ دروازے بند ہو جائیں

افغانستان کے حالات تقاضا کرتے ہیں کہ آپ سب کام چھوڑ کر مہاجرین اور مجاہدین کے ہم رکاب ہو جائیں‘ سستی و کاہلی کی چادر اتار پھینکیں‘ سچے اسلام کا لبادہ زیب تن کر لیں اور اللہ کے سپاہیوں میں شامل ہو جائیں۔

میرے بھائی! ضروری نہیں کہ آپ سیدھے میدان جنگ میں جا پہنچیں۔ مجاہدین کے اجر و ثواب میں شامل ہونے کے لیے کئی طریقے ہیں‘ مثلاً: مجاہدین کی اسلحے سے امداد‘ ان کے بچوں کی تعلیم و تربیت کی کوششوں میں شمولیت وغیرہ۔ میرے بھائی! آپ ان کاموں میں شریک ہو کر انھیں عیسائی مشنریوں کے ہاتھ لگنے سے بچایئے‘ اپنے بھائیوں کے درمیان اپنی موجودگی کو یقینی بنایئے۔

پس آیئے اور اپنے بھائیوں کے حوالے سے اپنی ذمہ داریوں کو ادا کیجیے۔ دنیا داری کے جھنجھٹ وہیں چھوڑ آیئے۔ ابھی آپ کے لیے اور دیگر نوجوانانِ اسلام کے لیے بھی جہادِ افغانستان کے دروازے کھلے ہیں‘ ایسا نہ ہو کہ یہ دروازے بند ہو جائیں اور آپ کے پاس پچھتاوے کے سوا کچھ باقی نہ بچے۔

میرے بھائی! سچے دل سے میرے ان الفاظ پر غور کیجیے اور اللہ کی طرف سے عائد کردہ ذمہ داری کے بارے میں اپنے ایمان کا جائزہ لیجیے۔

آخر میں میں ایک دفعہ پھر آپ سے التجا کرتا ہوں کہ یہ بات ہر لحظہ پیش نظر رہے کہ جنت کو تکالیف سے گھیرا جا چکا ہے‘ اور جہنم کو خواہشات نفس نے گھیرے میں لے رکھا ہے۔ میں اللہ سے دعا گو ہوں کہ وہ آپ کو مجاہدین کے گروہ میں شامل کر دے۔ آپ سے اعلائے کلمۃ اللہ کا کام لے تاکہ آپ انبیاء‘ صدیقین‘ صالحین اور شہداء کے زمرے میں شامل ہو جائیں۔

میرے بھائی! اپنے ان دلی جذبات کو پیام کی صورت میں آپ تک پہنچانے کی وجہ صرف یہ ہے کہ میں لوجہ اللہ آپ سے محبت کرتا ہوں"۔

ابو فہد مکی شہید

”انھوں نے خواب میں دیکھا کہ فرشتے انھیں ایک نعش کی صورت میں اٹھا کر جنت میں لے جارہے ہیں“

جدہ کے ساحلوں میں کھیلتے ان کے بچپن اور لڑکپن کے دن بیت گئے۔ بندرگاہ سے آنے جانے والے جہازوں اور کشتیوں کے مناظر ان کے دل پر گہرے اثرات چھوڑتے۔ ان کا دل پُر ہیبت سمندر کے مالک کے جاہ و جلال اور خشیت میں ڈوب جاتا۔ اس کی وسعتیں انھیں آخرت کے ایک بے کنار سمندر کی طرف متوجہ کر دیتیں' جہاں سے دنیا کے ساحل کی طرف کبھی واپسی نہ ہو سکے گی۔ پس کوئی ایسی کشتی ضرور ہونی چاہیے جو اس بے بس انسان کو سلامتی کے ساحل سے جنت کی منزل تک لے جائے۔ سمندر کا یہ منظر ان کی سوچوں کو ایک دوسرے رنگین سرخ سمندر تک پہنچا دیتا جو مجاہدینِ افغانستان کے لہو سے سرخ ہو چکا تھا۔

دوسری طرف ایک مضبوط بندھن نے ابو فہد کو اپنی سرزمین کے ساتھ باندھ رکھا تھا۔ جان چھڑکنے والی شریکۂ حیات اور شیر خوار معصوم لختِ جگر......! لیکن انھوں نے حضرت سعید بن میتبؒ کے قصے سے درس حاصل کیا۔ حضرت سعید بن میتبؒ کبرِ سنی میں جہاد کی غرض سے نکلے تو کسی نے پوچھا' آپ بیمار بھی ہیں' ایک آنکھ نابینا بھی ہو چکی ہے' اور کبر سنی کا بھی شکار ہیں۔ آپ کو جہاد سے معذور قرار دیا جا سکتا ہے۔ سعید بن میتبؒ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے۔ ”نکلو خواہ ہلکے ہو یا بوجھل“۔ اگر میں جنگ میں دو بدو نہ بھی لڑ سکا تو کم از کم مجاہدین کے گروہ میں اضافے کا باعث بنوں گا اور ان کے سامان کی حفاظت کرنے کے کام آ جاؤں گا۔

بالآخر یہ خواب تعبیر کی شکل پا گیا

حرمین کی مقدس سرزمین میں اپنے بیوی بچوں اور گھر بار کو چھوڑ کر ابو فہد مجاہدین کے پاس پہنچ گئے۔ پہلے 'جہاد وال' (خوست) میں عسکری تربیت حاصل کی مگر یہاں وہ شدید بیمار ہو کر پشاور ہسپتال داخل

ہوئے۔ اس دوران انھوں نے خواب دیکھا کہ فرشتے انھیں ایک نعش کی صورت میں اٹھا کر جنت میں داخل ہو رہے ہیں اور انھیں ایک انوکھی مسرت کا احساس ہو رہا ہے۔ وہ جب خواب سے بیدار ہوئے تو ہنس رہے تھے۔

اس کے بعد وہ ایک مدت تک عرب مجاہدین اور افغان قائدین جہاد کی معیت میں رباط میں ڈٹے رہے۔ عبدالرحمٰن مصری شہید بھی اسی حلقے میں شامل تھے۔ اسی اثناء میں وہ مجاہدین کے ساتھ 'باڑی' کی جہادی کارروائی میں شامل ہوئے اور 'باڑی' کا مرکز فتح کر لیا' ۵۲ روسی قیدی بنائے اور متعدد کلاشنکوفیں بطور غنیمت حاصل کیں۔

بعد میں ابو فہد زید النصیر (احمد قاسم عراقی) کی سرکردگی میں ترتیب دیے جانے والے دستے کے ساتھ 'پروان' کے معرکے میں شامل ہوئے۔ ہسپتال میں دیکھا خواب ہمیشہ ان کے دل میں امید کی کرن بن کر جگمگا رہا تھا۔ بالآخر اسی جنگ میں انھیں اس کی تعبیر مل گئی۔ دشمن کے لئے گھات لگائے بیٹھے تھے کہ ایک گولی ان کے نصیب کی بلندی کا پیغام لائی۔ افغانستان کا یہ جہاد عالمِ انسانیت کو شرف و عزت سے ہمکنار کرنے کا ذریعہ بنے گا' ان شاء اللہ۔

علی قدری صالح الجومری شہید

"غم اور دکھ علی کے فراق کا ہے اور خوشی اس بات کی کہ ان شاء اللہ جنت کے ابدی مقام پر وہ اپنے گھر والوں کے استقبال کے لیے موجود ہوں گے"

رواداری، مروت، سادگی اور تواضع کے ساتھ خودداری، شجاعت وغیرت اہل یمن کی مشترکہ صفات میں شامل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں جب بھی کسی یمنی کو دیکھتا ہوں میرا دل اس کے لیے کھنچتا چلا جاتا ہے اور میرا سینہ اس کے لئے کشادہ ہو جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کی صفات پر تبصرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:

((أَتَاكُمْ أَهْلُ الْيَمَنِ ، هُمْ أَرَقُّ أَفْئِدَةً ، وَأَلْيَنُ قُلُوبًا، الإِيمَانُ يَمَانٍ وَالْحِكْمَةُ يَمَانِيَةٌ)) ((رواه البخاري، كتاب المغازي ،باب قصة عمان و البحرين))

"تمھارے پاس اہل یمن آئے ہیں یہ لوگ رقیق القلب، نرم دل ہوتے ہیں، ایمان یمن کا ہے اور حکمت بھی یمن کی ہے"۔

بے شک اہل یمن میں دل کی نرمی اور انکساری وخودداری کی بے پایاں صفات موجود ہیں۔ کمزوروں و بے کسوں کو جب بھی مدد کی ضرورت ہو تو اہل یمن سب سے آگے ہوں گے اور زور آوروں کا مقابلہ کرنے اور انھیں چت کر کے رکھ دینے میں بھی آپ کو ان کا کوئی ثانی نظر نہ آئے گا، دوسری طرف مہمان نوازی میں بھی ان کی مثال نہیں ملے گی۔

علی قدری شہید بھی یمن کے مشہور خطے صنعاء سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ یمن کے ایک مشہور وباثروت خاندان کے چشم و چراغ تھے مگر جہاد کی محبت اور اس فریضے میں کوتاہی کے ڈر نے انھیں دنیا اور اس کی زینت ترک کرنے پر آمادہ کر دیا۔

یہی نہیں بلکہ وہ اپنی اہلیہ اور بچی کو بھی چھوڑ کر چل دیے۔ صبح وشام ان کی یادیں ان کے دل میں بسیرا کیے رکھتیں۔

جنہیں جنتوں کی تلاش تھی

عہد رواں کی اسلامی تاریخ اپنے لہو سے رقم کی

جہاد کی تیاری مکمل کر کے وہ کابل کی قریبی بستی 'لوگر' پہنچے۔ دریائے سرخاب کے قریب ٹھنڈی ہواؤں، پھلوں اور پھولوں سے لدی شاخوں کے درمیان سید محمد حنیف جیسے عالم مجاہد اور داعی کے ساتھ انھیں رہنے کا موقع ملا۔ ساتھ ہی وہ استاذ عبداللہ کے زیر تربیت بھی رہے، جن کے دروازے عسکری تربیت حاصل کرنے والوں کے لیے ہمیشہ کھلے رہتے تھے، خاص طور پر عرب مجاہدین کے لئے۔ ایسے ماحول میں اپنے اہل ایمان بھائیوں کے ساتھ زندگی رواں رہی۔ اخروٹ، خوبانی اور شہتوت کے پیڑوں کے نیچے مجاہدین کے خیمے نصب تھے اس دلکش وادی سے رات کی تاریکیوں میں مجاہدین نکلتے اور دشمن پر شبخون مارتے۔ یہ وادی محمد آغا مرکز کے پاس واقع ہے۔ اس کے درمیان سے کابل سے غزنی جانے والی شاہراہ گزرتی ہے۔ اس شاہراہ پر کارروائیوں کو بڑا کٹھن شمار کیا جاتا ہے، ٹینکوں اور توپوں کا مقابلہ کرتے ہوئے یہ مجاہد دراصل موت کے منہ میں رہتے ہیں۔ مجھے بھی یہ علاقہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ سڑک کے دونوں اطراف ٹوٹے ہوئے توپ اور ٹینک اللہ کے دشمنوں کے عبرت ناک انجام کی گواہی دے رہے ہیں۔ یہاں سے ٹینکوں کا گزرنا جتنا دشوار ہے روسی پیادوں کا گزرنا اس سے بھی کہیں زیادہ مشکل ہے۔

جمعہ ۸ جولائی ۱۹۸۸ء کو غازیوں نے کمیونسٹوں کے مراکز تباہ کرنے کی ٹھان لی۔ علی کا اصرار تھا کہ وہ بھی اس کارروائی میں شریک ہوں۔ رات ایک بجے گھمسان کی لڑائی کے بعد اللہ کے فضل وکرم سے یہ مرکز مجاہدین کے ہاتھوں فتح ہو گیا، میدان سے بھاگتے ہوئے روسی فوجیوں نے غازیوں کی طرف مارٹر کے گولے داغے۔ علی کے سینے پر بھی ایک گولہ لگا اور وہ شہید ہو گئے۔

علی نے عہد رواں کی اسلامی تاریخ رقم کرنے کے لیے اپنے لہو سے روشنائی فراہم کی۔ ہم نے نم آنکھوں سے اس مجاہد کی نعش کو اٹھایا، سینے کے زخم سے خون جاری تھا۔ آج وادی سرخاب کے پہلو میں یہ شیر دل نوجوان محو خواب ہے، اس کی اہلیہ اور بچیوں کی آنکھوں سے نکلنے والے آنسوؤں میں غم اور خوشی کے جذبات کی یکساں طور پر آمیزش ہے۔ غم اور دکھ علی کے فراق کا ہے، اور خوشی اس بات کی کہ ان شاء اللہ جنت کے ابدی مقام پر وہ ان کے استقبال کے لیے موجود ہوں گے۔

عبدالعزیز عبدالصمد ملائشیائی شہید

”وہ محاذ پر رہ کر غازیوں کو قرآن مجید کی تلاوت سکھاتے اور ان کی تجوید و قرأت درست کرنے کا اہتمام کرتے“

ملتِ اسلامیہ کی رگوں میں دوڑتا ہوا نیا لہو خوابِ گراں سے اس کی بیداری کی نوید ہے۔ اُمت ایک بار پھر اپنے اصل سرچشمہ زندگی کی طرف رجوع کر رہی ہے' اللہ کے شیر زمین کے چپے چپے سے اٹھ کر معرکہ جہاد میں شمولیت اختیار کر رہے ہیں' بے شک یہ ایک نئے دور کا آغاز ہے۔

ساحلِ سمندر کے قریب جامعہ کراچی میں اس نوجوان نے تلواروں کی جھنکار اور اسلحے کی گھن گرج سنی تو جہاد میں شمولیت کے شوق نے اسے بے چین کر دیا۔ مرطوب ہواؤں میں بسر ہوتی دوپہروں کی نیند اچاٹ ہو کر رہ گئی۔ اور وہ جنت کی آرزو میں جہاد فی سبیل اللہ کی سمت محوِ سفر ہو گیا۔

معلمِ قرآن کو اللہ کی طرف سے خوشخبری مل گئی

اللہ کے راستے میں ایک دن پڑاؤ ڈالنے کا ثواب عام جگہوں سے ہزار گنا زیادہ اجر رکھتا ہے۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ خدا کی راہ میں موت اور اس کے راستے میں پہرہ دینے کی لذت حاصل کر سکے۔ ہر مردے کے اعمال کا ثواب اس کی موت کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے سوائے اللہ کے راستے میں پہرہ دینے والے کے کہ اس کا ثواب قیامت تک مسلسل اس کے نامہ اعمال میں لکھا جاتا رہے گا۔ اللہ کے راستے میں پہرا دینے والا قبر کے سوال و جواب اور اس کے عذاب سے محفوظ و مامون رہے گا۔

((كُلُّ مَيِّتٍ يُخْتَمُ عَلىٰ عَمَلِهِ إِلاَّ الَّذِي مَاتَ مُرَابِطًا فِي سَبِيلِ اللهِ، فَإِنَّهُ يُنْمَىٰ لَهُ عَمَلُهُ إِلىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَيَأْمَنُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ)) (رواه الترمذي، كتاب فضائل الجهاد، باب ماجاء في فضل من مات مرابطا)

”ہر مرنے والے کی زندگی کے ساتھ ہی اس کے اعمال پر مہر لگا دی جاتی ہے لیکن اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے مرنے والے کا عمل قیامت تک بڑھتا رہتا ہے اور وہ قبر کے فتنے

سے محفوظ رہتا ہے“۔

عبدالعزیز نے اپنا اسلحہ تیار کیا' زادِ راہ ساتھ لیا اور اللہ کے دشمنوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے محاذوں کی طرف چل پڑے۔ وردگ میں وہ مجاہدین کے مرکز میں قیام پذیر رہے۔ وہ غازیوں کو قرآن مجید کی تلاوت سکھاتے اور ان کی تجوید و قرأت درست کرانے کا اہتمام کرتے۔ اسی محاذ پر ایک رات عبدالرحمان سندھی نے خواب میں کسی کی غائبانہ آواز سنی جو کہہ رہا تھا:

”آپ کے درمیان عبدالعزیز نامی ایک شخص ہے جو عن قریب شہید ہو جائے گا“۔ وہ عبدالعزیز کو نہیں جانتے تھے۔ اگلے روز انھوں نے ساتھیوں سے پوچھا: ”آپ میں سے عبدالعزیز کون ہے؟“ عبدالعزیز نے آگے بڑھ کر کہا ”میں ہوں“۔ عبدالرحمان سندھی نے انھیں بتایا: ”آپ عن قریب شہید ہو جائیں گے“۔ عبدالرحمان سندھی نے کچھ دن بعد دوبارہ یہی خواب دیکھا۔

اور ’میدان‘ فتح ہو گیا

روسی اور کمیونسٹ فوجی انتہائی زیادہ نفسیاتی دباؤ اور اضطراب کا شکار رہتے تھے' مجاہدین کا رعب انھیں مارے ڈالتا تھا۔ جنیوا معاہدے کے بعد وہ ہر لحظہ اپنی جان چھڑانے کی فکر میں تھے۔ یہ مجرم خواہش کرتے کہ اپنے ماں باپ' بھائی بند' دوست' افسر الغرض کسی کو بھی اپنے عوض بھیج کر خود چھٹکارا حاصل کر لیں۔

﴿وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِ﴾ (المعارج: ۱۴)

”اور جتنے آدمی زمین پر ہیں غرض سب کچھ دے دیں اور اپنے تئیں عذاب سے چھڑا لے“۔

مجاہدین نے وردگ کے دارالحکومت ’میدان‘ پر حملہ کرنے کی ٹھان لی۔ ’میدان‘ عوامی محل سے ایک کلومیٹر دور تھا۔ اللہ تعالیٰ نے عبدالعزیز بھائی کی قسمت میں اس پوری ولایت سے دشمنوں کا قبضہ ختم کر کے اسے فتح کرنا لکھ رکھا تھا۔ مجاہدین کے ہاتھوں بڑی شان و شوکت سے ’میدان‘ فتح ہو گیا اور مالِ غنیمت کا عظیم حصہ ان کے ہاتھ لگا۔ اپنی شہادت کے دن بھائی عبدالعزیز نے ابو عاصم سے کہا: ”مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ شاید آج میں شہادت پا جاؤں گا“۔ اور پھر یہی ہوا کہ عبدالرحمان سندھی کا خواب سچ نکلا۔ زور دار لڑائی کے دوران ٹینک کا گولہ انھیں زخموں سے چور کر گیا' کاری زخم لگنے کے بعد وہ نو گھنٹے زندہ رہے۔

اس دوران انھوں نے پوری سورہ بقرہ کی تلاوت کی اور پھر اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی تھی

قابلِ رشک ہے یہ موت!

ہم نے ان کے کاغذات میں لپٹی ہوئی ان کی وصیت کو کھولا۔ اس میں تحریر تھا:

''میرا سب مال و متاع میرے امیر کے سپرد کر دیا جائے جسے وہ اللہ کی راہ میں جس طرح چاہیں خرچ کریں۔ میرا اسلحہ میرے بھائی عبدالوہاب کو دے دیا جائے تاکہ وہ اسے جہاد کے لیے استعمال میں لائیں۔ نیز ابا جان کو میری یہ وصیت پہنچائی جائے کہ وہ قومی پارٹی کو ترک کر کے اسلامی تنظیم میں شمولیت اختیار کریں''۔

ہانی احمد رشید شہید

''ہمارے دشمنوں نے اپنی چرب زبانیوں، گمراہ کن دلیلوں، اوچھے ہتھکنڈوں اور ریشہ دوانیوں سے ہمیں اپنے اس فریضے سے غافل کر کے رکھ دیا ہے۔ ان کے اس اقدام کا بدلہ لینے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ ہم ان کی سطوت و شوکت کا محل مسمار کر کے رکھ دیں''

حضرت عمرؓ ہمیشہ اللہ عزوجل سے دعا کرتے:

((اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِي شَھَادَةً فِي سَبِیْلِکَ وَاجْعَلْ مَوْتِي فِي بَلَدِ رَسُوْلِکَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ)) (رواہ البخاري، کتاب فضائل المدینة)

''پروردگار تو مجھے اپنے راستے میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں شہادت نصیب فرما''۔

صحابہ کرامؓ کو حیرت ہوئی کہ حضرت عمرؓ کو بھلا مدینے میں کیسے شہادت مل سکتی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کو حضرت عمرؓ کی سچائی اور شہادت کے شوق کی کیفیت کا اندازہ تھا اس لیے اس نے ان کی دعا کو حرف بہ حرف قبولیت بخشی۔ حضرت عمرؓ کسریٰ پرویز کے لشکر سے نبرد آزما ہونے کے لیے خود اسلامی لشکر کی قیادت کرنا چاہ رہے تھے۔ مگر صحابہ کرام نے انھیں روکتے ہوئے کہا:

''آپ مسلمانوں کو مدینہ میں تنہا، بغیر کسی امیر یا منتظم کے چھوڑ کر نہ جائیں۔ کئی برس قبل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی انھیں اس شہادت کی خوشخبری مل چکی تھی۔ ایک دفعہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ احد کے پہاڑ سے گزر رہے تھے کہ اچانک پہاڑ لرزنے لگا۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاؤں مبارک سے پہاڑ کو ضرب لگائی اور فرمایا:

((اُثْبُتْ اُحُدُ فَاِنَّمَا عَلَیْکَ نَبِيٌّ وَصِدِّیْقٌ اَوْ شَھِیْدَانِ)) (صحیح البخاری)

''احد، جم کر رہو۔ تمھارے اوپر ایک نبی صلی اللہ علیہ وسلم، ایک صدیق اور دو شہید ہیں''۔

رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاک باز

ہم اس وقت اپنے ایک پیارے بھائی کو یاد کر رہے ہیں جنہیں اسلام آباد کی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی ہمیشہ روئے گی' اسلام آباد کے مرکزِ اسلامی کے در و دیوار ان کی یاد میں ہمیشہ آنسو بہائیں گے' کویت میں پیدا ہونے والے فلسطینیوں کے دل ہمیشہ ان کی یادوں سے مہکتے رہیں گے۔ میرے تصور میں بھی نہ تھا کہ مجھ سے عمر میں سالہا سال چھوٹا یہ نوجوان مجھ سے کہیں پہلے جامِ شہادت سے سیراب ہو جائے گا۔ یہ تو خدا کا عطیہ ہے' جسے چاہیں سرفراز فرما دیں۔ وہ ہم سب کو پیچھے چھوڑ کر جنت کے اعلیٰ درجات کے مستحق قرار پائے۔ شرم و حیاء کے نور میں جگمگاتی ان کی پاکیزہ جوانی اپنے اردگرد کی تاریکیوں میں روشنی کا ہالہ تھی جو ہم سے اس قدر جلد جدا ہو گئی۔ حدیث شریف میں ہے:

"عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: سُئِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَكْثَرِ مَا يُدْخِلُ النَّاسَ الْجَنَّةَ قَالَ: ((تَقْوَى اللهِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ))، وَسُئِلَ عَنْ أَكْثَرِ مَا يُدْخِلُ النَّاسَ النَّارَ، قَالَ: ((الْفَمُ وَالْفَرْجُ)) (رواه الترمذي، أبواب البر والصلة، باب ماجاء في حسن الخلق)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کس عمل کی وجہ سے لوگ جنت میں زیادہ داخل ہوں گے؟ ارشاد فرمایا: "تقویٰ (اللہ کا ڈر) اور اچھے اخلاق"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کس عمل کی وجہ سے لوگ جہنم میں زیادہ داخل ہوں گے؟ ارشاد فرمایا: "منہ اور اور شرم گاہ (کا غلط استعمال)"۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهِ دَرَجَةَ الصَّائِمِ الْقَائِمِ)) (رواه ابو داؤد، كتاب الأدب، باب في حسن الخلق)

"مومن اپنے اچھے اخلاق کی وجہ سے اس شخص جیسا مرتبہ حاصل کر لیتا ہے جو تمام دن روزہ رکھے اور رات کو عبادت کرے"۔

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((أَنَا زَعِيمٌ بِبَيْتٍ فِي رَبَضِ الْجَنَّةِ، لِمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَإِنْ كَانَ مُحِقًّا،

وَبِبَيْتٍ فِي وَسَطِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْكَذِبَ وَإِنْ كَانَ مَازِحًا، وَبِبَيْتٍ فِي أَعْلَى الْجَنَّةِ لِمَنْ حَسَّنَ خُلُقَهُ)) (رواه ابو داؤد، كتاب الأدب، باب في حسن الخلق)

"میں اس شخص کے لئے جنت کی اطراف میں ایک گھر (دلانے) کی ذمہ داری لیتا ہوں جو حق پر ہونے کے باوجود بھی جھگڑا چھوڑ دے اور اس شخص کے لئے جنت کے درمیان میں ایک گھر (دلانے) کی ذمہ داری لیتا ہوں جو مذاق میں بھی جھوٹ نہ بولے اور اس شخص کے لئے جنت کے بلند ترین درجے میں ایک گھر (دلانے) کی ذمہ داری لیتا ہوں جو اپنے اخلاق اچھے بنالے"۔

ایک دوسری حدیث ہے

((الْحَيَاءُ خَيْرٌ كُلُّهُ)) (رواه مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان عدد شعب الإيمان وأفضلها و أدناها، و فضيلة الحياء، وكونه من الإيمان)

"حیا خیر ہی خیر لاتی ہے"۔

خاموش طبع' شرم و حیا کا پیکر' جھکی جھکی نگاہیں' گفتگو کرتے تو بقدرِ ضرورت' چہرے پر آویزاں دائمی مسکراہٹ' یہ تھے ہانی احمد رشید (ابو زبیر)۔ جو بھی ان کے پاس بیٹھتا اپنی بذلہ سنجی سے اسے محظوظ کر کے چھوڑتے۔

ایک جوان کی دعوت پر کتنے ہی اور چل نکلے

میں اکثر دین دار نوجوانوں کو دیکھتا ہوں کہ ایک طرف تو جہاد میں شرکت کا بے پناہ شوق ان میں انگڑائیاں لے رہا ہوتا ہے اور دوسری طرف اہلِ خانہ کی طرف سے عائد ذمہ داریاں' معاشرتی دباؤ' تعلیم و کیریئر کے مسائل ان کے پاؤں کی بیڑیاں بن جاتے ہیں! وہ اپنے من میں برپا کشمکش میں سے کسی ایک کے حق میں فیصلہ دینے کے بارے میں اکثر تردد کا شکار ہو جاتے ہیں' نہ جانے ایسا کیوں ہے؟

فلسطین کی بستی 'طولکرم' ہانی کی آبائی بستی تھی۔ انھیں ہوش سنبھالنے کے بعد کبھی اس بستی میں جانے کا اتفاق نہ ہوا تھا۔ اس کے باوجود اس کی محبت اور مسجدِ اقصیٰ کو دیکھنے کی تڑپ ان کی جاگتی آنکھوں میں

خواب بن کر رچ بس رہی تھی۔ بلند و بالا زیتون کے درختوں سے گنجان سرزمین، جن کے تنوں سے جھولا جھولنے کی خواہش اب ان کے بچپن کی یاد بن کر قصۂ ماضی ہو چکی تھی، مگر اپنے والدین اور بڑوں سے سنے ہوئے اس دھرتی کے حسن و دل فریبی کے قصے ہر لمحہ ان کی یادوں کو مسحور رکھتے۔ 'طولکرم' سے 'عقیل' تک سر سبزی و شادابی کی ایک دنیا آباد ہے، جس کا بے تاباں حسن بے اختیار لبوں کو شاعری کرنے پر مجبور کر ڈالتا ہے۔ اس مٹی کو کفر کی نجاست سے پاک اور اللہ کے حکم کے تابع دیکھنے کی خواہش ہر لمحہ ان کے دل میں اضطراب پیدا کیے رکھتی۔

فلسطین کے کتنے ہی نوجوان تھے جنھیں ہانی احمد نے منزل سے روشناس کرایا۔ ان کی بے مقصد جوانیوں کو مقصدیت کی راہ دکھائی۔ انھیں دینِ حق پر اعتماد و یقین کی دولت سے آشنا کیا۔ آج بھی اسلام آباد مرکز کی اداس دیواریں اس مسیحا کو یاد کر کے سوگوار ہیں۔ ہانی بھی بڑی بے تابی سے چھٹیوں کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ راہِ جہاد میں پاؤں غبار آلود کر کے اپنے شوق کی تسکین چاہتے تھے۔ میں انھیں اکثر اس کیفیت میں دن گن گن کر جہاد کے لیے کوچ کرنے کا انتظار کرتے دیکھتا۔ ان سے اپنی ملاقات کے آخری ایام مجھے یاد ہیں۔ ان کی ساری دوڑ دھوپ مجاہدین کو منظم کرنے پر مرکوز تھی، یہ عید الاضحیٰ سے چند ہی دن پہلے کی بات ہے۔

اس وقت وہ نمازِ ظہر کی ادائیگی کے لئے اپنے ربّ کے روبرو کھڑے تھے

آخر انھوں نے قندھار جانے کا فیصلہ کر لیا جہاں کے جہاد اور معرکوں کی حشر سامانیاں ان کے جذبوں کو ہر آن مہمیز بخشتی رہتی تھیں۔ انھوں نے اپنے مجاہد دوستوں کے ساتھ 'سپین بولدک' میں موجود کمیونسٹوں کے مرکز پر یلغار کا ارادہ کیا۔ کمیونسٹوں نے غازیوں کے سامنے سپر ڈال دی۔ کثیر تعداد میں مالِ غنیمت اِن کے ہاتھ لگا، بہت سے روسی فوجی قید کر لیے گئے۔ دشمن کے قریبی مرکز نے حملے کی اطلاع پا کر یکبارگی غازیوں پر دھاوا بول دیا، انھوں نے کئی میزائل پھینکے۔ ایک ہانی احمد کے قریب گرا جس سے وہ شدید زخمی ہو گئے۔ وہ اس وقت نمازِ ظہر کی ادائیگی کے لیے اپنے ربّ کے روبرو کھڑے تھے۔ یہ ۲ جولائی 1988ء کا دن تھا جب انھوں نے شہادت پائی۔

ہمیں امید ہے ان کی روح بھی دوسرے شہداء کے ساتھ سبز پرندوں کے جھنڈ میں جنت میں اڑتی

پھر رہی ہوگی یا پھر عرش کے نیچے لٹکی قندیل میں بسیرا کرتی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنی راہ میں شہادت کے رتبے سے ہمیں محروم نہ فرمائیں اور ہمارا انجام اپنے نیکوکار لوگوں کے ساتھ کر دیں۔

اے شہید کے گھر والو! یہ منزل کامیابی کی منزل ہے

اے شہید کی ماں! اپنے بیٹے کی جدائی پر دل گرفتہ نہ ہو بلکہ فخر کر کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی راہ میں قربانی کے لیے منتخب کیا ہے۔ اللہ تیرے بیٹے کی شہادت کو قبول فرمائیں تاکہ یہ قیامت کے روز اپنے گھر والوں کا سفارشی بن کر آ سکے۔ شہید کی ماں! غم و الم کی چادر اتار پھینک' آہ و بکا نہ کر کہ ایسے بہادر سپوت قوموں کا سرمایہ اور آنے والی نسلوں کا افتخار ہوتے ہیں۔ شہید کی بہنو! اپنے سر فخر سے بلند کر لو۔ اپنے بھائی کی جدائی تمھیں رنجیدہ خاطر نہ کرنے پائے بلکہ اس کا بلند رتبہ تمھیں مسرت و سرور بخشے! شہید کے والد بزرگوار! اس شیر دل نوجوان کی بہادری و شجاعت آپ کو مبارک ہو! آپ کے بیٹے نے آپ کے خاندان کی عزت کو چار چاند لگا دیے ہیں، ہمارے اور دوسرے سینکڑوں افراد کے آپ سے تعارف کا ذریعہ آپ کا بیٹا بنا ہے۔ یہ اعزاز و افتخار آپ کو مبارک ہو! اپنے آنسو پونچھ ڈالیے اور شہید کے دیگر بھائیوں کو بھی اس کے نقشِ قدم پر چلنے کے لیے آمادہ کیجیے کہ یہ راستہ عزت و سربلندی کا ہے اور یہ منزل کامیابی کی منزل ہے۔ یہ شہید ہم سے بہتر اور اپنے ربّ کے ہاں مقبول تھے۔ ورنہ ہم یوں ان کے پیچھے رہ کر حسرت سے ہاتھ ملتے نہ رہ جاتے۔ ہم اپنے انجام سے بے خبر ہیں اور وہ خوش قسمت تھے کہ انجامِ خیر کو پا گئے۔ اللہ سے دعا ہے وہ ہمیں بھی سعادت کی زندگی، شہادت کی موت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کی معیت نصیب فرمائیں۔

وصیت: ''مجھ سے جو کوتاہی ہوئی ہے اس سے درگزر فرما دیجیے''

''یہ وصیت خدا کے عاجز و بے بس بندے ہانی احمد صالح کی ہے۔ میں آپ سب کو اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہوں کہ اللہ کریم کا تقویٰ ہی تمام نیکیوں کی قبولیت کا باعث ہے۔ آپ پر لازم ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم کی پیروی کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیں۔

جہاد فی سبیل اللہ ہمارے ایمان کا حصہ ہے' مگر صدیاں بیت گئیں کہ مسلمان اس فریضے سے غفلت اختیار کیے ہوئے ہیں۔ کہیں خال خال کوئی اس فریضے کو مضبوطی سے پکڑے بیٹھا ہے' باقی ساری اُمت پر ذلت ونکبت اور نیند کی حالت طاری ہے اور یہ جہاد کا راستہ چھوڑ دینے کا وبال ہے کیونکہ جب بھی کسی قوم نے جہاد کی راہ سے فرار اختیار کیا' اللہ تعالیٰ نے اس پر ذلت وپسپائی مسلط کر کے رکھ دی۔ ہمارے دشمنوں نے اپنی چرب زبانیوں' گمراہ کن دلیلوں' اوچھے ہتھکنڈوں اور ریشہ دوانیوں سے ہمیں اپنے اس فریضے سے غافل کر کے رکھ دیا ہے۔ ان کے اس اقدام کا بدلہ لینے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ ہم ان کی سطوت وشوکت کا محل مسمار کر کے رکھ دیں۔ امتِ مسلمہ کو عزت اور رہنمائی کا منصب واپس دلوانے کے لیے اپنا تن' من' دھن صرف کر ڈالیں۔ اسی کی راہ میں جدوجہد اور قربانی امتِ مسلمہ کو اس کا کھویا ہوا مقام واپس دلوا سکتی ہے۔

اپنے ابا جان سے میری گزارش ہے کہ اے ابا جان! ربّ العالمین کے احکام کے نفاذ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کو کبھی خاطر میں نہ لائیے۔ میرے بہن بھائیوں کو جادۂ حق سے روشناس کرانے کے لیے' اپنے فریضے کو ہر لحہ نگاہوں میں رکھیے۔ والدۂ محترمہ سے میری گزارش ہے کہ اللہ کی خشیت وتقویٰ ہر حال میں مدنظر رکھیے اور اپنی اولاد کی احسن انداز میں تربیت کو اپنی اولین ترجیح بنالیجیے۔ آپ دونوں سے التجا ہے کہ آپ کے حقوق کی ادائیگی کے سلسلے میں مجھ سے جو کوتاہی ہوئی ہے اس سے درگزر فرما دیجیے۔

میں اپنے مالک کا شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے اپنی راہ میں جہاد کے اعزاز سے سرفراز فرمایا۔ اللہ کی قسم' مجھے زندگی میں کسی اور کام میں ایسا سکون اور لذت نہیں ملی جو اس راہ میں میسر آئی ہے۔ یہ جہاد پوری ملتِ اسلامیہ کا فریضہ ہے۔ محض کوئی ایک قوم یا جغرافیائی خطہ اس کا مکلف نہیں ہے' بلکہ یہ عبادت ان تمام جغرافیائی حد بندیوں سے ماوراء ہے جو استبداد نے اپنے کارندوں کے ذریعہ قائم کر رکھی ہیں۔

میری شہادت کی خبر آپ کو دنیا کی دیگر تمام خوشیوں سے بے نیاز کر دے کہ یہ وہ سعادت وخوش بختی ہے جو نصیبے والوں ہی کو میسر آسکتی ہے۔ پروردگار سے دعا ہے کہ وہ جنت میں ہمیں اکٹھا کر دیں۔ بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہیں' وہی دعاؤں کو شرفِ قبولیت بخشتے ہیں' اور وہی اہلِ ایمان کے حامی وناصر ہیں۔

عبداللہ محارب شہید

''وہ دن ہی کچھ ایسے تھے۔ ہم سب کے دل ایک ہی ڈور میں بندھے تھے' محبت کی ایک ہی مالا ہم سب کو جوڑے ہوئے تھی۔ ایک خاندان اور ایک گھرانے کے افراد کی طرح ہم ایک دوسرے کی دید اور ملاقات کے لیے بے تاب رہتے تھے''

یادوں کا سلسلہ مجھے ۱۹۸۴ء میں لا کھڑا کرتا ہے۔ اُن دنوں میری رہائش اسلام آباد میں تھی۔ ایک روز میں اپنے گھر میں بیٹھا تھا کہ کسی نے گھنٹی بجائی۔ دروازہ کھول کر باہر آیا تو دیکھا کہ کچھ نوجوان چہرے پر سوچ بچار کے گہرے سائے پھیلائے کھڑے ہیں۔ میں تردّد جھجک کے عجیب مرحلے پر آن کھڑا ہوا۔ میری نگاہوں کے سامنے قرآن مجید کی اس عبارت کے الفاظ ابھر آئے:

﴿وَاِنْ قِیْلَ لَکُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا﴾ (النور: ۲۸)

''اور اگر تم سے یہ کہہ دیا جائے کہ لوٹ جاؤ تو لوٹ آیا کرو''۔

مگر زبان ان الفاظ کو ادا کرنے سے رک رک جاتی تھی۔ میں اُس وقت بعض اہم جہادی امور نمٹانے میں مصروف تھا' چنانچہ انھیں اندر آنے کا نہ کہہ سکا! میں نے ان سے معانقہ کیا تو ایک نوجوان آگے بڑھ کر کہنے لگا: ''معلوم ہوتا ہے آپ شدید مصروف ہیں''۔ میں نے کہا: ''کچھ ایسا ہی ہے' آپ کا قیاس بالکل درست ہے''۔ کہنے لگا: ''میں آپ سے ملنے کے لیے بے تاب تھا۔ شکر ہے' اللہ تعالیٰ نے ملاقات کا موقع بخش دیا۔ بس اب میں چلتا ہوں!''

یہ نوجوان مجھے اپنی اولاد سے بھی محبوب تر تھے

وہ دن کچھ ایسے ہی تھے۔ ہم سب کے دل ایک ہی ڈور میں بندھے تھے' محبت کی ایک ہی مالا ہم سب کو جوڑے ہوئے تھی۔ ایک خاندان اور ایک گھرانے کے افراد کی طرح ہم ایک دوسرے کی دید اور ملاقات کے لیے بے تاب رہتے تھے۔ میں ان نوجوانوں کو دیکھتا تو میرا دل محبت کے جذبات سے لبریز ہو جاتا' یوں محسوس ہوتا جیسے میری اولاد میرے سامنے کھڑی ہوئی ہے۔ بلکہ شاید یہ نوجوان مجھے اپنی

اولاد سے بھی محبوب تر تھے! ان کو دیکھ کر میرے دل کی کلی کھل اٹھتی اور ان سے دُوری میری طبیعت پر گراں گزرتی۔

اس خاندان کے بزرگ والدین کی جگہ تھے اور چھوٹے اولاد کی مانند! جب کہ اپنے ہم عمر... بھائی بندے تھے۔ مجھے ہر لمحہ اس خاندان کو حاسدین اور ناقدین کی نگاہوں سے محفوظ رکھنے کی فکر لاحق رہتی۔ میں ان کے گروہی اور فرقہ وارانہ تعصب کی بھینٹ چڑھ جانے کے اندیشے سے پریشان ہو جاتا۔

پھر یوں ہوا کہ ہم ایک عجیب موڑ پر آ کھڑے ہوئے۔ کچھ ایسے لوگ ان صفوں میں شامل ہوئے جو اپنے دلوں میں برسوں کی نفرت وحسد کا بوجھ اٹھائے ہوئے تھے۔ حرص وہوس کی فریب کاریاں اور اپنی رائے کے مقابلے میں دوسروں کی رائے کو حقیر سمجھنے کی بیماری... یہ سب بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھائے وہ ہمارے گلستان میں وارد ہوئے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ متعدی بیماری بہت سوں کو اپنا اسیر بنا گئی۔ کئی قلب ونظر کے فساد میں مبتلا ہو گئے، کئی بھائیوں کی اخوت حسد کی بھینٹ چڑھ گئی۔

عبداللہ میدانِ جہاد کے سابقون الاولون شہسواروں میں سے تھے۔ وہ فطرتِ سلیمہ کے مالک نوجوان تھے، جن کی جوانی حرص وہوس کی فضاؤں سے دور اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرماں برداری میں بسر ہوئی تھی۔ ان کی زندگی کی مثال ان صحابیؓ کی مانند تھی۔ ایک صحیح حدیث میں روایت ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ایک جنگ کے موقع پر فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

"عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ قَيْسٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي، وَهُوَ بِحَضْرَةِ الْعَدُوِّ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ((إِنَّ أَبْوَابَ الْجَنَّةِ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوفِ)) فَقَامَ رَجُلٌ رَثُّ الْهَيْئَةِ، فَقَالَ: يَا أَبَا مُوسَىٰ! أَنْتَ سَمِعْتَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ هَذَا؟ قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: فَرَجَعَ إِلَىٰ أَصْحَابِهِ فَقَالَ: أَقْرَأُ عَلَيْكُمُ السَّلَامَ، ثُمَّ كَسَرَ جَفْنَ سَيْفِهِ فَأَلْقَاهُ، ثُمَّ مَشَىٰ بِسَيْفِهِ إِلَى الْعَدُوِّ، فَضَرَبَ بِهِ حَتَّىٰ قُتِلَ" (رواه مسلم)

حضرت ابوبکر بن عبداللہ بن قیس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سنا جب کہ وہ دشمنوں کے سامنے صف آراء تھے، کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جنت کے دروازے تلواروں کے سائے تلے ہیں" اتنی بات

سن کر ایک غریب بوسیدہ حال شخص اٹھا اور کہنے لگا: "اے ابوموسیٰؓ! کیا تم نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے؟" آپؓ نے فرمایا: "ہاں!" بس یہ سن کر وہ آدمی اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹا اور ان سے کہا کہ میں تو تمہیں سلام کرتا ہوں۔ پھر اس نے اپنی تلوار کی نیام توڑ کر پھینکی اور تلوار لے کر دشمن کی طرف بڑھا اور (دشمنوں کو) مارتا گیا یہاں تک کہ خود شہید ہو گیا۔"

ان کا ایک قدم معرکۂ جہاد میں ہوتا اور دوسرا قدم اپنے ملک اور اپنے شہر میں مجاہدین کے لیے پیسے اکٹھے کرنے تبرعات (اعانات) جمع کرنے اور نوجوانوں کو جہاد کے لیے آمادہ کرنے میں۔ انھوں نے لگ بھگ زندگی کے پانچ سال اسی نہج پر بسر کیے۔

الدفاع عن أراضي المسلمين أهم فروض الأعيان

میں انھیں ایک طویل عرصے سے اس کیفیت میں دیکھ رہا تھا۔ ایک دفعہ مجھ سے کہنے لگے: "جہاد کے فرضِ عین ہونے سے متعلق آپ کی رائے سے مجھے پورا اتفاق ہے اور اس بات سے بھی میں متفق ہوں کہ موجودہ حالت میں جہاد میں شرکت کو کسی کی اجازت کے ساتھ مشروط کرنا بھی درست نہیں ہے"۔ پھر کہنے لگے: "کیا آپ نے فتاویٰ ابنِ تیمیہ کا ص ٣٥٨ ج ٢٨ ملاحظہ فرمایا ہے؟" ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ تحریر کرتے ہیں:

"فأما إذا أراد العدو الهجوم على المسلمين فإنه يصير دفعه واجب على المقصودين كلهم وعلى غير المقصودين، كما قال الله تعالى: ﴿وَإِنِ اسْتَنْصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ﴾ (الانفال: ٧٢) كما أمر النبي ﷺ بنصر المسلم، وسواء كان الرجل من المرتزقة للقتال أو لم يكن، وهذا يجب بحسب الإمكان على كل أحد بنفسه وماله مع القلة والكثرة والمشي والركوب كما كان المسلمون لما قصدهم العدو عام الخندق لم يأذن الله في تركه لأحد" (ج/٢٨، ص/٣٥٨)

"دشمن جب مسلمانوں کے کسی علاقے پر حملہ آور ہو تو ان کا مقابلہ کرنا اس علاقے کے

مسلمانوں اور دیگر تمام خطوں کے مسلمانوں پر فرض ہو جاتا ہے"۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد بھی اس فیصلے کی تائید کرتا ہے کہ

﴿وَإِنِ اسْتَنصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ﴾ (الانفال : ۷۲)

"اور اگر وہ تم سے دین (کے معاملات) میں مدد چاہیں تو تمہارے ذمے مدد کرنا واجب ہے"۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مسلمان بھائی کی مدد و نصرت کا حکم دیا ہے' چاہے وہ میدانِ کارزار کے اندر ہو یا باہر۔ ہر مسلمان اپنے حالات' وسائل اور مواقع کے مطابق اپنے مسلمان بھائی کی مدد کا پابند ہے۔ غزوۂ احزاب کے موقع پر جب تمام دشمن مل کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایک کو بھی جہاد ترک کرنے کی اجازت نہیں دی"۔

میں نے اپنے دل میں سوچا: "شاید عبداللہ محارب بھائی جانتے نہیں کہ یہ ساری تفصیل میں اپنی کتاب "الدفاع عن أراضی المسلمین أهم فروض الأعیان" میں تحریر کر چکا ہوں۔

زندگی میری فقط تیری رضا کے واسطے

عبداللہ نے قندھار کو اپنی جہادی سرگرمیوں کا مرکز بنالیا۔ قندھار ایک چٹیل میدانی علاقہ ہے جہاں عسکری کارروائیوں کا نفاذ باقی سارے افغانستان سے زیادہ مشکل ہے۔ ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ کی بات ہے' وہ اپنی آنکھوں سے مجاہدین کو فتح و نصرت کے علم لہراتے دیکھ رہے تھے۔ مجاہدین پر اللہ کا فضل و احسان اور کافروں پر طاری ذلت و رسوائی ان کی آنکھوں کے سامنے تھی۔ اسی دوران ایک کارروائی میں دشمن کی گولیوں کی ایک باڑھ نے عبداللہ کو زخموں سے نڈھال کر دیا' ان کے لیے گفتگو کرنا محال ہو گیا۔ وہ اپنے ہاتھ سے آسمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر گئے؛

زندگی میری فقط تیری رضا کے واسطے
اور پھر تیری رضا بھی اے خدا تیرے لئے

ان کی شہادت کے چند دنوں بعد کویت میں موجود دارالایتام کے مدیر شیخ عقیل کا خط مجھے موصول ہوا' وہ لکھتے ہیں: "۱۴۰۸ھ ذی الحجہ کی ابتدائی تاریخوں میں عبداللہ محارب ہم سے بچھڑ کر جہاد و عزیمت کی راہ میں اپنی جان وار گئے"۔

عبداللہ سے ملاقات ریاض میں ۱۴۰۴ھ کو ہوئی تھی' انھوں نے مجھ سے مجاہدین کی صف میں شامل ہونے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ پھر اسی برس عید الفطر کے اگلے روز ان سمیت چند مجاہد ساتھیوں کا ایک دستہ اسلام آباد ہوائی اڈے پر اترا اور افغانستان کی طرف عازم سفر ہو گیا۔

عبداللہ محارب آٹھ ماہ تک مسلسل جاجی میں کامیاب جہادی کارروائیوں میں حصہ لیتے رہے۔ ۸ ماہ بعد وہ حجاز چلے گئے اور وہیں رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئے۔ پھر ایک طویل عرصے تک مجھے ان سے ملاقات کا کوئی اتفاق نہ ہوا مگر مجھے خبریں ملتی رہیں کہ ان کے خراسان آنے جانے کا سلسلہ مسلسل جاری ہے۔ وہ ممکنہ حد تک مجاہدین کے لیے تبرّعات اکٹھا کرنے اور اپنے شہداء کے رنجیدہ خاندانوں کی دادرسی کا سامان کرتے رہتے۔ اسی دوران مجھے علم ہوا کہ انھوں نے قندھار کے دامن میں واقع 'ارغنداب' میں ایک ہسپتال کھول لیا ہے۔ ان سے ملاقات کی خواہش میرے دل میں بیدار رہتی مگر اجل نے اس کا موقع نہ دیا۔

مجھے ان کے قریبی دوست نے بتایا کہ شہادت کے وقت انھوں نے اپنی شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھا رکھی تھی اور لب بند تھے۔ شاید وہ دل میں کلمۂ شہادت ادا کرتے ہوئے اپنے ربّ سے ملاقات کے لیے رخصت ہو رہے تھے۔ سب ساتھیوں نے شہادت کے بعد ان کے چہرے پر عجیب دل آویز مسکراہٹ دیکھی' اس دل آویز مسکراہٹ کی یاد آج بھی میرے دل میں بسی ہے۔ شہادت سے کچھ گھنٹے قبل جمعرات کی شام انھوں نے 'ارغنداب" کے قریبی چشمے سے غسل کیا۔ شہادت کے حصول کے لیے ان کا ذوق و شوق میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ سچ ہے اللہ تعالیٰ صدقِ دل سے مانگی گئی طلب کو رد نہیں فرماتا۔

اے پُرعزم مجاہد' آپ کو خدا کی راہ میں موت مبارک ہو! آپ کے والدین' اہلیہ اور ننھی منی دونوں بچیوں کو بھی مبارک باد! اللہ آپ کی شہادت قبول فرمائیں۔ سلام ہو ان مجاہد صفت نوجوانوں کو جو اللہ سے کیا گیا اپنا وعدہ پورا کر گئے' ان میں سے کئی اپنی نذر پوری کر چکے اور کئی ابھی محوِ انتظار ہیں۔ انھوں نے ہرگز اپنے وعدے کے خلاف نہیں کیا۔ درود و سلام ہو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ طیبہ پر۔

سیّد احمد خلیفہ شہید

''وہ جب بھی افغانستان جاتے' سیاسی اور عوامی سطح پر ان کا پرجوش خیر مقدم ہوتا' جس کا سبب ان کا سادات عرب کا چشم و چراغ ہونا تھا۔ بڑے بڑے جھگڑوں اور دشمنیوں کی آگ سید احمد خلیفہ کے ایک فیصلے سے ٹھنڈی پڑ جاتی''

وہ اپنی ذات میں انجمن تھے۔ خاندانی وجاہت اور خودداری ان کی صفات تھیں۔ بادلوں سے زیادہ بلند ہمت اور سرو قد درختوں سے زیادہ بلند۔ ان کا آدھا دھڑ مفلوج تھا۔ کسی سہارے کے بغیر ان کے لیے دو قدم چلنا بھی دوبھر تھا۔ وہ اس سید خاندان کے چشم و چراغ تھے جو افغانوں کے لیے قطعاً اجنبی نہ تھا۔ ان کا گھر ہر لمحہ آنے جانے والوں کے لیے مرکز بنا رہتا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر مدینہ طیبہ میں واقع یہ گھر افغانستان سے آنے والے زائرین حرم کے لیے توجہ کا اہم مرکز تھا۔ افغانستان کے وزیر اعظم' بری فوج کے سربراہ اور تمام دیگر سیاسی شخصیات جب بھی مدینہ آتیں احمد خلیفہ کے اہلِ خانہ سے ملاقات کے بغیر ان کا سفر مکمل نہ ہوتا۔

مینگل خان افغانستان کی مشہور علمی شخصیت تھے۔ ان کے مدینہ منورہ کے سید خاندان سے خصوصی روابط تھے۔ یہی وجہ تھی کہ سید احمد خلیفہ کے والد نے اپنے بیٹے کا بچپن تلواروں کی جھنکار اور گھوڑوں کی پیٹھ پر بسر کروانے کے لیے انھیں اپنے افغانی دوست مینگل خان کے سپرد کر دیا۔

سید احمد خلیفہ کا بچپن مینگل خاندان کے بچوں سے آنکھ مچولی کھیلتے گزرا۔ یہ وہی خاندان ہے جس نے سب سے پہلے سال ۱۹۷۸ء میں ترہ کئی کے خلاف جہاد کا علم بلند کیا تھا۔

جب احمد خلیفہ نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو مینگل خان نے اپنی ایک رشتے دار لڑکی کو ان کی زوجیت میں دے دیا۔ حالانکہ پشتونوں کے ہاں خاندان سے باہر رشتہ دینے کا تصور ہی ناپید ہے مگر سید احمد خلیفہ کا معاملہ دوسرا تھا اور ان کے ساتھ اپنی کسی بیٹی کا بیاہ ان کے لیے باعثِ افتخار و اعزاز تھا۔

میں جب بھی ان کے پاس بیٹھتا' افغان قوم کی تاریخ اور خصوصیات کی بات چھڑ جاتی

افغانستان کی سرزمین احمد کا دوسرا وطن بن چکی تھی۔ انھوں نے اس کی تاریخ کے بڑے بڑے اتار چڑھاؤ دیکھے۔ افغانستان سے متعلق وہ کون سی بات ہے' جس سے سید احمد انجان ہیں۔

ان کی دو بیویاں تھیں جن میں سے ایک ام اسامہ ہیں۔ ان کے داماد وائل ابوالحسن نے اپنے خاندان سمیت ارضِ جہاد کی طرف ہجرت کر لی تھی۔ سید احمد کے دل میں بھی جہاد کا جوش و جذبہ سر اٹھانے لگا۔ یہ جہاد اس سرزمین میں جاری تھا' جس کی محبت ان کے دل کی گہرائیوں میں پیوست تھی۔ ان کے دل کا ایک خانہ افغانستان کی محبت کا اسیر تھا اور دوسرے خانے میں طیبہ کا عشق متمکن تھا۔

میں جب بھی ان کے پاس بیٹھتا افغانستان کی تاریخ اور افغان قوم کی خصوصیات کی بات چھڑ جاتی۔ وہ ۱۹۳۳ء کی لڑائی کے عینی شاہد تھے۔ اسی لڑائی کے دوران شادی کی ایک تقریب کا ماتم کدے میں تبدیل ہو جانا انھیں اچھی طرح یاد تھا اور وہ بڑی تفصیل کے ساتھ اس واقعے کی جزئیات بیان کرنے لگ جاتے۔

وہ جب بھی افغانستان جاتے عوامی سطح پر ان کا پرجوش خیر مقدم ہوتا' جس کا سبب ان کا سادات عرب کا چشم و چراغ ہونا تھا۔ بڑے بڑے جھگڑوں اور لڑائیوں کی آگ سید احمد خلیفہ کے ایک فیصلے سے ٹھنڈی ہو جاتی۔ افغان ان کی رائے سے انحراف کے بارے میں سوچنا بھی گناہ سمجھتے تھے۔

میں اُن کے پاس بیٹھ کر سورہ یٰسین کی تلاوت کرنے لگا

ام الحسن عید الاضحیٰ سے عید الفطر تک کا طویل عرصہ اپنے والدین کے ہاں گزار کر واپس جا رہی تھیں۔ جاتے ہوئے سید احمد خلیفہ اور ان کی اہلیہ اپنی بیٹی کے ہمراہ ہو لیے۔ افغانستان میں ان کی آخری آمد خالصتاً جہاد کے لیے تھی جس میں اپنی بیٹی (ام الحسن) سے ملاقات کی نیت کا کوئی دخل نہ تھا۔ اسی دوران ذوالحجہ کے ابتدائی دنوں کی آمد ہوئی جن کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد ہے کہ:

"عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: ((ما العَمَلُ فِي أَيَّامِ [العَشْرِ] أَفْضَلَ مِنهَا فِي هذِهِ)). قالوا: وَلَا الْجِهَادُ؟ قَالَ: ((وَلَا الْجِهَادُ، إِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ يُخَاطِرُ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ فَلَمْ يَرْجِعْ بِشَيْءٍ)) (رواه البخاري، كتاب العيدين، باب فضل العمل في أيَّامِ التَّشريق)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ان دنوں (عشرہ ذی الحج) میں جو بھی عمل کیا جائے، اس سے کوئی عمل افضل نہیں۔ کہا گیا کہ جہاد بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا، جہاد بھی نہیں بجز اس شخص کے جس نے اپنے جان و مال کو خطرے میں ڈالا اور کوئی چیز لے کر نہیں لوٹا؟

ایک دن فجر کے وقت فون کی گھنٹی بجی۔ میں نے فون اٹھایا تو دوسری طرف سید احمد کی اہلیہ ام جمال تھیں، کہنے لگیں: ''ابوالحسن (وائل) سے کہیے کہ فوراً ہسپتال پہنچ جائیں''۔ میں نے ساتھ والے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا اور انھیں اطلاع دی۔ کچھ ہی دیر بعد میں اور ابوالحسن، ام الحسن کو لے کر سید احمد سے ملنے ہسپتال چل دیے۔ ان کی آنکھیں بند تھیں اور لبوں پر اوراد و وظائف تھے۔ انتہائی پرسکون چہرہ لیے غم زمانہ سے بے نیاز مسہری پر دراز تھے۔ میں کچھ دیر ان کے پاس بیٹھا اور پھر اجازت لے کر واپس چل دیا۔

یہ ان سے میری آخری ملاقات تھی۔ اسی روز شام چار بجے میرے بیٹے ابراہیم نے آکر میرے کان میں سرگوشی کی: ''ابا جان! سید احمد وفات پا گئے''۔ میں نے فوری طور پر ابوالحسن کے گھر کا رخ کیا۔ وہیں سید احمد خلیفہ ابدی نیند سو رہے تھے۔ سفید چادر میں لپٹے ہوئے وہ ہمیشہ کے گھر کو سدھار چکے تھے۔ میں ان کے پاس بیٹھ کر سورۂ یاسین کی تلاوت کرنے لگا۔

میں نے ابوالحسن سے ان کی تدفین کے بارے میں مشورہ کیا کہ آیا انھیں ایک مجاہد رہنما کے گھر کے قریب واقع قبرستان میں دفن کر دیا جائے جہاں یحییٰ سینور اور ابوعبدالحق محو استراحت ہیں یا انھیں مدینہ منورہ کے قبرستان جنت البقیع میں صحابہؓ کے پڑوس میں دفن کیا جائے۔

وہ جمعہ کے روز عصر کے بعد قبولیت کی گھڑی میں اپنے رب سے جا ملے تھے۔ انھیں اتوار سے پہلے مدینہ منورہ پہنچانا ممکن نہ تھا۔ ہفتے کی رات اور ہفتے کا سارا دن ان کی نعش پشاور میں رہی۔ ہفتے کے روز شام کے وقت ہم نے ان کی نعش کو جہاز پر سوار کروا دیا۔ مجھے خدشہ لاحق تھا کہ اتنے دن میں کہیں ان کی نعش کا رنگ نہ خراب ہو جائے۔

آنکھیں ان کے چہرے سے ہٹنے نہیں پا رہی تھیں

مدینہ پہنچنے پر جب ان کے چہرے سے کپڑا ہٹایا گیا تو سب حیرت زدہ رہ گئے۔ سب کو توقع تھی کہ

اتنے روز میں نعش پھول چکی ہوگی اور اس کا رنگ نیلا پڑ چکا ہوگا۔ مگر یہاں تو یہ عالم تھا جیسے کوئی گہری نیند سو رہا ہو۔ آنکھیں ان کے چہرے سے ہٹنے نہیں پا رہی تھیں۔ سب نے آنسوؤں اور سسکیوں کے ساتھ اس غازی کو الوداع کہا۔ جنازہ جنت البقیع لے جایا گیا جہاں وہ امت کے بہترین افراد کی ہمسائیگی میں محو خواب ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کے جہاد و ہجرت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں۔

اشرف بدوی سید شہید

''انھوں نے واشنگٹن کی ہارورڈ یونیورسٹی سے تعمیراتی انجینئرنگ میں ماسٹرز (ایم۔ایس) کیا' اور پھر دکتورہ (ڈاکٹریٹ) کے لئے داخلہ بھیجا' مگر افغانستان سے اٹھنے والی بیواؤں کی چیخوں اور یتیم بچوں کی آہ و بکا نے انھیں اپنا فیصلہ تبدیل کرنے پر مجبور کردیا''

روسی ٹینکوں کے لیے اب ممکن نہ تھا کہ وہ سرِ عام افغانستان کی سڑکوں پر سے گزر سکیں۔ مجاہدین کے حملوں کی وجہ سے بزدل روسیوں کو اپنی جانوں کے لالے پڑ گئے تھے۔ سرخ فوج کے کسی دستے کے بس میں اب یہ نہ تھا کہ وہ کہیں سے سر اٹھانے کی ہمت کرے' فضاؤں میں گردش کرتے ہوئے جنگی ہیلی کاپٹر مجاہدین کے گولوں اور میزائلوں کے خوف سے لرزاں و ترساں رہتے۔

کوہ ہندوکش کے بلند قامت پہاڑی سلسلوں پر مجاہدین کی فتح و نصرت کے پھریرے ہر جگہ لہرا رہے تھے۔ ان شیروں کا عزم و حوصلہ پہاڑوں سے سوا تھا' جب کہ روسی فوجیوں کی حالت ایک روسی کے ٹی۔وی انٹرویو کے اس جملے سے عیاں تھی: ''جب ہم اللہ اکبر کی صدا سنتے ہیں تو ہمارا پیشاب کپڑوں ہی میں نکل جاتا ہے''۔

غازیوں کے رعب و دبدبے کے سامنے ان روسیوں کی ساری فوجی و عسکری قوت ہیچ تھی' اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مصداق کہ:

﴿فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (الحشر: ۲)

''پھر اللہ کا عذاب اُن پر وہاں سے آیا کہ جہاں کا اُن کو گمان بھی نہ تھا اور اُن کے دلوں میں ہیبت ڈال دی کہ اپنے گھروں کو اپنے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے آپ اُجاڑنے لگے''۔

اللہ کی یہ تائید اور نصرت خود اہل ایمان کے لیے بڑی سبق آموز ہے۔ اسی لیے آگے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ﴾ (الحشر: ۲)

''پس اے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو''۔

ایک روسی ہیلی کاپٹر مجاہدین کی گھات میں ادھر ادھر اڑ رہا تھا

تخار' قندوز' وردگ' بامیان' غزنی' قندھار' سمنگان اور جلال آباد سب کے بعد دیگرے روسیوں کے ہاتھ سے نکل چکے ہیں تاہم انھی حالات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کچھ خصوصی بندوں کے لیے شہادت کا بلند رتبہ طے کر رکھا تھا۔ ربّ العزت انھیں اپنے جوارِ خاص میں جگہ دینا چاہ رہا تھا۔ اسی دوران ایک روسی ہیلی کاپٹر مجاہدین کی گھات میں ادھر ادھر اڑ رہا تھا تا کہ ان کا کوئی دستہ نظر آئے اور ان پر میزائل گرایا جائے' آخر یہی ہوا۔ میزائل گرے اور مجاہدین کا ایک مجموعہ اپنی منزل اور اپنی غایت کو پہنچ گیا۔ یہی تڑپ تو انھیں محاذوں کی طرف لانے کا باعث بنی تھی۔ ان شہداء میں اشرف بدوی (صدیق مصری)' خالد مصری' موسیٰ بلوچستانی' عبداللہ عبدالوانی' دخیل اللہ' اور ابو وحداح لیبی شامل تھے۔ اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنی رحمتیں نازل فرمائیں' آمین۔

اشرف کی پیدائش ۱۹۶۱ء میں ہوئی۔ تعلیمی میدان میں انھوں نے ہمیشہ نمایاں حیثیت حاصل کی۔ ثانوی امتحان پاس کر کے اسکندریہ یونیورسٹی میں تعمیراتی انجینئرنگ کے شعبے میں داخلہ لے لیا اور ۱۹۸۴ء میں گریجویشن کی سند لی۔ ۱۹۸۸ء میں واشنگٹن کی ہارورڈ یونیورسٹی سے ایم ایس کی سند لی' اور ڈاکٹریٹ کے لئے داخلہ بھیجا۔ مگر افغانستان سے اٹھنے والی بیواؤں کی چیخوں اور یتیم بچوں کی آہ و بکا نے انھیں اپنا فیصلہ تبدیل کرنے پر مجبور کردیا۔ اب ان کی راتوں کی نیند اچاٹ ہو چکی تھی۔ وہ ہر لمحہ افغانستان جانے کے خواب دیکھنے لگ گئے۔ دنیا کی زیب و زینت اور آسائش سے منہ موڑ کر انھوں نے واشنگٹن سے افغانستان کی طرف رختِ سفر باندھ لیا۔ ایسے بلند ہمت نوجوانوں کو دیکھ کر دل سے یہ آواز اٹھتی ہے:

ان راہوں میں فردوسِ بریں' ان گلیوں میں جنت کے مکیں
ان تیکھے الجھے رستوں میں' ہیں کون صف آراء کیا جانو؟

بالآخر اشرف افغانستان پہنچ گئے۔ تلواروں کی جھنکار اور اسلحے کی گھن گرج میں جنت تلاش کرنے کی تڑپ انھیں ''ژاور'' لے آئی۔ یہیں انھوں نے جہاد کی تربیت لی۔ وہ اپنے ساتھیوں میں نرم دمِ گفتگو گرم

دمِ جستجو کی عملی مثال تھے، بہت کشادہ دل تھے۔ جیسی اچھی صورت اللہ نے عطا کر رکھی تھی، اتنے ہی عمدہ اخلاق واوصاف بھی ان کی شخصیت کا حصہ تھے۔

تڑپ کے روز وہ اپنے ربّ سے جا ملے۔ ہمیں امید ہے کہ ڈاکٹریٹ کی سند کو دھتکار کر ربّ کی راہ کا مجاہد بننے والے اس نوجوان کو اللہ نے جنت میں خصوصی درجے کی سند ضرور عطا کی ہوگی، ہمارے ربّ کا وعدہ ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یَهْدِیْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِیْمَانِهِمْ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ۝ دَعْوٰىهُمْ فِیْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَ تَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ وَ اٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ (یونس: ۹،۱۰)

"بے شک جو لوگ ایمان لائے اور اُنھوں نے نیک کام کیے اُنھیں اُن کا ربّ اُن کے ایمان کے سبب ہدایت دے گا۔ اُن کے نیچے نعمت کے باغوں میں نہریں بہتی ہوں گی اُس جگہ اُن کی دعا یہ ہوگی کہ اے اللہ تیری ذات پاک ہے۔ اور وہاں اُن کا باہمی تحفہ سلام ہوگا اور اُن کی دعا کا خاتمہ اس پر ہوگا کہ سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو سارے جہان کا پالنے والا ہے"۔

ذلت ورسوائی کافروں کا مقدر ہے

ہمیں ان کی شہادت کے بعد ان کے والد کا خط موصول ہوا، وہ لکھتے ہیں:

"اشرف اپنی پوری زندگی میں سچے مسلمان طالب علم کا عملی نمونہ بنے رہے۔ اپنے ربّ پر اعتماد ان کی شخصیت کا جز و تھا۔ وہ ہمیشہ جائز حدود میں رہ کر زندگی کی رعنائیوں سے لطف اندوز ہوتے۔ دل میں ہر کسی کے لیے پیار و محبت اور عفو و درگزر کے جذبات تھے، والدین کے انتہائی فرماں بردار اور بہن بھائیوں اور رشتہ داروں کے لیے رحیم و شفیق۔ میرے لختِ جگر کو جس قدر حسین و جمیل صورت خدا نے عطا کر رکھی تھی، اخلاق بھی اتنے ہی اعلیٰ وارفع تھے۔

۱۴۰۷ھ میں اللہ نے میرے بیٹے کی قسمت میں فریضہ حج کی ادائیگی رکھی تھی۔ یہ ان کی زندگی کا آخری ہجری سال تھا۔ اپنے دین کے پانچویں رُکن کی ادائیگی کے بعد خدا نے ان کے لیے شہادت کا بلند رتبہ بھی مختص

کر رکھا تھا۔ شہید کی والدہ، بہن بھائی اور دیگر رشتے داروں سمیت میری بھی یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی نیک اعمال کی توفیق عنایت فرمائیں تاکہ کل قیامت کے دن جب وہ ہماری شفاعت کے لیے بارگاہِ ربّ العالمین میں درخواست کرے تو ہم اس شفاعت کے حق دار قرار پائیں۔ اللہ ہمیں اپنے جوارِ رحمت میں اکٹھا کر دیجیے، بے شک آپ اپنا فیصلہ نافذ کر کے رہتے ہیں۔ نصرت و سربلندی اسلام کے نصیب میں ہے اور کافروں کے لیے ذلت و رسوائی مقدر ہے۔ (والسلام علیکم، والد اشرف بدوی شہید)

افغانستان کا سب سے کم سن عرب شہید، خالد مصطفیٰ مصری

"خوست کے کوہساروں یا ہی کے سبزہ زار ابو خالد اپنے ایک ہاتھ میں اسلحہ اور دوسرے ہاتھ میں اپنے کسی بیٹے کا ہاتھ تھامے ہوتے۔ دیکھنے والا حیران رہ جاتا کہ کس طرح گولیوں کی گھن گرج اور آگ برساتے آسمان کے نیچے نو سالہ بچہ اپنے والد کے پہلو میں جہاد و عزیمت کا درس سیکھ رہا ہے"۔

خالد مصطفیٰ نے اپنے والد کی شفقت کے سائے میں اسلام آباد میں آنکھ کھولی۔ بندوق اور پستول ان کے کھلونوں کا سب سے اہم حصہ تھے۔ ان کے والد اسلام آباد میں ابوظہبی کے ایک روزنامے کے نامہ نگار تھے۔ پاکستان ہی میں انھوں نے اپنے مقصدِ حیات سے شناسائی حاصل کی۔

خالد کے والد اکثر افغانستان کے جہاد میں شریک رہتے، اپنے بچوں کو اپنے ہمراہ رکھتے اور انھیں جہاد کی سختیاں جھیلنے کا عادی بناتے۔ خوست کے کوہساروں یا ہی کے سبزہ زار، ابو خالد اپنے ایک ہاتھ میں اسلحہ اور دوسرے ہاتھ میں اپنے کسی بیٹے کا ہاتھ تھامے ہوتے۔ دیکھنے والا حیران رہ جاتا کہ کس طرح گولیوں کی گھن گرج اور آگ برساتے آسمان کے نیچے نو سالہ بچہ اپنے والد کے پہلو میں جہاد و عزیمت کا درس سیکھ رہا ہے۔ تردیہ کے روز آٹھ ذوالحجہ کو خالد مصطفیٰ بھی اس جاں گداز حادثے کا شکار بن گئے۔

خالد سولہ برس کی عمر میں عمیر بن ابی وقاصؓ کی سنت نبھا گئے

خالد کی والدہ اپنے لختِ جگر کی شہادت سے بے خبر تھیں۔ ان کی شہادت کو ایک ماہ کا عرصہ بیت چکا تھا جب ان کی چھوٹی بہن (شہید کی خالہ) نے آدھی رات کو لندن سے ان کے ساتھ فون پر بات کی۔ وہ فون پر زندگی کی بے ثباتی اور موت کے سامنے انسان کی بے بسی کا تذکرہ کرنے لگ گئیں۔ ام خالد سانس روک کر اپنی بہن کی باتیں سننے لگیں۔ آخر انھیں خالد کے والد مصطفیٰ کے بارے میں شک گزرا، کیونکہ وہ پچھلے ایک عرصہ سے جہاد کے لئے افغانستان گئے ہوئے تھے اور ان کے بارے میں بھی خیریت کی کوئی اطلاع نہیں ملی تھی۔ وہ اپنی بہن سے پوچھنے لگیں: "کیا مصطفیٰ شہید ہو گئے ہیں؟" بہن نے بتایا: "مصطفیٰ

تو نہیں البتہ آپ کا لختِ جگر خالد شہادت کا جام نوش کر گیا ہے"۔ خالد کی والدہ کے ہاتھ سے فون کا دستہ چھوٹ گیا اور وہ وہیں بے ہوش ہو کر گر پڑیں۔ اگلے روز تک وہ اسی طرح بے ہوشی کے عالم میں رہیں۔

وانما اولادنا بیننا

اكبادنا تمشي على الارض

ہمارے بچے ہمارے جگر کے ٹکڑے ہی تو ہیں جو زمین پر چلتے پھرتے ہیں

خالد سولہ برس کی عمر میں عمیر بن ابی وقاصؓ کی سنت نبھا گئے۔ عمیرؓ جنگِ بدر کے سب سے کم سن شہید تھے۔ یہ پھول پلک جھپکنے ہی میں شاخ سے ٹوٹ گرا۔ اس کی خوشبو اس جہاں سے منہ موڑ کر وہاں بسیرا کرنے چلی گئی جہاں اسے خزاں کا کوئی ڈر نہیں ہوگا۔

موسیٰ بلوچستانی شہید

''معلم کے منہ سے نکلنے والے سارے دروس زندگی کی زندہ مثال بنے' اُن کے سامنے آن کھڑے ہوئے۔ دل ان کی مہکتی یادوں سے آج بھی حرارت محسوس کرتے ہیں۔ وہ پیچھے رہ جانے والوں کو بتا گئے کہ اصل زندگی اللہ کی راہ کے شہسوار کی زندگی ہے''

ایران کے علاقے زاہدان کی مضافاتی بستی موسیٰ کا آبائی وطن تھی۔ مذہبی گھرانے میں آنکھ کھولی اور ثانوی تک اسکول کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ایک دینی مدرسے میں داخلہ لے کر علم کے اعلیٰ مدارج طے کرنے لگ گئے۔ یہ اُس زمانے کی بات ہے جب ایرانی فوج میں نوجوانوں کی جبری بھرتی کا عمل زور و شور سے جاری تھا۔ انھیں ہر دم خطرہ لاحق رہتا کہ ان کی زندگی بھی ایران عراق جنگ کی بھینٹ چڑھا کر 'جاہلیت کی موت کی نذر نہ کر دی جائے۔ چنانچہ انھوں نے جہاد میں شمولیت کے لئے پاکستان کی طرف ہجرت کی اور کراچی پہنچے۔ یہیں انھوں نے (دارالعلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن) کراچی میں بطور معلم تعلیم و تدریس کے فرائض انجام دینے شروع کر دیے۔ انھوں نے اپنے وقت کو دو حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ایک حصہ دینی علم کی تدریس کے لیے وقف تھا اور دوسرا حصہ معرکۂ جہاد میں جولانیاں دکھانے کے لیے مخصوص تھا۔ پاکیزگیٔ نفس اور قلب و روح کو نئی زندگی دینے کے لیے انھیں معرکۂ جہاد آبِ حیات سے کم نہ لگتا تھا۔ اس معرکے کی گرمی' تعلیم و تدریس کے لیے زباں سے نکلنے والے بے جان الفاظ کو زندگی و تابندگی بخش دیتی۔

ان کے سینے میں بہت بڑا دل آباد تھا

مدرسے کے در و دیوار میں انھیں اپنے شب و روز بڑے بے کیف اور بوجھل محسوس ہوتے' دل ہر لحہ جہاد و عاشقی کی رسم نبھانے کے لیے مچلتا رہتا۔ وہ ذی الحجہ کے ابتدائی دن تھے جب موسیٰ اپنے دس طالب علم ساتھیوں کے ساتھ' انسانی گوشت اور پتھروں کو اکٹھا پیس کے رکھ دینے والی اس چکی میں جا گھسے۔

روشن رُو اور کشادہ پیشانی والے اس جوان کو میں جب بھی دیکھتا یہ اپنے عیوب کے بارے میں فکرمند ہوتا پاتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مطابق کہ:

((طُوبىٰ لِمَنْ شغله عيبهُ عَنْ عيوبِ النَّاسِ)) (شعب الإيمان للبيهقي)

''قابل مبارک باد ہیں وہ لوگ جن کو اپنی خامیوں اور کوتاہیوں کی فکر دوسروں کے گناہوں اور کوتاہیوں سے بے نیاز کر دے''۔

میں نے ان کے دمکتے چہرے کو ہمیشہ مسکراہٹوں سے سجا دیکھا۔ تواضع اور بلند رتبہ اخلاق نے ان کی شخصیت کو حسن و جمال بخش رکھا تھا۔ ان کے سینے میں بہت بڑا دل آباد تھا جس میں امت کے مسائل اور مصائب و آلام کے لیے درد بھرا ہوا تھا۔

۸ ذی الحجہ کے معرکے میں موسیٰ دامنی کی شہادت کی خبر ساتھیوں پر بجلی بن کر گری۔ معلم کے منہ سے نکلنے والے سارے دروسِ عمل کی زندہ مثال بنے ان کی نظروں میں گھوم گئے۔ دل ان کی مہکتی یادوں کی حرارت آج بھی محسوس کرتے ہیں۔ وہ پیچھے رہنے والوں کو بتا گئے کہ اصل زندگی راہِ خدا کے شہسوار کی زندگی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک الفاظ میں:

((مِنْ خَيْرِ مَعَاشِ النَّاسِ لَهُمْ رَجُلٌ مُمْسِكٌ عِنَانَ فَرَسِهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَطِيرُ عَلَىٰ مَتْنِهِ كُلَّمَا سَمِعَ هَيْعَةً أَوْ فَزْعَةً طَارَ عَلَيْهِ يَبْتَغِي الْقَتْلَ وَالْمَوْتَ مَظَانَّهُ)) (صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب فضل الجهاد والرباط)

انسانی زندگی میں بہترین زندگی اس شخص کی ہے جو اللہ کی راہ میں اپنے گھوڑے کی باگ پکڑ لے اور جب کسی خوف زدہ کی آواز یا کسی فریاد رس کی فریاد سنے تو عجلت کے ساتھ گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو جائے (اس خوف زدہ یا فریاد رس کی طرف دوڑتا ہوا چلا جائے) اور اپنی موت کو اس جگہ تلاش کرتا پھرے جہاں موت کا گمان ہو۔

عبداللہ عبدالوالی ذهب شہید

"خاموش طبع اور پروقار شخصیت۔ کسی کو ان سے برائی کا کوئی اندیشہ نہ تھا! ان کے شب و روز علمِ دین اور حفظِ قرآن کے حلقوں میں گزرتے"

میں نے اہلِ یمن سے بڑھ کر کسی کو بھی افغانوں کی طبیعت اور صفات سے مشابہ نہیں دیکھا۔ جغرافیائی اعتبار سے بھی یہ علاقے ایک دوسرے سے بہت ملتے جلتے ہیں۔ علماء کی محبت' قرآن وسنت کے نصوص کی پیروی کی کوشش' ان دونوں خطوں کا یکساں امتیاز ہے۔

۱۹۵۰ء میں میں نے انھیں عسکری لباس میں کوہ پیمائی کے لیے مسابقت کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ وہ ہمیشہ کامیابی ونصرت کے اعلیٰ ترین مدارج کے لیے مشقت اٹھانے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے لیے کوشاں رہتے۔

افغانستان کے پہاڑوں' سبزہ زاروں اور کوہساروں میں ہر جگہ مجھے یمن کے جواں عزم مجاہدوں سے واسطہ پڑتا رہا۔ یہیں میری ملاقات یمن کے غیسی اور ابوفارع سے ہوئی۔ غیلان ابوفارع افغانستان میں آنے والے اولین یمنی مجاہدین میں سے تھے حالانکہ ابوفارع اس وقت ساٹھ کے پیٹے میں تھے۔

عبداللہ کا شمار بھی ربّ کی پکار پر لبیک کہنے والے ان جانثاروں میں ہوتا ہے جنہیں قرآن کی یہ آیت لرزائے رکھتی ہے:

﴿قُلْ اِنْ كَانَ آبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ (التوبہ : ۲۴)

"کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور برادری اور مال جو تم نے کمائے ہیں اور سوداگری جس کے بند ہونے سے تم ڈرتے ہو اور مکانات جنھیں تم پسند کرتے ہو' (اگر یہ سب) تمھیں اللہ اور اُس کے رسول اور اُس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ

پیارے ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیج دے اور اللہ نافرمانوں کو راستہ نہیں دکھاتا"۔

چالیس سال کی عمر میں وہ اپنی پیاری والدہ کو تنہا چھوڑ کر راہِ جہاد کے مسافر بن گئے۔ بوڑھی ماں کے پاس اپنے بیٹے کی یادوں' تنہائی اور آنسوؤں کے سوا کچھ بھی باقی نہ بچا تھا۔ ان کی جائے پیدائش رداع تھی مگر عمر صنعاء میں گزری تھی۔ خاموش طبع اور پروقار شخصیت۔ کسی کو ان سے برائی کا کوئی اندیشہ نہ تھا۔ ان کے شب و روز علمِ دین اور حفظِ قرآن کے حلقوں میں گزرتے۔ سبھی کے دلوں میں ان کے لیے احترام اور محبت کے جذبات تھے' خاموش طبیعت نے ان کے احترام اور رعب کو دو چند کر دیا تھا۔

یہ انجامِ سفر مبارک ہو

تربیتی مشقوں کے دوران انھیں پہلی مرتبہ ان تمام الفاظ کی روح سمجھ آئی جو پہلے محض حروف کا مجموعہ بن کر نظروں سے گزر جاتے تھے۔

((عَلَيْكُمْ بِالْجِهَادِ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ فَإِنَّهُ بَابٌ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ يُذْهِبُ اللّٰهُ بِهِ الْهَمَّ وَالْغَمَّ)) (رواه الطبراني في الأوسط، أنظر صحيح الجامع ۴۰۶۳)

جہاد فی سبیل اللہ کو لازم پکڑ لو بے شک وہ جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ مومن کے رنج وغم کو دور کرتے ہیں۔

۸ ذی الحجہ کے دن اپنے دیگر ساتھیوں کے ساتھ عبداللہ عبدالوالی نے بھی عروسۂ شہادت کو گلے لگا لیا۔ اپنے پیچھے سوگواروں میں عمر رسیدہ والدہ کو چھوڑ کر وہ بہت دور چلے گئے' اُس ماں کو جو بیٹے کے انتظار میں راتوں کو تارے گننے کی عادی ہو چلی تھیں۔

اے پرعزم مجاہد! آپ کو یہ انجام مبارک ہو' اللہ آپ کی شہادت کو قبول فرمائیں' ہمیں اپنے نیکوکار بندوں اور ہشام دیلمی کی معیت میں جنت الفردوس میں اکٹھا کر دے' آمین۔

تیسیر دخیل اللہ شہید

''وہ ہر دم ساتھیوں کی تربیت اور ان کے ایمان و اخلاص کو تازہ کرنے کی فکر میں رہتے۔ ان کی جدائی نے دلوں کو رنجیدہ کر دیا''

وہ خاموش طبع، کم گو نوجوان تھے۔ زباں ہر وقت ذکرِ خداوندی سے تر رہتی، مجاہدین کی صفات کا عملی پیکر بن کر:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَٱثْبُتُواْ وَٱذْكُرُواْ ٱللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾

(الانفال: ۴۵)

''اے مومنو! جب کسی فوج سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو تا کہ تم نجات پاؤ''۔

شہادت کا شوق انھیں ہر لحہ بے تاب رکھتا، یہی آرزو ان کی شب و روز کی دعاؤں کا سب سے اہم جزو تھی۔ ان کے والد نے فون پر مجھ سے اپنے بیٹے کے بارے میں پوچھا، میں نے انھیں ان کی شہادت کی اطلاع دی۔ اور اللہ سے دعا کی کہ وہ اپنے والدین کے لیے شفاعت کا باعث بن سکیں۔ میں نے ان سے کہا: ''آپ خوش قسمت ہیں کہ اس بیٹے کے والد ہیں جس پر ملت کو ناز ہے۔ ایسے سپوت ملت کی زندگی ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ خدا کے فیصلے پر راضی برضا رہتے ہوئے بصد شکر اس اعزاز کے سامنے سرِ تسلیم خم کر لیں''۔

مجھے یاد ہے کہ شہادت سے کچھ گھنٹے قبل جمعہ کے روز وہ کہنے لگے: ''میری خواہش ہے کہ میں جنگی جہاز سے پھینکا گیا میزائل لگنے سے شہید ہو جاؤں''۔ اُن کی تمنا بر آئی۔ وہ ہر دم ساتھیوں کی تربیت اور ان کے ایمان و اخلاص کو تازہ کرنے کی فکر میں رہتے۔ اس کے ساتھ ہی وہ مطیع و فرماں بردار سپاہی کی مثال بھی تھے۔ ان کی جدائی نے دلوں کو رنجیدہ کر دیا۔ اے شہید کی والدہ! آپ کو ایسے سپوت کی ماں ہونے کا اعزاز مبارک ہو۔

وصیتِ شہید: ''میں آپ کو اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہوں''

''الحمد اللہ ربّ العالمین والصلاۃ والسلام علیٰ خاتم الانبیاء والمرسلین۔ پیارے ابا جان، پیاری امی جان! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! میں یہ الفاظ ایسے عالم میں تحریر کر رہا ہوں کہ اللہ کی راہ میں شہادت کا اعزاز ملنے کی تمنا اور آرزو کسی بھی لمحے پوری ہو سکتی ہے۔ ربّ العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمارے نصیب میں جنت الفردوس کا اعلیٰ مقام لکھ دیں۔ پیارے ابا جان، پیاری امی جان! میں آپ کو خدا کا تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہوں۔ لوگوں سے بے نیاز ہو کر اللہ کا دین مضبوطی سے پکڑ لینے کی وصیت کرتا ہوں کہ اللہ کو صرف یہی دین اور راستہ پسند ہے۔ شریعت سے ہٹ کر لوگ چاہے کتنے ہی زیادہ نیک اعمال کیوں نہ کر گزریں، اللہ کے ہاں وہ چنداں قابلِ قبول نہیں، نہ ہی وہ ان کے حق میں خیر بن سکتے ہیں بلکہ الٹا ان کے خلاف حجت ثابت ہو کر رہیں گے۔ یاد رکھیے کہ انسان کا انجام یا تو جنت ہے یا دوزخ۔ انجامِ کار کوئی درمیانی راہ ان کے بیچ موجود نہیں۔ یا خدا کی خوشنودی یا اس کا غیض و غضب! جہنم کی آگ صرف کافروں ہی کے لیے نہیں بلکہ ان کے لیے بھی ہے جو اللہ کے عائد کردہ احکام میں کوتاہی کے مرتکب ہوتے ہیں''۔

بس اب جنت میں ملیں گے، ان شاء اللہ

''اللہ تعالیٰ نے آپ کو عیش و عشرت کی زندگی اور رزق کی فراوانی عطا کر رکھی ہے۔ اس دولت کا ایک حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کر کے جنت کمانے کا نادر موقع آپ کو میسر ہے۔ آپ خوش بخت ہیں کہ جس ہستی سے سودا کرنے چلے ہیں وہ خود اللہ عزوجل کی ذات ہے۔ جس نے آپ کو آسائش کی زندگی، صحت اور امن و امان کی ہر نعمت فراہم کر رکھی ہے۔ اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جدوجہد کرنے والے مجاہدین کے حق میں کیے گئے اللہ سے بڑھ کر کس کا وعدہ سچا ہو سکتا ہے: ﴿قَـٰتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ ٱللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ﴾ (التوبہ: ۱۴) ''ان سے لڑو تا کہ اللہ انھیں تمھارے ہاتھوں سے عذاب دے اور انھیں ذلیل کرے اور تمھیں ان پر غلبہ دے اور مسلمانوں کے دلوں کو ٹھنڈا کرے''۔

اللہ آپ کو جزائے خیر سے نوازیں، بس اب جنت میں ملیں گے، ان شاء اللہ۔ آپ کا بیٹا، تیسیر فاروق''۔

ابو دحداح اللیثی شہید

''طاغوت کی حکمرانی سے بغاوت اور جہاد کی زندگی اختیار کر کے انھیں حقیقی لطف و سرور میسر آیا''

صوم وصلوٰۃ کے پابند ابو دحداح پیر اور جمعرات کے روزوں کا ہمیشہ اہتمام کرتے' اللہ کی راہ میں تن' من' دھن کی بازی لگانے کے لیے بے چین رہتے۔ ایک صحیح حدیث میں آتا ہے' حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

((مَوقِفُ ساعةٍ في سبيلِ اللهِ خيرٌ من قيامِ ليلةِ القدرِ عندَ الحجرِ الأسودِ))

(رواه ابن حبان في صحيحه والبيهقي في شعب الإيمان، أنظر صحيح الجامع ٦٦٣٦)

''اللہ کی راہ میں ایک گھڑی گزارنا حجر اسود کے پاس لیلۃ القدر کے قیام سے کہیں بہتر ہے۔''

وہ اپنے امیر کے مطیع و فرماں بردار اور احباب کے لیے شفیق اور ہمدرد تھے۔ ان کی تکالیف پر بے چین ہو جاتے۔ دل میں ان کے لیے ہمیشہ پیار و محبت کے جذبات رکھتے۔ جس ساتھی کو رنجیدہ دیکھتے فوراً اس سے اس کے رنج کی وجہ دریافت کرنے لگ جاتے۔ اپنی زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رکھتے۔ بیماری کے زمانے میں موت تک "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ. اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنَّا" (اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ پروردگار! بے شک آپ معاف فرمانے والے ہیں' معاف کرنے کو پسند کرتے ہے پس آپ مجھے معاف فرما دیجیے) کے الفاظ ہر لحہ ورد زباں رہتے۔

طاغوت کی حکمرانی سے بغاوت اور جہاد کی زندگی اختیار کر کے انھیں حقیقی لطف و سرور میسر آیا۔ آخر وہ عروسۂ شہادت کو گلے لگائے اپنے رب سے ملاقات کے لیے پہنچ گئے۔ افغانستان کے کوہساروں پر اسلام کا جھنڈا لہراتا دیکھنے کی خواہش' ان کی زندگی کی سب سے بڑی آرزو تھی۔ اللہ تعالیٰ انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام و مرتبہ عنایت فرمائیں اور ہمیں ان کے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

محمد احمد الحق شہید

''آخر ایک گولہ اجل کا پیغام لے کر اُن کی دائیں پسلیوں میں پیوست ہو گیا۔ وہ لہولہو ہوتے ہوئے بھی سورہ توبہ کی تلاوت جاری رکھے ہوئے تھے''

احمد ابو حفص نے یمن کی ایک بستی میں متوسط گھرانے میں آنکھ کھولی۔ بڑے ہوئے تو اشیائے صرف کی ایک دکان کھول کر عملی زندگی کا آغاز کیا۔ نہ تو تہذیب وتمدن سے زیادہ واسطہ رہا تھا اور نہ لمبی چوڑی سندیں ہاتھ میں تھیں ہاں اتنا ضرور تھا کہ اللہ تعالیٰ نے فطرت سلیمہ عطا کر رکھی تھی۔

ایک روز صنعا میں ڈاکٹر عبدالوہاب دیلمی کا بیان قصۂ ''شہید'' سنا۔ یہ بیان عبدالوہاب دیلمی کے بیٹے ہشام دیلمی کی شہادت کی مناسبت سے رکھا گیا تھا۔ محمد بھی سامعین کے مجمع میں بیٹھے تھے۔ بیان کے اختتام تک ان کے دل کی دنیا میں مکمل انقلاب آ چکا تھا' جہاد اور شوق شہادت سے لبریز ہو کر انھوں نے اپنے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ''میں نے دنیا کی محبت اپنے دل سے نکال پھینکی ہے''۔

جیسے ایک سانپ جو اُن کی جیب میں پڑا تھا' اسے نکال کر دور پھینک دیا ہو

انھوں نے اپنے رب سے کیا ہوا وعدہ سچ کر دکھایا۔ دنیا کو اپنے پاؤں کی ٹھوکر سے دھتکار دیا۔

((وَاللهِ، مَا الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا مَثَلُ مَا يَجْعَلُ أَحَدُكُمْ إِصْبَعَهُ هٰذِهِ - وأشار يحيىٰ بالسبابة - فِي الْيَمِّ فَلْيَنْظُرْ بِمَ تَرْجِعُ؟)) (رواه مسلم، كتاب الجنة، وصفة نعيمها و أهلها، باب فناء الدنيا)

اللہ کی قسم آخرت کے مقابلے میں دنیا کی (نعمتوں کی) مثال ایسی ہے جیسا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی انگلی کو سمندر میں ڈبوئے پھر وہ دیکھے کہ انگلی کیا چیز لے کر واپس آئی ہے؟

انھوں نے چند ہی دنوں میں اپنی دکان کو سستے داموں فروخت کر دیا اور اسے یوں دیکھنے لگے جیسے ایک سانپ' جو اُن کی جیب میں پڑا تھا' اسے نکال کر دور پھینک دیا ہو۔ دس ماہ قبل وہ جہاد کے لیے افغانستان پہنچے۔ عسکری تربیت حاصل کی اور مأسدۃ' کو چل پڑے جہاں گرم پانی بھی چہرے پر یوں جم

جاتا ہے جیسے برف کے قطرے۔ وہ چھ ماہ تک 'ماسدہ' میں رہے' پھر خوست چلے گئے۔ 'باڑی' میں مجاہدین کے ایک لشکر میں شمولیت اختیار کی اور کچھ عرصہ بعد اس لشکر کے امیر بنا دیئے گئے۔ جنت کی حوروں کی دید کا شوق انھیں بے چین کیے ہوئے تھا' انتظار کی گھڑیاں طویل سے طویل تر ہوتی چلی جا رہی تھی۔ ۲۲ محرم ۱۴۰۹ھ کو دشمن کے مورچے پر حملے کی تیاریاں جاری تھیں۔ کیسے ممکن تھا کہ محمد اس کارروائی میں شامل نہ ہوں؟ جنگ شروع ہوئی' آخر ایک گولہ اجل کا پیام لے کر ان کی دائیں پسلیوں میں پیوست ہو گیا۔ وہ لہولہو ہوتے ہوئے بھی سورۂ توبہ کی تلاوت جاری رکھے ہوئے تھے۔ اسی اثناء میں ان کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ زخم سے لہو لگا تار بہہ رہا تھا جس کا رنگ تو لہو جیسا تھا مگر خوشبو مسک کی بو سے بھی زیادہ راحت افزا تھی۔ ابو العاص خاربی' ابو صادق صنعانی اور صلاح الدین خود گواہ ہیں کہ انھوں نے شہید کے خون سے یہ عجب دل نواز مہک سونگھی۔

جنھیں جنتوں کی تلاش تھی

خلاد عادل ور یک شہید

''میرے بھائیو! میں تم سے اللہ کی خاطر محبت کرتا ہوں۔ میرے بھائیو! اللہ کی قسم تم ان محاذوں سے پرے کہیں اور اللہ کی خاطر محبت و اخوت کا مطلب نہیں سمجھ سکتے''

سچ ہے کہ ہر نام اپنی شخصیت پر اثر انداز ہوتا ہے۔ خلاد نے بھی اپنے نام کی طرح' اپنے خون سے تاریخ کے ماتھے پر جہاد و عزیمت کی داستان رقم کی اور یوں ان کی یادیں بھی زندہ و جاوید ہو گئیں۔ خاندان بھر میں وہ جہاد کی سنت اور عبادتِ قتال کا احیاء کر گئے بے شک شہید زندہ ہوتے ہیں۔

سوال کرنے والی زبان اور سوجھ بوجھ رکھنے والا دل

خلاد ۱۳۹۰ھ میں علاقہ شرقی کے شہر خُبر میں پیدا ہوئے۔ موت نے کم عمری ہی میں انھیں اُچک لیا۔ ان کے استادِ محترم ابومصعب کا کہنا تھا: ''یہ عجیب طرز کا نوجوان تھا۔ میں کئی برسوں سے انھیں جانتا چلا آ رہا ہوں۔ میں نے ان کے بارے میں ہمیشہ اچھی ہی خبر سُنی۔ بچپن سے وہ مختلف کتب خانوں اور اسلامی مراکز کی سرگرمیوں میں جوش و خروش سے حصہ لیتے' نماز با جماعت کا شدت سے اہتمام کرتے' دل مسجد ہی میں اٹکا رہتا۔ وہیں وہ کتاب اللہ' سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلامی تہذیب و ثقافت کے مطالعے میں مگن رہتے۔ یہیں سے حج اور عمرے کے بلاوے آتے اور خلاد لپک لپک کر بیت اللہ کی زیارت کے لیے چل نکلتے۔ ہر جمعرات کو اپنے نوجوان ساتھیوں کے ساتھ با آواز بلند حذیفی' علی عبداللہ جابر اور منشاوی وغیرہ کی قراءتیں سننے کا اہتمام کرتے۔ یہ تمام ساتھی ایک سے بڑھ کر ایک خوش آواز تھے۔ خلاد کی آواز بہتی آبشار کی طرح اپنے اندر نغمگی لیے ہوئے تھی۔ تلاوت قرآن مجید کے وقت اس آواز کا سوز دو چند ہو جاتا۔ انھیں ترانے پڑھنے کا بھی بہت شوق تھا۔ خصوصاً سفر کے دوران وہ بڑے طرب میں آ جاتے اور اداسی کا احساس دور کرنے کے لیے بھی اپنی خوبصورت آواز میں ترانے گنگناتے۔ علمی بحثوں میں شریک ہوتے اور بڑے ذوق و شوق سے استاد ابومصعب سے صحیح بخاری کا درس لیتے۔ خود بھی سوال

پوچھتے اور پوچھے گئے سوالوں کا جواب بھی دیتے۔ وہ کثرتِ سوال اور زود فہمی میں حضرت ابن عباسؓ کے مانند تھے۔ ابن عباسؓ سے کسی نے ان کے علم کا راز پوچھا تو کہنے لگے: ''یہ مقام سوال کرنے والی زبان اور سوجھ بوجھ رکھنے والے دل کی بدولت حاصل ہوا ہے''۔

خلاد کے دل میں جہاد کا جوش و جذبہ موجزن رہتا۔ ایک مرتبہ جہاد کے لئے گئے واپس آئے تو اہل خانہ نے دوبارہ جانے سے منع کر دیا لیکن انھوں نے بڑی محنت سے گھر والوں کو دوبارہ جہاد کی اجازت دینے پر آمادہ کر لیا۔ جہاد کی فضیلت سے متعلق قرآنی آیات' احادیث اور تاریخی واقعات ان کے سامنے رکھے۔ دوسری مرتبہ وہ پھر واپس آ کر اپنے باقی بھائیوں کو جہاد کے لیے آمادہ کرنے لگے۔ اہل خانہ نے انھیں پھر واپس جانے سے روکنے کی کوشش کی۔ تب انھوں نے اپنے والد کو اپنا ہمنوا بنانے پر اپنی کوشش مرکوز رکھی' بالآخر انھیں اجازت مل گئی۔

جب انھیں پتہ چلا کہ غازیوں کا ایک قافلہ 'پروان' کی طرف جانے والا ہے تو ان کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔ وہ ہر لمحہ محوِ انتظار رہتے مگر پشاور میں رہ کر انتظار کرنا ان کے لیے بڑا دشوار تھا۔ وہ جلد از جلد سرزمین جہاد پہنچنے کے لیے بے تاب تھے۔ کتاب ہر لمحہ ان کے ہاتھ میں رہتی۔ تفسیر' حدیث اور دیگر اسلامی کتب سفر میں بھی ان کے ہمراہ ہوتیں۔ سنت کی پیروی کا خود بھی ذوق و شوق سے اہتمام کرتے اور اپنے دیگر بھائیوں اور رہنماؤں کو بھی اس کی توجہ دلاتے۔

جمعہ کے دن کی آخری ساعت' قبولیتِ دعا کے لمحے

شہادت سے ایک روز قبل 'خوست' کے علاقے 'لیجا' میں ایک ساتھی ان کے پاس آئے۔ خلاد نے ان سے 'لیجا' کی کارروائی میں شرکت یا 'پروان' روانگی سے متعلق مشورہ چاہا۔ انھوں نے استخارہ کرنے کا مشورہ دیا۔ خلاد نے استخارہ کیا' پھر کہنے لگے: ''میں نے یہیں رہنے کا فیصلہ کیا ہے''۔ پھر انھوں نے 'پروان' جانے والے ساتھیوں کو الوداع کہتے ہوئے کہا: ''میرے بھائیو! میں تم سے اللہ کی خاطر محبت کرتا ہوں۔ میرے بھائیو! خدا کی قسم تم ان محاذوں سے پرے کہیں بھی اور اللہ کی خاطر محبت اور اخوت کا مطلب نہیں سمجھ سکتے''۔ ان خوبصورت کلمات کی ادائیگی کے صرف ایک روز بعد' نمازِ جمعہ کی ادائیگی کے کچھ دیر بعد انھوں نے شہادت کا جام پی لیا۔

حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق جمعہ کے روز دن کے آخری حصے تک قبولیتِ دعا کی نوید ہے۔

عین اسی قبولیت کی ساعت میں ان کا دستہ دشمن کے مرکز کی سمت بڑھنے لگا۔ یہ مرکز ان سے سو ڈیڑھ سو میٹر کے فاصلے پر تھا۔ امیر لشکر اُن کے ساتھ کھڑے تھے' وہ اپنے امیر سے مخاطب ہو کر کہنے لگے: ''ہم اس وقت قبولیت کی گھڑی سے گزر رہے ہیں''۔ کچھ ہی دیر بعد ایک لغم (بارودی سرنگ) پر ان کا پاؤں پڑا' زوردار دھماکے کی آواز گونجی اور خلاد کا نچلا دھڑ جسم سے الگ ہو گیا' دشمن کے ٹھکانے کا نقشہ ان کی جیب میں پڑا رہ گیا۔

اگلے روز ان کے ساتھیوں نے آ کر خلاد کی نعش دیکھی تو دل بھر آئے۔ خلاد زمین پر دراز تھے' شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ ان کے لہو سے اٹھنے والی خوشبو مشک کی بو سے بھی زیادہ دلفریب تھی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ انھیں اپنے نیکوکار بندوں میں شامل فرمائیں اور جنت الفردوس میں ہمیں اکٹھا کر دیں۔

ابراہیم جلاجل شہید

”ایک مرتبہ انھوں نے خواب میں خود کو اپنے اہل خانہ کے ساتھ جنت میں دیکھا اور بس پھر اس خواب کی تعبیر پانے کی لگن ان کے سر پر سوار ہوگئی۔ فوراً ہی انھوں نے رختِ سفر باندھا اور افغانستان چلے آئے“

وہ اپنی کم سنی کے باوجود ہم سے آگے نکل گئے۔ اللہ نے انھیں چن لیا حالانکہ ان کے جہادی سفر کی مسافت ہم سب سے کہیں مختصر تھی۔ اس کٹھن سفر پر چند ہی منزلیں طے کرنے کے بعد زمین و آسمان کے ربّ کی نظرِ انتخاب ان پر پڑی' کہ اس کا انتخاب عمر اور عمل کے فاصلے نہیں ناپتا۔ اس کے ہاں تو بس سچے دل سے نکلی ہوئی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ انھی دعاؤں کے طفیل وہ جسے چاہے فیض یاب کر دیتا ہے۔

جب کسی کی شہادت کی خبر سننے کو ملتی ہے دل سے یہ نغمہ بلند ہوتا سنائی دینے لگتا ہے کہ ہم اپنی جانوں پر رو رہے ہیں۔ ان پر نہیں جو ہمیں الوداع کر کے رخصت ہو گئے۔ اس لیے کہ ہم جانتے ہیں کہ ان میں سے جن جن کی شہادت بھی اللہ نے قبول فرمالی وہ آخرت کے بہترین مقام تک جا پہنچا۔

مومن کی روح جہاد سے فراق برداشت نہیں کرسکتی

ان میں سے ہر ایک پر ہر لحہ' فکرِ آخرت سوار رہتی۔ جنت' اس کے باغات' حوروں کی رفاقت... وہ انھی نعمتوں کے خواب دیکھتے اور شہادت کے لئے تڑپتے رہتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک ہے:

((مَنْ سَأَلَ اللّٰهَ الشَّهَادَةَ بِصِدْقٍ، بَلَّغَهُ اللّٰهُ مَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ، وَإِنْ مَّاتَ عَلٰى فِرَاشِهٖ))(رواہ مسلم، کتاب الإمارة، باب استحباب طلب الشهادة في سبيل الله تعالٰی)

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص سچے دل سے اللہ تعالیٰ سے شہید ہونے کی دعا مانگے تو اس کو اللہ تعالیٰ شہیدوں ہی کے مرتبے پر پہنچا دے گا' اگرچہ وہ اپنے بستر پر

مرے“۔

ان پر عزم نوجوانوں نے اپنی ہمت سے بڑے بڑے پہاڑ مسخر کر لیے۔ ستاروں پر کمند ڈال دی۔

وہ ایک برس تک محاذوں پر برسرِ پیکار رہے۔ درمیان میں اپنے اہل خانہ سے ملاقات اور علاج کی غرض سے کچھ عرصے کے لیے وطن لوٹ گئے۔

مومن کا دل ہی جانتا ہے کہ جہاد کی لذت کیا ہے؟ وہ اس دنیا میں رہتے ہوئے بھی کسی اور دنیا میں رہا ہوتا ہے۔ اس کی روح جہاد سے فراق برداشت نہیں کر سکتی۔ اپنے گھر بار اور اہل و عیال کے درمیان رہتے ہوئے عیش و عشرت کے سامان اسے اپنا اسیر بنانے میں ناکام رہتے ہیں۔ وہ اطلس و دیبا و کمخواب میں آرام محسوس کرنے کے بجائے گولوں اور میزائلوں کی بارش میں زیادہ تسکین پاتا ہے۔ ابراہیم نے بھی ایک مرتبہ خواب میں خود کو اپنے اہل و عیال کے ساتھ جنت میں دیکھا۔ بس پھر اس خواب کی تعبیر پانے کی لگن ان کے سر پر سوار ہوگئی۔ فوراً ہی انھوں نے رختِ سفر باندھا اور افغانستان پہنچے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں ذکر اور نماز کی خاص توفیق عنایت کر رکھی تھی۔ میں جب بھی انھیں دیکھتا نماز یا تلاوتِ قرآن میں مشغول دیکھتا۔ حضرت ابوالدرداءؓ کے اس قول کے مصداق کہ: ”اِنَّمَا تُقَاتِلُوْنَ بِاَعْمَالِكُمْ“ ”تم لوگ اپنے نیک اعمال کے ذریعے ہی جنگ کرتے ہو“۔ وہ ہمیشہ ان اعمال میں پیہم مصروف رہتے تھے' جن کی قوت سے اللہ کے دشمنوں کے بالمقابل جہاد کیا جاتا ہے اور اللہ کے روبرو حاضری کی تیاری کی جاتی ہے۔

۲۸ محرم ۱۴۰۹ھ بروز جمعہ قندھار کے ایک مرکز میں گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ لڑائی کے بعد ابراہیم جلاجل نے اپنے بھائی احمد بن عبداللہ کے ساتھ ایک جگہ پناہ لی۔ جنگی طیاروں نے ان کی سمت میزائل پھینکے اور دونوں شہداء اپنے ربّ کے حضور جا پہنچے۔ اللہ ان کی شہادت قبول فرمائیں اور ہمیں بھی ان کی معیت سے سرفراز فرمائیں' آمین۔

اسد الرحمٰن مصری شہید

"جنت کی طلب اور اس کا شوق اُن کی جستجو بن چکی تھی۔ شہادت سے قبل انھوں نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہا: "عبداللہ عزام نے ہمارے لیے سب سے عظیم جس چیز کا انتخاب کیا ہے وہ جنت کی طرف لے جانے والا راستہ ہے"

اس کی آنکھوں میں ذہانت کی چمک تھی۔ روشن چہرے نورانی پیشانی والا یہ نوجوان جلد ہی ارضِ جہاد کی سمت چل دیا۔ مجھ سے اپنی پہلی ملاقات کے دوران ہی وہ وارفتگی و شوق سے آگے بڑھے اور مجھ سے کہنے لگے: "ابا جان! آپ کیسے ہیں؟"

میں نے دیکھا کہ جنت کی طلب اور اس کا شوق ان کی جستجو بن چکی تھی۔ شہادت سے پہلے انھوں نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہا: "عبداللہ عزام نے ہمارے لیے سب سے عظیم جس چیز کا انتخاب کیا ہے وہ جنت کی طرف لے جانے والا راستہ ہے"۔

اسد الرحمٰن ان نوجوانوں میں سے تھے جن کے جسم زمین پر چلتے پھرتے ہیں اور روحیں عرش پر معلق رہتی ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

((لَرَوْحَةٌ فِي سَبِيلِ اللهِ، أَوْ غَدْوَةٌ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا، وَلَقَابُ قَوْسِ أَحَدِكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ أَوْ مَوْضِعُ قِيدٍ- يَعْنِي سَوْطَهُ- خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا، وَلَوْ أَنَّ امْرَأَةً مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ اطَّلَعَتْ إِلَى أَهْلِ الْأَرْضِ لَأَضَاءَتْ مَا بَيْنَهُمَا وَلَمَلَأَتْهُ رِيحًا، وَلَنَصِيفُهَا عَلَى رَأْسِهَا خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا)) (رواه البخاري، كتاب الجهاد، باب الحور العين وصفتهن)

"اللہ تعالیٰ کے راستے میں ایک صبح یا ایک شام بھی گزار دینا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور کسی کے لئے جنت میں ایک ہاتھ جگہ بھی یا ایک قید یعنی کوڑا رکھنے کے برابر جگہ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اُس سب سے بہتر ہے۔ اور اگر کوئی جنت کی عورت زمین کی طرف جھانک

بھی لے تو زمین اور آسمان اپنی تمام وسعتوں کے ساتھ منور ہو جائیں اور خوشبو سے معطر ہو جائیں۔ اور اُس کے سر کا دوپٹہ بھی دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اُس سے بہتر ہے۔"

ان نوجوانوں کے دل جنت فردوس اور حوروں کی رفاقت کے لیے بے چین رہتے تھے۔ شہادت کا ایسے بے چینی سے انتظار کرتے جیسے کوئی اپنے دیرینہ عزیز سے ملاقات کے لیے بے چین ہوتا ہے۔

میں نے انھیں اس علاقے کا نگران مقرر کیا

اسد الرحمٰن سے میری پہلی ملاقات صدہ میں ہوئی۔ کم سنی کے باوجود میں نے انھیں اس علاقے کا نگران مقرر کیا۔ کام کرنے کے لیے ان کی روح بے چین رہتی۔ سیماب کی مانند ہر لحظہ متحرک رہتے۔ ڈیڑھ سال پہلے انھوں نے اپنی عسکری تربیت مکمل کی اور پھر جاجی جا کر مجاہدین کے ساتھ منظم ہو گئے۔ وہ شمال کی سمت جانے کے منتظر رہتے۔ آخر ایک قافلے کے ہمراہ گئے پھر واپس پلٹ آئے۔ مگر سیماب صفت طبع نے انھیں چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ شیخ تمیم عدنانی اسد الرحمٰن کی تواضع، بہادری، ادب و احترام اور شرم و حیا کی وجہ سے انھیں بڑا محبوب رکھتے۔

ان دنوں خوست کا معرکہ گرم تھا۔ اسد الرحمٰن بھی خوست کی کارروائیوں میں شریک ہوئے۔ ہر لحظہ میزائل، اسلحے اور جنگی طیاروں کے ساتھ آنکھ مچولی کا سماں رہتا۔ آخر وہ دن آ گیا، جو اسد الرحمٰن مصری کا ربّ کے حضور حاضری کا دن تھا۔ نوجوانوں نے روسیوں کے مرکز پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا، اس کے لیے خصوصی منصوبہ بندی کی گئی۔ اسد الرحمٰن بھی منصوبہ بندی کرنے والے شیروں میں شامل تھے۔ وہ صرف پہلی صف میں لڑنا چاہتے تھے۔ امت کو زندگی بخشنے کے لئے خود مرنے کی تمنا ان کی دعاؤں کا حاصل تھی۔ آنے والی نسلوں کو ایمان کی زندگی کی سوغات پیش کرنے کے لیے انھوں نے اپنی جانیں وار دیں۔

اسد الرحمٰن اور ان کے نوجوان ساتھیوں نے دشمن کے مرکز پر زوردار حملہ کیا۔ فتح کی نوید سننے کے بعد اسد زخمی ہوئے اور پھر شہید ہو گئے۔ وہ اپنی اس منزل پر پہنچ گئے جس کے حصول کی تڑپ انھیں یہاں تک لے کر آئی تھی۔ اللہ سے دعا ہے کہ ان کی آرزو پوری ہو چکی ہو اور ان کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خوشخبری سچ ثابت ہو:

((...وَتَوَكَّلَ اللهُ لِلْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِهِ بِأَنْ يَتَوَفَّاهُ أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ أَوْ يَرْجِعَهُ

سَالِماً مَعَ أَجْرٍ أَوْ غَنِيمَةٍ)) (رواه البخاري، كتاب الجهاد و السير، باب أفضل الناس مؤمن مجاهد بنفسه و ماله في سبيل الله)

"اور اللہ تعالی نے مجاہد فی سبیل اللہ کے لئے یہ ذمے لیا ہے کہ اُس کو جب موت دیں گے تو اُسے جنت میں داخل فرمادیں گے ورنہ سلامتی کے ساتھ ثواب اور مال غنیمت دے کر اُس کو گھر لوٹائیں گے"۔

اے اللہ! ہمیں سعادت کی زندگی اور شہادت کی موت نصیب فرمایئے اور ہمیں قیامت کے روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں زندہ کیجیے۔

احمد عبداللہ صالح خلفی شہید

"وہ بہت خاموش طبع تھے' خوشی خوشی اپنے مجاہد ساتھیوں کی خدمت میں مصروف رہتے۔ فضول بحث مباحثے سے ہمیشہ اجتناب برتتے۔ کثرت سے قرآن مجید کی تلاوت ان کا محبوب مشغلہ تھا"

قندھار کی سرزمین! تو نے کتنے ہی پاکیزہ جسم اپنی آغوش میں لے لیے' کتنی ہی پاکیزہ روحیں تیرے سبزہ زاروں' چراگاہوں اور کوہساروں میں جان ہتھیلی پر لیے جہاد و عزیمت کی داستانیں رقم کرتی رہیں۔ انھوں نے اپنے خون سے تیرے چمنستان کو زندگی بخشی۔ سنگلاخ چٹانیں ان کے بہتے لہو کی دھاروں کے سبب' چشمے ابلنے لگیں۔

جہاد سے متعلق صرف ایک درس سنا' اور چل پڑے

قطر کے شہداء میں پہلا نام احمد عبداللہ خلفی کا ہے۔ پانچ بہن بھائیوں کے ساتھ ہنستے کھیلتے احمد نے بچپن عبور کر کے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا۔ اس کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا جن کی جوانیاں اپنے رب کی اطاعت کی لذت سے آشنا ہوتی ہیں۔ مسجد ان کی روح اور زندگی تھی۔ وہ پنج وقتہ نمازوں کی مسجد میں ادائیگی کا خاص اہتمام کرتے۔ اپنے دین کی تعلیمات کے مطابق والدین کی بھرپور فرماں برداری کرتے۔

جہاد میں شرکت کا واقعہ سناتے ہوئے احمد عبداللہ خود کہتے ہیں: "مجھے علم ہوا کہ شیخ تمیم ذکرہ' مسجد میں جہاد کے بارے میں درس دیتے ہیں۔ میں بڑے جذبے سے ان کے درس میں شریک ہوا۔ اس سے پہلے میں گانے سننے کا شیدائی تھا مگر درس سننے کے بعد میری حالت یکسر بدل گئی اور میں نے دل ہی دل میں جہاد افغانستان میں شرکت کا پختہ فیصلہ کرلیا"۔ ایک مرتبہ ایک طالب علم ساتھی نے احمد عبداللہ کو چھیڑتے ہوئے کہا: "آپ تو گانوں کے بڑے رسیا تھے"۔ احمد عبداللہ کہنے لگے: "میں نے جہاد سے متعلق صرف ایک درس سنا' اور زندگی کا رخ بدل کر جہاد کے لیے چل نکلا جب کہ آپ لوگوں نے جہاد اور دین کے

بارے میں لوگوں کو خوب درس دیئے اور جہاد کے لیے اب جا کر نکلے ہیں"۔

وہ بہت خاموش طبع تھے' خوشی خوشی اپنے مجاہد ساتھیوں کی خدمت میں مصروف رہتے۔ فضول بحث مباحثے سے ہمیشہ اجتناب برتتے۔ کثرت سے قرآنِ مجید کی تلاوت ان کا محبوب مشغلہ تھا۔

شہادت سے پہلے اپنے والدین کو خط لکھتے ہوئے کہا: "ابا جان' امی جان! صبر کا دامن تھامے رکھیے۔ میں ان شاء اللہ قیامت کے روز آپ کی شفاعت کروں گا۔ شہید کے لیے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اس کے اہلِ خانہ میں سے ستر افراد کے حق میں اس کی شفاعت منظور فرمائیں گے"۔

اپنے بھائیوں کو تحریر کردہ خط میں لکھتے ہیں: "ایک طرف ایک نوجوان کا طریق کار یہ ہے کہ وہ اپنے ربّ کی خوشنودی کے لیے ساری دنیا تک تج دینے پر تیار ہو۔ دوسرے نوجوان لہو ولعب اور کھیل تماشے ہی کو زندگی کا حاصل سمجھتے ہیں۔ اُٹھیے اور ان لوگوں کی صف میں شامل ہو جایئے جو شہادت فی سبیل اللہ کی قطار میں کھڑے ہیں۔ پروردگار! گواہ رہنا کہ میں نے تیرا پیغام آگے پہنچانے کا فرض ادا کر دیا ہے"۔

اپنے دوست عبداللہ ماجد کو انھوں نے ایک خط بھیجا جس میں لکھا تھا: "اُمت کے نوجوان کھیل تماشے میں مگن ہیں۔ عبداللہ میرے بھائی! ذرا ان چھوٹے چھوٹے معصوم افغانی بچوں کی طرف دیکھو' ان ننھے سے جسموں میں بڑے بڑے ذہن اور دل آباد ہیں' اور یہ اُن نوجوانوں کے دلوں اور ذہنوں سے کہیں بڑے ہیں جن کی زندگی کا مقصد کھانے پینے اور گاڑیوں کی خرید و فروخت میں مقابلہ کرنے کے سوا کچھ نہیں"۔

منزلِ شوق آگئی آخر

قندھار میں ہونے والے زوردار معرکے میں احمد عبداللہ اور ان کے ساتھی ابراہیم جلاجل نے ایک پہاڑ کی آڑ سے نیچے آ کر اپنی جان بچانے کی کوشش کی۔ یہ ۲۸ محرم ۱۴۰۹ھ بمطابق ۷ ستمبر ۱۹۸۸ء کا دن تھا۔ اسی اثناء میں فضا پر منڈلاتے جنگی طیاروں نے ان کی طرف میزائل داغا۔ دونوں ساتھیوں کی روحیں قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ ان کی والدہ نے بتایا: "میں اپنے بیٹے کی شہادت کی خبر پر بہت خوش ہوں۔ یقیناً یہ ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔ میرے دل نے اس کی وفات سے ایک ہفتہ قبل ہی اس کی جدائی کی آہٹ سُن لی تھی"۔

احمد مجاہدین میں بہت ہر دل عزیز تھے۔ ان کے امیر اکثر مہمات پر ان کو روانہ کرتے۔ وہ بہادری سے ساری مہمات سر کرتے۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ ایک کارروائی کے دوران وہ اکیلے کمیونسٹوں کے مرکز جا پہنچے۔ افغانستان کے کوہساروں سے فلسطین کے سرسبز گھنے باغات تک ہر سمت جہاد کے پرچم کو لہلہاتا دیکھنا ان کی آرزو تھی۔ ان کے دل میں انبیاء علیہم السلام کی سرزمین فلسطین یا پھر ماوراء النہر یعنی بخارا میں شہادت پانے کی خواہش تھی۔

احمد عبداللہ بیوک فلسطینی شہید

"فلسطین اور افغانستان کی سرزمین میں ذلت ورسوائی کے مناظر دیکھنے کے بعد تعلیم کا سلسلہ جاری رکھنا میرے لیے ممکن نہیں رہا"

احمد بڑے جنگ جو نوجوان تھے۔ ورزش سے سدھائے ہوئے جسم کے مالک خاص طور پر دوڑنے اور مقابلہ کرنے کے شوقین۔ انھوں نے 'وکرہ' میں کھیلتے کودتے جوانی کے دن گزارے 'وہ اپنے علاقے کے نامور کھلاڑی تھے لیکن زندگی کے آخری دو سالوں کا لمحہ لمحہ 'شہد کی مکھی کی مانند ملتِ اسلامیہ کے تھڑدلوں میں دعوت کا شہد انڈیلنے میں صرف کر دیا۔ بارھویں جماعت کے بعد اختصاصی تعلیم کے لیے امریکا گئے۔ جہاد کی دل نواز داستان سننے کے بعد امریکا میں مزید قیام ان کے بس میں نہیں رہا۔ وہ جنت کی طرف جانے والے راستے کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ ایک روز ان کا ایک ساتھی پاکستان کا ویزا لے کر ان تک پہنچا۔ ان کی روح 'پر' پھڑ پھڑاتے ہوئے ان کے جسم سے پہلے ہی عزت وسربلندی کی تلاش میں سرزمینِ کوہسار جا پہنچی۔

اُمید ہے آپ مجھ سے ناراض نہیں ہوں گے

اپنے والد کی طرف خط میں انھوں نے جو الوداعی الفاظ تحریر کیے وہ کچھ یوں تھے: "پیارے ابا جان! ایک طویل عرصے سے جہاد کا شوق وجذبہ مجھے بے چین کیے ہوئے تھا۔ یہ جان سب سے قیمتی متاع ہے جو ایک انسان اپنے مالک کے حضور پیش کر سکتا ہے۔ ابا جان مجھے امید ہے کہ آپ مجھ سے ناراض نہیں ہوں گے۔ فلسطین اور افغانستان میں ذلت ورسوائی کے مناظر دیکھنے کے بعد تعلیم کا سلسلہ جاری رکھنا میرے لیے ممکن نہ رہا۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ جو کچھ اور جتنا بھی میرے پاس ہے اسے فوری طور پر راہِ جہاد میں پیش کر ڈالوں۔ اللہ کی قسم! اللہ نے ہمیں ذلت ورسوائی کی زندگی بسر کرنے کے لیے پیدا نہیں کیا۔ عزت وسربلندی کی زندگی ہی ہمیں زیب دیتی ہے اور اس کی طرف جانے کا راستہ جہاد سے ہو کر گزرتا ہے۔"

جس زندگی کے خدوخال احمد کے ذہن نے تراش رکھے تھے اسے بسر کرنے کا وقت آن پہنچا' کہ جس

زندگی عزت وسربلندی کی راہ گزر ٹھہری ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے مصداق:

((مِنْ خَيْرِ مَعَاشِ النَّاسِ لَهُمْ رَجُلٌ مُمْسِكٌ عِنَانَ فَرَسِهِ فِي سَبِيلِ اللهِ يَطِيرُ عَلَى مَتْنِهِ كُلَّمَا سَمِعَ هَيْعَةً أَوْ فَزْعَةً طَارَ عَلَيْهِ يَبْتَغِي الْقَتْلَ وَالْمَوْتَ مَظَانَّهُ)) (صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب فضل الجهاد والرباط)

ترجمہ: "انسانی زندگی میں بہترین زندگی اس شخص کی ہے جو اللہ کی راہ میں اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے اور جب کسی خوف زدہ کی آواز یا کسی فریادرس کی فریاد سنے تو عجلت کے ساتھ گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو جائے (اس خوف زدہ یا فریادرس کی طرف دوڑتا ہوا چلا جائے) اور اپنی موت کو اس جگہ تلاش کرتا پھرے جہاں موت کا گمان ہو۔"

علی عبداللہ صدیقی ان کے بارے میں بتاتے ہیں 'احمد شب زندہ دار تھے۔ نماز باجماعت کی ادائگی کا خاص اہتمام کرتے۔ دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرتے۔ اپنے بھائیوں کی خدمت کر کے خوشی محسوس کرتے۔ ان کے لیے بڑے اہتمام سے وضو کا پانی فراہم کرتے۔ محاذ پر جہاد میں مصروفیت کے دوران اپنے گھر والوں کی طرف خط وکتابت کا سلسلہ ہمیشہ جاری رکھتے' جس میں اپنی بہنوں کو حجاب اور پردے کی تلقین کرتے۔

فلسطین کے بیٹو! تم جہاں کہیں بھی گئے...

وہ بڑا زوردار معرکہ تھا۔ موت سروں پر منڈلا رہی تھی۔ گولیوں کی گھن گرج کی صدا میزائلوں کی گونج ہر سمت سنائی دے رہی تھی۔ احمد بھی اپنا آر۔ پی۔ جی قاذف لے کر جنگ میں کود پڑے۔ اسی دوران جب چاروں طرف آگ برس رہی تھی' ایک میزائل ان کی سمت گرا اور ان کی روح اپنے مالک سے جا ملی۔ سپین بولدک کے علاقے میں تین دن تک احمد کی لاش سے خون بہتا رہا۔ لہو کی خوشبو مشک کی بو کی مانند لطیف اور روح افزا تھی' تین دن کے بعد مجاہد بھائیوں نے اس کی لاش کو سپردِ خاک کر دیا۔

فلسطین کے بیٹو! تم جہاں کہیں بھی گئے شہادت کی تمنا اور رب کی جنت کا حصول تم سب کی مشترکہ تڑپ رہی۔ پس تم سب مبارک باد کے مستحق ہو۔ رب سے دعا ہے کہ وہ جنت الفردوس میں ہمیں تمھاری معیت نصیب فرمائیں۔

حسن عوضی شہید

''ان کے ہونٹ ہر لمحہ جہاد کی توفیق کے لئے محوِ دعا رہتے یہاں تک کہ جہاد کا راستہ ربِّ کریم نے ان کے لئے آسان کر دیا''

قطر میں رہتے ہوئے بھی جہاد کی تیاری ان کے لیے فرض کی حیثیت رکھتی تھی۔ اپنے علاقے کے بہترین گھوڑ سوار تھے۔ جہاد فی سبیل اللہ کے لیے انھیں تیار کرنے کا تمام تر سہرا ان کے والد کے سر جاتا ہے۔ والد اور بڑے بھائیوں کی تلقین سے متاثر ہو کر وہ راہِ جہاد میں نکلے۔ ان کے ہونٹ ہر لمحہ جہاد کی توفیق کے لیے محوِ دعا رہتے یہاں تک کہ جہاد کا راستہ ربّ نے ان کے لیے آسان کر دیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((ثَلَاثَةٌ حَقٌّ عَلَى اللهِ تَعَالَىٰ عَوْنُهُم : اَلْمُجَاهِدُ فِي سَبِيْلِ اللهِ، وَالْمُكَاتَبُ الَّذِي يُرِيْدُ الْأَدَاءَ، وَالنَّاكِحُ الَّذِي يُرِيْدُ الْعَفَافَ)) (رواه الترمذي، كتاب فضائل الجهاد، باب ماجاء فى المجاهد و الناكح و المكاتب)

''اللہ تعالیٰ نے تین آدمیوں کی معاونت اپنے ذمے لے رکھی ہے۔ ایک مجاہد فی سبیل اللہ دوسرا مکاتب جو ادائیگی قیمت کا ارادہ رکھتا ہو اور تیسرا وہ نکاح کرنے والا جو پرہیزگاری کی نیت سے نکاح کرے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے:

﴿وَ مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا﴾ (النساء:۷۵)

''اور کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اُن بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کہتے ہیں اے ہمارے ربّ ہمیں اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا حمایتی بنا اور اپنی ہی طرف سے کسی کو ہمارا مددگار مقرر فرما''۔

حسن شہادت کے بارے میں بڑے ذوق وشوق سے گفتگو کرتے۔ ابی یوسف (احمد عبداللہ صالح) کی شہادت نے قطر کے نوجوانوں کے دلوں میں شہادت کا ایک نیا جوش پیدا کر دیا۔ ان کے بارے میں گفتگو اور ان کے نقشِ پا پر چلنے کی لگن نے نوجوانوں کے شوق میں ڈھل گئی۔ حسن نے بھی اپنے امیرِ لشکر سے رومیوں کے خلاف کارروائی میں حصہ لینے کا پر اصرار مطالبہ کیا۔ آخر کار انھیں اجازت مل گئی۔ اور وہ سربلندی کی چوٹی سر کرنے جہاد میں جاوارد ہوئے۔ دشمن کے مرکز پر کامیاب کارروائی کے بعد واپسی کے دوران میزائل گرنے سے ان کی حیاتِ ابدی کا لازوال سفر شروع ہو گیا۔

خالد زبیر شہید

"ان کے گرد کتنے ہی پاکستانی بھائی اکٹھے تھے جن میں سے ہر ایک شیر کی مانند اور باہمت نوجوان تھا۔ خوست، ارگون اور غزنی میں بیک وقت معرکہ برپا تھا۔ انھوں نے ارسلان رحمانی کی قیادت میں یکے بعد دیگرے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کرنے شروع کر دیے"

میں نے کسی پاکستانی کو خالد کی مانند زندگی سے بھرپور سرگرم اور پھرتیلا نہیں دیکھا۔ ادب و احترام اور شرم و حیا کے پیکر خالد نے علمائے کرام سے دینی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد اپنے آپ اور اپنے ہم مذہبوں سے ذلت و رسوائی اور جاہلیت کے داغ مٹانے کا عزم لیے جہاد کے ہم رکاب ہو گئے۔ ملت کا غم ان کی راتوں کی نیند اڑائے رکھتا۔ جب بھی ان کے قریب بیٹھنے کا اتفاق ہوا انھیں خاموش طبع پایا۔ دوسروں کے کام میں دخل اندازی ان کا شیوہ نہ تھا۔ جب انھیں کوئی ضرورت پڑتی صاف صاف اپنا مطالبہ بغیر کسی بھی تمہید کے دوٹوک انداز میں مخاطب کے سامنے رکھتے اور غائب ہو جاتے۔ ہر دم کام میں مصروف، زم دمِ گفتگو، گرم دمِ جستجو۔

الأرواح جنود مجندة

میری ان سے پہلی ملاقات مجاہدین کے مرکز میں ہی ہوئی تھی۔ نماز مغرب کے بعد درس قرآن کے حلقے میں شریک ساتھیوں کے ساتھ وہ بڑے غور سے درس سن رہے تھے۔ چٹھتی سردی ان کی آتشِ شوق کو کم نہ کر سکی۔ درس سننے کے بعد یہ تمام مجاہد شب کے تاریک پردوں میں جا چھپے۔

ان کے گرد پاکستانی بھائی اکٹھے تھے جن میں سے ہر ایک شیر کی مانند اور باہمت نوجوان تھا۔ خوست، ارگون اور غزنی میں بیک وقت معرکہ برپا تھا۔ انھوں نے ارسلان رحمانی کی قیادت میں یکے بعد دیگرے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کرنے شروع کر دیے۔ یہاں تک کہ ان شہداء کی تعداد بیس تک جا پہنچی۔ ارسلان رحمانی فی الواقع صاحبِ کرامت تھے۔ ان کے ہاتھوں رونما ہونے والی

کرامتوں کا تذکرہ میں نے اپنی کتاب "آیات الرحمن فی جہاد الافغان" میں بڑی تفصیل سے کیا ہے۔

((اَلْأَرْوَاحُ جُنُودٌ مُجَنَّدَةٌ فَمَا تَعَارَفَ مِنْهَا ائْتَلَفَ وَمَا تَنَاكَرَ مِنْهَا اخْتَلَفَ))

(رواه البخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب الْأَرْوَاحُ جُنُودٌ مُجَنَّدَةٌ)

"روحیں منظم لشکر تھیں، پھر جن میں باہمی طور پر وہاں (ایک دوسرے سے) شناخت تھی وہ تو دنیا میں (آ کر بھی) ایک دوسرے سے الفت رکھتی ہیں اور جن میں وہاں باہم اجنبیت رہی وہ یہاں بھی مختلف رہیں"۔

سچی بات تو یہ ہے کہ روحیں لشکروں کی مانند ہوتی ہیں جس سے انس محسوس کریں اس کی رفاقت میں انھیں خوشی محسوس ہوتی ہے۔ اور جس سے اجنبیت محسوس کریں اس کے ساتھ رہنا انھیں دشوار لگتا ہے۔ ان کی روح بھی اپنی پاکیزگی طبع کے باعث ارسلان کی پاکیزہ روح سے مانوس ہو گئی۔ خوست اور ارگون کے کوہساروں اور مرغزاروں میں یہ شیر صفت نوجوان پلٹتے، جھپٹتے اور جھپٹ کر پلٹتے رہے۔ اسی دوران خالد کے معاون ساتھی عبدالرحمٰن کی آنکھ زخمی ہو گئی۔ وہ اپنی آنکھ کا علاج کرانے کے لیے کچھ عرصہ واپس پلٹ گئے اور چند ہی ماہ بعد دوبارہ میدانِ جہاد میں پہنچ گئے۔

وہ اپنے ہم مکتب ساتھیوں کو جہاد کی طرف دعوت دینے کے لیے خصوصی کوشش کرتے۔ انھیں خطوط لکھ لکھ کر محاذوں کی طرف کھینچ لانے کی کوشش کرتے۔ افغانستان کا جہاد ان کی روح کا قرار بن چکا تھا۔ اپنی جوانی کے قیمتی لمحات انھوں نے اس جہاد کی رفاقت میں گزار دیے۔ ایک دفعہ مجھے کراچی کے ایک جلسے میں شرکت کرنے کا اتفاق ہوا۔ لوگ وہاں خالد کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ کچھ دیر بعد وہ آئے اور جہاد کے بارے میں گفتگو کر کے چلے گئے۔

نہ جانے اور ایسے کتنے ہی سچے اور بے لوث مجاہد ہوں گے

حقیقت یہ ہے کہ ان کے گرد اکھٹے نوجوانوں کی شجاعت انوکھی نوعیت کی تھی۔ اگر میں فراموش بھی کرنا چاہوں تو ایک نوجوان نصر اللہ کا نام کبھی فراموش نہیں کر سکتا، جنھوں نے اسلحے سے لدے ہوئے ہیلی کاپٹر کا تن تنہا مقابلہ کیا۔ ان کے زخموں سے خون رس رہا تھا، مگر وہ آخری دم تک ڈٹے رہے اور ہیلی کاپٹر میں موجود کئی افراد کو ہلاک کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر ان کی زندگی بچا لی۔ اسی طرح ارشاد الحق کا نام

میرے ذہن کی تختی پر ہمیشہ جگمگاتا رہے گا' جو خوست کی جنگ میں پہلے شہید تھے۔ نہ جانے اور ایسے کتنے ہی سچے اور بے لوث مجاہد ہوں گے جن کا نہ تو کسی زبان نے تذکرہ کیا اور نہ کسی قلم نے ان کا حال بیان کیا' مگر وہ عزیمت کی لازوال داستانیں رقم کر کے امر ہو رہے ہے۔

سانس روکے ہوئے تکتے ہیں ستارے ان کو
عزم کچھ اور ہی یہ اہل زمین رکھتے ہیں

یہاں شیخ سیف اللہ اختر بھائی کا تذکرہ کرنا ضروری ہے۔ مولانا ارشاد احمد کے بعد انھیں غازیوں کی سالاری سونپی گئی۔ انھوں نے حالات کی تنگی کے باوجود نہایت پامردی کے ساتھ اپنی ذمہ داری انجام دی ۔

خالد کا شمار ان غازیوں میں سرفہرست تھا جن کے ہاتھوں ارگون فتح ہوا۔ یہ ان کے لیے کوئی نئی بات نہ تھی۔ دشمنوں کے قلعے زیر کرنے والوں میں ان کا نام ہمیشہ سے ہی سرفہرست چلا آرہا تھا۔ مولوی ارسلان اور خالد زبیر جیسے قائدین کی رہنمائی میں پکتیکا کا سارا علاقہ فتح ہو کر مجاہدین کے قبضے میں آگیا۔

شہرِ مردان' خالد کی قدر کبھی نہیں پہچان سکتا

خالد خوست' غزنی اور اورگون کے معرکوں میں اپنی زندگی کے لمحے لمحے کا قرض اتار رہے تھے۔ ان کی سب سے پہلی ترجیح جہاد میں شریک مجاہدین کی تعداد میں اضافہ کرنا تھا۔ بعض اوقات یہ تعداد دو سو تک پہنچ جاتی۔

خالد نے خوست میں کمیونسٹوں کے مرکز پر قبضہ کرنے کی منصوبہ بندی کی۔ موت ان کی تلاش میں تھی۔ معرکے کے دوران ہی ان کا پاؤں ایک بارودی لغم پر پڑا' جس سے فوری طور پر ان کی ایک ٹانگ اڑ گئی۔ اور باقی سارے جسم کی ہڈیاں ٹوٹ کر رہ گئیں۔ مجھے بھائی سیف اللہ نے دفتر میں آکر خالد کے زخمی ہونے کی اطلاع دی۔ انھوں نے مجھے خالد کے زخموں کی سنگینی کے بارے میں بھی مطلع کیا۔ ۲۷ جنوری ۱۹۸۷ء کو جمعرات کے روز ان کے زخمی ہونے کے دو روز بعد ۲۹ جنوری ۱۹۸۹ء کو پھر بھائی سیف اللہ نے مجھے بتایا کہ خالد اپنے خالق حقیقی سے جا ملے ہیں۔ خیبر ہسپتال پہنچ کر میں نے خالد کا چہرہ دیکھا۔ ان کے چہرے پر ابدی مسکراہٹ آویزاں تھی۔ میں نم آنکھوں سے آگے بڑھا اور ان کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

جنہیں جنتوں کی تلاش تھی

میرے ذہن میں ان طویل یادوں کے مناظر گھوم رہے تھے جنھیں یہ مجاہد راہ جہاد میں گزار چکا تھا۔

سیف اللہ بھائی کے پاس خالد کی نعش مردان پہنچانے کے لیے گاڑی کا کوئی انتظام نہ تھا۔ انھوں نے مجھ سے ایمبولینس گاڑی کی بات کی' ہمارے پاس اس وقت کوئی گاڑی نہ تھی۔ میں نے انھیں کرایے پر گاڑی لینے کا مشورہ دیا۔ پشاور کی مسجد میں اس شہید کی نماز جنازہ پڑھی گئی۔ پھر یہ اداس قافلہ مردان روانہ ہو گیا' جہاں سے خالد شہید کی بچپن اور جوانی کی حسین یادیں وابستہ تھیں۔ میں بخوبی جانتا ہوں کہ مردان خالد کی قدر کبھی نہیں پہچان سکتا' نہ کسی اور کو ان کی قدر ہو سکتی ہے۔ ان کی قدر تو بس اس رب کو معلوم ہے جس نے شہداء کے لیے جنت کے بلند رتبے تیار کر رکھے ہیں۔ بخاری کی حدیث ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ أَعَدَّهَا اللَّهُ لِلْمُجَاهِدِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ مَا بَيْنَ الدَّرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللَّهَ فَاسْأَلُوهُ الْفِرْدَوْسَ فَإِنَّهُ أَوْسَطُ الْجَنَّةِ، وَأَعْلَى الْجَنَّةِ)) ((وَ فَوْقَهُ عَرْشُ الرَّحْمَٰنِ وَمِنْهُ تَفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ)) (صحيح البخاري، كتاب الجهاد و السير)

"بے شک جنت میں سو درجے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مجاہدین فی سبیل اللہ کے لیے تیار کر رکھے ہیں۔ ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان و زمین میں ہے' تو جب تم اللہ سے مانگو تو فردوس کا سوال کرو' کیونکہ وہ جنت کا سب سے اونچا اور بیچ کا حصہ ہے اور اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور اسی (فردوس) سے جنت کی نہریں پھوٹتی ہیں"۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ خالد کی شہادت کو قبول فرمائیں اور ہمیں صالحین کے زمرے میں اٹھا کر دیں۔

جمال محمد ناصر حسینی شہید

"قندھار وہ علاقہ ہے جہاں نوجوان موت کی تلاش میں رہتے ہیں۔اس دفعہ
قرعۂ فال جن خوش نصیبوں کے نام نکلا'ان میں جمال ناصر کا نام شامل نہ تھا'انھیں
اس کا بڑا رنج تھا"

ابوموسیٰؓ کی سرزمین کیا خوب ہے تو؟ اپنے جگر گوشوں کو میدانِ کارزار میں بھیجتی چلی جارہی ہے۔ اپنے پاک باز جوانوں کا لہو بہتے دیکھ کر تیرے اندر کوئی زلزلہ برپا نہیں ہوتا۔تو ابوحنیفہؒ کے شہر سے بھی بازی لیتی جارہی ہے۔تو سرزمین طالقانی کی عزت وسربلندی کی چوٹی سر کرنے کی فکر میں ہے۔حذیفہ کی سرزمین عزت وسربلندی کے حصول کا راستہ بڑا ہی پرصعوبت ہے۔کیا تو ان صعوبتوں کو انگیز کرنے کا حوصلہ رکھتی ہے۔اے اویس قرنیؓ کی زمین' عزت وسربلندی کی قیمت بڑی گراں ہے۔کیا تیرے اندر اس کی قیمت ادا کرنے کی طاقت ہے؟ اے سربلندی کی بیٹی! اے سرداری کی وارث' ذرا آہستہ' ذرا ٹھیر کر۔ راستہ بڑا دشوار ہے' قیمتیں بہت گراں ہیں اور مشقت بڑی کٹھن ہے۔اس میں شک نہیں کہ تو اپنے بیٹوں کی شہادت اپنے لیے باعثِ فخر سمجھتی ہے اور اسے تاریخ کے لازوال صفحات میں ثبت کرتی چلی جارہی ہے۔کبھی تو اپنے کسی فرزند کو حوروں کی معیت کے سپرد کرتی ہے تو یہ نغمہ سنائی دینے لگتا ہے ۔

کانک بالفقر تبغی الغنی
و بالموت فی الحرب تبغی الخلودا

قبیلے کی آنکھ کا تارا

آج ہم تیرے عزیز بیٹے کو الوداع کہنے چلے ہیں۔یمن سے نکل کر قندھار کی شعلے اگلتی اور چنگاریاں اڑاتی زمین تک آپہنچنے والا شیر جوان جمال محمد ناصر اپنے قبیلے کی آنکھ کا تارا تھا۔جمال محمد ناصر (ابودجانہ یمانی) کا تعلق عبداللہ احمر کی سرزمین سے تھا۔انھوں نے نعمتوں اور آسائشوں کی زندگی کو تج کر اس راہِ پُرخار میں قدم رکھا تھا۔تربیتی مرکز پہنچ کر اپنی پھرتی اور سرگرمی کی بناء پر وہ جلد ہی اپنے حلقۂ

دوستاں میں معروف ہوگئے۔کچھ ہی عرصے بعد انھیں عرب نوجوانوں کے ہمراہ کردیا گیا۔یہ وہ نوجوان نسل ہے جو مقتل میں اس طرح بے دھڑک چلی آتی جیسے کوئی دولہا اپنی بارات کے ساتھ ہولیتا ہے'دنیا والے جہاد کی اس لذت کو کیا جانیں؟!

اے قیسِ عصر جو کالج میں بیٹھے چار جماعتیں پڑھ بیٹھے
تم واقفِ نقشِ رنگِ حنا' تم خوں کا فوارہ کیا جانو؟

یہ بڑا ہی مبارک مقام ہے' بیش رو شہداء کے نشان راہ قدم قدم پر موجود ہیں۔ان کے ساتھ بیتے لمحات کے مناظر ابھی بھی آنکھ کے سامنے سے گزر جاتے ہیں۔ان کی قبروں سے نکلنے والی کراماتی روشنی فضا میں نور کی کرنیں پھیلا رہی ہے' جو دلوں کی تاریکی کو تابندگی میں بدلتی جاتی ہے' دلوں کے اندر لگے زخموں پر پھایا رکھ دیتی ہے۔یہ ابوحفص اردنی کی قبر ہے' وہ سامنے احمد زہرانی کی آخری آرام گاہ ہے' دائیں طرف ھشام دیلمی محوِ استراحت ہیں' وہ ذرا ہٹ کر زکریا ابوہود دفن ہیں۔کل تک یہ سب ہمارے درمیان چلتے پھرتے تھے اور آج اپنے ربّ کے پاس ابدی نعمتوں سے سرفراز ہورہے ہیں ان شاءاللہ۔

جمال محمد ناصر جس راہِ جہاد پر خود محوِ سفر تھے اسی پر اپنے بھائیوں کو گامزن کرنے کی لگن میں رہتے۔ ایک مرتبہ اپنے اہلِ خانہ سے ملنے اور فریضۂ حج کی ادائگی کے لیے جزیرۃ العرب گئے۔اہلِ خانہ انھیں جہاد سے روکنے کی فکر میں تھے' اس کے لیے اُنھیں جمال کی شادی سے بہتر کوئی نسخہ کارگر نہ لگا۔عین اس وقت جب شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں' منصوبہ بندی اختتام کو پہنچ چکی تھی' اُنھوں نے اس جال سے پیچھا چھڑانے کے لیے ایک بہانہ تراشا اور گھر والوں سے کہا کہ وہ ذرا ریاض تک سفر کرنا چاہتے ہیں۔بس اپنا سفری بستہ تیار کیا اور سیدھا پاکستان کا رخ کیا۔یہاں آکر انھوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا:"میں دنیا کی عورتوں سے پیچھا چھڑا کر جنت کی حور کی تلاش میں نکل آیا ہوں"۔

یہ منزل خون کے سیلاب سے گزر کر ہی ہاتھ آتی ہے

پشاور پہنچے تو ایک دوست نے پوچھا:"کدھر کا ارادہ ہے؟" بولے:"کابل کا"۔دوست نے تجویز دی کہ دونوں قندھار چل کر ملا عبدالغنی کی قیادت میں جہاد میں شریک ہوجاتے ہیں۔قندھار وہ علاقہ ہے جہاں غازی موت کی تلاش میں رہتے ہیں۔اس دفعہ قرعۂ فال جن خوش نصیبوں کے نام نکلا ان میں جمال

ناصر کا نام شامل نہ تھا انھیں اس کا بڑا رنج تھا۔ تین دن بعد جب نئی تشکیل ہوئی تو اس کے پہلے دستے میں جمال محمد ناصر کا نام بھی شامل تھا۔ جب وہاں ان کی مدت مکمل ہو گئی تو انھوں نے اپنے امیر سے مزید ٹھیرے رہنے کی درخواست کی امیر نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور واپسی کا حکم سنا دیا۔ تب وہ چپکے سے ایک دوسرے دستے کے امیر ملا عبدالرزاق کے پاس چلے گئے اور دشمن سے دوبدو مقابلے کے لیے رک گئے۔ یہ بڑا ہی کٹھن معرکہ تھا۔ موت کے سائے سر پر منڈلا رہے تھے۔ قندھار کے ہوائی اڈے کے قریب، کھیل کے میدان میں کئی گھنٹے لڑائی جاری رہی۔ اسی دوران اپنے ساتھی ابوعزالدین کے ساتھ یہ شیر بھی زخمی ہو گیا۔ دو میزائل بیک وقت ان پر گرے ایک ان کی پیشانی میں لگا اور دوسرا ان کے دائیں ہاتھ پر۔ صحیح حدیث کے الفاظ ہیں:

((مَامِنْ مَجْرُوحٍ يُجْرَحُ فِي سَبِيلِ اللهِ، وَاللهُ أَعْلَمُ بِمَنْ يُجْرَحُ فِي سَبِيلِهِ، إِلَّاجَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَجُرْحُهُ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ جُرِحَ، اللَّوْنُ لَوْنُ دَمٍ، وَالرِّيحُ رِيحُ مِسْكٍ)) (رواه ابن ماجة، أبواب الجهاد، باب القتال في سبيل الله سبحانه وتعالىٰ)

"جو زخمی بھی راہ خدا میں زخم کھائے اور اللہ کو خوب معلوم ہے کہ کون ان کی راہ میں زخمی ہوا وہ روز قیامت پیش ہو گا اور اس کا زخم اسی دن کی طرح ہو گا جس دن زخم لگا، رنگ تو خون کا ہو گا اور خوش بو کستوری کی ہو گی"۔

زخم مندمل ہوئے تو وہ لوٹ آئے اور اگلے ہی روز پھر قندھار چل پڑے۔ نواحی بستی ملاجات میں جنگ کا بازار گرم تھا۔ ان کا آر۔ پی۔ جی قاذف ساتھ تھا ایک گولہ انھوں نے دشمن کی سمت پھینکا۔ اس نے جواباً میزائل پھینکا اور اپنے قبیلے کی آنکھ کا یہ تارا جس نے ابھی زندگی کی صرف پچیس بہاریں بھی پوری نہ دیکھی تھیں اس فانی دنیا سے منہ موڑ گیا۔ جمال اپنے رب کی ملاقات کے لیے چل دیے۔ بے شک شہداء زندہ ہیں۔ ان کی یادیں زندہ ہیں۔ وہ اپنے لہو سے اس دینِ حنیف کے شجر کی آبیاری کر رہے ہیں۔ اور اسے زندگی اور برگزیدگی عطا کر رہے ہیں۔ بے شک افکار، عقائد اور اصولوں کی خاطر جان دینے سے بڑھ کر کوئی زندگی، زندگی کہلانے کی مستحق نہیں ہے۔ اور یہ منزل خون کے سیلاب سے گزر کر ہی ہاتھ آتی ہے۔

"فرشتہ" دستے کے سالار عبدالفتاح ابنِ مولوی عادل شہید

"اس دستے کے افراد کی تعداد تین سو تھی جن میں زیادہ تر بخارا سے آنے والے مہاجرین تھے۔ اُن میں چالیس حفاظِ قرآن تھے ایک بڑی تعداد اچھی طرح عربی سمجھتی تھی۔ دینی مدرسے "تخارستان" سے فارغ التحصیل عبدالفتاح اس دستے کے سالار تھے"

مجھے اکثر ہی اپنے عرب بھائیوں سے "فرشتہ" دستے کے بارے میں سننے کا موقع ملتا رہا۔ یہ باتیں سُن کر مجھے ان کے بارے میں جاننے کا شوق پیدا ہوا۔ جب میں "فرخار" کے شمالی علاقے کے تعلیمی مرکز میں تھا تو مجھے عرب مجاہدین کے ایک مجموعے سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ میں نے ان سے ارادہ، سفر کا پوچھا تو کہنے لگے: "ہم "ملائکہ" دستے کے ساتھ ہیں، جس کے سالار عبدالفتاح ہیں"۔ اس مجاہد دستے کا یہ نام ہمارے کچھ سادہ لوح افغان بھائیوں نے رکھا تھا جس کی وجہ وہ سرگرمیاں تھیں جو یہ دستہ انجام دے رہا تھا۔ مجاہدین کی اصلاح، سگریٹ اور نسوار چھڑانے کی مہم اور شرعی آداب اور سنتوں کے التزام کی طرف دعوت دینے کی سرگرمیاں وغیرہ۔ جلد ہی اس کا یہ نام اتنا مشہور ہو گیا کہ یہ اس مجموعے کی پہچان بن گیا' تاہم ہم اس نام کے قطعاً قائل نہیں۔

بہر حال اس دستے کے افراد کی تعداد تین سو تھی جن میں زیادہ تر بخارا سے آنے والے مہاجرین تھے جن میں چالیس حفاظِ قرآن تھے۔ ان میں سے ایک بڑی تعداد اچھی طرح عربی زبان سمجھتی تھی۔ یہ زیادہ تر وہ نوجوان تھے جو عرب ممالک میں مختلف ملازمتیں کر چکے تھے بعد ازاں جہاد کی نداسنی تو ملازمتیں چھوڑ چھاڑ کے افغانستان چلے آئے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ دینی مدارس کا افغانستان کے جہاد میں غیر معمولی کردار ہے

دینی مدرسے "تخارستان" سے فارغ التحصیل عبدالفتاح اس مجموعے کے سالار تھے۔ وہ افغانستان کے شہر قندوز کے رہنے والے تھے۔ مدرسے سے فارغ ہوئے تو وہیں بحیثیت معلم فرائض انجام دینے

لگے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ دینی مدارس کا افغانستان کے جہاد میں غیر معمولی کردار ہے۔ عبدالفتاح جہادی تحریک کے سرگرم رکن بھی تھے۔ دینی تعلیم اور مجاہدانہ زندگی کے امتزاج نے ان کی شخصیت کو چار چاند لگا دیئے۔ جہاد کے نتائج پر ان کی گہری نظر رہتی۔ ملتِ اسلامیہ کی بیداری کا فریضہ آج کے نوجوانوں سے جو تقاضے کرتا ہے اس سے وہ بخوبی آگاہ تھے۔

عبدالفتاح کی مزار شریف سے تعلق رکھنے والے ذبیح اللہ کی شخصیت سے کافی مماثلت تھی۔ وہ بھی ان کی طرح دینی مدرسے کے فارغ التحصیل تھے اور جہادی تحریک کے سرگرم رکن تھے اور اپنا فرض ادا کر کے ربّ کے حضور پہنچ چکے تھے۔

ہم نے رسمِ محبت کو زندہ کیا زخمِ دل جیت کر نقدِ جاں ہار کر
ہم سے بزمِ شہادت کو رونق ملی جانے کتنی تمناؤں کو مار کر

عبدالفتاح نے صوبہ بغلان کے شہر فلول میں اپنا مرکز کھول رکھا تھا۔ ان کا دائرہ کار فلول سے صوبہ تخار اشکمش اور قندوز تک پھیلا ہوا تھا۔ سبھی ان کا نام احترام سے لیتے۔ وہ ساری ہی تنظیموں اور مجموعوں میں یکساں مقبول تھے۔ موت کی تلاش میں ہر کٹھن موقع پر سب سے پہلے پہنچتے۔ آج ان کی جدائی کے بعد یہ نغمہ ہمیں ان کی یاد دلاتا ہے؛

اُفق کی سرخ قبا سے سراغ ملتا ہے ہمارا خون ستاروں میں جگمگائے گا
ہمارے بعد کہاں یہ وفا کے ہنگامے؟ کوئی کہاں سے ہمارا جواب لائے گا؟

یہ وہ نوجوان تھے جو شہواتِ نفسانی سے بلند اخلاق کے اعلیٰ معیارات پر اپنی زندگیاں گزار رہے تھے۔ دنیا کو چھوڑ چکے تھے اور اب ان فانی چیزوں کی کوئی قدر و قیمت اُن کی نگاہ میں باقی نہ رہی تھی۔ عبدالفتاح کی اہلیہ اور بچے پانچ سال سے ان کے والد اور والدہ کے ساتھ مکہ مکرمہ میں رہائش پذیر تھے۔ اس دوران وہ صرف ایک دفعہ ان سے ملنے کے لیے جا سکے۔

ان کی زندگی کا لمحہ لمحہ جہاد کے لیے وقف تھا جہاد ہی ان کے دل کی لگن اور جذبات کا قرار بن چکا تھا۔ دنیا کا کوئی رشتہ اور کوئی محبت ان کے پاؤں کی زنجیر نہ بن سکی۔

اپنے ساتھ شیروں کا جھرمٹ لئے بے دھڑک آگے نکل جاتے

وہ بے دریغ جنگ میں کود پڑتے۔ اپنے ساتھ شیروں کا جھرمٹ لیے بے دھڑک آگے بڑھ جاتے۔ چار مرتبہ تو ان کا جسم زخموں سے چور چور ہو گیا۔ شہادت سے دو ماہ پہلے 'قندوز' کی فتح میں ان کا کردار نمایاں تھا۔ وہ وہاں چار دن تک دشمنوں کے خلاف ڈٹے رہے۔ میں ایک جہادی رہنما کے پاس بیٹھا افغانستان کی صورتِ حال سے متعلق دریافت کر رہا تھا۔ انھوں نے مجھے 'قندوز' ہوائی اڈے کے گرد ہونے والی لڑائی کی تفصیلات بتانا شروع کیں۔ ان تک یہ تفصیلات بشیر بغلانی کے ذریعے پہنچی تھیں۔ بشیر بغلانی نے ہی انھیں عبدالفتاح کی شہادت کی تفصیلات بتائیں۔ عبدالفتاح نے پانچ مجاہدین جن میں سے ایک عرب بھی تھے ان کے ساتھ مل کر بے جگری سے یہ معرکہ لڑا۔ گولیوں کی بوچھاڑ ہوتی رہی مگر وہ آخری دم تک ڈٹے رہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنی بارگاہ میں ان کی شہادت کو قبول فرمائیں انھیں جنت الفردوس کا بلند رتبہ عطا فرمائیں اور ہمیں انبیاء علیہم السلام صدیقین اور شہداء کی معیت میں اکٹھا فرما دیں کیا ہی بہترین ہیں یہ سب رفقاء۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کو زیبا ہیں وہ پاک اور بالا و برتر ہیں۔ ہم گواہی دیتے ہیں کہ ان کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ ہم ان سے اپنے گناہوں کی بخشش چاہتے ہیں اور ان کے حضور توبہ کرتے ہیں۔

مروان فلسطینی شہید

دل کی دھڑکنوں پر لبیک کہتے ہوئے آخر وہ فلسطین جانے کے لیے نکل پڑے۔ کئی مہینوں تک منظر عام سے غائب رہے۔ مسلسل کوششوں کے بعد انھیں اندازہ ہوا کہ وہاں تک پہنچنا اتنا آسان نہیں۔ تب بالآخر وہ افغانستان واپس پلٹ آئے کہ گولوں کی گھن گرج اور توپوں، ٹینکوں اور بندوقوں کا فراق انھیں مزید گوارا نہ تھا۔"

شہداء کا قافلہ سلامتی کی راہ گزر پر رواں دواں ہے۔ کتنے ہی شیر دل جوان اللہ رب العزت کے دشمنوں کی تلاش میں اپنی کمین گاہوں سے نکل کھڑے ہوئے اور دشمنوں کو چیر پھاڑ کر زیر کر دیا۔ ان مجاہدین نے اللہ کی اس زمین پر اللہ کے دین کی عظمت کا جھنڈا بلند کر دیا۔

حضرت ابوھریرۃ ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((وَفْدُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ ثَلَاثَةٌ : الْغَازِي وَالْحَاجُّ وَالْمُعْتَمِرُ)) (رواه النسائي، كتاب الجهاد، باب الغزاة وفد الله)

"تین آدمی اللہ عزوجل کے وفد ہیں: مجاہد، حج کرنے والا اور عمرہ کرنے والا۔"

جنھوں نے بیٹھ جانا اور پیچھے رہ جانا گوارا نہ کیا

پروردگار! ہمیں تیرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ تین افراد اللہ (غازی، حاجی اور عمرہ کرنے والا) کے مہمان ہیں۔ تو اے پروردگار! یہ آپ کے مہمان ہیں۔ آپ ہی ان کی تکریم فرمایئے اور ان کی میزبانی انجام دیجیے۔ انھوں نے آپ کے دین کی سربلندی اور خوشنودی کے حصول کی خاطر اپنے گھر بار چھوڑ دیئے، آپ کی شریعت کی نصرت کے لیے ہجرت کی راہ اختیار کی۔ آپ ہی ان کی قربانیوں کو قبول فرمایئے۔ انھوں نے جہاد کی رفاقت کی خاطر اپنے گھر بار اور عزیز واقارب سے دوری گوارا کی۔ الٰہی! آپ ہی ان کی قبروں سے وحشت دور کر دیجیے، یہ آپ کے وہ بندے ہیں جنھوں نے بیٹھ جانا اور پیچھے رہ جانا گوارا نہ کیا، جنھوں نے آپ کے دین کا پرچم مضبوطی سے تھام لیا۔ اے مالک! آپ ان کی قبروں کو

وسعت دے دیجیے، ان کے دلوں کو نور اور ان کی قبروں کو کشادگی وروشنی عطا کر دیجیے۔

حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ كَانَتِ الْآخِرَةُ هَمَّهُ جَعَلَ اللهُ غِنَاهُ فِي قَلْبِهِ، وَجَمَعَ لَهُ شَمْلَهُ، وَأَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ، وَمَنْ كَانَتِ الدُّنْيَا هَمَّهُ جَعَلَ اللهُ فَقْرَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ، وَفَرَّقَ عَلَيْهِ شَمْلَهُ، وَلَمْ يَأْتِهِ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا مَا قُدِّرَ لَهُ)) (رواه الترمذي، أبواب صفة القيامة [والرقائق والورع])

"جسے آخرت کی فکر ہو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو غنی کر دیتے ہیں اور اس کے بکھرے ہوئے کاموں کو جمع کر دیتے ہیں اور دنیا اس کے پاس ذلیل لونڈی بن کر آتی ہے اور جسے دنیا کی فکر ہو اللہ تعالیٰ محتاجی اس کی دونوں آنکھوں کے سامنے کر دیتے ہیں اور اس کے مجتمع کاموں کو منتشر کر دیتے ہیں اور دنیا (کا مال) بھی اسے اتنا ہی ملتا ہے جتنا اس کے لیے مقدر ہے۔"

پروردگار! ہم آپ سے دعا گو ہیں کہ آپ اپنی راہ کے مجاہدین کے معاملات مستحکم فرما دیجیے۔ آپ کے یہ فرماں بردار، جو آپ کے کمزور بندوں کی فریاد پر دوڑے چلے آئے ہیں، اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھے اپنے لہو کا نذرانہ پیش کرنے کے لیے بے تاب ہیں۔ پروردگار! ہم آپ کے سامنے گڑگڑاتے ہیں کہ آپ ان کی خطاؤں سے درگزر فرمایئے، ان کی برائیوں کو نیکیوں میں بدل دیجیے اور ان میں سے جو زندہ ہیں ان کی حفاظت فرمایئے۔

آج شہداء کے قافلے میں تین نو واردوں کے نام بھی شامل ہو گئے ہیں: مروان (ابوجندل) فلسطینی شہید، ابوحذیفہ اردنی شہید، ابوبراء مدنی شہید۔

فلسطین ہمارا انتظار کر رہا ہے

ستمبر ۱۹۸۷ء میں، میں نے 'صدہ' میں ایک نوجوان کو دیکھا، جوش وولولے اور زندگی کی رعنائیوں سے بھرپور! میں نے ان دنوں مرکز میں درسِ قرآن کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ میں نے پوچھا: "آپ کا تعلق کہاں سے ہے؟" وہ کہنے لگے: "بنیادی طور پر فلسطین سے ہے لیکن فی الوقت ہم اردن میں رہتے

ہیں"۔ مزید تفصیلات بیان کرتے ہوئے کہنے لگے: "میں اُردن کے دارالحکومت عمان میں دانتوں کے ایک مطب میں کام کرتا تھا اور بے مقصد زندگی کی یکسانیت سے تنگ آچکا تھا۔ زندگی جس میں کھانے پینے سونے جاگنے اور سیر و تفریح کے علاوہ کچھ بھی پیشِ نظر نہ تھا۔ میں بلندیوں کی تلاش میں افغانستان چلا آیا اور اپنے افغان بھائیوں کے ساتھ مل کر کمیونسٹوں کے خلاف جنگ میں حصہ لینے لگ گیا"۔

ابو جندل کی پہلی منزل نورستان تھی۔ یہ علاقہ افغانستان اور پاکستان کی حدود میں واقع ہے۔ مگر انھیں تو کسی تند و تیز معرکے کی تلاش تھی۔ ان کے جذبات شعلہء جوالہ کا روپ دھار چکے تھے۔ انھوں نے نئے محاذ کی تلاش میں جلال آباد کا رخ کیا۔ وہ سر ہتھیلی پر لیے مسلسل سات ماہ تک قربانی و عزیمت کی داستانیں رقم کرتے رہے۔ تیسرے مرحلے میں انھوں نے خوست کو اپنی منزل قرار دیا اور شہادت کی تلاش میں یہاں کی ہر وادی اور کوچے میں دشمن کا پرزور مقابلہ کیا۔ مگر زندگی اور موت کے فیصلے تو آسمانوں پر ہوتے ہیں' کسی نفس کو بھی اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر موت نہیں آسکتی:

ہم شمعِ یقیں کے پروانے شعلوں سے محبت کرتے ہیں
اے زیست ہماری راہ سے ہٹ ہم موت کی عزت کرتے ہیں

ابو جندل فلسطین کے بارے میں اکثر فکر مند رہتے اور کہا کرتے: "فلسطین ہمارا انتظار کر رہا ہے"۔ میں انھیں جواب دیتا: "اللہ کریم سے دعا ہے کہ وہ ہمیں افغانستان میں کامیابی عطا فرمائیں اور پھر ہمارے لیے فلسطین پہنچنے کی راہ ہموار کردیں"۔ میرے جواب سے ان کی تسلی نہ ہوتی۔ انھیں اس بات پر ہرگز اختلاف نہ تھا کہ جہاد فرضِ عین ہے' مگر وہ سمجھتے تھے کہ اس کا آغاز سرزمینِ مقدس سے ہونا چاہیے اور اقصیٰ کو یہودیوں کے پنجہء استبداد سے نجات دلانے میں کسی قسم کی تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ ارضِ مقدس کے بارے میں ان کے یہ جذبات کیوں نہ ہوتے کہ یہ ان کے آباء کی زمین تو تھی ہی اُن کے گہرے دینی جذبات بھی اس سے وابستہ تھے۔

جسے "رباط" یعنی محاذوں پر پڑاؤ ڈالے ہوئے موت آجائے...

دل کی دھڑکنوں پر لبیک کہتے ہوئے آخر وہ فلسطین جانے کے لئے نکل پڑے۔ کئی مہینوں تک منظرِ عام سے غائب رہے۔ مسلسل کوششوں کے بعد انھیں اندازہ ہوا کہ وہاں تک پہنچنا اتنا آسان نہیں

جب بالآخر وہ افغانستان واپس پلٹ آئے کہ گولوں کی گھن گرج اور توپوں ٹینکوں اور بندوقوں کا فراق انھیں مزید گوارا نہ تھا۔ اس مرتبہ انھوں نے پھر جلال آباد کا رخ کیا جہاں جنگ زوروں پر تھی۔ ۱۱ فروری کو وہ پشاور آئے اور ۱۶ فروری کو دوبارہ کابل کی طرف سفر کا ارادہ باندھا مگر موت کی پکار جلد ہی انھیں ابدی سفر کی طرف لے گئی۔ وہ ابھی کابل جانے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ ایک روز ابو حذیفہ اردنی کے ساتھ موٹر سائیکل پر کسی قریبی مقام پر جاتے ہوئے ان کی موٹر سائیکل الٹ گئی۔ ابو جندل کی روح فوراً اپنے خالق سے جا ملی جب کہ ابو حذیفہ بے ہوش ہو گئے۔ ابوداؤد اور حاکم روایت کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ فَصَلَ فِي سَبِيلِ اللهِ عَزَّ وَ جَلَّ فَمَاتَ أَوْ قُتِلَ فَهُوَ شَهِيدٌ، أَوْ وَقَصَهُ فَرَسُهُ أَوْ بَعِيرُهُ، أَوْ لَدَغَتْهُ هَامَّةٌ، أَوْ مَاتَ عَلَى فِرَاشِهِ، أَوْ بِأَيِّ حَتْفٍ شَاءَ اللهُ: فَإِنَّهُ شَهِيدٌ وَإِنَّ لَهُ الْجَنَّةَ)) (سنن أبي داود، كتاب الجهاد، باب فيمن مات غازياً)

"جو شخص اللہ کے راستے میں (جہاد کے لئے) نکل پڑا پھر اس کی وفات ہوگئی یا وہ قتل کر دیا گیا تو وہ شہید ہے، یا اُسے اس کے گھوڑے یا اونٹ نے کچل دیا' یا کسی زہریلے جانور (سانپ بچھو وغیرہ) نے اسے کاٹ لیا' یا اپنے بستر پر اپنی موت مر گیا' یا کسی بھی اور طریقے سے، جو اللہ نے چاہا مر گیا' تو بلاشبہ وہ شخص شہید ہے اور اس کے لئے جنت ہے"۔

حضرت ابوہریرۃؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ مَاتَ مُرَابِطًا فِي سَبِيلِ اللهِ أَجْرَى عَلَيْهِ أَجْرَ عَمَلِهِ الصَّالِحِ الَّذِي كَانَ يَعْمَلُ وَأَجْرَى عَلَيْهِ رِزْقَهُ، وَأَمِنَ مِنَ الْفَتَّانِ، وَبَعَثَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ آمِنًا مِنَ الْفَزَعِ)) (رواه ابن ماجة، أبواب الجهاد، باب فضل الرباط في سبيل الله)

"جو شخص راہِ خدا میں رباط کی حالت میں اس دنیا سے گیا، جو بھی عمل وہ کرتا تھا اللہ تعالیٰ اس کا اجر جاری فرمادیں گے (موت کی وجہ سے موقوف نہ ہوگا) اور اللہ تعالیٰ اس کا رزق بھی (قبر اور جنت میں) جاری فرمادیں گے اور وہ عذابِ قبر کی آزمائشوں سے مامون رہے گا اور اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اسے ہر خوف و گھبراہٹ سے مطمئن اٹھائیں گے"۔

یٰسین حمدان شہید

''عسکری تربیت کے دوران ان کی سرگرمی ساتھیوں کو چونکا کر رکھ دیتی۔ یہ محنت دیکھ کر اساتذہ تک حیران رہ جاتے۔ اسی دوران انھوں نے اپنے ساتھیوں کو قرآن مجید کی تجوید سکھانے کا سلسلہ شروع کر دیا''

اردن کے ایک بڑے گھرانے کے چشم و چراغ یٰسین حمدان (ابو حذیفہ) کا تعلق 'کرک' کے نواحی علاقے 'قصر' سے تھا۔ کشادہ اور روشن چہرے کے مالک ابو حذیفہ کی شخصیت کو حیاداری کے ساتھ ہیبت و جلال سے آراستہ کر رکھا تھا۔ خاموشی طبع نے ان کے وقار اور جاذبیت میں بے پناہ اضافہ کر دیا تھا۔ میں نے انھیں ہمیشہ امت کے مسائل 'اسلام اور اس کے مستقبل کے بارے میں فکرمند دیکھا۔ ان کا جینا مرنا دین کے لیے وقف تھا۔ دل و جان اور فکر و نظر پر بس یہی ایک سوچ حاوی تھی کہ ملت خوابیدہ بیدار ہو کر عظمت و سربلندی کی راہ اختیار کرلے۔

شہادت کی سند کے لئے یونیورسٹی کی سند چھوڑ دی

آپ اگر ان کی تلاوت قرآن سنتے تو ان کی تجوید اور حسن قرأت کے اسیر ہو جاتے۔ پیر اور جمعرات کے دن کبھی انھیں کھانے کی دعوت دیتے تو ان کی خاموشی 'آپ کو ان کے روزے سے ہونے کی خبر دیتی۔ نوجوانوں کو تجوید کے احکام اور حروف کے مخارج بتلانے میں وہ ہمیشہ پیش پیش رہتے۔ رات میں جب بھی انھیں دیکھنے کا اتفاق ہوتا تو آپ انھیں تہجد اور رب کے حضور آہ و زاری میں مصروف پاتے۔

کمسنی ہی میں انھیں دعوت و تبلیغ کی راہ کا ہم سفر بننے کا شرف حاصل ہو گیا۔ ان کے سامنے عقیدہ 'ولاء و براء' خوب واضح تھا۔ اسی لئے ان کے دل میں اللہ کے دشمنوں کے خلاف بے پناہ نفرت تھی۔ وہ اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ حصول تعلیم اور نوجوانوں میں دعوت و تبلیغ کے لیے صرف کرتے۔ دوستوں کے لیے ان کے دل میں ہمیشہ خیر خواہی کے جذبات رہتے۔ جہاد کا تذکرہ سنا تو اس کا شوق انھیں افغانستان لے گیا۔ حدود میں ٹھیر کر عسکری تیاری کے مراحل طے کیے۔ ابو معتصم اور ابو صہیب ان کے قریبی ساتھیوں

میں سے تھے۔ یہ تینوں جب اکٹھے ہوتے تو کچھ یوں کیفیت ہوتی۔

یارب اخوان صحبتهم — لا یمکون سلوة قلباً
لو تسطع قلوبهم نفرت — اجسامهم تعانقت حباً

ابو حذیفہ ہر میدان کے شہ سوار تھے۔ حصول علم کے دوران ان کی کارکردگی امتیازی رہی۔ وہ جامعہ اردن میں کلیہ شریعہ میں تھے کہ دنیاوی سند کو دھتکار کر شہادت کی سند کے حصول کا سودا ان کے سر میں سما گیا۔ وہ تو جنت کے بلند رتبوں کے امیدوار تھے حقیر اور بے مایہ دنیا کی کسی سند کا انھیں قطعاً کوئی لالچ نہ تھا۔ عسکری تربیت کے دوران ان کی سرگرمی ساتھیوں کو چونکا کر رکھ دیتی۔ یہ محنت دیکھ کر اساتذہ تک حیران رہ جاتے۔ اسی دوران اپنے ساتھیوں کو قرآن مجید کی تجوید سکھانے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ خود انھوں نے بڑی محنت سے تجوید کے احکام سیکھ رکھے تھے۔

یہاں آکر ہمیں صحیح معنوں میں اسلام اور قرآن سے شناسائی حاصل ہوئی

افغانستان پہنچنے کے بعد جہاد کے لیے ان کا ذوق و شوق اور شہادت کی لگن دو چند ہوگئی۔ اپنے بچپن کے ساتھی عبدالحیٔ شفیق کے نام خط میں لکھتے ہیں: ''پیارے بھائی! آپ سے جدا ہونے کے باوجود میں آپ کو بھولا نہیں ہوں کیونکہ مجھے آپ سے محبت ہے۔ میں نے آپ کو سفر کے بارے میں بھی مطلع نہیں کیا۔ مگر میں آپ کے دل کو ضرور مطلع کرتا رہا ہوں مگر شاید آپ کو اس کا علم نہ ہو پایا ہو۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے بہت دعائیں کیں کہ وہ آپ کو بھی ہم سے ملوا دے تا کہ آپ ایمانی زندگی اور ایک مسلمان کی غیرت کے مفہوم سے آشنا ہو سکیں۔

پیارے بھائی! ہم یہاں ہر طرح سے بخیر و عافیت ہیں اور اپنے رب کی نعمتوں سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔ میرا وزن اس وقت اکہتر کلو ہے! یہاں آکر ہمیں خوشی و مسرت کے انوکھے مفہوم سے شناسائی حاصل ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے ان منتخب شدہ بندوں میں شامل کر دیا ہے جنھیں ان کی راہ کے سپاہی بننے کا اعزاز حاصل ہے۔ یقین جانیے 'جہاد میں آنے کے بعد مجھے یوں لگا گویا ہم اردن میں رہتے ہوئے عبادت کے دوران اللہ تعالیٰ سے جھوٹ بولتے تھے۔ یہاں آکر ہمیں صحیح معنوں میں اسلام اور قرآن سے شناسائی حاصل ہوئی اللہ کی خاطر بھائی چارے اور اخوت کا لطف آیا''۔

ابوحذیفہ آپ کو کیا ہو گیا کہ آپ نے اپنی والدہ کے بڑھاپے پر رحم نہ کیا؟ ان کی گود اجاڑ کر رکھ دی؟ رات کی تاریکی میں بہنے والے اُن کے آنسو اس کی تیرگی میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ آپ کا دل ان آنسوؤں سے گداز کیوں نہ ہو سکا؟ ان کے دل کی بے تابی آپ میں کوئی بے چینی کیوں نہ پیدا کر سکی؟ آپ خاموشی سے چل دیے اور وہ آج بھی آپ کی یادیں دل میں بسائے' خاموش لبوں سے صدا دیے جاتی ہیں کہ آپ کو نہ تو ان کی بیماری پر رحم آیا نہ ہی آپ نے ان کے بلند فشار خون اور ذیابیطس کی کوئی پروا کی۔ وہ جب بھی آپ کو فون کر کے اپنی شوگر بڑھ جانے کی اطلاع دیتیں تو آپ جواب دیتے: ”میرا یقین بھی روز بروز بڑھتا چلا جا رہا ہے“۔

میں اپنی نظروں میں خود چھوٹا ہو کر رہ جاتا ہوں

آخر ایک روز مجھے ان کے حادثے میں زخمی ہونے کی خبر ملی۔ میں نے پشاور کے خیبر میڈیکل کالج سے ملحق تدریسی ہسپتال (خیبر ہسپتال) میں جا کر ان کی عیادت کی۔ خیبر میڈیکل کالج کے طلباء ان کے پاس پُرسے کے لیے موجود رہتے۔ بھائی ابوالحسن مدنی نے انھیں اسلام آباد کے کسی بڑے ہسپتال منتقل کرنے کی کوششیں کیں مگر طبیب نے اس کی اجازت نہ دی اور کہا: ”ان کی حالت یہاں سے کہیں اور منتقل کرنے کے قابل نہیں ہے“۔

۲۵ فروری بمطابق ۲۰ رجب ہفتے کے روز بعد نماز عصر ابوسلیم نے ہمیں ابوعبداللہ (شیخ اسامہ) کے گھر میں ان کی شہادت کی خبر دی۔ ان کی میت کو خیبر ہسپتال سے دار الضیافہ لایا گیا۔ وہیں غسل اور تدفین کا سامان ہوا۔ پھر ساتھیوں کی ہمراہی میں ان کی میت کو شہداء کے قبرستان 'مہتی' لے جایا گیا۔ وہاں مسجد کے صحن میں ان کی نماز جنازہ عرب اور افغان مجاہدین کی معیت میں ادا کی گئی۔ شہداء کے قبرستان' میں نے اپنی والدہ کی قبر کے قریب ہی ابوحذیفہ کی قبر کھدوائی۔ میں نے اور ابی خالد نے مل کر ان کو قبر میں رکھنے کا اعزاز حاصل کیا۔ جب ان کا چہرا دیکھا تو مجھے واضح طور پر تین کرامتوں کا احساس ہوا۔ چہرے پر روشنی' تابندگی اور چمک دیکھ کر میں بے خود ہوتا چلا گیا۔ میرے منہ سے بے ساختہ سبحان اللہ نکلا۔ پھر میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ ان کا جسم گرم ہے۔ قبل ازیں میں نے مردوں کا جسم ہمیشہ یخ بستہ ہی دیکھا تھا۔ پھر ان کا جسم از حد نرم تھا جیسے وہ آرام دہ نیند کا مزہ لوٹ رہے ہوں۔ میں نے ان کی نعش

کو قبلہ رخ کر دیا۔ پھر ہم نے ان پر مٹی انڈیل دی۔ میرے آنکھیں ڈبڈبا رہی تھیں۔ میں جب بھی کسی نوجوان کو یوں الوداع ہوتے ہوئے دیکھتا ہوں تو خود اپنی نظروں میں چھوٹا ہو کر رہ جاتا ہوں۔ میرا دل گواہی دینے لگتا ہے کہ اگر یہ نوجوان ہم سے بہتر نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ کبھی بھی ہمیں چھوڑ کر ان کا انتخاب نہ کرتے اور انھیں ہم سے پہلے شہادت کے مرتبے سے فیض یاب نہ کرتے۔

میں نے ان کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر جنازے کے شرکاء میں مختصر بیان کیا اور ان کو الوداع کہا۔ گلستان امت کا یہ پھول ابھی اپنی زندگی کی بیس بہاریں بھی نہ دیکھ پایا تھا۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو صالحین کی معیت میں اکٹھا کر دیں۔

احمد عبدالعزیز شہید

''ان کی راتیں آہ نیم شبی سے آشنا تھیں...ایک چھوٹا سا مُصحف (قرآن مجید) تو ہر لمحہ ان کی جیب میں رہتا۔ یہ وہ تیاری تھی جو وہ اپنے ربّ کے حضور حاضری کے لئے کر رہے تھے''

''آپ ان کی جتنی بھی خوبیاں بیان کریں' کم ہوں گی''۔ یہ تھے وہ الفاظ جن سے ابوعبیدہ نے ان کے بارے میں تفصیلات بتانے کا سلسلہ شروع کیا' اور میں حیرت میں ڈوبتا چلا گیا۔ کہنے لگے: ''میں نے احمد (ابوبراء) کو ہمیشہ ہشاش بشاش اور ہر دم مسکراتے دیکھا۔ اپنے بھائیوں کی خدمت کر کے خوشی محسوس کرتے اور اس میں ہم سب کو پیچھے چھوڑ جاتے۔ ان کی راتیں آہ نیم شبی کی لذت سے آشنا تھیں۔ اذانِ فجر کی مسابقت میں ہم میں سے کبھی کوئی انھیں پچھاڑ نہ پاتا۔ وہ رات کی آخری تہائی میں اٹھ بیٹھتے' مجاہد بھائیوں کے لیے پانی گرم کرتے' فجر کی اذان دیتے' اس سے پہلے اور بعد میں آواز لگاتے: ''اُٹھیے! اُٹھیے! نماز کی تیاری کیجیے''۔ اور ایک چھوٹا سا مُصحف (قرآن مجید) تو ہر لمحہ ان کی جیب میں رہتا۔ یہ وہ تیاری تھی جو وہ ربّ کے حضور حاضری کے لیے کر رہے تھے:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ﴾ (البقرہ: ۱۵۳)

''اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد لیا کرو بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔

اللہ کے نزدیک دنیا کی حیثیت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام ؓ اور امتیوں کے سامنے دنیا کی جو حیثیت رکھی وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک کلام سے صاف عیاں ہے۔ حضرت عبداللہ ؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (اپنے) بوریے پر سے سو کر اٹھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر چٹائی کے نشانات تھے۔ صحابہ ؓ نے عرض کیا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمیں اجازت دیجیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک بچھونا بنادیں۔ آپ نے فرمایا؟

((مَالِي وَلِلدُّنْيَا! مَا أَنَا فِي الدُّنْيَا إِلَّا كَرَاكِبٍ اسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ، ثُمَّ رَاحَ وَتَرَكَهَا)) (رواه الترمذي، أبواب الزهد عن رسول الله صلى الله عليه وسلم)

''مجھے دنیا سے کیا کام؟ میں تو دنیا میں اس طرح ہوں جیسے کوئی سوار کسی درخت کے نیچے سائے کی وجہ سے بیٹھ گیا پھر وہاں سے روانہ ہو گیا اور درخت کو چھوڑ دیا''۔

دنیا کی حیثیت اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں

مسلم کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک مردار بکری کے پاس سے گزرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہا: ''تم میں سے کون ہے جو اس کو ایک درہم میں خریدنا پسند کرے گا؟'' صحابہ کرام ؓ نے عرض کیا: ''کوئی بھی نہیں''۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((فَوَاللهِ لَلدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللهِ، مِنْ هٰذَا عَلَيْكُمْ)) (رواه مسلم، كتاب الزهد والرقائق، باب الدنيا سجن للمؤمن وجنة للكافر)

''خدا کی قسم! خدا کے نزدیک دنیا کی حیثیت اس مردار بکری سے بھی کمتر ہے''۔

دنیا کے حوالے سے احمد کا موقف یہی تھا۔ جب ان کا جوازِ سفر (پاسپورٹ) گم ہو گیا تو وہ یمن کے سفارت خانے میں نیا جوازِ سفر نکلوانے گئے۔ سفارتی اہل کاروں نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ اس کی تجدید کے لیے ان کا واپس یمن جانا ضروری ہے۔ اس کے بعد انھوں نے نہ کبھی اس کی تجدید کی فکر کی اور نہ کبھی دوبارہ اس کا ذکر ہی چھیڑا۔

احمد نے اپنے اخلاق کا لوہا منوالیا

دسمبر ۱۹۸۷ء سے قبل وہ خوست کی جنگ میں شرکت کے لیے نکلے اور آخری دم تک جہاد کا یہ سفر جاری رکھے رہے۔ خوست میں ان کا ٹھکانا باڑی کا علاقہ تھا جہاں صبح وشام توپوں' ٹینکوں اور گولیوں کی بوچھاڑ میں دشمن کے ساتھ مقابلہ جاری رہتا۔

شیخ ابوحمید یمنی کو احمد کی شخصیت سے والہانہ لگاؤ تھا۔ خود ابوحمید کا صبر' بہادری اور جذبہ دیکھ کر انسان دنگ رہ جاتا۔ ان کی عمر ساٹھ برس تھی اور وہ ان نوجوانوں کے ساتھ راہِ جہاد میں مصروف تھے۔ احمد کی عمر

اکیس برس سے زیادہ نہ تھی' اس کے باوجود انھوں نے اپنے اخلاق کا لوہا منوالیا تھا۔ ابو حمید جب بھی گفتگو کرتے ان کی گفتگو احمد کی تعریف سے خالی نہ ہوتی۔ ان کے نزدیک وہ ایک مثالی نوجوان تھے۔

اھیم به حُباً و وُدّاً و الفة　　هیام شجیرات الحدائق بالطیر

ابو خلیل اور دیگر ساتھیوں سے مل کر انھوں نے تورگر پر جھنڈا لہرانے کا منصوبہ بنایا۔ جھنڈا تھام کر وہ پہاڑ کی سمت ہو لیے۔ کمیونسٹوں کے مرکز کے قریب پہنچ کر باقی سارے ساتھی واپس چلے گئے' احمد اور خلیل وہیں رہے۔ دشمن نے یکبارگی گولیاں برسانے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ایک گولہ احمد کے لگا' ان کا ہاتھ اور پاؤں تن سے جدا ہو گیا اور آدھا دھڑ اڑ کر کہیں غائب ہو گیا۔ افغان بھائیوں نے ان کے آدھے دھڑ کی تلاش میں قریبی کھیت کا کونہ کونہ چھان مارا۔ اسی کوشش میں دو مزید افغان مجاہد شدید زخمی ہو گئے۔

احمد اپنے ربّ کی ملاقات کو چل دیئے' سر بلند و کامیاب ہو کر۔ ان کی زندگی پیام دے رہی ہے کہ میدانِ جہاد کا راستہ پُرصعوبت اور دشوار ہے۔ کامیابی اور سربلندی کا راستہ پھولوں کی سیج نہیں' کانٹوں کی راہ گزر ہے۔ خدا اُن پر رحم فرمائیں اور ان کی ہجرت' اس راہ کی جاں فشانی اور جہاد کو قبول فرمائیں۔ یہ تمام منزلیں اللہ نے اپنے بندوں کے لیے تیار کر رکھی ہیں۔

عبداللہ بن مبارک قحطانی شہید

"ایک طرف اہلِ خانہ کی ذمہ داریاں' کیریئر کے حسین خواب اور خواہشوں کے جنگل تھے اور دوسری طرف میدانِ جہاد کی پُرصعوبت راہ!"

ابو عبیدہ کا آبائی وطن نجد تھا۔ اس علاقے کی مناسبت سے محنت اور سختی جھیلنے کی صلاحیت ابو عبیدہ کی شخصیت کا حصہ تھی۔ ان کی پیدائش ۱۳۸۷ھ کی تھی۔ صحرائے نجد کے گرم تھپیڑوں سے مقابلہ کرتے کرتے انھوں نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا۔ ثانوی درجے تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد جوبیل کے ایک ادارے "سابک" سے اپنی پیشہ وارانہ زندگی کا آغاز کیا۔

رفتہ رفتہ ان کا دل دنیا کی آلائشوں سے منہ موڑ کر ربّ کی طرف متوجہ ہوا۔ اپنے گناہوں کو دھونے اور توبہ کے لیے انھیں جہاد کا دامن مضبوطی سے تھامنے کے سوا کوئی راستہ نظر نہ آیا۔ ان دنوں افغانستان کا جہاد امت کے پاک باز نوجوانوں کے دلوں کے دھڑکن بن چکا تھا۔ یہیں انھیں قرار ملتا۔ عشاقِ شہادت حوروں سے ملاقات کے لیے بے تاب ہوئے چلے آ رہے تھے۔

جنت کے متلاشی اور جہاد کے شائق ابو عبیدہ قحطانی کے دل میں بھی ایک عجیب کشمکش نے جنم لیا۔ ایک طرف اہلِ خانہ کی ذمہ داریاں' کیریئر کے حسین خواب اور خواہشوں کے جنگل تھے اور دوسری طرف میدانِ جہاد کی پرصعوبت راہ۔ اس کیفیت کو انھوں نے اپنی یادداشتوں میں ایک شعر کے ذریعے بیان کیا۔

ابلیس والدنیا ونفسی والھوی
کیف الخلاص و کلھم اعدائی

آخری دم اپنے ساتھیوں سے قرآنِ مجید منگوایا اور اسے اپنی گود میں رکھ لیا

وہ صرف دو ماہ قبل جہاد کے لئے نکلے۔ معسکر میں اپنے تربیتی مراحل طے کیے' اور دشمن سے مقابلے کے لیے برسرِ میدان آ گئے۔ انھوں نے خوست کی گرما گرم کارروائی میں شرکت کی۔ میدان کارزار میں صرف ایک گھنٹہ بہادری اور شجاعت کے جوہر دکھلانے کے بعد انھیں ربّ کی طرف سے

اجر کا سندیسہ آگیا۔ اس سے بڑھ کر بھلا اور کس اجر کی خواہش کی جا سکتی ہے: حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہیں:

((قِیَامُ سَاعَۃٍ فِی الصَّفِّ لِلْقِتَالِ فِی سَبِیْلِ اللہِ خَیْرٌ مِنْ قِیَامِ سِتِّیْنَ سَنَۃً))

((رواہ ابن عدی و ابن عساکر عن ابی ھریرۃ، وھو فی صحیح الجامع برقم (۴۴۲۹)))

"اللہ کی راہ میں قتال کے لیے صف میں ایک گھڑی کھڑے ہونا (نماز کے لیے) ساٹھ سال قیام کرنے سے افضل ہے"

کامیاب کارروائی کے بعد جب وہ واپسی کے لیے چلے تو دشمن کی طرف سے آنے والی گولی نے انہیں زخمی کر دیا۔ جسم سے فوارے کی طرح خون ابلنا شروع ہو گیا۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں سے قرآن مجید منگوایا اور اسے گود میں رکھ لیا۔ قرآن مجید لہو میں تر ہو گیا۔ ان کے ہمراہ موجود ایک فلسطینی مجاہد کا کہنا ہے کہ شہادت کے بعد ان کا چہرہ انتہائی روشن ہو گیا۔ خون سے خوشبو کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ان کی شہادت قبول فرمائیں تاکہ وہ اپنے والدین اور رشتہ داروں میں سے ستر افراد کی شفاعت کر سکیں۔

اسد اللہ فاتح شہید

"ابھی تک ابراہیم کو ہاتھ پکڑ کر اللہ کے راستے کی طرف لانے والا کوئی بندہ میسر نہ مل سکا تھا کہ اچانک انہیں اپنے ایک رشتہ دار کی موت کا واقعہ قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوا..."

اے کنانہ کی سرزمین! تو نے اپنے کتنے ہی جگر گوشے میدان جہاد میں وار دیے۔ تو نے فلسطین کی مٹی کو کتنے ہی شہداء کے لہو سے سیراب کیا۔ تو اپنے علماء پر فخر کرتی ہے اور اپنے شہسواروں کی عظمت پر نازاں و فرحاں ہے۔ اے سرزمین مصر! ابو القاسم شافعی اور ابن حجر عسقلانی کی عظمتیں تیری خاک پر اپنے نشان ثبت کر کے جا چکی ہیں۔ تیرے بیٹوں کے سایوں تلے تربیت میں تیار ہونے والا کارواں آج جہاد کی راہوں میں رواں دواں ہے۔ تجھے حق حاصل ہے کہ تو فخر سے سر اونچا کرے۔ دین حنیف کے لاشے کی مدد خواہی ہی ہو تو اللہ چاہے تو عزت و سربلندی میں آسمان کی رفعتوں کو بھی چھو لے۔ دل بھی تجھے دیکھ کر عظمت سے سر جھکا لیتے ہیں۔

اب اس عمر کا باقی حصہ تیرے نام

"طنطا" کے مغربی علاقے میں ابراہیم زندگی کے سرد و گرم کا مزہ چکھتے ہوئے بڑے ہوئے۔ ابھی تک ان کو ہاتھ پکڑ کر اللہ کے راستے کی طرف لانے والا کوئی بندہ میسر نہ مل سکا تھا کہ اچانک انہیں اپنے رشتہ دار کی موت کا واقعہ قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ انہوں نے میت اٹھائی تو یوں لگا جیسے جنت اور دوزخ کا پردہ آنکھوں کے سامنے لہرا گیا۔ انہیں اپنی زندگی کے بارے میں شدید خوف لاحق ہو گیا... وہ زندگی جسے ابھی تک کھانے پینے اور دنیاوی سامان اور مال و متاع اکٹھا کرنے سے فرصت نہ ملی تھی! انہیں محسوس ہوا گویا ایک زوردار زلزلے نے دل پر کھڑی پتھر کی دیوار ڈھا دی ہے۔ دل میں رب سے ملاقات کا ذوق و شوق اور اس کے لیے تیاری کرنے کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ اب وہ شب و روز اس فکر میں رہنے لگے کہ کس طرح قرآن و سنت کے احکام کی نافرمانی اور گناہوں کی طویل تاریخ کو کھرچ کر مٹا دیا جائے؟ اس

کے لیے ضروری ہے کہ دینِ حق کی بلند چوٹی 'جہاد' کو مضبوطی سے تھام لیا جائے۔ کوہِ سلیمان اور صحرائے قندھار و ہلمند میں برپا حق و باطل کے معرکے میں اپنا حصہ ڈالا جائے۔

افغانستان جاتے ہوئے ایک پولیس چوکی نے ان کو راستے میں ہی روک لیا اور انھیں پاکستانی سفارت خانے میں جانے پر مجبور کیا۔ پاکستانی سفارت خانے میں ابراہیم (اسد اللہ) اور سفارت خانے کے چوکیدار کے درمیان شدید جھڑپ ہوتے ہوتے رہ گئی۔ دونوں کے درمیان تلخ کلامی ہو رہی تھی۔ چوکیدار انھیں سفارت خانے کے دروازے سے باہر دھکیل رہا تھا جب کہ ابراہیم چوکیدار کو یقین دلا رہے تھے کہ ان کا افغانستان جانے کا مقصد جہاد میں شمولیت کے سوا کچھ نہیں۔ بالآخر چوکیدار نے ابراہیم کو دھمکی دی کہ اگر وہ اندر آنے پر مُصر رہیں گے تو وہ انھیں پولیس کے حوالے کر دے گا۔ ابراہیم انتہائی رنجیدہ ہوئے۔ یہ صورتِ حال ان کے لیے بہت صدمے کا باعث تھی۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اپنے مجاہدین کے قدموں کی خاک صاف کرنے کے لیے افغانستان پہنچ جائیں جہاں ان کی روح پہلے ہی پہنچ چکی تھی۔

میں اپنے بندے سے' اپنے متعلق کیے گئے گمان کے مطابق ہی معاملہ کرتا ہوں

اللہ تعالیٰ نے ان کی خواہش کو پورا کیا۔ انھیں بعض خیر خواہوں نے مشورہ دیا کہ وہ موجودہ حالات میں واپس جزیرۂ عرب چلے جائیں' شاید اللہ تعالیٰ ان کے لیے جہاد میں شمولیت کی کوئی سبیل پیدا کر دے۔ دراصل اللہ تعالیٰ نے ان کی قسمت میں حج کی ادائیگی لکھ رکھی تھی تاکہ وہ ارضِ جہاد میں پہنچنے سے پہلے گناہوں سے اس طرح صاف و شفاف ہو جائیں گویا ان کی ماں نے آج ہی انھیں جنا ہو۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے انھیں آسانی سے آگ اور خون کے اس معرکے میں پہنچا دیا۔ انھوں نے اپنے لیے سب سے سرگرم خطۂ جنگ 'قندھار' کا انتخاب کیا۔

اس عرصے میں جو بھی ان کے ساتھ رہا اسے یہی محسوس ہوتا کہ اب کچھ ہی دنوں میں ابراہیم اس دنیا کو چھوڑنے والے ہیں۔ وہ سراپا اخلاص نظر آتے' دینِ حق کے لیے ان کی بے انتہا غیرت ہر لمحہ ظاہر رہتی۔ اپنے بھائیوں اور استادِ محترم کے نام خطوط میں یوں محسوس ہوتا کہ شاید تنِ تنہا اس دین کی اشاعت و ابلاغ کے ذمہ دار ہیں۔ اسی دین نے تو انھیں ہدایت نصیب کی تھی' ہلاکت کے کنارے سے ہٹا کر جادۂ

مستقیم پر چلنے کا عزم بخشا تھا۔ اپنے بھائیوں کے نام خط میں لکھتے ہیں: "میرے بھائیو! جان رکھو کہ ہم راہِ حق میں چاہے جتنی قربانیاں پیش کریں یا جتنی بھی پیش قدمی کریں' وہ اللہ کی طرف سے عنایت کردہ ایک ادنیٰ نعمت کے برابر بھی نہیں۔ اٹھو جوانو! آگے بڑھو اور جان رکھو کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے حضور ضرور جواب دہ ہونا ہے کہ ہم نے اس دین کے لیے کیا پیش کیا؟ میرے بھائی ہمارے پاس ہائیڈروجن بم اور ایٹم بم سے بھی زیادہ طاقت ور چیز ہے' ہمارے پاس لا الٰہ الا اللہ کا پیغام ہے۔ اگر ہم اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لیں تو بھیا! زمین کی قیادت ہمارے ہاتھ آ جائے گی۔

میرے بھائی! یقین رکھیے کہ یہ چند ہفتوں کا امتحان ہے! اس کے بعد افغانستان مجاہدین کی جھولی میں آن گرے گا۔ جان لینا چاہیے کہ عزت و سربلندی اسلام سے وابستہ ہے۔ جان لیجیے کہ جب بھی کوئی انسان صدقِ دل سے اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مدد فرماتے ہیں۔ اس کی کوششوں میں برکت ڈال دیتے ہیں یہاں تک کہ وہ عزت و سربلندی کی سرزمین جہاد تک پہنچ جاتا ہے۔

اپنے والد کے نام وصیت میں وہ تحریر کرتے ہیں:

"میں جب بھی اپنی گزشتہ زندگی کی طرف نظر دوڑاتا ہوں تو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا اور آپ کا مجرم سمجھنے لگتا ہوں۔ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ میری کوتاہیوں سے درگزر فرمایئے تاکہ اللہ تعالیٰ بھی مجھے معاف فرما دیں۔ اللہ سے میرے لیے دعا کیجیے کہ وہ میرے گناہوں سے چشم پوشی کریں' مجھے معاف فرما دیں اور مجھے اپنی بارگاہ سے نامراد نہ لوٹائیں۔ میں آپ سے معذرت خواہ ہوں کہ وقتِ رخصت آپ سے اجازت نہ لے سکا۔ دراصل مجھے احساس ہو رہا تھا کہ فریضۂ جہاد کی ادائیگی میں اب مزید کسی تاخیر کی کوئی گنجائش باقی نہیں ہے"۔

بھائیوں کے نام وصیت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ سب کو دینِ حق کا داعی اور دشمن کے لیے تند و تیز تلوار بنا دیں۔ آپ کے ذریعے اسلام اور مسلمانوں کو سربلندی عطا فرمائیں۔ حق کی طرف آپ کی رہنمائی کریں۔ میں اپنے آپ کو اور آپ کو اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے کی تلقین کرتا ہوں۔ میرے بھائیو! میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر کاربند رہنے کی ہدایت کرتا ہوں۔ اٹھو اور اپنے اس فریضے کی ادائیگی کے لیے تیار ہو جاؤ' کہیں ایسا نہ ہو کہ مہلتِ عمل ختم ہو جائے۔

میں امن وسلامتی کے ساحل پر کھڑا آپ سب کو بآواز بلند پکار رہا ہوں کہ ان تند وتیز موجوں اور تیز و تند ہواؤں کا مقابلہ کرنے کے لیے ساحل کا دامن تھام لیجیے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی سنت پر چلتے ہوئے ایک دن روزہ رکھتے ایک دن افطار کرتے

قندھار میں ابراہیم ایک انتہائی تنگ کمرے میں رہائش پذیر تھے۔ ان کے قریب دو اور کمرے تھے اور مجاہدین کو جگہ کی وجہ سے تین الگ جماعتیں کرانی پڑتی تھیں۔ تب ابراہیم نے نماز کے لیے ایک کشادہ جگہ پر اپنے ہاتھوں سے مسجد کی تعمیر کا بیڑا اٹھایا۔ ساتھیوں کے تعاون سے مسجد کی تعمیر مکمل ہو گئی۔ اب وہاں ایک ہی مرتبہ باجماعت نماز ادا کی جانے لگی۔

جس رات کارروائی تھی ابراہیم کے پاؤں میں جوتا تک نہ تھا۔ وہ بغیر جوتے کے کارروائی میں جا شریک ہوئے۔ جن میزائلوں کو بمشکل دو دو آدمی مل کر اٹھاتے ابراہیم انہیں اکیلے ہی اٹھا لیتے۔ جو کچھ بھی پاس ہوتا اپنے ساتھیوں کو پیش کر دیتے۔ کھانے کے دسترخوان پر اس وقت بیٹھتے جب انہیں اطمینان ہو جاتا کہ باقی سب بیٹھ چکے ہیں۔ صبح سے کافی پہلے اٹھ کر لکڑیاں جمع کرتے اور ٹھٹھرتی خنک ہواؤں میں دیگر ساتھیوں کے لیے پانی گرم کرتے۔ رات کے آخری تہائی حصے میں عبادت کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی سنت پر چلتے ہوئے ایک دن روزہ رکھتے ایک دن افطار کرتے۔

شہادت کی رات انھوں نے خواب میں اپنے آپ کو چار دلہنوں کے جھرمٹ میں چلتے ہوئے دیکھا۔

۱۵ رجب ۱۴۰۹ھ میں قندھار کے نواح میں واقع عبدالرزاق کے مورچے میں مغرب کی اذان ہوئی۔ ابراہیم نے بھی روزہ افطار کیا۔ افطاری کے بعد بارہ نوجوانوں پر مشتمل جہادی دستے نے نماز مغرب ادا کی اور اللہ کا نام لے کر کارروائی کے لیے روانہ ہوئے۔ ابراہیم حسب معمول ساتھیوں سے آگے آگے قدم اٹھاتے بڑھ رہے تھے۔ کچھ ہی آگے اونچائی تھی۔ ابراہیم نے اوپر چڑھ کر کمیونسٹوں کے تینوں مراکز کا گہری نظر سے جائزہ لیا۔ اور اپنے لانچر میں گولہ تیار کر کے رکھا اور دشمن پر نشانہ باندھا۔ اس کے ساتھ ہی ان کے منہ سے پرجوش آواز کے ساتھ اللہ اکبر کا نعرہ بلند ہوا جو دشمن پر میزائل سے زیادہ بھاری تھا۔ اس کے ساتھ ہی دشمن کے قدم اکھڑ چکے تھے۔ اب دشمن کی بندوقوں کے دھانے بھی کھل گئے۔ کسی

کی کلاشنکوف سے نکلی ہوئی گولی ابراہیم کو لگ گئی جس سے ان کی شہادت واقع ہو گئی۔ ان کے ساتھ کھڑے ساتھی نے ان کی نعش کندھے پر اٹھائی۔ ابراہیم ہمیں رب کی طرف چلنے کا، توبہ اور خشیت کا، مردانگی اور شجاعت کا ناقابل فراموش درس دے کر اپنے رب کے حضور جا حاضر ہوئے۔ اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ ابراہیم کو اور ہمیں اپنے نیک بندوں میں شامل کر لیں اور ابراہیم کی روشن سیرت رب کے راستے پر چلنے والوں کے لیے سنگ میل کا کام دیتی رہے۔

ابو رقیہ، قبیلہ عبیدہ کا پہلا شہید

"اُن کے نام جن کے نزدیک مجاہدین کی تمام سرگرمیوں کا سبب علم وفہم کی کمی ہے؛ وہ جنہیں ہردم دوسروں کے عیوب کی کھوج' اُمت کی اصلاح کے بارے میں فکرمند ہونے سے باز رکھے ہوئے ہے"

یمن کی تاریخ، قومِ سبا کے عروج وزوال کی منزلوں' اس کی ذہانتوں کی گواہی اور ایک عظیم الشان بند (سدِ مآرب) کی تباہی جیسی داستانیں اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

﴿لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ جَنَّتَانِ عَنْ يَمِينٍ وَشِمَالٍ كُلُوا مِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ﴾ (سورہ سبا: ۱۵)

"بے شک قومِ سبا کے لئے اُن کی بستی میں ایک نشانی تھی (یعنی) دو باغ (ایک) داہنی طرف اور (ایک) بائیں طرف۔ اپنے پروردگار کا رزق کھاؤ اور اس کا شکر کرو (یہاں تمہارے رہنے کو یہ) پاکیزہ شہر ہے اور پروردگار ہے بخشش فرمانے والا"۔

یمن ہی کی تاریخ کا ایک حصہ اوس وخزرج کے قبیلوں کی یہاں سے مدینہ منورہ منتقلی پر مشتمل ہے۔ یہی اوس وخزرج بعد میں قافلۂ حق کے اولین سالار اور اسلام کے جاودانی پیام کے امین بنے۔ اس طرح یمن کی تاریخ اگر ایک طرف قوموں کی زندگی میں حق شناسی اور اطاعت کے نتیجے میں حاصل ہونے والی دنیوی واُخروی کامیابیوں کی رازداں ہے تو دوسری طرف سرکشی' عناد اور گناہوں کے نتیجے میں قوموں کی تباہی اور صفحۂ ہستی سے ان کے نام ونشاں مٹا دیے جانے کی عبرت ناک مثال بھی ہے۔

ہم نے اِس نوجوان میں بچپن ہی سے خیر وخوبی کے سوا کچھ نہ دیکھا

اسی مٹی سے قبیلہ 'عبیدہ' کی اُٹھان اس شان سے ہوئی کہ اس کا ایک جوان دعوتِ حق کا امین اور کارزارِ حیات کا مجاہد بن کر نکلا۔ یہ نوجوان اپنی مضبوط شخصیت' اصابتِ رائے اور عقل مندی ودانائی میں یکتا تھا۔ اس کی تقدیر میں دینِ حق کے پودے کی اپنے خون سے آبیاری رقم تھی۔

﴿أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ۝ تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ﴾ (ابراھیم: ۲۴،۲۵)

"کیا آپ کو نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے کلمہ طیبہ کی کیسی مثال بیان فرمائی ہے کہ وہ مشابہ ہے ایک پاکیزہ درخت کے جس کی جڑ مضبوط اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں' وہ اپنے ربّ کے حکم سے ہر وقت اپنا پھل دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے واسطے مثالیں اس لئے بیان فرماتے ہیں تاکہ وہ خوب سمجھ لیں"

قبیلہ عبیدہ کی حق شناس فضاؤں میں ہمارے ساتھی ابو رقیہ کی پرورش ہوئی۔ ابتدائی تربیت نے ان کو حق کی خاطر جینے اور مرنے کا جذبہ عطا کیا۔ ابو رقیہ کے والد نے اپنے بیٹے کی تعلیم پر خاص توجہ دی۔ اس کے لیے ان کی نظرِ انتخاب 'تعز' کے مشہور تعلیمی ادارے 'الجند' پر پڑی۔ ابو رقیہ نے اس شان دار طریقے سے اپنے تعلیمی مدارج طے کیے کہ ادارے سے تعلیمی سند حاصل کرتے ہی انتظامیہ نے انھیں تدریسی خدمات پیش کرنے کی پیش کش کی۔ کچھ ہی عرصے میں ابو رقیہ نے تدریس کے ساتھ ساتھ مساجد میں خطابت کی ذمہ داریاں بھی سنبھال لیں۔ دوسری طرف قبیلے کے بعض نوجوان درید بن صمہ کی طرح اندھی جاہلی عصبیت کا شکار تھے' وہ ہمیشہ ابو رقیہ سے شکایت کرتے کہ آخر وہ قبائلی جھگڑوں میں ان کا ساتھ دینے سے گریزاں کیوں رہتے ہیں؟ مگر ابو رقیہ اپنا دامن صاف بچا لیتے۔ جاہلی عصبیتوں کا سالارِ اول درید بن صمہ اپنے مشہور شعر میں رقم طراز ہے:

وما انا الا من غزیة ان غوت
غویت وان ترشد غزیة أرشد

"میں تو بس قبیلہ غزیہ کا ایک فرد ہوں (اس کے سوا میری کوئی اصل نہیں)۔ اگر میرا قبیلہ ہدایت پر گامزن رہا تو میں بھی ہدایت پر رہوں گا۔ لیکن اگر میرا قبیلہ گمراہ ہو چلا تو پھر میں بھی گمراہی کی راہ اختیار کرلوں گا"۔

ابو رقیہ کے بارے میں ابو طارق بن شیخ علی العراد کہتے ہیں: "ہم نے اس نوجوان میں بچپن ہی سے خیر وخوبی کے سوا کچھ نہ دیکھا"۔ انھوں نے یمن کے شہداء ھشام الدیلمی' سیع اللیل اور ابی محمد الیمانی کا تذکرہ سنا اور ان بہت سے نوجوانوں کے ساتھ ہولیے جنہیں جنت کی طرف منادی کرنے

والے کی آواز بے چین کیے ہوئے تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((أَفْضَلُ الشُّهَدَاءِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِي الصَّفِّ الْأَوَّلِ فَلَا يَلْفِتُوْنَ وُجُوْهَهُمْ حَتّٰى يُقْتَلُوْا أُولٰئِكَ يَتَلَبَّطُوْنَ فِي الْغُرَفِ الْعُلٰى مِنَ الْجَنَّةِ، يَضْحَكُ إِلَيْهِمْ رَبُّكَ فَإِذَا ضَحِكَ رَبُّكَ إِلٰى عَبْدٍ فِي مَوْطِنٍ فَلَا حِسَابَ عَلَيْهِ)) (رواه الأحمد والطبراني في الكبير، أنظر صحيح الجامع ۱۱۰۷)

((سب سے افضل شہداء) ......وہ ہیں جنہیں اگر (ایک مرتبہ) صف میں ڈال دیا جائے تو (دوبارہ) پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتے (اور لڑتے جاتے ہیں) یہاں تک کہ شہید ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگ جنت کے سب سے اونچے محلات میں چلیں پھریں گے اور ان کا رب ان کی طرف دیکھ کر ہنستا ہے اور جب تیرا رب دنیا میں اپنے کسی بندے کو دیکھ کر ہنس لے تو اس سے (قیامت کے دن) حساب کتاب نہیں لیا جائے گا)۔ ایک دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

((أَفْضَلُ الشُّهَدَاءِ مَنْ سُفِكَ دَمُهُ وَعُقِرَ جَوَادُهُ)) (رواه الطبراني، أنظر صحيح الجامع ۱۱۰۸)

''بہترین شہید وہ ہے جس کا اپنا لہو بہہ نکلے اور اس کا گھوڑا بھی زخمی ہو جائے''۔

ابو جنید بغدادی کی رشک آفرین قیادت میں

ابو رقیہ راہ جہاد کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہی چلے گئے یہاں تک کہ عسکری تربیت کے تمام مراحل طے کر لیے۔ اسی دوران انھیں ابو جنید بغدادی کی زیرِ قیادت ایک دستے کی 'فاریاب' روانگی کی اطلاع ملی۔ وہ فوراً اس دستے میں شامل ہو گئے۔ دستے کے امیر اس نوجوان کی غیرت وحمیت اور تقویٰ واخلاص سے از حد متاثر ہوئے۔ وہ خود مدینہ یونیورسٹی سے فارغ التحصیل تھے اور اب اپنی زندگی کو جہاد کے لیے وقف کر چکے تھے۔ بارہا سوشلسٹوں کے ناگہانی حملوں سے اللہ نے انھیں بچا نکالا اور ایک دفعہ تو اشتراکیوں کے ایک جتھے نے شام میں انھیں باقاعدہ اپنی قید میں لے لیا۔ مگر وہ سات ماہ تک انھیں اپنے محاصرے میں رکھنے کے باوجود ان سے جہادِ افغانستان میں شمولیت سے متعلق اقرار کا ایک لفظ بھی اگلوانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ دوسری مرتبہ فرانسیسی خبر رساں ادارے کی سازشوں سے بھی

اللہ نے انھیں بچایا ورنہ وہ تو انھیں بغداد میں طاغوتی اہل کاروں کے حوالے کرنے کے درپے تھی۔ ابو جنید بغدادی اس طرح زندگی اور موت کا کھیل کھیلتے راہِ جہاد پر چل نکلے۔ اب ان کی معیت میں دو جوان تھے جن پر زمانہ صدیوں رشک کرتا رہے گا' جن کی بہادری ملتِ اسلامیہ کا سر فخر سے بلند رکھے گی۔ قصہ مختصر ابو جنید بغدادی کی قیادت میں یہ جہادی دستہ فاریاب کی طرف چلا۔ راستے میں بارہا کمیونسٹوں کے ساتھ جھڑپیں بھی ہوتی رہیں' مگر اللہ نے انھیں ہر بار بچا لیا۔

'فاریاب' پہنچنے کے بعد شہادت کے آرزومند معرکے میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر دادِ شجاعت دے رہے تھے اور پے در پے فتوحات حاصل کرتے آگے بڑھ رہے تھے۔

روسی جنگی طیارے عرب مجاہدین کی بو سونگھتے پھر رہے تھے' روسی ریڈیو بی بی سی اور ذرائع ابلاغ چلا اٹھے کہ عرب اس علاقے میں فساد برپا کرنے اور وہابیت پھیلانے آئے ہیں مگر مجاہدین کی صفوں میں پھوٹ ڈالنے کی ساری کوششیں ناکام رہیں۔ ایک روز جب خوب گھمسان کا رن پڑا' دشمن کی طرف سے آنے والی ایک گولی ابو رقیہ کا سینہ چیرتی ہوئی اندر جا گھسی۔ ابو جنید نے فوری طور پر ایک مجاہد کو میری طرف روانہ کیا اور پوچھا کہ اس مجاہد کا کیا کیا جائے جو زخموں سے چور' موت وحیات کی کشمکش سے دوچار ہے مگر ابھی تک شہید نہیں ہوا... لیکن کچھ ہی وقت گزرا تھا کہ وہ مقامِ شہادت پر فائز ہو گئے!

پس ہدیۂ سپاس پیش ہو' اس قابلِ رشک موت پر! قبیلہ عبیدہ اس سعید نوجوان سے رشتے داری پر مبارک باد کا مستحق ہے! وہ کیا ہی خوب سماں ہوگا جب شہید کے اہل خانہ حوضِ کوثر پر جام تھامے چھینا جھپٹی کر رہے ہوں گے اور وہ کیا ہی دل خوش کن منظر ہوگا جب شہید اپنے اہل خانہ کے لیے اپنے رب کے حضور سفارش کی درخواست پیش کرے گا۔ اللہ ان کی شہادت کو قبول فرمائیں۔

کرم فرماؤں کے نام

شہادت سے قبل شہید ابو رقیہ نے مجلۃ الجہاد کو ایک خط ارسال کیا' جو کچھ یوں تھا:

''اُن کرم فرماؤں کے نام جن کا مشغلہ گھروں میں بیٹھ کر مجاہدین کی سرگرمیوں پر نکتہ چینی کے سوا کچھ نہیں۔ اُن کے نام! جو ہر جگہ ذلت وپستی کی حالت سے دوچار ہیں۔ اور اُن کے نام! جن کے پاس مجاہدین کو پیش کرنے کے لیے طنز واستہزاء کے تیروں کے سوا کچھ نہیں۔ جن کا دل پسند مشغلہ اپنے بھائیوں

کے غلط انداز تذکرے اور پیٹھ پیچھے ان کا گوشت تناول کرنا ہے۔ جن کے نزدیک مجاہدین کی تمام سرگرمیوں کا سبب علم وفہم کی کمی ہے۔ وہ جو مجاہدین کے عقیدے کے بارے میں بدزبانی کرتے ہوئے بھی نہیں ہچکچاتے' وہ جنہیں ہر دم دوسروں کے عیوب کی کھوج' اُمت کی اصلاح کے بارے میں فکرمند ہونے سے باز رکھے ہوئے ہے' وہ سب جو عمل کی دنیا کے شہسوار بننے کے بجائے گفتار اور پند و نصیحت پر اکتفا کیے بیٹھے ہیں۔ وہ جو باطل کی نگاہوں میں نگاہیں ڈال کر پرچم حق بلند کرنے والے مجاہدین کی روش کو شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں... ان سب کے نام میں دکھے دل اور زخمی احساس کے ساتھ یہ اشعار نذر کر رہا ہوں:

ایا من یشط سیر الجهاد

و یستهتر بحماة الثغور

الا تنتقد نفسک الخاطئة

و تخشی عقبیٰ هذا الغرور

تحقق ما یبتغی الحاقدون اذا

علی الدین یا ویح اهل الفجور

کان دابک سب الدعاة

فما ذا عملت لیوم النشور

سل الروس! ان شئت عن اسهم ودع عنک

وسل عنهم فی امتداد العصور

ما قد یغیظ الافاضل

ودع عنک رجم الحصی والصخور

ودع عنک حربا یرید الاعادی

لها بیننا أن تظل دهور

مجھے امید ہے کہ سچے دل سے نکلے ہوئے یہ الفاظ ان سب کو علماء اور مجاہدین کے حوالے سے اپنا نقطۂ نظر تبدیل کرنے پر آمادہ کریں گے۔ اور وہ سچائی اور حق کی روشن راہ کو اپنے لیے منتخب کرنے سے چنداں دریغ نہیں کریں گے۔

ابو مسلم صنعانی عبداللہ نہمی شہید

"ابو مسلم! ہم آپ کے بارے میں کیونکر کچھ نہ لکھیں؟ کیا کبھی کسی نے عطر فروش سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ اپنے عطر کو ہوا میں پھیلنے سے روک دے؟ کیا پھول کو پابند کیا جاسکتا ہے کہ اپنی مہک کو فضا میں بکھرنے کی اجازت نہ دے؟ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہماری زبانیں نیکی کے ذکر اور بھلائی کی اشاعت سے رک جائیں؟ جب دل کسی کی محبت سے لبریز ہوں اور چاہت کے جذبات اُبلتے پڑ رہے ہوں تو بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ اس محبت والفت کے اظہار سے زبانیں روک دی جائیں؟ نہیں ایسا نہیں ہوسکتا!"

صنعاء کی کون سی مسجد ایسی ہے جس کے در و دیوار نے آپ کے منہ سے افغانستان میں جاری جہاد کے تذکرے نہ سُنے ہوں؟ اور وہ کون سی نیکوکار خاتون ہے جس نے جہاد کے بارے میں آپ کا خطاب سننے کے بعد اپنا سارا زیور راہِ خدا میں پیش نہ کر دیا ہو؟ یمن کے صالح نوجوانوں میں کون ہے جو آپ کو جانتا نہ ہو؟ علمائے دین میں سے کون ہے جس کی نگاہیں آپ کے احترام میں جھک نہ جاتی ہوں؟ بے شک آپ کی وصیت یہی تھی کہ: "جو میرے بارے میں ایک حرف بھی لکھے گا' میں قیامت کے روز اس کا گریبان پکڑ لوں گا۔"

لیکن ابو مسلم! ہم آپ کے بارے میں کیونکر کچھ نہ لکھیں؟ کیا کبھی کسی نے عطر فروش سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ اپنے عطر کو ہوا میں پھیلنے سے روک دے؟ کیا کبھی پھول کو پابند کیا جاسکتا ہے کہ اپنی مہک کو فضا میں بکھرنے کی اجازت نہ دے؟ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہماری زبانیں نیکی کے ذکر اور بھلائی کی اشاعت سے رک جائیں؟ جب دل کسی کی محبت سے لبریز ہوں اور چاہت کے جذبات اُبلتے پڑ رہے ہوں تو بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ اس محبت والفت کے اظہار سے زبانیں روک دی جائیں؟ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا! اگر ہم اپنے مجلّے "الجہاد" میں آپ کا تذکرہ نہ بھی کریں تو بھی یہ کیونکر ممکن ہے کہ یمن میں موجود

آپ کے ساتھیوں کو آنسوؤں میں ڈوبی آپ کی یادوں کے تذکرے سے روک دیا جائے!

تاکہ کہیں کوئی آپ کو لیموں فروش نہ سمجھ بیٹھے

مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ جدہ میں ابوعبداللہ (شیخ اسامہ بن لادن) کے ہاں ابو مسلم سے میری ملاقات ہوئی۔ ہمیں اپنے ایک عزیز ساتھی سے ملنے جانا تھا۔ ابو مسلم ہمارے ساتھ چلنے پر مصر ہوئے۔ میں نے ان سے مزاقاً کہا ''بہتر ہوتا کہ آپ اپنے کپڑے تبدیل کر لیتے تاکہ کہیں کوئی آپ کو لیموں فروش نہ سمجھ بیٹھے!''۔ وہ اس پر بڑے محظوظ ہوئے اور بے اختیار ہنس دیئے۔ اس کے بعد جب بھی ان سے ملا مجھے یاد دلاتے ہوئے کہتے: ''لیموں فروش کی بھی خوب رہی''۔

اگر مجلہ ''البنیان'' کے صفحات آپ کا ذکر کرنے سے گنگ رہیں' آپ کی تصویر سے مزین ہونے سے انکار کر دیں تو بھی یہ کیسے ممکن ہے کہ قندھار' جاجی' خلدن' خوست' ننگرہار اور جلال آباد میں آپ کے ساتھ شب و روز گزارنے والوں کی زبانیں آپ کا ذکر کرنے سے خاموش رہیں؟

ابو مسلم راہِ جہاد میں پیش قدمی کرنے والے سابقون الاولون میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے ساتھ پچاس کے پیٹے میں معمر شیخ غیلان بھی تھے۔ انھوں نے معسکر میں ابتدائی عسکری تربیت حاصل کی اور افغانستان کے جہاد میں شریک ہوگئے۔ شیخ غیلان کو اللہ تعالیٰ نے فارغ البالی اور خوشحالی سے وافر حصہ عطا کر رکھا تھا۔ جہاد میں شرکت کے دوران نہ صرف انھوں نے اپنا مال راہِ خدا میں پیش کیا بلکہ اپنے احباب کو بھی اس نیک کام پر آمادہ کیا۔ ان کی کبرسنی جہاد میں پیش قدمی کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکی۔

ابو مسلم ایک طویل عرصے تک اپنی خدمات انجام دیتے رہے۔ اس کے بعد کچھ عرصے کے لیے یمن چلے گئے۔ یہ اُس وقت کی بات ہے جب اِکا دُکا عرب جہاد میں شمولیت کے لیے آرہے تھے۔ ان کا نہ تو کوئی تربیتی مرکز تھا اور نہ ہی کوئی دارالضیافہ۔ خود 'مکتب خدمات' بھی اس کے کافی عرصے بعد قائم ہوا۔ سچ یہ ہے کہ جو دل ایک مرتبہ جہاد کی لذت چکھ لے اس کے لیے آسان نہیں کہ واپس جا کر انواع واقسام کے کھانوں اور لباس کے نت نئے نمونوں کا اسیر ہونے پر وہ راضی ہو جائے' جب کہ اُسے اپنے لئے اگر کوئی بہتر صورتِ حال نظر بھی آرہی ہو تو وہ کسی مسجد یا بند کمرے میں بیٹھ کر کسی دینی کتاب کے مطالعے سے بڑھ کر نہ ہو!

کچھ یہی وجہ تھی کہ جہاد کی طرف واپسی کی تڑپ ان کی نیند اچاٹ کر دیتی۔ کچھ ہی عرصے بعد وہ واپس میدان کی طرف پلٹ آئے۔ یہاں آکر انھوں نے مختلف جہادی مجموعوں سے رابطے کیے۔ بعض ساتھیوں نے مشورہ دیا کہ وہ ایک داعی کا منصب سنبھالنے کے لیے شرعی علوم کے حصول کی طرف توجہ دیں۔ تب انھوں نے جہاد کی خدمت کے ساتھ علمی کتابوں کے مطالعہ کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔ ان کا باقی ماندہ وقت جہاد کے لیے مال اکٹھا کرنے' مسلم رائے عامہ ہموار کرنے اور جہاد کے بارے میں پائے جانے والے شکوک و شبہات کا ازالہ کرنے میں صرف ہوتا۔ سعودی عرب میں ابو مسلم نے شعبہ شرعی علوم میں داخلہ لیا اور خود کو علمی اعتبار سے تیار کرنے میں معروف ہو گئے۔

ہر وقت آخرت' عذابِ قبر اور جنت کا ذکر لے بیٹھتے

جب وہ میدانِ جہاد میں پلٹ کر آئے تو تربیتی مراکز میں بھی کتاب ان کی رفیق رہتی۔ میں نے ان کو ہمیشہ امام نوویؒ کی کتاب ''الاذکار'' اور ابن قیمؒ کی ''وابل الصیب'' اور ''الجواب الکافی لمن سأل عن دواء الشافی'' تھامے ہوئے دیکھا۔ یا تو وہ خود حلقہ درس کھولے بیٹھے ہوتے یا کسی دوسرے مدرس کی گفتگو سننے میں مصروف رہتے اور یا پھر قرآن مجید کی تلاوت میں مگن ہوتے۔ تقویٰ ان کی شخصیت کا نمایاں جوہر تھا۔ نحسبہ کذالک ولا نزکی علی اللہ احدا۔

وہ ہر وقت آخرت' عذابِ قبر اور جنت کا ذکر لے بیٹھتے۔ جیسا کہ شیخ عمر سیف جنت' اس کی حوروں' اس کے محلات اور اس کے بالاخانوں کے بارے میں گفتگو کرنے میں نمایاں تھے۔ اسی طرح ابو مسلم عذابِ قبر اور قیامت کے احوال و واقعات بیان کرنے میں انفرادیت رکھتے تھے۔

کوئی ڈیڑھ سال پہلے میں نے جدہ کی مسجد 'امیر سلیمان' میں جہاد کے موضوع پر بیان کیا۔ میرے اس بیان کو ریکارڈ کیا گیا۔ ابو مسلم نے یہ کیسٹ سنی تو بولے:

''شیخ عزام! میں نے سنا آپ اپنے خطاب میں کہہ رہے تھے کہ جہاد افغانستان ایک سودائے نقد ہے جو اس میں کامیاب ہوا تو بس کامیاب ہو گیا اور جو پیچھے رہا خسارے میں رہ گیا۔ بس یہ سننا تھا کہ میں ہل کے رہ گیا اور میں نے جامعہ کو تین طلاقیں دینے کا فیصلہ کیا' جس میں اب رجوع کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہوں کو ہماری شہادت کی راہ میں رکاوٹ نہ بنائے گا

ابو مسلم نے رختِ سفر باندھا اور شریکِ کارواں ہو گئے۔ پہلے صدہ کا رخ کیا' وہاں ابوبر جان نے انھیں اپنے پاس رکھنے کا کہا۔ وہاں وہ اپنے داعیانہ بیانات سے مجاہدین کو گرماتے رہے۔ پھر ابوعبداللہ (شیخ اسامہ بن لادن) مجاہدین کو وعظ و نصیحت کی غرض سے انھیں ماسدہ کھینچ لائے۔ اب ان کا زیادہ وقت جاجی اور ماسدہ میں جہادی خطبات دینے میں صرف ہوتا۔

اسامہ بن لادن اور ابوالحسن نبھی کے درمیان گاڑھی چھنتی تھی۔ دونوں میں سے ہر کوئی ابومسلم کو اپنی کھینچ رہا ہوتا۔ ابوعبداللہ اسامہ بن لادن اُن سے کہتے کہ قندھار کو کسی ایسے پختہ فکر مقرر کی شدید ضرورت ہے جو مجاہدین کی فکری تربیت کر سکے۔

وہ چاہتے تھے کہ کم از کم دو ہفتوں کے لیے ابومسلم تمام کام چھوڑ کر قندھار کے مجاہدین کی تربیت کا کام انجام دیں۔ دوسری طرف ابوالحسن انھیں کابل لے جانے پر مُصر رہے تاکہ وہاں کے لوگوں کی جہادی خدمت کی جا سکے۔ بالآخر اسامہ انھیں قندھار لے جانے میں کامیاب ہو گئے۔

قندھار سے ابومسلم واپس ننگرہار آئے تو یہاں جنگ کا عفریت منہ کھولے کھڑا تھا۔ وہ جلال آباد کے ہوائی اڈے پر تھے جہاں کے در و دیوار کفر کے قبضہ جبر میں تھے۔ پورا جلال آباد روس کے حصار میں تھا۔ یہیں پر لیلائے شہادت ان کے انتظار میں کھڑی تھی۔

یہ ۲۵ مارچ ۱۹۸۹ء بروز ہفتہ کا ذکر ہے' ابومسلم کے ہونٹوں پر تلاوت قرآن جاری تھی کہ دشمن کا ایک میزائل سیدھا ان کے سر پر لگا اور یوں ان کی آرزوئے شہادت پوری ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اسے شرفِ قبولیت بخشے اور ان کی روح جنت کے پرندوں کا لبادہ اوڑھے جنت کی فضاؤں سے اڑتی ہوئی آ کر عرش کے نیچے جگی قندیلوں میں آ کر بیٹھے۔

ابومسلم ہمیشہ دعا گو رہتے کہ اے ہمارے ربّ! ہمارے گناہوں کو ہماری شہادت کی راہ میں رکاوٹ نہ بنائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول فرمایا' ان کی آرزو پوری ہوئی اور وہ اپنے من پسند انجام سے بہرہ ور ہو گئے' فھو المراد!

وصیت: "اور یہ کہ ہم حق بات کہیں' چاہے ہم جہاں کہیں بھی ہوں"

ابومسلم صنعانی نے اپنے اہلِ خانہ اور رشتہ داروں کے نام یہ وصیت لکھی:

بسم اللہ و الحمد للہ و الصلوة و السلام علی رسول اللہ و آلہ و صحبه و من والاہ. اما بعد

یہ وصیت میں اپنے ہاتھ سے مؤرخہ ۱۶ شعبان ۱۴۰۹ھ بروز جمعہ تحریر کر رہا ہوں۔ ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ ہم اسی کی ثنا بیان کرتے ہیں۔ ہم اس سے استغفار چاہتے ہیں۔ اس سے ہدایت کے طالب ہیں۔ ہم اللہ سے اپنے نفس کے شر اور اپنے برے اعمال کے وبال سے پناہ مانگتے ہیں۔ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے دیں اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ گمراہ کر دیں اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہوتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ اکیلے ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں اپنی وصیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی پیروی میں لکھ رہا ہوں:

((مَاحَقُّ امْرِیءٍ مُسْلِمٍ لَهُ شَیْءٌ یُوْصِی فِیْهِ، یَبِیْتُ ثَلَاثَ لَیَالٍ اِلَّا وَوَصِیَّتُهُ عِنْدَهُ مَكْتُوْبَةٌ)) (رواہ مسلم، کتاب الوصیة)

"کسی مسلمان آدمی کو یہ حق نہیں کہ اس کے پاس کوئی چیز وصیت کے لائق ہو اور وہ تین راتیں بھی اس طرح گزارے کہ اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی نہ ہو۔"

میں اپنے اہلِ خانہ کو اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (المائدة: ۳۵)

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اللہ کا قرب تلاش کرو اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ"۔

میں انھیں تاکید کرتا ہوں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی درج ذیل حدیث کو اپنی نگاہوں کے سامنے رکھیں۔ یہ حدیث ہمارے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی عبادہ بن صامت نے روایت

کی ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ

((بَايَعْنَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ، وَالْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ، وَعَلَى أَثَرَةٍ عَلَيْنَا، وَعَلَى أَنْ لَا نُنَازِعَ الْأَمْرَ أَهْلَهُ، الا ان تروا كفراً بواحاً عندكم من الله تعالى فيه برهان، وَعَلَى أَنْ نَقُولَ بِالْحَقِّ أَيْنَمَا كُنَّا، لَا نَخَافُ فِي اللهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ)) (رواه مسلم، كتاب الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية، وتحريمها في المعصية)

''ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی سمع وطاعت پر تنگی اور آسانی میں، خوشی میں بھی اور ناخوشی میں بھی۔ ہم پر ترجیح دی جائے گی تو ہم صبر کریں گے، ہم امر کو اس کی جگہ سے نہیں نکالیں گے، ہاں اگر تم صریح کفر کو دیکھو جس پر تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلیل بھی ہو تو اس صورت میں امر کو اس کی جگہ سے نکال سکتے ہو۔''

میں اپنے مجاہد بھائیوں کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ مجھے میری جائے شہادت میں دفن کریں۔ اپنی 'شہادت' کی بات میں صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن کی بنیاد پر کہہ رہا ہوں۔ حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي، إِنْ خَيْرًا، فَخَيْرٌ، وَإِنْ شَرًّا فَشَرٌّ)) (رواه الطبراني في الأوسط، أنظر صحيح الجامع ١٩٠٥)

''میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق معاملہ کرتا ہوں، اگر وہ اچھا گمان کرتا ہے تو اچھا معاملہ کرتا ہوں اور اگر وہ برا گمان رکھتا ہے تو برا معاملہ کرتا ہوں۔''

میں بخوبی جانتا ہوں کہ شہادت تو دور کی بات رہی میں اللہ کے راستے میں معمولی زخم پانے کا بھی مستحق نہیں ہوں۔ میں اپنے بھائیوں کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ میری میت کو پاکستان منتقل نہ کریں اور میری قبر زمین سے ذرہ بھر اونچی نہ کریں۔ میں آپ کو اس ذات کے سپرد کرتا ہوں جس کے حوالے کی گئی کوئی چیز ضائع نہیں ہوتی۔

اے عرب مجاہدین کے امیر ابوعبداللہ (شیخ اسامہ)! میں آپ کو وصیت کرتا ہوں کہ آپ میرے

بارے میں کوئی تحریر یا میری کوئی تصویر کسی رسالے میں نہ بھجوائیں ''الجہاد'' اور ''بنیان مرصوص'' میں بھی نہیں۔ اگر میری اس وصیت کی خلاف ورزی کی گئی تو میں قیامت کے روز آپ کا گریبان پکڑلوں گا۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میری شہادت کی خبر سن کر کوئی آہ وزاری اور جزع فزع نہ کرے

بسم الله والحمد لله والصلوة والسلام على رسول الله و آله وصحبه ومن والاه. اما بعد:

والد محترم، پیاری امی، میرے عزیز بھائی اور میری عزیز بہنو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ تعالیٰ نے ہم پر جہاد اسی طرح فرض کیا ہے جیسے نماز روزہ اور حج۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ (البقرة: ٢١٦)

''جہاد کرنا تم پر فرض کیا گیا ہے اور وہ تمہیں ناگوار ہے اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناگوار سمجھو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے حق میں مضر ہو اور اللہ ہی جانتا ہے تم نہیں جانتے''۔

یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی مہربانی ہے کہ پچھلی کئی صدیوں کی خاموشی کے بعد افغانستان میں ایک دفعہ پھر جہاد کی پکار بلند ہوئی ہے۔ اللہ کے دشمنوں اور اس کے وجود کا انکار کرنے والوں کے خلاف برپا کیے گئے اس جہاد میں جس نے بھی لبیک کہا ہے یقیناً وہ بڑے نصیبے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ میں نے اپنے گناہوں کے استغفار کے لیے اس سے بہتر کچھ مناسب نہ سمجھا کہ میں جہاد افغانستان میں شریک ہو جاؤں۔

میرے پیارے ابا جان اور امی جان! میری شہادت کی خبر سن کر کوئی آہ وزاری اور جزع فزع نہ کرے کیونکہ ہر انسان کی اجل اور اس کی سعادت وشقاوت اس کے ماں کے بطن سے نکلنے سے پہلے ہی اس کی تقدیر میں لکھ دی جاتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((... يَبْعَثُ اللهُ إِلَيْهِ مَلَكًا فَيُؤْمَرُ بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ، فَيَكْتُبُ رِزْقَهُ وَأَجَلَهُ وَعَمَلَهُ، ثُمَّ يَكْتُبُ شَقِيٌّ أَوْ سَعِيدٌ...)) (رواہ ابو داؤد، کتاب السنة، باب في القدر)

''اللہ تعالیٰ اس کی طرف ایک فرشتے کو بھیجتے ہیں اور چار چیزوں یعنی اس کے رزق، موت، بدبخت یا نیک بخت ہونے کے متعلق لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ﴾ (لقمان: ۳۴)

''اور کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا کرے گا اور کوئی نہیں جانتا کہ کس زمین پر مرے گا' بے شک اللہ جاننے والا خبردار ہے''۔

اس لیے میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ آپ میں سے کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے فیصلے پر اپنی ناراضگی کا اظہار نہ کرے۔ میں ہر قسم کے غیر شرعی سوگ' ماتم وغیرہ سے اعلان براءت کرتا ہوں۔ جب میری شہادت کی خبر پہنچے تو اس پر خوشی منائی جائے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے کہ وہ اس شہادت کو قبول فرمائیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے شہادت کا مرتبہ نصیب فرمایا تو میں سب سے پہلے اپنے والدین اور بیوی بچوں کے لیے شفاعت کا خواست گار ہوں گا' ان شاء اللہ۔

اپنی والدہ سے میری درخواست ہے کہ وہ مجھ پر بالکل نہ روئیں بلکہ اللہ کا شکر ادا کریں کہ ان کا بیٹا بستر پر ایڑیاں رگڑتے ہوئے نہیں مرا نہ ہی کسی گاڑی کے پہیے کے نیچے آ کر کچلا گیا' بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے مصداق اللہ تعالیٰ سے جاملا۔

((وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَوَدِدْتُ اَنِّیْ اُقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ اُحْیَا ثُمَّ اُقْتَلُ، ثُمَّ اُحْیَا ثُمَّ اُقْتَلُ، ثُمَّ اُحْیَا ثُمَّ اُقْتَلُ)) (بخاري، کتاب الجهاد والسير)

''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے' میری تو آرزو ہے کہ میں اللہ کے راستے میں قتل کر دیا جاؤں' پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں' پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں' پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر قتل کر دیا جاؤں''۔

پس میرے لیے دعا کی جائے اور ہرگز اس طرح کے کلمات زبان سے نہ نکالے جائیں کہ کاش وہ

ہمارے پاس رہتا! افغانستان نہ جاتا تو اسے کچھ نہ ہوتا! زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے کسی انسان کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں۔ اے اللہ! آپ اپنے دین اپنی کتاب مجید اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور اپنے مؤمن بندوں کی نصرت فرمائیے۔ اور اے اللہ ہمیں اپنے شہداء کی فہرست میں شامل کر لیجیے۔

چچا کے نام: ''میرے بیٹے عبدالرحمن کو اگر آپ قرآن مجید حفظ کروا سکیں...''

چچا جان صالح بن فاضل حفظہ اللہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں گولیوں کی گھن گرج میں آپ کے نام یہ سطور تحریر کر رہا ہوں۔ کچھ دیر بعد مجھے جلال آباد کی چند کارروائیوں میں شرکت کے لیے یہاں سے کوچ کر جانا ہے۔ یہ ۱۷ رمضان المبارک بروز ہفتہ عصر کے بعد کا وقت ہے۔ سب سے پہلے میں آپ کو اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ اسی طرح میں آپ کو اطاعت الٰہی' آخرت کی یاد' قرآن کریم کی کثرت سے تلاوت' نمازوں کی بروقت مسجد میں ادائیگی' قیام اللیل اور دین میں سوجھ بوجھ حاصل کرنے کی کوشش کی طرف توجہ دینے کی وصیت کرتا ہوں۔

میں آپ کو اپنی اولاد کے ساتھ بھلائی کرنے کی وصیت کرتا ہوں اور التجا کرتا ہوں کہ آپ ان کی اسلامی خطوط پر تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام فرمائیے گا۔ میرے جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کے بعد آپ ہی ان کے نگران و سرپرست ہیں۔ سمیہ اور مریم جب بڑی ہو جائیں تو ان کی کسی ایسے فرد سے شادی کیجیے جو دل میں خوف خدا رکھتا ہو۔ میرے بیٹے عبدالرحمن کو اگر آپ قرآن مجید حفظ کروا سکیں تو یقیناً اس پر اللہ کی طرف سے آپ کو بے پناہ اجر و ثواب ملے گا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنی بادشاہی کے زیر سایہ ہمیشہ کی جنتوں میں اکٹھا کر دیں۔

اہلیہ کے نام وصیت: ٹی وی اور ریڈیو کے ڈرامے دیکھنے سننے سے باز رہنا

میری عزیز رفیقہ حیات! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مجھے یقین ہے کہ میری شہادت کی خبر سن کر آپ جزع فزع سے اجتناب برتیں گی۔ کیونکہ آپ خوب جانتی ہیں کہ اللہ کی مقرر کردہ تقدیر کے معاملے میں انسان کا کوئی زور نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا گو رہنا کہ وہ مجھے اپنے شہید بندوں میں شامل فرما دیں۔ میں آپ کو سمیہ' مریم اور عبدالرحمن کے بارے میں خیر خواہی کی وصیت کرتا ہوں۔ ان کے ساتھ آپ جتنا مجاہدہ کریں گی اللہ تعالیٰ سے اس کا اجر پائیں گی۔ میں

آپ کو کثرت ذکر' کثرت تلاوت' نمازوں کی اپنے وقت پر ادائیگی اور قیام اللیل کی وصیت کرتا ہوں۔ میں آپ کو ایسی محفلوں سے دور رہنے کی وصیت کرتا ہوں جو آپ کو اللہ کی یاد سے غافل کر دے۔ ٹی وی اور ریڈیو کے ڈرامے دیکھنے اور سننے سے باز رہنا اور ان کاموں میں اپنے آپ کو مصروف رکھنا جو آپ کو اللہ سے قریب کر دیں۔

میری عزیز رفیقہ حیات! اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَ مَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ﴾

(آل عمران: ۱۴۵)

''اور اللہ کے حکم کے سوا کوئی مر نہیں سکتا ایک وقتِ مقرر لکھا ہوا ہے اور جو شخص دنیا کا بدلہ چاہے گا ہم اسے دنیا میں ہی دے دیں گے اور جو آخرت کا بدلہ چاہے گا ہم اسے اُس میں سے دیں گے اور ہم شکر گزاروں کو جزا دیں گے''۔

ہم میں سے ہر کسی نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے پس خوش قسمت ہے وہ جو دنیا سے اس حال میں جائے کہ اس کا ربّ اس سے راضی ہو۔ آخر میں آپ سے کہوں گا کہ اگر آپ والد محترم اور والدہ صاحبہ سے ملاقات کے لیے ان کے ہاں باقاعدگی سے جاسکیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا بہترین اجر عطا فرمائیں گے۔ آپ انھیں صبر کی تلقین کیجیے۔ خدا کی قسم! اگر وہ مجھے اپنی راہ میں شہادت مرحمت فرماتے ہیں جیسا کہ میں ان سے حسنِ ظن کی بنا پر امید رکھتا ہوں تو یہ ہرگز کوئی مصیبت نہیں ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ مجھے جنت میں آپ کے ساتھ اکٹھا فرما دیں تو میں ان شاء اللہ سرفہرست آپ کی شفاعت کروں گا۔

آخر میں میں آپ کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں جن کے ہاں سپرد کی گئی امانتیں ضائع نہیں جاتیں اور آپ سے درگزر کا خواست گار ہوں۔ (خیال رہے کہ وصیت سے ترکہ اور ذاتی امور سے متعلق بعض چیزیں حذف کر دی گئیں۔)

ابو مسلم صنعانی' ۲۳ مارچ ۱۹۸۹ء

علی عبد الفتاح شہید

''علی ابو الیسر نے اپنے جیل کے دنوں میں جہادِ فلسطین اور قدس پر نہایت معیاری اشعار قلم بند کیے۔ پھر خود ان کی لحن بھی ترتیب دی۔ میں نے کئی مصری نوجوانوں کو خوبصورت آواز میں' ان کا لکھا ہوا یہ مشہور ترانہ گنگناتے سنا... لبیک یا قدس الحبیبۃ! کلنا نفدي الحمی' ... لبیک لبیک لبیک''

'منیا' کا کون سا گھر ہے جہاں آپ کے نام کی بازگشت نہ ہو؟ 'محافظہ' کا وہ کون سا نوجوان ہے جو فخر سے آپ کا تذکرہ نہ کرتا ہو؟ کیا طاغوت کا کوئی سپاہی ایسا بھی ہے جس نے آپ کی تلاش و جستجو میں آپ کا پیچھا نہ کیا ہو؟ منیا کے میدان میں الکحل اور شراب کے مشروبات چھپا لیے جاتے ہیں۔ آپ کا کردار آخر کس سے پوشیدہ ہے۔ آپ نے لوگوں کے ہوش و حواس سے کھیلنے والے نشہ آور مشروبات کی تجارت کے دروازے بند کر کے عیسائیوں کی ریشہ دوانیوں کو ان کے منہ پر دے مارا۔

مفتی 'مصر اور وزیرِ اوقاف کے ساتھ آپ کا مناظرہ' جس میں وہ دونوں اپنا سا منہ لے کر رہ گئے تھے' اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ حق کے ٹھوس دلائل کے سامنے باطل کا بودا پن اپنا وجود قائم نہیں رکھ سکتا۔ اس مناظرے کی ویڈیو کیسٹس بازار میں عام بکنے لگیں۔ جس موقع پر مناظرہ ہو رہا تھا وہاں انسانوں کا جمِ غفیر اپنی آنکھوں میں بھی اس کی روداد محفوظ کرنے آنکلا۔

لوگ نوعمر لڑکے کے ربّ پر ایمان لے آئے

مفتی 'مصر نے اپنی شکست کے واضح اثرات دیکھ کر وہاں سے دامن بچا لے جانے میں ہی عافیت سمجھی اور جاتے جاتے ہرزہ سرائی کرنے لگا: ''کاش حکومت تم سب کو قتل کر کے رکھ دے۔ ہم امریکا سے روٹی مانگنے پر مجبور ہیں اور تم امر بالمعروف اور جہاد کی باتیں کرنے چلے ہو''۔

خدارا! کوئی مجھے بتائے! کیا یہ ہیں انبیاء کے وارث' جنھوں نے ضائع ہو جانے والی دنیا کی خاطر' بے عزتی اور ذلت کی زندگی سے سمجھوتہ کر لیا ہے:

﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ ۝ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَٰكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِن تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَث ذَّٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾

(الاعراف: ۱۷۵، ۱۷۶)

”اور انھیں اُس شخص کا حال سنا دیجیے جسے ہم نے اپنی آیتیں دی تھیں پھر وہ اُن سے نکل گیا پھر اُس کے پیچھے شیطان لگا تو وہ گمراہوں میں سے ہو گیا۔ اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں کی برکت سے اُس کا رتبہ بلند کرتے لیکن وہ دنیا کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی خواہش کے تابع ہو گیا اُس کا تو ایسا حال ہے جیسے کتا اُس پر آپ سختی کریں تو بھی ہانپے اور اگر اُسے چھوڑ دیں تو بھی ہانپے یہ اُن لوگوں کی مثال ہے جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا سو یہ حالات بیان کر دیجیے شاید کہ وہ فکر کریں۔“

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ ۝ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ﴾ (البقرہ: ۱۵۹، ۱۶۰)

”بے شک جو لوگ اُن کھلی کھلی باتوں اور ہدایت کو کہ جسے ہم نے نازل کر دیا ہے اس کے بعد بھی چھپاتے ہیں کہ ہم نے ان کو لوگوں کے لئے کتاب میں بیان کر دیا تو یہی لوگ ہیں کہ اللہ ان پر لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں۔ مگر وہ لوگ جنھوں نے توبہ کی اور اصلاح کر لی اور ظاہر کر دیا پس یہی لوگ ہیں کہ میں ان کی توبہ قبول کرتا ہوں اور میں بڑا توبہ قبول کرنے والا نہایت رحم والا ہوں۔“

قتادہؒ اور ربیعؒ کہتے ہیں یہاں لعنت کرنے والوں سے مراد اللہ کے فرشتے اور اہل ایمان ہیں۔ مجاہدؒ اور عکرمہؒ کہتے ہیں لعنت کرنے والوں سے مراد زمین پر چرنے چگنے والے جانور اور کیڑے مکوڑے ہیں جنہیں علمائے سو کے گناہوں کی بدولت تنگی خاطر ہوئی۔ پس وہ ان پر لعنت کرنے لگتے ہیں۔

ابن ماجہ سے روایت کردہ حدیث میں براء بن عازب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کرنے والوں کے متعلق واضح کیا کہ یہ زمین پر موجود تمام جانداروں کی طرف اشارہ ہے۔ (تفسیر قرطبی جلد دوم صفحہ ۱۸۶)

اس مناظرے کے بعد ابوالیسر کے موقف کا برحق ہونا ثابت ہو گیا اور لوگ رب پر ایمان لانے کا اقرار کرتے ہوئے ان کے حلقہ بگوش ہو گئے۔

مسجدیں ان کا ٹھکانہ بن گئیں

ابوالیسر کی شخصیت کا یہ رنگ دیکھ کر حکومت کے فرمارواں خاموش نہ بیٹھ سکے اور ہر فرد ان کی گرفتاری کے درپے ہو گیا۔ جس کا کسی بھی طرح سے بھی اُن سے کوئی تعلق یا واسطہ تھا' پکڑا گیا۔ یہاں تک کہ انھوں نے پانچ سو کے لگ بھگ افراد کو گرفتار کر ڈالا مگر ابوالیسر کی گرفتاری میں انھیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ وزیر داخلہ نے حالات دیکھ کر یکے بعد دیگرے چار پولیس انسپکٹروں کے تبادلے کر ڈالے مگر:

اے بسا آرزو کہ خاک شُد۔

ان حالات میں ابوالیسر چھ ماہ تک ایک رات بھی پوری نیند نہ سو سکے۔ ایک رات پولیس نے اس شیر کی تلاش میں قریہ قریہ چھان مارا یہاں تک کہ وہ اسی محلے میں پہنچ گئی جہاں اُن کی رہائش تھی۔ وہ مجبوراً اپنے ساتھ والے گھر کی چھت پر جا چڑھے۔ انھوں نے دیکھا کہ اس چھت سے سیڑھیاں سیدھی گھر کے صحن میں اُتر رہی ہیں۔ گھر کے مالک نے انھیں دیکھ کر کرسی سیڑھیوں کی جانب کی اور کہنے لگا: ”نیچے تشریف لے آئیے“۔ نیچے آ کر ابوالیسر کو اندازہ ہوا کہ یہ ایک نصرانی کا گھر ہے۔ مگر اس نے انھیں اپنی پناہ کا بھرپور یقین دلایا۔ پولیس ارد گرد کے تمام گھروں کی تلاشی لے کر واپس چلتی بنی مگر اس کے گھر کی طرف آنے کا انھیں خیال تک نہ آیا۔ اور یوں اللہ نے انھیں طاغوت کے ہاتھ لگنے سے بچا لیا۔

انور سادات کے قتل کے بعد ”منیا“ کے واقعے کو بنیاد بنا کر ۱۹۸۱ء میں ابوالیسر اور ان کے دوستوں کو پس دیوار زنداں دھکیل دیا گیا۔ ۱۹۸۴ء میں رہائی پانے کے بعد انھوں نے گھروں کا رخ کرنے کے بجائے مسجدوں کو اپنا ٹھکانہ بنا لیا اور لوگوں سے اس راہ کی طرف پیش قدمی کا عہد لیتے ہوئے ’منیا‘ کو ایک بار پھر اپنی دعوت کا مرکز بنا لیا۔

شراب خانوں اور مجروں پر یلغار

ابو یسر کو علم ہوا کہ 'منیا' کی طرف آنے والے راستے میں دو شراب خانے ہیں جہاں آئے روز رقص و غنا اور مجرے کی محفلیں جمتی ہیں۔ انھوں نے اپنے ساتھیوں کے ایک دستے کو اس شراب خانے کی خبر لینے کی ذمہ داری سونپی۔ ان بہادروں نے رات کے اندھیرے میں جا کر رقص و سرور کے اس اڈے پر یلغار کر دی اور نماز فجر سے پہلے ہی برائی کے اس اڈے کا نشان مٹا کر رکھ دیا۔ اب تو یہ معمول بن گیا کہ جب بھی کہیں کوئی خلاف شریعت کام کا سراغ ملتا فوراً اُن تک اطلاع پہنچا دی جاتی اور وہ اپنے جانباز ساتھیوں کے تعاون سے اس کام کی بیخ کنی کر دیتے۔

میدان جہاد کی طرف

'منیا' کی مسجدیں لوگوں کی نگاہوں کا مرکز بن گئیں۔ منیا کے عوام کا شیخ ابوالیسر پر اعتماد کا عالم یہ تھا کہ وہ بسیں بھر بھر کر غذائی ضروریات کا سامان' لباس اور دیگر اشیاء اُن کے دروازے تک پہنچا دیتے۔ یہ بسیں ایک ایک غریب کے گھر جاتیں اور اسے بنیادی ضرورت کی اشیاء فراہم کرتیں۔ اس دوران بھی اُن کے متعدد ساتھیوں کو قید و بند کی صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔

بالآخر شیخ ابوالیسر رزمِ حق و باطل میں شریک ہونے افغانستان پہنچ گئے اور جہاد کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔ ایک مرتبہ میرا جمعے کا خطبہ سننے کے بعد وہ میرے قریب آبیٹھے اور میری توجہ خطبے میں کہے گئے ایک نکتے کی طرف مبذول کروائی۔ مجھے پہلی ہی نظر میں اپنے دل میں اُن کے لیے محبت کے جذبات محسوس ہوئے حالانکہ اس وقت تک میرا ان سے سرسری سا تعارف بھی نہ تھا۔ اس کے بعد انھوں نے دوبارہ مصر واپسی کی راہ لی مگر مصر اب اپنے دروازے ان کے لیے بند کر چکا تھا۔ چنانچہ انھوں نے اُردن سے اپنی بیوی بچوں کو بلوایا اور مستقل طور پر افغانستان میں سکونت اختیار کر لی۔

'منیا' کا بزرگ نوجوان رخصت ہو گیا

۱۵ شعبان کو جلال آباد کے قریب ابو مسلم صنعانی کو دفن کیا گیا تھا۔ ابوالیسر جب بھی ان کی قبر کے پاس سے گزرتے وفورِ شوق سے ان کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے اور کہنے لگتے: "ابو مسلم آپ مبارک باد

کے مستحق ہیں۔ آپ کو لحد میں اتارتے ہوئے میری خواہش تھی کہ کاش مجھے بھی آپ کے پڑوس میں دفن ہونے کی سعادت میسر آ سکے"۔

۶ رمضان ۱۴۰۹ھ کو ابوالیسر خندق میں کھڑے دشمن کی سمت گولیوں کی بوچھاڑ کر رہے تھے۔ ایسے ہر موقع پر وہ اپنے ساتھیوں کو قرآن مجید کا یہ پیغام یاد دلاتے تھے:

﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَ قَلْبِهٖ وَ اَنَّهٗٓ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ﴾ (الانفال ۲۴:)

"اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو جس وقت تمہیں اس کام کی طرف بلائیں جس میں تمہاری زندگی ہے اور جان لو کہ اللہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان میں آڑ بن جاتا ہے اور بے شک تم اسی کی طرف جمع کیے جاؤ گے"۔

وہ کہتے: ابن قیم کی رائے میں یہاں "زندگی" سے مراد جہاد ہے۔ اس روز جب وہ مورچے میں کھڑے اسی آیت کی تلاوت کر رہے تھے تو مخالف سمت سے آنے والا ایک میزائل انھیں قافلۂ شہداء میں شامل کر گیا۔ ان کے ساتھی ایک دوسرے سے پوچھتے ہی رہ گئے کہ ابوالیسر کہاں چلے گئے؟ تلاش بسیار کے بعد جب ان کی نظر ابوالیسر کی نعش پر پڑی تو انھوں نے دیکھا کہ عربی ادب کا یہ شہسوار تیس سالہ جوان شہادت کی سند ہاتھ میں لیے' اپنے رب کی بارگاہ میں پہنچ چکا ہے۔

وہ مضبوط جسم' شاندار صحت اور قابلِ رشک عزیمت کے مالک تھے۔ ایک دنیا ان کی شجاعت و بہادری سے خائف و لرزاں تھی۔ 'منیا' کا وہ بزرگ نوجوان جو ہمیشہ کی جنتوں کی تلاش میں' قربانی و جاں فروشی کی مثال بن کر نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا' راہِ شہادت کو منزل بنا لینے کے بعد اس کے قدم کبھی نہیں لڑکھڑائے تھے۔

ابوالیسر ایک بلند پایہ شاعر بھی تھے۔ اپنے زندان کے دنوں میں انھوں نے جہادِ فلسطین اور القدس پر نہایت معیاری اشعار قلم بند کیے۔ پھر خود ان کی لحن بھی ترتیب دی۔ میں نے کئی مجاہدین کو خوبصورت آواز میں اُن کا لکھا ہوا یہ مشہور ترانہ گنگناتے سنا:

"لبیک یا قدس الحبیبة کلنا نفدي الحمی، لبیک، لبیک، لبیک'

اے غبار میں اٹے سادہ خوراک وسادہ لباس ساتھیو!

ابو یسر نے دل کی گہرائیوں سے لکھے گئے ان الفاظ کے ساتھ اہل افغانستان کو خیر باد کہا: ''میرے دل کی ہر دھڑکن میں افغانستان کی خندقوں' بندوقوں اور یہاں کے مسلمانوں کی محبت پوشیدہ ہے۔ اے غبار میں اٹے سادہ خوراک اور سادہ لباس ساتھیو! تم جانتے ہو کہ تمھارے شکستہ دل اللہ کے ہاں بڑے بڑے جابر بادشاہوں اور سرداروں کے دلوں سے زیادہ قریب ہیں۔

میرے مجاہد بھائیو! تم جانتے ہو کہ تمھیں کون یاد کرتا ہے؟ تمھیں بے سہارا مائیں اور یتیم بچے یاد کرتے ہیں۔ جب وہ بچے اپنی بیوہ ماں سے اپنے باپ کے بارے میں سوال کر رہے ہوتے ہیں تو خدا کے بعد ان کی آخری امید تمھی ہوتے ہو۔ تم ماؤں کے بہادر اور نڈر سپوت ہو' تم وہ شیر ہو جن کی دھاڑ ظلم کی آندھیوں کا رخ موڑ سکتی ہے۔ تم جانتے ہو کہ شب تاریک کے بعد روشن سویرا طلوع ہو کر رہتا ہے۔ ربّ کائنات کا وعدہ ہے کہ وہ اپنا نور پھیلا کر رہے گا' چاہے کافروں کو یہ کتنا ہی ناگوار گزرے:

﴿وَيَأْبَى اللّٰهُ اِلَّا اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ﴾ (التوبہ: ۳۲)

''اور اللہ اپنی روشنی کو پورا کیے بغیر نہیں رہے گا اور اگرچہ کافر ناپسند ہی کریں''۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنی نعمت بھری جنتوں میں اکٹھا کر دیں۔

عابد شیخ محمد شہید... مہاجر شہہ سوار

''عرب بھائیوں نے آگے بڑھنے کی کوشش کی مگر معرکے کے سالار خالد پکار اٹھے ''عرب مجاہدین افغان بھائیوں کے پیچھے کھڑے ہوں گے''۔ یہ پانچوں (عرب) افغان مجاہدین کے پیچھے اسی راستے پر ہو لیے۔ اتنے میں صومحری کا پاؤں بارودی لغم سے جا ٹکرایا' ایک زوردار دھماکہ ہوا اور عابد شیخ زمین پر آ گرے''

داعیانِ حق کے چیدہ چیدہ شہسوار رختِ سفر باندھ چکے ہیں۔ اس مہینے معرکۂ جہاد میں ایک سے بڑھ کر ایک بہترین سپوت نے جان کا نذرانہ پیش کیا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ جلال آباد کی دھرتی ابھی بھی تشنہ ہے اور انتظار میں ہے کہ ایمان کی بھٹی کو مزید کچھ ایندھن فراہم کیا جائے...... بس!!......بس!! ننگرہار کی زمین بس!! تو نے بہت سے پاکیزہ بدن شہید اپنی پہنائیوں میں سمو لیے' تو نے بڑے ہر دل عزیز جوان اپنے اندر سمیٹ لیے...... بس اب بس!!

یہ اسی ماہ کی بات ہے کہ ہم سے ابو مسلم رخصت ہوئے' ان کے بعد ابوالیسر نے بھی رختِ سفر باندھ لیا اور آج عابد شیخ کے کوچ کی خبر بھی ملی ہے۔

دلوں سے وہ گزر گیا شعاعِ مہر کی طرح

عابد! آپ کیا جانیں کتنی آنکھیں آج اشک بار ہیں؟ زمین کا چپہ چپہ آپ کے لیے دست بدعا ہے۔ بلوچستان کے تپتے ریگستان آپ کے اسلاف کی تاریخ اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔ آپ کے بچپن اور جوانی کی یادیں کویت کی ہواؤں میں رچی بسی ہیں اور قطر یونیورسٹی سے علم کی منزلیں سر کرنے کے بعد آپ کی یادوں کا ایک بڑا حصہ اس خطے سے بھی وابستہ ہے۔ ان میں سے ہر علاقے میں موجود آپ کے احباب' آپ کے کردار و عمل کی گواہی دیتے ہیں۔ کویت کے معہد الایمان کے ہر طالب علم کی نظریں آپ کی عقیدت میں جھکی ہوئی ہیں۔ قطر یونیورسٹی کے کلیہ شریعہ نے آپ کی یادوں کو اپنی تاریخ کا

انمٹ حصہ بنالیا ہے۔

آپ کے جاننے والوں کی زبانیں آپ کی بھلائیوں کا تذکرہ کرتے نہیں تھکتیں۔ آپ کو دیکھ چکی ہر آنکھ آپ کی جدائی میں نم ہے:

دلوں سے وہ گزر گیا شعاع مہر کی طرح
گھنے اداس جنگلوں میں راستہ بنا گیا

آپ کا خلیج میں گزارا عرصہ سالوں پر محیط ہے۔ یہ طویل مہ وسال آپ کے چاہنے والوں کا ایک وسیع حلقہ پیچھے چھوڑ گئے۔ شاید کہ آپ کا تذکرہ ان میں سے کسی گم کردہ راہ کی ہدایت کا ذریعہ بن جائے' شاید کوئی پتھر دل پگھل کر راہ راست پر آجائے۔

عابد شیخ نے قطر کے شریعہ کالج میں داخلہ لیا۔ ۱۹۸۵ء میں چوبیس سال کی عمر میں وہاں سے فارغ ہوئے۔ اس کے بعد انھوں نے کچھ عرصہ تک تعلیم وتدریس کے فرائض انجام دیے مگر انھیں گوارا نہ ہوا کہ وہ خود تو ایئر کنڈیشنڈ ہواؤں میں ناز ونعمت کی زندگی گزاریں جب کہ ان کے دینی بھائی گولیوں کی گھن گرج میں زندگی اور موت کا کھیل کھیل رہے ہوں اور ان کے بے آسرا بچے پشاور کی گرمی میں جھلس رہے ہوں۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی شیر فولادی سلاخوں کے پیچھے پڑا' چڑیا گھر کی سیر کو آنے والوں کا تماشہ بننا گوارا کرلے؟ ضروری ہے کہ وہ تمام آہنی رکاوٹوں کو توڑ کر اپنی کچھار میں واپس جالوٹے۔

رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو جانے کے بعد ۱۹۸۷ء میں انھوں نے خطۂ جہاد کی طرف رخت سفر باندھا۔ ان سے پہلے عابد کے دو سگے بھائی لجنۃ الدعوۃ کے مسئول زاہد شیخ محمد اور امریکا سے فارغ التحصیل انجینئر خالد شیخ محمد اس راہ پر گامزن ہو چکے تھے۔ شیخ عابد نے سرزمین جہاد میں اپنے خیمے کی چوبیں گاڑ دیں اور تادم آخری اپنے عہد کی پاسبانی کرتے رہے۔

انھوں نے 'بنیان مرصوص' میں بھی کچھ عرصہ خدمات انجام دیں' مگر جہاد کا مزہ چکھ لینے کے بعد اب انھیں کسی طور بھی چین نہیں تھا۔ انھوں نے اپنے اساتذہ کرام کی توجہ جہاد کی طرف مبذول کراتے ہوئے بڑے دلچسپ ادبی پیرائے میں انھیں ایک خط تحریر کیا۔ جس کا عنوان "مسندِ علم کے پاسبانوں کے نام معذرت کے ساتھ!" رکھا۔ اور یوں بڑی محبت اور احترام کے تمام جذبات ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے' انھیں صورت حال کی سنگینی کی طرف متوجہ کیا۔

ہم تلاوت کے دوران صحابہ کرام کے طریقہ کی پیروی کرتے

جب بھی معرکہ جوبن پر ہوتا اور سیاف (اللہ یھدیہ) اس کی قیادت کر رہے ہوتے تو خالد شیخ' عابد شیخ اور زاہد شیخ ضرور ان کے ساتھ ہوتے۔

'جاجی' کے جاں گسل معرکے میں مجھے خالد شیخ محمد کی ہمراہی کا اتفاق ہوا۔ میں انھیں 'سیکرٹری' کہہ کر پکارتا' وہ بہت ذوق وشوق سے قرآن مجید کی تلاوت سنتے۔ ہم تلاوت قرآن مجید کے دوران صحابہ کرام ؓ کے طریقہ کار کی پیروی کرتے یعنی ایک ہفتے میں قرآن مجید ختم کرنے کی کوشش کرتے: پہلے دن (الف۔م) یعنی سورۃ فاتحہ سے سورۃ مائدہ تک' دوسرے دن (م۔ی) یعنی سورۃ مائدہ سے سورۃ یونس تک' تیسرے دن (ی۔ب) یعنی سورۃ یونس سے سورۃ بنی اسرائیل تک' چوتھے دن (ب۔ش) یعنی سورۃ بنی اسرائیل سے سورۃ شعراء تک' پانچویں دن (ش۔و) یعنی سورۃ شعراء سے والصافات تک' چھٹے دن (و۔ق) یعنی سورۃ والصافات سے سورۃ ق تک' ساتویں دن (ق۔والناس) یعنی سورۃ ق سے سورۃ الناس تک۔ (یاد رہے کہ مجاہد خالد شیخ محمد بلوچی النسل ہیں' لیکن ان کا خاندان مدت سے خلیج میں رہائش پذیر ہے۔ یہ آج امریکا کی قید میں ہیں۔ ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کو آپ ہی کے منصوبہ عمل نے طاغوت اکبر کے عسکری قلعے (پینٹاگون) اور معاشی قلعے (ورلڈ ٹریڈ سنٹر) کو پیوند خاک کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کافروں کی قید سے رہائی عطا فرمائیں' آمین۔)

دن گزرتے گئے۔ بالآخر جلال آباد کی طرف کوچ کرنے کا وقت آیا۔ اس روز جلال آباد ہوائی اڈے کی کارروائی میں مجاہدین کے ہجوم میں پانچ چہرے جانے پہچانے تھے۔ یہ عابد شیخ' ابو الفضل' اسامہ ازبکی' صخر صخری اور سراقہ شرقاوی تھے۔

عرب بھائیوں نے آگے بڑھنے کی کوشش کی مگر معرکے کے سالار خالد (یہ شیر دل کمان دان' جس کا ایک پاؤں شہید ہو چکا تھا اور ایسی حالت میں بھی وہ معرکوں کی قیادت کرتا تھا) پکار اٹھے "عرب مجاہدین افغان بھائیوں سے پیچھے کھڑے ہوں گے۔ اس پکار کے جواب میں پچاس افغان مجاہدین آگے بڑھے اور ان کے پیچھے یہ پانچ نوجوان اسی راستے پر ہولیے۔ مگر تقدیر کے سامنے بھلا تدبیر کی کیا بساط! صخر صخری کا پاؤں اچانک راہ میں پڑی لغم پر پڑا۔ ایک زوردار دھماکہ ہوا' عابد شیخ اور اسامہ ازبکی اسی وقت زمین پر آگرے اور ان کی روحیں قفسِ عنصری سے پرواز کر گئیں۔ باقی سب زخمی حالت میں گر پڑے۔

تینوں زخمی ابوطارق سراقہ اور صخر صخری کو ان کے ساتھیوں نے کندھوں پر اٹھالیا اور باقی دو اسامہ ازکی اور عابد شیخ وہیں اپنے عہد کو وفا کر گئے۔ میں اس روز رات کے بارہ بجے فوزان ہسپتال پشاور میں بیٹھا تھا کہ ابوطارق کو زخمی ٹانگ اور لہولہو بدن کے ساتھ وہاں پر لایا گیا۔

ابوحفص...صبر اور جواں مردی کی انوکھی مثال

جس بستر پر ابوطارق کو لٹایا گیا وہاں ہسپتال کے کئی دیگر ڈاکٹروں کے علاوہ ڈاکٹر عبداللطیف اور ابوحفص (خالد شیخ اور عابد شیخ کے بھائی زاہد شیخ کی کنیت ہے) بھی کھڑے تھے۔ میں نے ابوطارق سے معاملے کی نوعیت پوچھی تو کہنے لگے: ''ہمیں ایک لغم نے زخمی کیا' ہمارے ساتھی عابد اسی دھماکے کی نذر ہو کر شہید ہو گئے''۔ میں نے پوچھا: ''عابد کون؟'' کہنے لگے: ''سرزمین قطر کا وہ نوجوان جو دراصل بلوچستان سے تعلق رکھتا تھا اور کئی برس کویت میں رہائش پذیر رہا''۔ میں نے فوراً ان کے بھائی زاہد کے چہرے کی طرف دیکھا' آنسو ان کی آنکھوں میں جم چکے تھے اور الفاظ ان کے ہونٹوں پر ہی رہ گئے تھے۔ گویا اس غیر معمولی واقعے کا ان کی ذات سے کوئی تعلق ہی نہ تھا! میں نے انھیں کریدتے ہوئے پوچھا: ''کیا آپ نے اپنی آنکھوں سے عابد کو شہید ہوتے ہوئے دیکھا؟''۔ کہنے لگے: ''جی میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ جان بحق ہو گئے''۔ اس موقعے پر مجھے ابوحفص کو دیکھ کر اس حدیث کی شرح سمجھ میں آئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

((إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى: يُنزِلُ الْمَعُونَةَ عَلٰى قَدرِ الْمَؤُنَةِ، وَيُنزِلُ الصَّبرَ عَلٰى قَدرِ الْبَلاءِ)) (صحيح الجامع ١٩١٩)

''بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی مصیبت کے مطابق اس پر صبر انڈیل دیتے ہیں''۔

جاتے جاتے ہمارے دل بھی لے گیا

اگلے روز منگل سات رمضان المبارک کو شیخ عابد کا جنازہ تھا۔ پورا قبرستان عرب و افغان مجاہدوں سے بھرا پڑا تھا۔ استاد یاسر کی آنکھیں بھی ضبط کے سارے بندھن توڑ چکی تھیں۔ شاید اپنے عزیز دوست کو رخصت کرتے ہوئے آنسوؤں سے زیادہ قیمتی نذرانہ کسی کے پاس نہ تھا۔ استاد یاسر نے اٹھ کر اپنے شہید دوست کی خدمت میں الوداعی کلمات پیش کیے۔ پھر میں اٹھا اور اپنے اس دوست کی یاد میں مختصر بیان کیا۔

عابد شیخ اپنی اہلیہ اور دو ننھے بچوں کو چھوڑ کر اپنی منزل کو سدھار گئے۔ صہیب عابد کا بڑا بیٹا ہے۔ ہمارا یہ مہاجر شہسوار حیات جاوداں کی طرف کوچ کر گیا۔ مگر یوں معلوم ہوتا ہے کہ جاتے جاتے ہمارے دل بھی اپنی مٹھی میں بند کر کے لے گیا۔ ہم اللہ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہمیں صالحین کی معیت میں ابدی جنتوں میں اکٹھا کر دیں''۔

مأسدہ کا بلال محمد خلف صحری شہید

''کتنا فرق ہے زندگی کے ان دونوں پہلوؤں میں۔ایک وہ زندگی ہے جس میں ایک مردِ مجاہد اسلام کی چوٹی سر کرنے' جان ہتھیلی پر لیے مقتل میں کود پڑتا ہے اور دوسری زندگی وہ' جس کا سب سے بہتر رخ اگر کوئی ہو سکتا ہے تو وہ اپنے دوستوں کے ساتھ حلقہ بنا کر کسی اسلامی کتاب کا مطالعہ کرنا ہے!''

محمد خلف صحری نے جزیرۃ العرب کے شہر طائف میں بچپن اور جوانی کے مراحل طے کیے۔جب ابو عبداللہ (شیخ اسامہ بن لادن) نے طائف میں مأسدۃ الانصار' (انصار کی کچھار) کی بنیاد رکھی تو ابو حنیفہ نامی ایک نوجوان ان کے ساتھ شامل ہوا۔شیخ اسامہ کو اس نوجوان نے بہت متاثر کیا۔چنانچہ انھوں نے انھیں تبلیغی دورے پر روانہ کیا۔ابو حنیفہ طائف سے تعلق رکھتے تھے۔ان کی کوششوں نے طائف کے نوجوانوں کے دل مجاہدین کے لیے کھول دیے۔انھوں نے جب اپنا لائحہ عمل اہلِ طائف کے سامنے رکھا تو نوخیز جوانوں کی ایک پوری جماعت ان کے گرد اکٹھی ہو گئی۔انھی میں صحر بھی شامل تھے جنھیں ''مأسدہ بلال'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

جس سال مأسدہ کی بنیاد رکھی گئی وہ سال مأسدہ کے لیے بہت سخت تھا۔اسامہ بن لادن نے ٹھٹھرتی سردیوں میں اپنے تبلیغی دورے کا آغاز کیا۔یہ وہ وقت تھا جب جاجی کے پہاڑوں پر برف کی سفید چادر تنی ہوئی تھی۔دوپہر کے وقت چمکیلی دھوپ کو دیکھ کر باہر نکلنے کو دل چاہتا مگر اس چمکیلی دھوپ میں بھی ٹھٹھرتی سردی باہر جانے کی راہ روک لیتی۔

مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں استخارہ

صحر نے مسجدِ نبوی میں استخارے کے دو نوافل ادا کر کے میدانِ جہاد کی طرف کوچ کرنے کا فیصلہ کیا۔اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کو شرحِ صدر عطا فرمایا۔یہ ایک بہت بڑا قدم تھا۔مدینہ کی جامعہ اسلامیہ میں حدیث کے طالب علم کے لیے جاجی کا میدان ہر لحاظ سے ایک انوکھا تجربہ تھا' چاہے معاملہ جاجی کے

سخت ٹھٹھرتے موسم کا ہو یا وہاں پر کھانے پینے کی اشیاء کے فرق کا' دراصل یہ ایک بالکل ہی الگ دنیا تھی یہ ایک کٹھن ابتدا تھی' جس کا آغاز کم عمر نوجوانوں نے کیا تھا۔یہی وجہ ہے کہ کچھ ہی عرصے کے بعد انھیں گھر والوں' عزیز واقارب اور دوست احباب کی یاد نے بے چین کر دیا۔انھوں نے مأسدہ کو الوداع کہا اور طائف واپس لوٹ گئے مگر انھیں زندگی کا حقیقی لطف کہاں آتا؟ کیا برگر کے کسی ٹکڑے میں' طویل و عریض چمکتی دمکتی کار میں یا دوستوں کے ساتھ نکلنے والے کسی تفریحی دورے میں؟

زندگی اب ان کی نظر میں بے وقعت ہو کر رہ گئی تھی۔اب انھیں کہیں وہ لطف میسر نہ تھا جس کا مزہ وہ جہاد میں چکھ چکے تھے۔کتنا فرق ہے زندگی کے ان دونوں پہلوؤں میں۔ایک زندگی وہ ہے' جس میں ایک مردِ مجاہد اسلام کی چوٹی سر کرنے' جان ہتھیلی پر لیے جنگ گاہ میں کود پڑتا ہے اور دوسری زندگی وہ' جس کا سب سے بہتر رخ اگر کوئی ہو سکتا ہے تو وہ اپنے دوستوں کے ساتھ حلقہ بنا کر کسی اسلامی کتاب کا مطالعہ ہے۔بہت بڑا فرق ہے اُس فرد میں جو خود شہد کا ذائقہ چکھ رہا ہو اور اس دوسرے میں جس کی تمام تر کوششوں کا مقصود شہد کے ذائقے' اس کے فوائد اور اس کی لذت پر لکھی کتابوں کا زبانی مطالعہ ہو!

قصہ مختصر صحر ایک دفعہ پھر افغانستان لوٹ آئے۔انھوں نے مأسدہ کے شیروں کے ساتھ اپنے سفر کا نئے سرے سے آغاز کیا۔جب عرب نوجوان ایک بہت بڑی تعداد میں اکٹھے ہو گئے تو ان کے لیے مأسدہ آنا جانا اتنا آسان نہیں رہا۔وہ اکثر اپنے آپ کو چھپانے کے لیے افغانی لباس اور بھاری پگڑیاں زیبِ تن کر لیتے۔

پولیس کی آنکھوں سے بچنے کے لیے کئی کئی میل پیدل چلتے رہتے

وہ اردو کے چند الفاظ سیکھنے کی کوشش کرتے تاکہ پاکستانی پولیس انھیں عرب نہ سمجھ سکے۔یہ درحقیقت یہودیوں کے شدید دباؤ کا نتیجہ تھا۔انھوں نے افغانستان میں جہاد کے احیاء کا جھنڈا سر بلند ہوتے دیکھ کر مشرق و مغرب میں اپنے دباؤ کا ہتھکنڈا استعمال کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا۔اس طرح مجاہدین پر دو سال اس قدر بھاری گزرے کہ انھیں کسی بھی پاکستانی پولیس چوکی کے سامنے سے گزرنے کے لیے کئی پاپڑ بیلنے پڑتے۔ہمارے یہ ساتھی پولیس کی آنکھوں سے بچنے کے لیے کئی کئی میل پیدل چلتے رہتے۔سختیاں اس وقت کہیں زیادہ بڑھ جاتیں جب پولیس انسپکٹر کیونسٹ یا نیشنلسٹ ہوتا اور جب

حالات ہر طرح ہمارے خلاف جا رہے ہوتے تو عرب سفارت خانوں کو بادِ مخالف کا کردار ادا کرنے کا خوب موقع ملتا۔

میں اکثر دیکھتا کہ ملکِ پاکستان میں فرانسیسی اور امریکی لڑکیاں اطمینان سے بلا خوف وخطران پولیس چوکیوں کے سامنے سے گزر رہی ہوتیں۔ انھیں ذرا سی بھی کسی تکلیف کا سامنا کرنا پڑ جاتا تو قیامت کھڑی ہو جاتی۔ اسلام آباد میں موجود ان کے متعلقہ سفارت خانے بین الاقوامی اداروں کے سامنے جا بجا کر احتجاج بلند کرتے۔ یہ مغربی سفارت خانوں کا اپنے ملکی افراد کے ساتھ معاملہ تھا۔ جہاں تک عرب سفارت خانوں کا تعلق ہے ان کا کام پاکستانی پولیس اور ایجنسیوں سے مل کر عرب مجاہدین کا ناطقہ بند کرنے کے سوا کچھ نہ تھا۔

جب حالات کٹھن صورت اختیار کر لیتے تو صخر کا معاملہ مزید پیچیدہ ہو جاتا۔ کیونکہ ان کا حبشی رنگ سارا معاملہ چاک کر کے رکھ دیتا۔ ان کے ہاتھ آسمان کی طرف بلند ہوتے اور لبوں سے بے اختیار دعا نکل جاتی خدایا! افغانستان کی طرح سوڈان اور صومال میں بھی جہاد کا در کھول دے اور مجھے توفیق دے کہ میں ان سیاہ رنگت لوگوں کے ساتھ مل کر جہاد کر سکوں۔ تب میرے عرب بھائی وہاں آئیں تو انھیں بھی وہی صورتِ حال پیش آئے جو اپنی سیاہ رنگت کی وجہ سے مجھے پیش آ رہی ہے! (صخر کی یہ دعا اس حد تک تو پوری ہوئی کہ بعد ازاں صومال وسوڈان دونوں بلادِ اسلامیہ میں محاذ کھل گئے اور وہاں امریکیوں اور مقامی صلیبیوں سے مجاہدین کا سامنا رہا بلکہ صومالیہ تو اب مجاہدین کا مضبوط گڑھ بن چکا ہے۔)

آخر صخر قندھار چلے آئے جہاں وہ موت تک آگ اور خون کے کھیل میں شریک رہے۔ جلال آباد ہوائی اڈے کے قریب شیخ عابد، اسامہ ازکی، سراقہ اور ابو الفضل یمانی ایک کارروائی کے لیے پیش قدمی کر رہے تھے کہ اس دوران صخر کا پاؤں ایک بارودی لُغم سے جا ٹکرایا۔ ایک زوردار دھماکہ ہوا اور عابد شیخ، سراقہ اور صخر تینوں شہید ہو گئے۔ اس حادثے میں ابو الفضل کی ایک ٹانگ بھی شہید ہو گئی۔ صخر اپنے ساتھیوں کے ساتھ حیاتِ جاودانی پا گئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صالحین کی معیت میں اکٹھا کر دیں۔

سعد خالد الخالدی شہید

''یہ واقعہ ان کے لیے معمولی کیونکر ہو سکتا تھا جب کہ سراقہ خود کوئی معمولی انسان نہ تھے۔ وہ قائدانہ صلاحیتوں کے حامل ایک باصفا نوجوان تھے شر خیل کے علاقے کے نگران تھے۔ حال ہی میں ابو عبداللہ اسامہ بن لادن نے انھیں ''خطِ اول عبور کر کے عین معرکہ جہاد میں گھس جانے کی ہدایت دی''

سراقہ (سعد) کا تعلق اس قبیلے سے تھا جس کی شجاعت، بہادری اور مردانگی عربوں کے ہاں ضرب المثل کی حیثیت رکھتی ہے۔ مشرقی علاقے سے تعلق رکھنے والے سعد کے قبیلے کا ہر فرد شاعر کے ان الفاظ کا نمونہ تھا۔

و انی لمن قوم کان نفوسھم
بھا الف ان تسکن اللحم العظما

رمضان ۱۴۰۷ھ میں ماسدہ کے معرکے کے بعد نوجوانوں کے دستے فوج در فوج میدانِ جہاد کی طرف کوچ کرنے لگے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کی بے نظیر کامیابی نے سب کے حوصلے بلند کر دیے تھے۔ سراقہ راہِ جہاد میں آگے بڑھتے چلے گئے۔ وہ اپنے تمام احباب میں نہایت ہر دلعزیز تھے۔ ایک دائمی مسکراہٹ ہر لمحہ ان کے چہرے پر آویزاں رہتی۔

جلال آباد کی سرزمین عرب نوجوانوں کے لہو سے ہر لمحہ سیراب رہتی تھی

اپنی شہادت سے کچھ عرصہ پہلے انھوں نے اپنے ایک دوست حمزہ سے ان کی پگڑی لے لی اور اپنی پگڑی انھیں دیتے ہوئے کہا: ''ہم میں سے جو پہلے شہید ہو گا وہ دوسرے کے لیے اپنی یہ یادگار چھوڑ دے گا''۔

یہ وہ دن تھے جب جلال آباد کی زمین عرب نوجوانوں کے لہو سے ہر لمحہ سیراب رہتی تھی۔ اس واقعے کے تین ہی دن بعد سراقہ سعد قافلہ شہداء کے ہم رکاب ہو گئے۔ ان کی والدہ ہر روز پشاور فون کر کے ان

کی آواز سنی تھیں' آخر ایک روز انھیں سعد کی شہادت کی خبر ملی۔ ان کے لیے یہ خبر غیر معمولی صدمے کا باعث بنی۔ وہ اور ان کے شوہر دونوں غم سے بے ہوش ہو گئے۔ انھیں فوری ہسپتال لے جایا گیا۔

دل تو دل ہی تھا زخم اس نے کھانے ہی تھے
روح لیکن مری پھر بھی شاداں رہی!

شہادت کی خبر نے ان کو ہلا کر رکھ دیا' اگرچہ وہ اس مقام کی بلندی سے بخوبی آگاہ تھے جو شہداء کو حاصل ہے۔ یہ واقعہ ان کے لیے معمولی کیونکر ہو سکتا تھا جب کہ سراقہ خود بھی کوئی معمولی انسان نہ تھے۔ وہ قائدانہ صلاحیتوں کے حامل ایک باصفا نوجوان تھے اور شرخیل کے علاقے کے نگران تھے۔ حال ہی میں شیخ ابو عبداللہ اسامہ بن لادن نے انھیں "خط اول" عبور کر کے عین معرکۂ جہاد میں گھس جانے کی ہدایت دی۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا:

((یا أبابکر، أشم (أغمد) سیفک و متعنا بنفسک))

"اے ابوبکر! اپنی تلوار نیام میں ڈالو اور اپنی جان کو ہمارے سپرد کر دو۔"

شیروں کو کبھی آہنی زنجیریں روک نہیں سکیں۔ یوں سراقہ اپنے نیک انجام سے دوچار ہوتے ہوئے شہداء کے قبرستان کے مکین ہو گئے۔ انھیں صخر صحری اور ابو مسلم صنعانی کے جوار میں دفن کیا گیا۔

خالد بن معلا حربی شہید

"میرے گھر کے دروازے تعزیت کرنے والوں کے لیے بند رہیں گے۔ میں صرف ان کے لیے یہ دروازے کھلے رکھوں گا جو میرے بچے کو حاصل ہونے والی سعادت پر مجھے مبارک باد دیں گے"

ابوالحسن مدنی کا خیمہ ہمیشہ مہمانوں کا مرکز بنا رہتا۔ سردیاں ہوتیں یا گرمیاں لوگ فرداً فرداً بھی اور مع اہل و عیال بھی یہاں آتے رہتے۔ ابوحسن ہی کے گھر پر مجھے اس گندمی رنگت نوجوان سے متعارف ہونے کا موقع ملا۔ یہ نوجوان اور اس کا دوست دونوں اپنی اپنی اہلیہ کے ساتھ شریک جہاد تھے۔ مجھے ابوبدر نے بتایا کہ: "ان کی اہلیہ جامعہ سے فارغ التحصیل ہیں اور وہ شہداء کی یتیم بچیوں کی تعلیم کا فریضہ بخوبی انجام دے سکیں گی"۔ میں نے انھیں دعا دی کہ اللہ تعالیٰ اس معاملے میں ان کے لیے آسانی پیدا فرمائیں۔

فرضِ عین کی انجام دہی کے لیے کسی کی اجازت شرط نہیں

اسی دوران ان کی چھٹیاں ختم ہو گئیں اور وہ 'بترومین' واپس لوٹ گئے مگر اب اس زندگی میں ان کے لیے کوئی لطف باقی نہ رہا۔ جہاد میں واپس آنے کی تڑپ انھیں بے چین کیے رکھتی۔ ان کی جہاد میں شرکت کا مسئلہ گھر میں ایک مستقل بحث کی صورت اختیار کر گیا۔

انہی دنوں مجھے مسجد شعیبی میں ایک بیان کرنے کا اتفاق ہوا۔ بیان کے بعد خالد (ابوبدر) کا ہاتھ تھامے ایک بزرگ میرے پاس آئے اور لوگوں کے سامنے مجھ سے پوچھنے لگے: "میرا یہ بیٹا اپنی دونوں بیٹیوں' اہلیہ اور مجھے چھوڑ کر جہاد پر جانا چاہتا ہے۔ حالانکہ میں اسے اس کی اجازت نہیں دے رہا ہوں۔ آپ بتائیے کہ شریعت اس مسئلے کے بارے میں کیا کہتی ہے؟"۔ میں نے جواب دیا: "فرضِ عین کی انجام دہی کے لیے کسی کی اجازت شرط نہیں ہے۔ آپ شریعت کی رو سے اپنے بیٹے کو جہاد سے باز نہیں رکھ سکتے۔ اور آج افغانستان میں جہاد فرضِ عین کی حیثیت اختیار کر چکا ہے"۔ ان کے والد کہنے لگے: "اگر اسلام کا اس بارے میں یہی حکم ہے تو پھر میں اس معاملے میں خاموشی اختیار کرتا ہوں"۔

کابل کی فتح یا شہادت کے بغیر واپسی کے راستے بند ہیں

ابوبدر دوبارہ میدان میں پلٹے' تاسیسی تربیت حاصل کی اور ہمارے ساتھ کارروائیوں میں باقاعدہ شریک ہونے لگے۔ وہ ایک چھتیس سالہ پختہ ذہن رکھنے والے جوان تھے۔ ہم نے انھیں بیت الضیافہ (مہمان خانے) میں نئے آنے والے نوجوانوں کی نگرانی پر مامور کر دیا۔ اب ان کے ذمہ نئے مجاہدین کی تیاری اور انھیں دستوں کی صورت میں منظم کرنا تھا۔

اب آئے دن ان کی والدہ' اہلیہ اور گھر والوں کے فون آنا شروع ہو گئے' جن میں وہ مطالبہ کرتے کہ میں انھیں واپس بھجوا دوں۔ میں جب بھی اس سلسلے میں ابوبدر سے گفتگو کرتا تو وہ جواب دیتے: "کابل کی فتح یا شہادت کی منزل سر کیے بغیر واپسی ناممکن ہے"۔ کچھ دنوں بعد کی بات ہے کہ مولوی محمد فاروق کی قیادت میں افغانوں کے ایک بڑے دستے کے ساتھ چھ عرب نوجوان جلال آباد کی کارروائی میں شریک ہوئے تو ان میں ابوبدر بھی شامل تھے۔ ان مجاہدوں نے دشمن کے چھ ٹینک شکار کر لیے۔ جب کارروائی عروج پر تھی تو مخالف سمت سے آنے والے میزائل نے انھیں اور ابودرداء دونوں کو اپنا نشانہ بنا لیا۔ ابودرداء فوراً ہی شہید ہو گئے جب کہ یہ زخموں سے چُور چُور واپس لوٹے۔

خوشبو اُن کی یاد رہے گی

ابو عائشہ لبنانی نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر انھیں اپنے کندھے پر اٹھا لیا۔ زخموں سے چور ابوبدر نے پانی مانگا۔ ابو عائشہ نے انھیں صبر کی تلقین کرتے ہوئے کہا کہ بس ابھی چند لمحوں میں ہم پانی کی نہر تک پہنچنے والے ہیں۔ اسی دوران خوش کن ہوا کا ایک جھونکا آیا اور ان کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ سنن ابن ماجہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث وارد ہے کہ فرشتے میت کے پاس آتے ہیں' پس اگر وہ نیک شخص ہو تو کہتے ہیں:

((اُخْرُجِي أَيَّتُهَا النَّفْسُ الطَّيِّبَةُ كَانَتْ فِي الْجَسَدِ الطَّيِّبِ، اُخْرُجِي حَمِيدَةً، وَأَبْشِرِي بِرَوْحٍ، وَرَيْحَانٍ وَرَبٍّ غَيْرِ غَضْبَانَ...)) (رواه ابن ماجة، أبواب الزهد، باب ذكر الموت والاستعداد له)

"نکل آ اے پاک جان! جو پاک بدن میں تھی تو نیک ہے اور خوش ہو جا اللہ کی رحمت اور خوش بو سے

اور ایسے مالک سے جو تیرے اوپر غصے نہیں ہے"۔

شاید یہی وجہ ہے کہ پاکیزہ خوشبو کے جھونکے کو روح کے نکل جانے کی علامت قرار دیا جاتا ہے۔ ابو عائشہ کہتے ہیں اس کے بعد دوبارہ مجھے ایسی ہی خوشبو کے دل فریب جھونکے کا احساس ہوا اور میں شہید کی نعش لیے "بیت الضیافہ" پہنچ گیا۔

ان کی نعش جس کمرے میں رکھی گئی اس کی کھڑکی کے پاس سو کے قریب عرب نوجوان کھڑے تھے جن میں سے ہر ایک اس خوشبو کی گواہی دے رہا تھا۔ ابوابراہیم عراقی نے ان کے لہو کو اپنے ہاتھ پر رکھا اور اپنی اہلیہ سے اسے سونگھنے کا مطالبہ کیا۔ ان کی اہلیہ نے اسے سونگھ کر دل فریب اور خوش کن خوشبو کی تصدیق کی۔

۲۱ مارچ ۱۹۸۹ء کو شہداء کے قبرستان کی طرف جانے والے جنازے میں میں شامل تھا۔ میں نے اپنے ہاتھوں سے میت کو لحد میں اتارا۔ ان کے چہرے سے اس وقت روشن' تابناک کرنیں پھوٹ رہی تھیں' حالانکہ ان کا رنگ تیز گندمی تھا۔ ہم لوگ واپس لوٹ آئے لیکن ان کی چادر پر رہ جانے والے خون کے دھبوں سے کئی روز تک خوشبو پھوٹتی رہی۔ اس کے چند روز بعد مجھے ریاض میں ایک بیان کرنے کا اتفاق ہوا۔ میں اپنے ہمراہ ابوبدر کی چادر بھی لے گیا' بیان میں شریک حاضرین کو بھی اس کی خوشبو سونگھنے کا شرف حاصل ہوا۔

میں اللہ سے امید کرتا ہوں کہ وہ ہمیں جنت الفردوس میں اکٹھا فرما دیں گے۔ میں نے ان کے اہل خانہ اور ان کے والد کو فون کیا' ان کے لیے یہ صدمہ بڑا جانکاہ تھا مگر انھوں نے کمال حوصلے کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس عزم کا اظہار کیا کہ: "میرے گھر کے دروازے تعزیت کرنے والوں کے لیے بند رہیں گے' میں صرف ان کے لیے یہ دروازے کھلے رکھوں گا جو میرے بچے کو حاصل ہونے والی سعادت پر مجھے مبارک باد دیں گے"۔

اللہ تعالیٰ شہید کو اپنی رحمت میں ڈھانپ لیں' ان کی اہلیہ اور بچوں پر اپنی خاص نظر کرم فرمائیں' انھیں اس آزمائش کا بہترین صلہ عطا فرمائیں اور ان کی اہلیہ کو اس آزمائش کا نعم البدل فراہم کریں۔ جیسا کہ ہمیں حضرت ام سلمہ کی حدیث سے رہنمائی ملتی ہے: "اللهم اخلف لي خيرا منها

ابوالدرداء اسماعیل عبداللہ شہید

"ان کے قدم معرکۂ کفرو اسلام سے کیسے پلٹائے جاسکتے ہیں جب کہ حضور نبی ء اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "قتال فی سبیل اللہ کے لیے صف میں ایک گھڑی کھڑے ہونا (نماز کے لئے) ساٹھ سال قیام کرنے سے افضل ہے"

تبكي على الانصل الغمود اذا
انـذرهـا انـه يـجـردهـا
لـعـلـمـهـا انـهـا تـصـير دمـا
وانـه فـي الـرقـاب يـغـمـدهـا
اطـلـقـهـا فـالـعـدو من جـزع
يـذمـهـا والـصـديق يـحـمـدهـا
تـنـقـدح الـنـار من مـضـاربـهـا
وصـب مـاء الـرقـاب يـخـمـدهـا
اذا اضـل الـهـمـام مـهـتـجـه
يـومـاً فـاطـر الـفـهـن تـنـشـدهـا

ابی طیب کے یہ اشعار ان نوجوانوں پر صادق آتے ہیں جو اپنی جانیں ہتھیلی پر لیے موت کی تلاش میں نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ جن کی منزل شہادت اور رب سے ملاقات ہوتی ہے۔ جنگ کی ہولناکی ان کے قدم نہیں روکتی بلکہ ان کی رفتار کے لیے مہمیز کا کام دیتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا:

((عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ اَنَّ رَجُلاً قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! ائْذَنْ لِي بِالسِّيَاحَةِ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((إِنَّ سِيَاحَةَ أُمَّتِي الْجِهَادُ فِي سَبِيْلِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ)) (رواه أبو داؤد، كتاب الجهاد، باب في النهي عن السياحة)

"حضرت ابو اُمامہؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا: "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے

سیاحت کی اجازت عطا فرمائیے"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میری اُمت کی سیاحت اللہ کے راستے میں جہاد ہے"۔

ان کے قدم ارض جہاد سے کیسے پلٹائے جاسکتے ہیں جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے:

((قِيَامُ سَاعَةٍ فِي الصَّفِّ لِلْقِتَالِ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ خَيْرٌ مِنْ قِيَامِ سِتِّيْنَ سَنَةً))

((رواه ابن عدي و ابن عساكر عن ابي هريرةؓ، وهو في صحيح الجامع برقم (۴۴۲۹))

"قتال فی سبیل اللہ کے لیے صف میں ایک گھڑی کھڑے ہونا (نماز کے لئے) ساٹھ سال قیام کرنے سے افضل ہے"

ابو درداء نے وصیت کر رکھی تھی: "مجھے اپنی شہادت کی جگہ پر ہی مسنون طریقے سے دفن کر دیا جائے"۔

انھوں نے ثانوی درجے تک تعلیم حاصل کر رکھی تھی اور اکثر کہا کرتے تھے کہ یونیورسٹی کی تعلیم کا مرحلہ جہاد کے بعد آئے گا۔ ان کی شہادت ۱۳ شعبان ۱۴۰۹ ہجری بمطابق ۲۰ مارچ ۱۹۸۹ء کو (بوقت ظہر) ابو بدر حزبی شہید کے ساتھ ہوئی۔

رضوان ابراہیم حموی شہید

''میں نے دیکھا ہے کہ تبلیغی جماعت میں سے جو لوگ بھی راہِ جہاد کی طرف آگے بڑھے ان کا کردار، حُسنِ سلوک، اخلاص اور ادب کا بہترین نمونہ ہے جو دلوں پر گہرے نقوش چھوڑ کر رہتا ہے۔ بحث و تمحیص سے انھیں دور کا بھی واسطہ نہیں اور ان کے دل جہاد کی پکار سن لینے کے بعد اس پر لبیک کہنے میں تامل نہیں کرتے۔ حقیقت یہ ہے کہ میں تبلیغی جماعت کی بہت سی خوبیوں کا بے حد معترف ہوں''

تبلیغی جماعت میں سے بہت کم ہیں جنھوں نے جہاد کی پکار پر لبیک کہا ہو۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ ان میں سے جو بھی راہِ جہاد کی طرف آگے بڑھے اللہ نے انھیں اُمت کے لیے خیر و نفع کا ذریعہ بنایا۔ ان کی نمایاں پہچان ادب و احترام کی خو، امیر کی والہانہ اطاعت، موت کی طرف نڈر ہو کر پیش قدمی، پاکیزگی و عفت، زہد و تواضع، گہری بامعنی خاموشی اور موثر پیرائے میں کی جانے والی گفتگو قرار پائی۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ان مخلص اہلِ ایمان کو جہاد کی طرف مزید پیش قدمی کی توفیق عنایت فرمائیں۔

میں تبلیغی جماعت کی بہت سی خوبیوں کا بے حد معترف ہوں

میں نے دیکھا ہے کہ ان کا کردار، حسن سلوک، اخلاص اور ادب کا بہترین نمونہ ہے، جو دلوں پر اپنے گہرے نقوش چھوڑ کر رہتا ہے۔ ہم اللہ کے مقابلے میں کسی کی صفائی پیش نہیں کرتے مگر ہمارا گمان ان بھائیوں کے بارے میں ایسا ہی ہے۔ جھگڑنا یہ جانتے ہی نہیں اور بحث و تمحیص سے انھیں دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ ان کے دل جہاد کی پکار سن لینے کے بعد اس پر لبیک کہنے میں تامل نہیں کرتے۔ حقیقت یہ ہے کہ میں تبلیغی جماعت کی بہت سی خوبیوں کا بے حد معترف ہوں۔ ہم اللہ سے امید کرتے ہیں کہ وہ انھیں بعض چھوٹی موٹی کمزوریوں اور خامیوں کا سدِّ باب کرنے کی توفیق دے۔ ہم اپنے ربّ سے یہ بھی دعا کرتے ہیں کہ وہ ان کے بڑے بڑے مجموعوں کو میدانِ جہاد کے شہسوار بنا کر معرکوں میں بھیج دیں۔

ہمارے اس شہید کا تعلق بھی تبلیغی جماعت سے تھا۔ اپنے گھر میں ان کے شب و روز ایمان و یقین کا

قابلِ تقلید نمونہ تھے۔ ان کا کوئی بیٹا، بیٹی بیمار پڑ جاتا تو وہ شہد لے آتے اور کہتے: ''یہی اس کا علاج ہے''۔ ان کا پڑوسی ابن رواحہ انھیں کہتا: ''اسے آپ طبیب کے پاس لے جایئے''۔ وہ جواب میں انھیں شہد کے شفا ہونے سے متعلق آیاتِ قرآنی اور احادیث سناتے ہوئے کہتے:

﴿فیه شفاء للناس﴾ ''اس میں لوگوں کے لیے شفا ہے''۔ وہ دیگر بیماریوں کے لیے بھی شہد، قرآن مجید اور مسنون دعاؤں کا سہارا لیتے۔

مرشد نے بخوشی اجازت دے دی

رضوان (ابو حسام) ۱۹۵۷ء میں پیدا ہوئے۔ ان کی جائے پیدائش (سوریہ) شام کا مشہور شہر ''خان سجون'' تھا۔ وہ اپنی زندگی میں بارہا موت کے منہ سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوئے۔ ۱۹۸۲ء میں جب عیسائیوں نے حماۃ کا گھیراؤ کیا اور بچوں، بوڑھوں، عورتوں اور مردوں کو گاجر مولی کی طرح ذبح کر کے رکھ دیا تو اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر ان کی زندگی بچائی۔ یاد رہے کہ اس حادثے میں چالیس ہزار جانیں تلف ہوگئی تھیں۔

وہ نو برس تک اردن میں تبلیغی جماعت کے ساتھ خدمات انجام دیتے رہے۔ پھر انھوں نے اپنے مرشد سے جہاد میں شمولیت کی اجازت چاہی۔ مرشد نے انھیں بخوشی اجازت دے دی۔ اس کے بعد ابو حسام نے ایک عرصہ تک افغانستان میں مجاہدین کی تربیت اور صحت کے منصوبے پر کام کیا۔ وہ تین برس تک غزنی میں اسی نوعیت کی سرگرمیاں انجام دیتے رہے، پھر ''بنیانِ مرصوص'' سے منسلک ہو گئے۔ اور رسالے میں خطاطی اور نامہ نگاری کی خدمات انجام دیں۔ انھوں نے بارہا اس حال میں خطاطی کی کہ کلاشنکوف ان کے کندھے سے لٹک رہی ہوتی تھی۔

میرے بیوی بچے یہیں سرزمینِ جہاد میں رہائش رکھیں

۱۲ مارچ ۱۹۸۹ء میں وہ شیخ تمیم عدنانی کے ساتھ جلال آباد کے میدان میں اترے۔ انھوں نے کمیونسٹوں کے ایک مورچے پر ہونے والے تعارض میں حصہ لیا۔ اللہ کے فضل و کرم سے کارروائی کامیاب رہی مگر ابو حسام کا وقت آن پہنچا تھا۔ گولی ان کے جگر کے پار ہوئی اور ان کی تمنائے شہادت قبولیت سے ہمکنار ہوئی۔ نعش کا دیدار کرنے والے گواہی دیتے ہیں کہ اس سے خوشبو کے جھونکے اٹھ

رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ انھیں اپنی رحمت سے ڈھانپ لے۔ وہ پس ماندگان میں اہلیہ اور سات بچوں کو چھوڑ گئے ہیں۔ انھوں نے اپنے اہل خانہ کے بارے میں وصیت کرتے ہوئے کہا: ''میرے بیوی بچوں کو واپس شام نہ بھیجا جائے' بلکہ وہ یہیں ارض جہاد میں رہائش رکھیں''۔

اللہ کا شکر ہے کہ ان کو قتل کرنے والے کیمونسٹ کو مجاہدین نے قید کر لیا اور اب تک وہ اپنے انجام کو بھی پہنچ چکا ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ان کے سب سے بڑے بیٹے بارہ سالہ حسام کو اپنے والد کے نصب العین کا وارث اور ان کے لیے صدقۂ جاریہ کا باعث بنا دے۔ حسام خدا کے فضل سے قرآن مجید کے بیس پارے حفظ کر چکا ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو صالحین کی معیت میں اکٹھا فرما دیں۔

محمد عبداللہ راشد زاہد' عرب امارات کا پہلا شہید

''اسی اثناء میں انھیں ایک روسی کیمونسٹ نظر آیا۔ انھوں نے فوراً اسے دبوچ لیا اور فرطِ انبساط سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث دہرانے لگے: '' لَا یجتمِعُ کافِرٌ وَ قاتِلُہٗ فِی النَّارِ اَبَدًا''

''اگر میں آپ لوگوں کی طرف واپس لوٹ گیا تو پھر میرے ساتھ جو چاہے سلوک کیجیے گا''۔ عبداللہ (عبدالرحمٰن) اماراتی کا یہ جواب اس شخص کو تھا جو انھیں واپس امارات لے جانے کے لیے سر توڑ کوشش کر رہا تھا۔ یاد رہے کہ وہ امارات کی فوج میں تعینات تھے۔ انھوں نے فوج کی بیڑیوں اور زنجیروں کو اتار پھینکا اور ارضِ جہاد میں پہنچ گئے تا کہ فوج میں سیکھے گئے برسوں کے سبق کا عملی مظاہرہ کر سکیں۔ وہ بخوبی جان گئے تھے کہ عالمِ اسلام کی فوجیں روزمرہ کی کارروائیوں سے بڑھ کر کچھ کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتیں۔ ان کی عملی مشقوں میں خانہ پوری کے چند امور' بیرونی و مقامی عہدے داروں اور اونچے مناصب کی حامل شخصیتوں کے استقبال اور الوداعی مراسم کے سوا کچھ شامل نہیں۔ رہا معاملہ جہاد کا جو ایک فوج کی اصل منزل ہے اس کا تو نہ انھوں نے کبھی مزہ چکھا اور نہ کبھی خواب ہی دیکھا۔

بھائی! ذرا بچ کر... کہیں آپ کو کوئی گولی نہ لگ جائے

روس کی سرحدی پٹی تک پہنچ کر انھوں نے بلخ' جوزجان اور فاریاب کے معرکوں میں شرکت کی۔ شمال میں وہ آٹھ ماہ تک خدمات انجام دیتے رہے۔ غزنی' قندھار اور افغانستان کا ہر صوبہ ان کی یادیں اپنی فضاؤں میں بسائے ہوئے ہے۔

یہ پیر ۱۲ رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ بمطابق ۱۷ اپریل ۱۹۸۹ء کی بات ہے۔ ہم جلال آباد کے ہوائی اڈے کے قریب ایک کارروائی کی تیاری میں مصروف تھے۔ اسی دوران صبح صبح گولیوں کی گرج سنائی دی۔ میں نے پوچھا: ''یہ آوازیں کیسی ہیں؟'' بتایا گیا یہ غازی ہیں جنھوں نے ہوائی اڈے پر حملہ کیا ہے۔ پورا علاقہ جنگی جہازوں کی خوف ناک آوازوں سے گونج رہا تھا۔ کیمونسٹ فوجی اب کی بار نو (۹) ٹن وزنی جنگی

جہاز استعمال کر رہے تھے جو آسمان میں ہر طرف اُڑتے نظر آ رہے تھے۔

عبدالرحمن اُن شیر دل سپوتوں میں شامل تھے جنھوں نے یہ کارروائی کی۔ اسی اثناء میں انھیں ایک روسی کیمونسٹ نظر آیا انھوں نے فوراً اسے دبوچ لیا اور فرطِ انبساط سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث دہرانے لگے:

((لَا یَجْتَمِعُ کَافِرٌ وَ قَاتِلُهُ فِي النَّارِ أَبَداً)) (رواہ مسلم، کتاب الإمارة، باب من قتل كافرًا ثم سدّد)

''کافر اور اس کا قاتل کبھی بھی جہنم کی آگ میں اکٹھے نہ ہونے پائیں گے''۔

ایک افغانی بھائی نے انھیں بیٹھنے کی تلقین کرتے ہوئے کہا: ''بھائی! ذرا بچ کر... کہیں آپ کو کوئی گولی نہ لگ جائے''۔ اب تک روسی کا کام تمام ہو چکا تھا۔ اپنے افغانی بھائی کی تلقین سن کر وہ فوراً بیٹھ گئے مگر اس حال میں بھی وہ دشمن کے لئے گھات لگائے ہوئے تھے۔ اُدھر پانچ سرخ روسی ایک ٹیلے کی اوٹ میں بیٹھے تھے۔ افغانی بھائی اپنی جگہ ساکت کھڑے تھے کہ عبدالرحمن نے ان میں سے ایک کے ہاتھ سے دستی بم لیا اور شیر کی طرح جھپٹتے ہوئے ان پر پھینک دیا۔ ٹیلے سے کچھ فاصلے پر موجود دو اور روسی آگے بڑھے اور ان میں سے ایک نے اپنی پستول کا رخ ان کی طرف کر دیا۔ یکے بعد دیگرے سات آٹھ گولیاں ان کے سینے میں پیوست ہو گئیں اور وہ شہادت کا تمغہ سر پر سجائے ربّ کے حضور جا پہنچے۔

فلسنا على الاعقاب تدمى كلومنا

ولكن علىٰ اقدامنا ينزف الدم

اللہ سے دعا ہے کہ وہ اپنی رحمت ان پر سایہ فگن کر لے۔ مجھے اپنے اس بھائی سے پہلی ملاقات یاد ہے۔ یہ رمضان کے ابتدائی دنوں کی بات ہے جب وہ اپنے چچازاد بھائی کے ساتھ دوبئی سے پشاور اور پھر وہاں سے جلال آباد کے محاذ پر پہنچے تھے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ایک دفعہ پھر ہمیں فردوس بریں میں اکٹھا فرما دیں۔

عبداللہ عزم اللہ شہید

''میں نے عوض کے والد سے کہا: ''آپ کے لیے یہ بڑی سعادت کی بات ہے کہ آپ کا ایک بیٹا روزِ حشر میں حوضِ کوثر پر آپ کا منتظر ہوگا ان شاء اللہ''

فون کی گھنٹی بجی تو ایک بچی کی آواز سماعت سے ٹکرائی' وہ مجھ سے عبداللہ کی شہادت کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔ میں نے پوچھا: ''آپ کون ہیں؟''

بولیں: ''میں اُن کی بہن ہوں' میرے والد صاحب آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں''۔

میں اس سعادت پر اپنے ربّ کا شکر گزار ہوں

میں نے ان سے کہا: ''آپ کے لیے یہ بڑی خوش نصیبی کی بات ہے کہ آپ کا ایک بیٹا روزِ حشر میں حوضِ کوثر پر آپ کا منتظر ہوگا اور آپ کے اہلِ خانہ میں سے ستر افراد کے حق میں اس کی سفارش قبول کی جائے گی' ان شاء اللہ۔ میری اللہ سے دعا ہے کہ وہ اس نوجوان کی شہادت کو قبولیت عطا فرمائیں''۔ اس کے بعد میں نے ان کے والدِ محترم کو یہ حدیث سنائی:

((لِلشَّهِيدِ عِنْدَ اللّٰهِ سِتُّ خِصَالٍ: يُغْفَرُ لَهُ فِي أَوَّلِ دَفْعَةٍ، وَيَرَى مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ، وَيُجَارُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَيَأْمَنُ مِنَ الْفَزَعِ الْأَكْبَرِ، وَيُوضَعُ عَلَى رَأْسِهِ تَاجُ الْوَقَارِ، الْيَاقُوتَةُ مِنْهَا خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا، وَيُزَوَّجُ اثْنَتَيْنِ وَسَبْعِينَ زَوْجَةً مِنَ الْحُورِ الْعِينِ وَيُشَفَّعُ فِي سَبْعِينَ مِنْ أَقَارِبِهِ)) (سنن الترمذي' أبواب فضائل الجهاد)

''اللہ تعالیٰ کے ہاں شہید کے لیے چھ انعامات ہیں: خون کا پہلا قطرہ گرتے ہی اس کی بخشش ہو جاتی ہے' اور وہ جنت میں اپنا ٹھکانہ دیکھ لیتا ہے' اسے عذابِ قبر سے محفوظ رکھا جاتا ہے اور قیامت کے دن کی بھیانک وحشت سے مامون کر دیا جاتا ہے' اس کے سر پر ایسے یاقوت سے جڑا ہوا وقار کا تاج رکھا جاتا ہے' جو دنیا اور اس میں موجود ہر چیز سے بہتر

ہے تو بہتر حوروں میں سے اس کی شادی کر دی جاتی ہے اور اس کے ستر رشتے داروں کے معاملے میں اس کی سفارش قبول کی جاتی ہے۔"

جواب میں ان کے والد کہنے لگے: "میں اس سعادت پر اپنے رب کا شکر گزار ہوں"۔

آج سے تین سال قبل ستائیس برس کی عمر میں عبداللہ نے اپنے رب کے راستے کی طرف رجوع کیا۔ وہ چار بھائیوں اور تین بہنوں کی محبت میں ایک متوسط گھرانے میں پلے بڑھے۔ ان کا تعلق بنی مالک سے تھا۔ مگر کئی برس وہ طائف میں اپنے خاندان کے ساتھ سکونت پذیر رہے۔ یمیں ان کے والد کی دکان تھی۔ انھوں نے بھی عملی زندگی کا آغاز والد کے ساتھ رزقِ حلال کمانے سے کیا۔ کئی برس تک مکہ اور ریاض کے مابین ان کے تجارتی اسفار ہوتے رہے۔ شہید عبداللہ نفلی روزوں کا خاص اہتمام کرتے۔ جلال آباد میں ان کی شہادت دشمن کے ایک میزائل سے ہوئی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کی روح شہداء کے جھرمٹ میں سبز پرندوں کا لباس زیب تن کیے، جنت کے سبزہ زاروں میں سیر کرتی پھرے۔ اور واپس آ کر رحمان کے عرش کے نیچے آویزاں قندیل میں براجمان ہو جایا کرے۔ آمین۔

ابو سہل مکی شہید

"وہ مکہ مکرمہ کی طرف واپس لوٹنے کا سوچنے لگے مگر یہ اتنا آسان نہیں تھا کہ وہ رمضان المبارک کے معرکوں پر حذیفی، سدیس اور علی جابر کی آوازوں میں تلاوت سننے کو ترجیح دیتے۔ اب ان کے لیے گولوں کی گھن گرج اور طیارہ شکن توپوں کی آوازوں میں جو کشش تھی اس کا متبادل کہیں اور نہیں مل سکتا تھا"

اُم القریٰ میں مسجد الحرام کے نزدیک ہی ابراہیم کی جائے پیدائش ہے۔ انھوں نے بچپن اور لڑکپن کے دن مکہ مکرمہ کے نوخیزوں کے ساتھ ہنستے کھیلتے گزار دیے۔ ابھی وہ جوانی کی حدود میں قدم رکھ ہی پائے تھے کہ کسی مُنادی کی پکار نے ان کا دل دنیا کی محفلوں سے اچاٹ کر دیا۔ سونے چاندی کے ان دیکھے محلات انھیں زندگی کی ظاہری رونقوں سے بے نیاز کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

افغانستان میں انھوں نے اپنی جہادی زندگی کا آغاز کیا۔ پہلے قندھار کا رخ کیا، چار ماہ تک وہ قاری عبدالعزیز سے اسلحے کی تربیت لیتے رہے، پھر پشاور آ گئے۔ اسی دوران والدین کی یاد نے انھیں بے چین کر کے رکھ دیا اور وہ مکہ مکرمہ کی طرف واپس لوٹنے کا سوچنے لگے، مگر یہ اتنا آسان نہ تھا کہ رمضان المبارک کے معرکوں پر وہ حذیفی، سدیس اور علی جابر کی آوازوں میں تلاوت سننے کو ترجیح دیتے۔ اب ان کے لیے گولوں کی گھن گرج اور طیارہ شکن توپوں کی آوازوں میں جو کشش تھی اس کا متبادل کہیں اور نہیں مل سکتا تھا۔ انھوں نے ساری سوچیں بالائے طاق رکھ کر جلال آباد کے معرکے میں شرکت کا پکا ارادہ کر لیا۔

وَحَسُنَ اُولٰئِکَ رَفِیْقًا

وہ میدان جس کی زمین دنیا کے کونے کونے سے آئے مسلم جوانوں کے خون سے سیراب ہو رہی تھی، وہیں ابراہیم اپنے خیمے میں بیٹھے قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف تھے۔ آسمان پر جدید ترین جنگی جہاز منڈلا رہے تھے۔ ایک جہاز نے میزائل پھینکا جس کا پارچہ ابراہیم کے چہرے کی دھجیاں اڑا لے گیا۔ ہم اللہ سے دعا گو ہیں کہ وہ ابراہیم کو اپنے جدِ امجد ابو الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی روح سے ملا دے، وہاں

...... جہاں انبیاء، صدیقین اور شہداء و صالحین کی معیت ان کے نصیب میں ہو۔ کیا ہی اچھے ہیں یہ رفقاء! طورخم میں واقع شہداء کے قبرستان میں یہ جوان آج اپنے شہید ساتھیوں عبداللہ نجمی اور علی عبدالفتاح کے پڑوس میں ابدی نیند سو رہا ہے۔

مجاہد بریک شہید

"صبح سویرے ابو عبداللہ عبدالفتاح کے دستے میں شمولیت اختیار کرنے چل پڑے۔ عبدالفتاح کے ذمے مجاہدین کی اصلاح اور ان کے اخلاق و سیرت کی تعمیر کی ذمہ داری تھی"

آج سے چھے برس قبل الجزائر کے اس جوانِ رعنا نے اپنے وطن کو خیر باد کہا، کچھ عرصہ شام میں رہائش رکھی اور اس کے بعد حرمین کی زمین کو اپنا مسکن بنالیا۔ مگر جلد ہی انھیں یہ احساس ہوا کہ یہ زندگی جس میں تمام تر دوڑ دھوپ کا مقصد روٹی کے چند نوالوں اور عمدہ لباس تک محدود ہے، ان کے لیے بے کیف و بے لذت ہے۔ جہاد کی ندا جب ان کی سماعت سے ٹکرائی تو ان کے لیے نرم گرم بستر پر نیند پوری کرنا محال ہوگیا۔ ضمیر کی چبھن انھیں بے سکون کر چھوڑتی۔ بالآخر فرض پر لبیک کہتے ہوئے انھوں نے تمام زنجیروں کو توڑ کر معرکوں میں شرکت کا فیصلہ کرلیا۔

مجاہد بریک (ابو عبداللہ) سے میری سے ملاقات ابوالحسن بصری کی قیادت میں آنے والے عرب نوجوانوں کے ایک دستے کے ساتھ ہوئی۔ یہ سب احمد شاہ کے ساتھ سوال و جواب کی نشست کی غرض سے 'فرخار' آئے تھے، یہ نشست بڑی سیر حاصل رہی۔ وہ رات ہم نے 'فرخار' کے تعلیمی مرکز ہی میں بسر کی اور صبح سویرے اس دستے کو خیر باد کہا۔ ابو عبداللہ جزائری سے اس دنیا میں یہ میری پہلی اور آخری ملاقات تھی۔

یہ سب لوگ عبدالفتاح کے مجموعے میں شمولیت اختیار کرنے چل دیے، جن پر مجاہدین کی اصلاح اور ان کے اخلاق و سیرت کی تعمیر کی ذمہ داری تھی۔ عبدالفتاح کا مرکز دشمن کی نظر میں بری طرح کھٹک رہا تھا۔ کوئی دن ایسا نہ گزرتا جب اس پر دشمن کسی نہ کسی طرح سے یلغار نہ کرتا ہو۔ ایک دن کفار کے ایک میزائل نے ابو عبداللہ کو قافلہ شہداء کا راہی بنا دیا۔ ان کے ہمراہ موجود ساتھیوں نے بڑھ کر ان کی جان بچانے کی کوشش کی مگر بے حاصل۔ بے شک موت کا وقت اٹل ہوتا ہے۔

ماجد عبدالعزیز مغربی شہید

"ماجد کی بے پناہ خوبیوں میں سے ایک اہم خوبی جذبۂ ایثار کی فراوانی تھی۔ بھلا وہ جو سر ہتھیلی پر لیے اپنے خون تک کا نذرانہ پیش کرنے چلے ہوں وہ کسی دوسری چیز کے لئے کیا بخل کریں گے؟"

ماجد نے زندگی کے جو لمحات اہلِ خانہ، بہن بھائیوں اور محبت کرنے والے احباب کے درمیان بسر کیے...... وہ انھیں اُن شیر دل جوانوں کے نقوشِ پا کی پیروی سے روک نہ سکے جو اپنے لہو سے تاریخ کے دھارے کا رخ موڑ دینے کا عزم رکھتے ہیں۔ مکہ مکرمہ کی رہائش بھی اس دلِ مضطر کی تشنگی دور کرنے کا سامان نہ کر سکی۔ وہ 'بغلان' اور 'پروان' کے کہساروں سے آنے والی خبریں سنتے تو ان کا دل اپنے ان بھائیوں سے ملنے اور آگ اور خون کی بارش میں کلمہ حق کا علم بلند کرنے کے لیے بے قرار ہو جاتا۔ یہی تڑپ انھیں شہادت کی منزل کی طرف لے چلی۔

ماجد ایک قائد اور رہنما جیسی صفات لے کر اس دنیا میں آئے تھے۔ انھوں نے جونہی میدانِ جہاد میں قدم رکھا جہاں دیدہ نگاہوں نے انھیں فوراً 'مانی کانداو' کی قیادت سونپ دی۔ ان کے اہلِ خانہ نے آخری ملاقات میں انھیں دنیاوی آسائشوں کے بہتیرے خواب دکھائے مگر ان کا طرزِ عمل کچھ ایسی کیفیت کا مظہر تھا: 'یا قوم انتم في واد ونحن في واد' اے میری قوم! تم کس دنیا میں ہو اور ہم کس دنیا میں؟

اور وہ اپنی جانوں پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں

اُن کی بے پناہ خوبیوں میں سے ایک جذبۂ ایثار کی فراوانی تھی۔ درحقیقت یہ وہ صفت ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو بڑی فیاضی سے نوازا ہے۔ بھلا وہ، جو سر ہتھیلی پر لیے اپنے خون تک کا نذرانہ پیش کرنے چلے ہوں، وہ کسی دوسری چیز کے لیے کیا بخل کریں گے؟ ایک دفعہ انھوں نے دشمنوں کے خلاف ایک تعارض کی منصوبہ بندی کی اور مخابرے کے ذریعے جنگ کی صورتِ حال کے بارے میں اطمینان حاصل کیا۔ مجاہدین ان سے معرکے کے بارے میں محوِ گفتگو تھے۔ یہ کارروائی 'مانی کانداو' میں جاری تھی۔

ان کے پاس بیاسی م۔م توپ تھی۔ انھوں نے توپ میں گولہ رکھا اور لبلبی دبانے کے لیے اپنا ہاتھ باہر نکالا ہی تھا کہ دشمن کی طرف سے آنے والی ایک گولی ان کے ہاتھ پر لگی۔ اس وقت ان لوگوں کے پاس صرف ایک خچر کی سواری تھی۔ ایک دوست نے انھیں سوار ہونے کی پیشکش کی مگر انھوں نے صاف انکار کر دیا اور وہاں پر موجود ایک اور زخمی کو خچر پر سوار کر دیا۔ پھر خود دو گھنٹے مسلسل چلنے کے بعد مجاہدین کے مرکز واپس پہنچے۔

﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (الحشر: ۹)

"اور وہ اپنی جانوں پر (مہاجرین کو) ترجیح دیتے ہیں اگرچہ (خود) اُن پر فاقہ ہو اور جو اپنے نفس کے لالچ سے بچایا جائے پس وہی لوگ کامیاب ہیں"۔

یکم شعبان ۱۴۰۹ھ بمطابق ۸ مارچ ۱۹۸۹ء کا دن مسلمانوں کے لیے فتح و نصرت کی کھلی خوشخبریاں لے کر آیا۔ مگر یہی وہ دن تھا جب 'ثمر خیل' کے قریب جلال آباد کی برفاب چوٹیاں ماجد عبدالعزیز کے خون سے سرخ ہو گئیں۔ ان کے ساتھ ابو یونس سعودی، ابو طارق یمانی، منیر مدنی اور ہدایت اللہ کردی بھی تھے۔ ان میں سے ہر ایک نے گواہی دی کہ شہید کے خون سے خوشبو کی لپٹیں اُٹھ رہی تھیں اور ان کا چہرہ نورِ ایمان سے جگمگا رہا تھا۔ وہیں عربوں کے مرکز میں شہید آسودۂ خواب ہو گئے، مگر ان کا ذکر قیامت تک جاوداں رہے گا، ان شاء اللہ۔

عبدالمالک جزائری شہید

"میں نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے مصافحہ فرمایا اور پھر دریافت کرنے لگے: "عکرمہ! کیا تمھیں شہادت کی خواہش ہے؟"

الجزائر کے علمی گھرانے میں جنم لینے والے اس ہونہار سپوت کا نام اپنے وقت کے امام اور فقیہ کے نام پر عبدالمالک رکھا گیا۔ عبدالمالک (عکرمہ) مضبوط اعصاب کے مالک کڑیل جوان تھے۔ مطالعہ کے بے حد رسیا۔ بیت الضیافہ کے کسی کونے میں بیٹھ کر مطالعہ کرنے سے بڑھ کر انھیں کوئی اور مشغلہ محبوب نہ تھا۔

سرشار رہے سجدوں سے جبیں اور دل ایماں کی حلاوت سے

وہ نہایت شوق سے نفلی روزے رکھتے اور نفل نمازوں کی ادائیگی کا خاص اہتمام کرتے۔ ان کے چند ساتھیوں نے نفلی نمازوں میں ان کے غیر معمولی انہماک کو دیکھا تو ان کے سامنے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا وہ قول رکھا جو انھوں نے ایک سفر کے دوران صحابہ ؓ اور تابعین کو نوافل کی ادائیگی میں مصروف دیکھ کر فرمایا تھا:

لو کنت مسبحا لأتممت الفرض.

اگر تم تسبیحات و نوافل میں مشغول ہو تو ہم فرائض کی بجا آوری میں لگے ہوئے ہیں۔"

وہ کہنے لگے: "میں نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے مصافحہ فرمایا اور پھر دریافت کیا: "عکرمہ! کیا تمھیں شہادت کی خواہش ہے؟"

میں نے عرض کیا: "کیوں نہیں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تو پھر کبھی غیر حاضری نہ کرنا"۔

وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک عالم دین سے اس خواب کی تعبیر دریافت کی تو انھوں نے کہا کہ نبی صلی

اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ تم نے سنتیں اور جو کچھ نفلی عبادات اپنے لیے طے کر رکھی ہیں ان کی پابندی جاری رکھو۔" پھر کہنے لگے:

"جہاں تک نفلی نمازوں کا تعلق ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مستحب نمازوں مثلاً چاشت اور قیام اللیل کا سفر میں بھی ہمیشہ اہتمام کیا ہے"۔

سفر میں سنتِ مؤکدہ

اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ انھوں نے وتر اور فجر کی سنتوں کا سفر میں بھی اہتمام جاری رکھا۔ جہاں تک ظہر سے پہلے ادا کی جانے والی سنتوں کا تعلق ہے تو حضرت براء بن عازب ؓ فرماتے ہیں کہ مجھے تقریباً ۱۸ دفعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سفر کی سعادت حاصل ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی زوال کے بعد اور ظہر سے قبل ادا کی جانے والی دو رکعتوں کو ترک نہیں کیا۔ اسی طرح نماز مغرب کی سنتوں کے بارے میں امام نووی فرماتے ہیں کہ مغرب کی سنتیں قیام اللیل کا حصہ ہیں۔

عکرمہ نے آرکیٹکٹ انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کر رکھی تھی۔ وہ پختہ عمر جوان تھے۔ عبادت اور قیام اللیل کے ذریعے ہر لحظہ آخرت کی یاد دہانی اور روحانی بالیدگی کا سامان کرنے کی فکر میں رہتے۔ اپنی ذہنی صلاحیتوں کی نشوونما کے لیے کتاب کو اپنی تنہائیوں کا رفیق بنائے رکھتے۔ اکثر اوقات ابویحییٰ مصری کے پاس بیٹھتے اور ان سے مختلف امور پر تبادلہ خیال کرتے۔ انھیں عسکری تربیت میں طاق ہونے کی فکر لاحق رہتی تھی۔ خاموش طبع اور سنجیدہ فکر تھے۔ قرآن مجید کی تلاوت کرتے تو رو پڑتے۔ ہمیشہ اپنے دوستوں کو تلقین کرتے کہ وہ جہاد کے بارے میں شکوک و شبہات پھیلانے والوں کی باتوں پر ہرگز کان نہ دھریں۔

شہسوار اپنے ربّ کی رحمتوں کی طرف پرواز کر گیا

مجاہد ساتھیوں نے انھیں 'حاجی' کی ذمہ داری سونپی۔ یہاں خدمات انجام دینے کے بعد وہ قندھار چلے گئے۔ وہاں پر ایک عرصہ تک وہ محمد ایوب کے کمرے میں رہائش پذیر رہے۔ بالآخر دشمن نے اس کمرے پر بمباری کر کے اسے تباہ کر دیا۔ اسی معرکے میں ان کا ایک ہاتھ بھی شہید ہو گیا۔ کچھ ہی دنوں میں مجاہدین کے سالار نے دشمن کی نظروں سے دور ایک نیا حجرہ تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا۔ عبدالمالک نے اس

میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

قندھار میں اُن دنوں معرکہ گرم تھا۔ عبدالرزاق نے مرکزی شاہراہ سے کوئی تیس گز دور مجاہدین کا مرکز بنا رکھا تھا' مگر پھر اس کے قریب بھی دشمن کی گاڑیوں کی چلت پھرت شروع ہوگئی۔ ایک روز مرکز کے قریب ایک جیپ آ کر رکی۔ عبدالرزاق نے اس پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ عکرمہ (عبدالمالک) نے آر۔ پی۔ جی۔ ۷ تھاما اور مرکز کی چھت پر جا کھڑے ہوئے لیکن دشمن کی طرف سے آنے والے پے درپے میزائلوں نے مرکز کو آگ اور دھوئیں کی لپیٹ میں لے لیا۔ ایک گولی ان کے سر میں پیوست ہوئی اور خون کا جھرنا پھوٹ پڑا۔ دو ہی گھنٹے بعد وہ اس مادی دنیا سے اپنا تعلق توڑ چکے تھے۔ انھیں ان کے بھائی اسدالرحمٰن کے پڑوس میں دفنا دیا گیا۔ اسی طرح یہ شہسوار اپنے ربّ کی رحمتوں کی طرف پرواز کر گیا۔ ہمارے لیے اس خوشخبری پر ایمان کی عملی مثال چھوڑ گیا:

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ فَرِحِيْنَ بِمَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْ بَعْدِ مَا اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ﴾ (آل عمران: ۱۶۹۔۱۷۲)

”اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے گئے ہیں انھیں مردے نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے ربّ کے ہاں سے رزق دیے جاتے ہیں' وہ خوش ہیں اُس چیز سے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انھیں عطا فرمائی اور جو لوگ اُن کے پیچھے رہ گئے ہیں اور (شہید ہو کر) اُن کے پاس نہیں پہنچے اُن کی بھی اس حالت پر وہ خوش ہوتے ہیں کہ اُن کو بھی نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غم ناک ہوں گے۔ اللہ کی نعمت اور فضل سے خوش ہوتے ہیں اور اس بات سے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کی مزدوری کو ضائع نہیں کرتا۔ جن لوگوں نے اللہ اور اُس کے رسول کا حکم مانا بعد اس کے کہ اُنھیں زخم پہنچ چکے تھے' اُن لوگوں میں جو نیک اور متقی ہیں اُن کے لیے ثواب عظیم ہے“۔

جمال رشدی عبدالغفار شہید

”اُن کے دیکھتے ہی دیکھتے جب متعدد افغان اور عرب شہدا ربّ کی بارگاہ میں جا پہنچے تو انھوں نے محسوس کیا کہ شہید ساتھیوں کی نمایاں خصوصیات میں سے ایک' نفلی روزوں کا خاص اہتمام تھی“

سادہ اور سلیم فطرت جمال کی شخصیت کو مصر کی دیہی زندگی نے جواں مردی غیرت اور شجاعت کے جوہر سے دمکا دیا تھا۔ شہری آسائشوں سے وہ ہمیشہ دور رہے۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد گردشِ دوراں نے انھیں عمان پہنچا دیا۔ انھوں نے خطاطی کے کچھ اداروں سے ڈپلومہ حاصل کیا اور ایک خطاط کی حیثیت سے اپنی عملی زندگی کا آغاز کیا۔ دین سے ان کی وابستگی بس اسی قدر تھی جتنی انھیں اپنے گھر میں والدین کے طرزِ عمل سے ورثے میں ملی تھی' نمازیں اکثر قضا ہو جاتی تھیں۔

مجلہ ”الامۃ“ کا ایک مضمون انھیں جہاد میں کھینچ لایا

جس کمپنی میں انھیں کام کرنے کا اتفاق ہوا وہاں ان کی ملاقات چند دین دار نوجوانوں سے ہوئی۔ ان کے کردار اور رویوں نے جمال کو اتنا متاثر کیا کہ انھوں نے تہِ دل سے اس راہ پر چلنے کا ارادہ کر لیا۔ اب ان کی شخصیت مکمل طور پر اللہ کے رنگ میں رنگ چکی تھی۔

مجلہ ”الامۃ“ میں افغانستان کے جہاد سے متعلق ایک سیر حاصل مضمون ان کی نظر سے گزرا۔ مضمون کا ایک ایک لفظ ان کے دل میں پیوست ہو گیا۔ کلاشنکوف اور اسلحہ بردار افغانوں کے منظر نے انھیں اپنا اسیر بنا لیا۔ اب خطاطی کے لیے کھینچی جانے والی لکیروں میں ان کے لیے کوئی کشش باقی نہیں رہ گئی تھی۔ وہ ہنر جس میں کمال حاصل کرنے کے لیے دنوں کی محنت اور راتوں کی عرق ریزی شامل تھی اب ان کے لیے کسی حیثیت کا حامل نہ رہا تھا۔ ان کا دل تو اب جنگ گاہ میں جا اٹکا تھا۔ شیر آخر کب تک کچھار سے دور رہنا گوارا کرتا؟ انھوں نے ہر حال میں افغان شیروں کے ہم رکاب ہونے کا فیصلہ کر لیا۔

اُنھوں نے پاکستانی ویزا حاصل کرنے کی سرتوڑ کوششیں شروع کر دیں' جس کی دستیابی اب اتنی ہی

مشکل ہو چکی تھی جتنی پٹرولی ممالک اور مغربی ممالک کے ویزے کی۔ اب ان کا ہر دن پاکستانی اور مصری سفارت خانوں کی خاک چھاننے میں صرف ہونے لگا۔

کوئی پر لگا دے کہ اُڑتا میں جاؤں

ادھر ان کی کمپنی کے مالک نے ان کے شوق کا یہ عالم دیکھا تو اولاً اس نے جہادِ افغانستان کے بارے میں ان کی رائے بدلنے کے لیے شکوک وشبہات کا اظہار شروع کر دیا۔ مگر دل میں جب ایمان کی شمع روشن ہو جائے تو اسے بھلا کون بجھا سکتا ہے؟ چنانچہ جب مالک نے ان کے مصمم ارادے کو دیکھا تو اس کا دل پگھل گیا اور اس نے انھیں ہر طرح سے اپنا تعاون فراہم کرنے کی یقین دہانی کرا دی۔ تقدیر کا معاملہ دیکھیے کہ اس شخص نے ایک پاکستانی خاتون سے شادی کر رکھی تھی۔ وہ اپنی اہلیہ کو لے کر جمال کی گاڑی میں سفارت خانے پہنچے۔ وہاں سے پاکستان کا دو طرفہ ٹکٹ حاصل کیا اور سفارت خانے سے کہا کہ وہ اس شخص (یعنی جمال رشدی) کو ساتھ لے کر اپنی اہلیہ کے گھر والوں سے ملاقات کے خواہاں ہیں، ویزا مل گیا۔ جمال کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ وہ دیوانہ وار جھومتے ہوئے گھر پہنچے اور یوں بالآخر ایک دن وہ پاکستان پہنچ گئے اور قافلۂ عشاق سے جا ملے۔ یہاں 'صدہ' میں جہادی تربیت حاصل کی اور پھر حوروں کی دید کی طلب میں رزم گاہِ حق و باطل میں چلے گئے۔

حوروں کے بارے میں گفتگو ان کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ یہاں تک کہ انھوں نے وصیت کی ابتدا بھی ان الفاظ سے کی: ''جب آپ لوگ میری یہ وصیت کھولیں گے تو میں ان شاء اللہ حورِ جنت کے ساتھ محوِ ملاقات ہوں گا''۔ پھر وہ دن آ ہی گیا کہ جب جمال قندھار میں صالحین و ابرار کے قبرستان کے مکین ہو گئے۔ عزت و سربلندی کی زمین میں ان کے ساتھ اسد اللہ مصری بھی سکونت پذیر ہیں۔ امتِ مسلمہ کے یہ دونوں سپوت مصر کے علاقے 'طنطا' سے تعلق رکھتے تھے۔

جمال بلا کے ذہین اور نکتہ سنج تھے، اپنے جہادی ساتھیوں کے لیے ان کے دل میں محبت کے جذبات موجزن رہتے۔ ان دوستوں کے ساتھ نے ان کے دل سے موت کی وحشت اور خوف کو دور کر دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے جب متعدد افغان اور عرب شہداء ربّ کی بارگاہ میں جا پہنچے تو جمال نے محسوس کیا کہ شہید ساتھیوں کی نمایاں خصوصیت نفلی روزوں کا خاص اہتمام تھی۔ اپنے ان ساتھیوں کی پیروی میں انھوں نے

بھی ذوق وشوق سے نفلی روزوں کا اہتمام شروع کر دیا۔

اسد اللہ مصری سے ان کی خاص دوستی تھی۔ دونوں ہر معرکے میں اکٹھے ہوتے۔ جب اسد اللہ بھی شہداء کے قافلہ میں شامل ہو گئے تو شہادت کے لیے جمال کے ذوق وشوق میں بے پناہ اضافہ ہو گیا۔ دوست کی جدائی نے انھیں کئی روز تک مغموم رکھا۔ اب شہادت کی تمنا انھیں دنیا جہان سے بے نیاز کر چکی تھی اور انھیں اس قدر نڈر کر گئی تھی کہ وہ سر ہتھیلی پر رکھے ہر لڑائی میں نمایاں کارنامے انجام دیتے چلے گئے۔ وہ ابھی شہادت کے منتظر ہی تھے کہ عکرمہ بھی شہید ہو گئے۔ ان کی شہادت کے اگلے ہی روز اسی جگہ گھمسان کا رن پڑا۔ دشمن کے ایک میزائل نے ان کے مجاہد ساتھی ابو انس یمانی کو زخم زخم کر دیا جب کہ جمال عروسِ شہادت کے ہم نشین ہو گئے۔ یہ شہدا اپنے لہو سے تاریخ کے نئے باب رقم کرتے ہوئے خلدِ بریں کو سدھار گئے۔ جاتے جاتے وہ ہمیں اصولوں کی خاطر لہو کے نذرانے پیش کرنے کا سبق دے گئے۔

جمال! آپ ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں مگر آپ کی یادیں آج بھی مجاہدین کے اس مرکز میں ان کی رفیق و مونس ہیں۔ بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ جمال کو بھول جائیں؟ وہ آپ کی دلنشیں آواز میں کی گئی تلاوت کیسے بھول سکتے ہیں؟ جسے سن کر گمان ہوتا تھا کہ قاری عبد الباسط یا قاری صدیق منشاوی میں سے کوئی محوِ تلاوت ہے۔

وصیت: میرے بہن بھائیوں کی تربیت میں اسلامی اصولوں کا خاص خیال رکھیے گا

اپنے والدین کے نام وصیت میں جمال رقم طراز ہیں: ''میں آپ کو جہاد کی راہ پر چلنے کی تلقین کرتا ہوں۔ اس میں امت کی سربلندی اور عظمت کا راز پنہاں ہے۔ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے شہادت کی سعادت حاصل ہو جانے پر صبر کا دامن تھام لیجیے گا۔ میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ میرے بہن بھائیوں کی تربیت میں اسلامی اصولوں کا خاص خیال رکھیے گا۔ انھیں قرآنی تعلیمات سے روشناس کروائیے، اور انھیں ان کے دین سے متعلق امور کی آگاہی دلوائیے۔ میری بہنوں کو شرعی پردہ کرنے پر آمادہ کریں اور جب وہ جوانی کی عمر کو پہنچیں تو مجاہدین سے ان کی شادی کرانے کا اہتمام کیجیے گا''۔

الوداع، اے جمال! اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی رحمتیں سایہ فگن کریں اور ہمیں بھی صالحین کی معیت میں اکٹھا کر دیں۔

عبداللہ احمد حکمی شہید

"اپنے ربّ اور خالق کو پہچاننے والا' اپنے مقصدِ زندگی سے روشناس اور اس عارضی دنیا کی حقیقت سے واقف کوئی شخص اس راہ سے بھلا کیسے پیچھے رہ سکتا ہے؟ یہ وہ طریقۂ بندگی ہے، جس پر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام' صدیقین' شہداء اور صالحین کے قافلے جادہ پیما رہے۔"

عبداللہ جزیرۃ العرب (سعودیہ) کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے قریباً ڈیڑھ سال کے عرصے میں حجاز اور افغانستان کے درمیان کئی چکر لگائے۔ رجب اور شعبان کے دوران وہ کافی متذبذب تھے کہ شعبان کا مہینہ میدانِ جنگ میں گزاریں یا اپنی والدہ کے پاس حجاز پہنچیں۔ بالآخر انھوں نے فیصلہ کیا کہ وہ اس سلسلے میں شیخ عبداللہ بن بازؒ سے مشورہ طلب کریں گے۔ انھوں نے بارہا عبداللہ بن بازؒ سے رابطے کی کوشش کی مگر انھیں کامیابی نہ ہوسکی۔ شام سے تعلق رکھنے والے ایک نوجوان ابوریان سے ان کے بڑے گہرے تعلقات تھے۔ انھوں نے وہیں ابوریان سے مشورہ کیا۔ ابوریان نے انھیں اپنے ساتھ قندھار چلنے کا مشورہ دیا۔ اب دونوں دوست اپنے ایک تیسرے ساتھی ابوعبیدہ کے ساتھ قندھار کی طرف چل پڑے۔

زندگی اور موت کی سرحد پر بھی تلاوتِ قرآن میں مشغول تھے

منگل یکم شعبان کو یہ تینوں دوست 'جکنری' پہنچے اور 'پیر غنڈ' میں پڑاؤ ڈالا۔ اگلے دن ظہر اور عصر کے درمیانی وقت تعارض کا فیصلہ کیا گیا۔ یہ نوجوان اپنے دیگرے پندرہ ساتھیوں کے ساتھ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے' ٹینکوں کی فوج ظفر موج علاقے کا احاطہ کیے ہوئے تھی۔ آخر دشمن پر گولہ باری شروع کی گئی۔ کچھ دیر بعد مجاہدین کو توقف کا حکم ملا۔ عبداللہ موت اور زندگی کی اس سرحد پر بھی تلاوتِ کلامِ پاک میں مصروف تھے۔ ان کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا مصحف تھا۔ اچانک دشمن کی سمت سے آنے والے ایک میزائل نے فضا کو دھوئیں کی لپیٹ میں لے لیا۔ مجاہدین کے پورے دستے پر سناٹا چھا گیا۔ سبھی پر مٹی اور غبار کی چادر تن

گئی۔ کچھ دیر بعد ابوریان مٹی جھاڑتے ہوئے نمودار ہوئے۔ انھوں نے زخموں کی تلاش میں اپنے سراپا کا جائزہ لیا۔ پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اور ابوعبیدہ کو زخمی ہونے سے بچالیا ہے۔ ان کے ایک جانب قرآن مجید پڑا تھا جس کا غلاف اُڑ چکا تھا۔ اسی مصحف پر دشمن کا پھینکا گیا میزائل گرا تھا۔ قریب ہی عبداللہ زخموں سے چور عارضی زندگی کی سرحد پار کر کے حیاتِ جاودانی کو سدھار چکے تھے۔

اللہ کے راستے کی طرف جانے والے عشاق کے کارواں کے ایک اور شہید نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیا تھا۔ اپنے ربّ اور خالق کو جاننے والا' اپنے مقصدِ زندگی سے روشناس اور اس عارضی دنیا کی حقیقت سے واقف کوئی شخص اس راہ سے بھلا کیسے پیچھے رہ سکتا ہے؟ یہ وہ طریقۂ زندگی ہے، جس پر انبیاء' صدیقین' شہداء اور صالحین کے قافلے جادہ پیما رہے۔

جب عبداللہ کے استاذ اور معلم و مربی ڈاکٹر کو ان کی شہادت کی خبر ملی تو ان کے لبوں سے فوراً قرآن مجید کے یہ الفاظ نکلے:

﴿وَ يَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَآءَ﴾ (آل عمران: ۱۴۰)

"اور (تاکہ) تم میں سے بعضوں کو شہید (کے مرتبے پر فائز) کرے۔"

بے شک اللہ تعالیٰ نے اس جوان کے پاکیزہ جذبات اور نیت کے خلوص کی قدر فرمائی اور اسے شہادت کی خلعتِ فاخرہ سے فیض یاب کر دیا۔ عبداللہ نے اپنے معلم اور مربی سے قرآن مجید کی تعلیم اور تجوید سیکھنے کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں سعادت کی زندگی اور شہداء کی موت اور روزِ حشر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مبعوث فرمائیں۔

اے قندھار! تیرے سینے پر حق' ایمان اور توحید کے علم لہرائیں گے

اے قندھار......! تیری زمین نے کتنے ہی شہداء کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ تیری فضاؤں نے گولہ بارود کی کتنی طغیانی دیکھی' مگر تیرے صحرا ابھی بھی تشنہ لب ہیں۔ شہداء کے لہو نے تیری جبین کو سرخ رُو کر دیا ہے۔ اس لہو سے پھوٹنے والی زرخیزی کیسے کیسے برگ و بار لا چکی' کتنے مہکتے گلاب پیدا کر چکی۔ لینن کے چیلوں کا برپا کردہ شر و فساد' آگ' دھواں اور غبار کی کثافت اس زرخیزی کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے۔ عن قریب رزمِ حق باطل کا آخری معرکہ ہوگا' پھر تیری فضائیں آنے والی نسلوں کو الحاد و سرکشی اور گناہوں کے ہیبت

ناک انجام کی کہانیاں سنائیں گی۔ تیرے سینے پر حق' ایمان اور توحید کے علم لہرائیں گے۔ دیکھ روئے زمین کے بہترین نوجوان تیرے نعرہ جہاد پر لبیک کہتے ہوئے ساری سرحدوں کو پامال کر کے تیری حدود میں آن وارد ہوئے' انھوں نے اللہ کے دین کو سبوتاژ کرنے کی جسارت کا انتقام لینے کی قسم کھا رکھی ہے' کفر کے چیلے ضرور ہی یہ بازی ہار جائیں گے' ان شاء اللہ۔ (خطہ قندھار کے بارے میں شیخ عزام شہید کی یہ دعائیں کس قدر مقبول ٹھیریں!)۔

سامشار ولكن لرب و دين — و أمضي على سنتي في يقين

فا ما الى النصر فوق الأنام — و اما الى الله في الخالدين

جنت کی جستجو میں قندھار چلے آئے

کامیابی اور فتح و نصرت کے دن کی ملاقات کی امید پر تجھے الوداع کہنے سے پہلے' میں چاہوں گا کہ تو مجھے کہسار جیزان اور کہسار افغانستان کے باہم مل جانے کا قصہ بیان کرنے کی اجازت دے۔ یہ وہ ملاقات ہے جس کی بنیاد رنگ و نسل اور زمین کی وحدت کا نتیجہ نہ تھی۔ اس کی بنیاد محض ایک دینِ متین پر کامل یقین کا عقیدہ تھی۔ یہ وہ ملاقات ہے جس کا مظہر ابو احمد انصاری کی شہادت تھی۔ جنھوں نے اپنی جان اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے وار دی۔

ابو احمد انصاری ۱۳۸۲ھ میں جیزان میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے بچپن اور لڑکپن کا زمانہ اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ جدہ میں گزارا' پھر جامعہ ملک عبدالعزیز میں علومِ اسلامیہ کی تحصیل کی۔ وہ ایک پاکیزہ اطوار کے حامل نیک سیرت نوجوان تھے۔ کفر اور الحاد کے پجاریوں کی افغانستان پر حملے کی جسارت دیکھی تو کتابیں لپیٹ کر رکھ دیں اور مجاہدین کا ہم رکاب ہونے 'پکتیکا' ''ننگر ہار' اور 'قندھار' کے کوہساروں کی طرف چل دیے کہ دل رزمِ حق و باطل کے ہر معرکے میں کود پڑنے کے لیے بے چین رہتا تھا۔

میں نے اس غازی کو ہمیشہ ذکر و فکر' تلاوت قرآن مجید' قیام اللیل اور نفلی روزوں کا اہتمام کرتے ہوئے دیکھا۔ ۷ مارچ ۱۹۸۹ء کو ابوریان مکی' اسد اللہ افغانی' محمد حنیف اور ابو احمد اکٹھے ایک گاڑی پر بیٹھے 'کوئٹہ' سے 'قندھار' روانہ ہوئے۔ پورا راستہ ابو احمد اپنی بذلہ سنجی اور شگفتہ مزاجی کے ذریعے ساتھیوں کو محظوظ کرتے رہے' گویا کوئی دولہا اپنی بارات کے ساتھ محوِ سفر ہے۔ یکم شعبان ۱۴۰۹ھ نماز فجر کی ادائیگی کے

بعد نوجوانوں کا یہ دستہ مقتل کی سمت چل پڑا۔ کہساروں پر پہنچ کر یہ مجاہدین ایک دوسرے سے بڑھ کر دادِ شجاعت دیتے رہے۔

اللہ کی راہ کا غبار اور جہنم کا دھواں کبھی اکٹھے نہ ہوں گے

ابو احمد کے کندھے پر کلاشنکوف لٹک رہی تھی اور سینے پر گولیوں سے بھرا جبہ بندھا ہوا تھا۔ ٹینکوں اور میزائلوں کا تابڑ توڑ حملہ ان کے قدم ذرا نہ ڈگمگا سکا۔ یہ شیر صفت جوان دشمن کی صفوں پر لگاتار گولیوں کی بوچھاڑ کرتا رہا۔ میں نے جب اسے دیکھا تو اس کا چہرہ گرد و غبار سے اٹا ہوا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے مصداق کہ:

((لَا يَجْتَمِعُ غُبَارٌ فِي سَبِيلِ اللهِ وَدُخَانُ جَهَنَّمَ فِي جَوْفِ عَبْدٍ)) (رواه النسائي، كتاب الجهاد، باب من عمل في سبيل الله على قدمه)

''اللہ تعالیٰ کے راستے کا غبار اور دوزخ کا دھواں آدمی کے اندر جمع نہ ہوں گے''۔

میں نے دیکھا کہ وہ چٹان کی اوٹ سے بڑی پھرتی کے ساتھ دشمن پر گولیوں کی بوچھاڑ کر رہے تھے۔ جب ان کے افغانی کمان دان نے انھیں روٹی کے چند خشک ٹکڑوں کی صورت میں دوپہر کا کھانا پکڑایا تو انھوں نے اس میں سے دو تین نوالے لے کر باقی جلدی سے کمان دان کی طرف واپس لوٹا دیے گویا انھیں جنگ میں چند لمحوں کی تاخیر بھی گوارا نہ تھی۔ انھوں نے اپنی اس ادا سے میرے دل میں جلیل القدر صحابی عمیر بن الحمام ؓ کی یاد تازہ کر دی جنھوں نے غزوۂ احد میں جنت کی بشارت سن کر اپنے ہاتھ میں پکڑی کھجوروں کو یہ کہہ کر پھینک دیا ''لَئِنْ اَنَا حَيِيتُ حَتّٰى آكُلَ تَمَرَاتِي هٰذِهِ، اِنَّهَا لَحَيَاةٌ طَوِيلَةٌ'' ''اگر میں ان کھجوروں کے کھانے تک زندہ رہا تو یہ بڑی طویل زندگی ہو جائے گی'' اور پھر کفار سے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

قصہ مختصر ابو احمد نے فوری طور پر اپنی جگہ تبدیل کی اور دشمن پر پھر سے گولیاں برسانا شروع کر دیں۔ جب ان کے کمان دان نے کچھ وقفہ کرنے کی ہدایت کی تو میں نے ابو احمد سے کہا: ''ظہر کی نماز پڑھ لیتے ہیں''۔ کہنے لگے: ''یا شیخ عزام! ہم جمع بین الصلاتین کر لیں گے''۔ پھر انھوں نے جیب سے چھوٹا قرآن مجید نکالا اور گولیوں کی بوچھاڑ میں اس کی تلاوت جاری رکھی۔ وہ تمام وقت معرکے میں جولانیاں دکھاتے

کے ساتھ ساتھ تلاوت قرآن پاک میں منہمک رہے۔ اسی دوران جب وہ قرآن مجید کی تلاوت میں محو تھے پہاڑ کی چوٹی سے آگ، دھویں اور مٹی کا بادل نمودار ہوا اور یک لخت کانوں کو پھاڑ دینے والی ایک چنگھاڑ نے ہمارے گردوپیش کو لرزا کر رکھ دیا۔ کچھ ہی دیر میں ابو احمد کی خون میں نہائی ہوئی میت فضا میں اپنے ربّ کی تقدیس کے نغمے بکھیر رہی تھی۔ میں نے ان کے خون آلود چہرے کو دیکھا، یوں معلوم ہو رہا تھا کہ شہید گہری نیند میں کوئی خوبصورت خواب دیکھ رہے ہیں۔ ان کی نعش شہادت کے بیس گھنٹے بعد دفنائی گئی مگر آخری لمحات تک چہرہ تروتازہ گلاب کی طرح کھلا ہوا تھا اور اس سے خون کے قطرے ابھی تک شبنم کی مانند ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔ چلچلاتی دھوپ کے باوجود ان کے بدن سے پھوٹنے والی پاکیزہ خوشبو پورے ماحول کو معطر کیے ہوئے تھی۔

ہم نے لکھا ہے اپنے شہیدوں کے خون سے
مقتل کی داستان کا عنوان 'زندگی'!

عبداللہ احمد حکمی المعروف ابو احمد ایک شیر دل اور نڈر نوجوان تھے۔ 'نجران' کے کہساروں اور افغانستان کی چوٹیوں کے باہم گلے ملنے کی داستان اپنے انجام کو پہنچی۔ اللہ تعالیٰ شہید کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائیں اور انھیں اپنی وسیع و عریض جنتوں میں دائمی نعمتیں عنایت فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی شہیدوں اور صالحین کی موت نصیب کریں۔ کیا ہی اچھا ہو کہ ابو احمد سے ہماری آئندہ ملاقات ربّ العالمین کے اِذن سے ان کے عرش کے سائے تلے انجام پائے۔

گر نہ مل سکے اس جہان میں — مل ہی جائیں گے آسمان میں
عرش کے تلے سائبان میں — راہ بس رہے وہ دھیان میں
جس کے موڑ پر جنت بریں! — سربلند ہوں دوستانِ دیں
سرنگوں ہوں دشمنانِ دیں

مارب کے بزرگ شہید عوض بن عرادة

''ان دنوں گھمسان کا رن پڑا تھا۔ عرب مجاہدین نئے نئے معرکے سر کر رہے تھے... ابو طارق جب اس منظر کو دیکھتے تو ان کا دل ان مجاہدین کا ہم رکاب ہونے کے لئے بے تاب ہو جاتا۔ وہ بار بار اپنے سالار ابو عبداللہ (شیخ اسامہ) سے درخواست گزار ہوتے... بالآخر انھیں اجازت مل گئی!''

آج سے آٹھ سال پہلے یمن کے علاقے 'مارب' میں ان کے بہت سے بھائی بندوں کے ساتھ انھی کے گھر میں میری ان سے ملاقات ہوئی۔ یہ تمام شیر دل نڈر جوان ایک چھت تلے جمع ہوئے تھے۔ اسلامی سیرت و کردار کا پیکر، ادب، حیاء اور جواں مردی کا نمونہ! خاموش ہوں تو اس خاموشی میں عقل و بصیرت کی گہری سوچ پنہاں ہو، کچھ کہنے کو آئیں تو عقل مندی و حکمت کی باتیں موتیوں کی طرح جھڑنے لگیں۔ دوپہر کے کھانے پر انھوں نے میری آؤ بھگت میں پوری دو بھیڑیں ذبح کر ڈالیں۔

مغرب سے پہلے ہم 'مارب' سے نکل پڑے۔ انھوں نے جنوب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وہاں سے کمیونسٹوں کی آمد کا خدشہ ظاہر کیا۔ یہ وہ نوجوان تھے جو تلواروں اور اسلحہ کی چھاؤں میں چل کر جواں ہوئے تھے۔ اسلحہ ان کی زندگی کا جزوِ لاینفک بن چکا تھا۔

بالآخر میں نے اس مہربان گھر والوں کو الوداع کہا حالانکہ میرا دل انھیں میں اٹکا ہوا تھا۔ دن اسی طرح گزرتے گئے۔ ایک روز میں اپنے بھائی اسامہ بن لادن کے ساتھ ان کے گھر جدہ میں تھا کہ عوض اچانک کمرے میں داخل ہوئے، میں ان سے ملا۔ یہ حج کے دن تھے۔ اس کے بعد میں واپس لوٹ آیا۔

ایک دفعہ محاذوں کا مزا لگ جانے کے بعد ممکن نہیں رہتا کہ انسان مزاج خانقاہی سے سمجھوتہ کر لے۔ عوض بھی اس دشت کی سیاحی سے گزر چکے تھے۔ جب ان کے کانوں میں جہاد کی آواز پڑی تو انھوں نے فوری طور پر عظمت و سربلندی کی طرف جانے والے راستے پر قدم آگے بڑھا دیے۔ ۱۴۰۴ھ میں وہ شیخ عبدالمجید زندانی کے ساتھ افغانستان آئے اور پھر یہاں کی فضا نے انھیں دنیا و مافیہا سے بے نیاز کر دیا:

نہ لے چل خانقاہوں کی طرف شیخ حرم مجھ کو
مجاہد کا تو مستقبل ہے میدانوں سے وابستہ

ابو طارق اپنے بیٹوں اور پوتوں کو چھوڑ کر 'ماسدہ' پہنچ گئے۔ صدہ میں میری ان سے ملاقات ہوئی تو مجھے بہادری اور جاں نثاری کے ایک عجیب نمونے سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ مجھے اندازہ ہوا کہ ان کا دل اسلحے کی گونج، جنگی طیاروں کی گھن گھرج اور گولیوں کی بوچھاڑ سے مانوس ہو چکا تھا۔ ان کی جہادی سرگرمیاں 'خوست' سے 'جاجی' تک جاری تھیں۔ جاجی چھاؤنی کی فتح کے بعد وہ خوست منتقل ہو گئے۔ یہاں عرب مجاہدین کے کئی مجموعے موجود تھے۔

مجاہدین نے طویل و عریض علاقہ فتح کر لیا

اُن دنوں ہم عرب نوجوانوں کے دستے بنا بنا کر جولاں گاہوں میں روانہ کر رہے تھے۔ ہم نے کابل، پروان اور کاپیسہ کے الگ الگ امراء مقرر کیے۔ جلال آباد کی باری آئی تو ابو عبداللہ اسامہ بن لادن نے کہا کہ ابو طارق یمنی کو جلال آباد کا امیر بنا دیا جائے۔ مجاہدین نے یہ فیصلہ سنا تو خوشی اور مسرت سے ان کے چہرے چمک اُٹھے۔

ابو طارق نے جلال آباد کا رخ کیا اور راستے میں ایک گاؤں 'پروم' میں پڑاؤ ڈالا۔ ان کے گرداگرد اصحابِ حکمت اور اُمت کے لیے درد نہاں رکھنے والے جوانوں کا ایک گروہ جمع تھا۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی زمین سے تعلق رکھنے والے یہ تمام مجاہدین ایک جگہ اکٹھے ہوئے تھے۔ میں نے ڈاکٹر ابو عصام کے ساتھ ان سے ملاقات کی اور خوشی و مسرت کی عجب کیفیت سے روشناس ہوا۔ ۲۷ رجب ۱۴۰۹ھ بمطابق ۵ مارچ ۱۹۸۹ء بروز اتوار ہماری خوشی دیدنی تھی۔ ہم نے رات ان کے ہاں گزاری اور اگلے دن واپس روانہ ہو گئے۔ دکتور ابو عصام کو ان نڈر مجاہدین سے خاص اُنس تھا۔ جس روز ہماری واپسی ہوئی اسی روز 'ثمر خیل' فتح ہوا۔ یہ فتح انہی نوجوانوں کی مرہونِ منت تھی۔ مجاہدین نے طویل و عریض علاقہ فتح کیا اور مالِ غنیمت کا بڑا حصہ ان کے ہاتھ لگا۔

میں اُس وقت غار میں بیٹھا ہوا تھا

ابو طارق اپنے دستے کو لیے دشمن کے روبرو جا کھڑے ہوئے۔ ۱۰ رمضان المبارک کو وہ اپنا بعض ضروری سامان اور اسلحہ لینے کے لیے سرحد کی دوسری جانب آئے۔ مجھے دیکھ کر وہ آگے بڑھے اور کہنے

لگے: "ابو رقیہ کے بارے میں آپ کے مضمون نے بہت سے لوگوں کو ہمارے خلاف بھڑکا دیا ہے۔ ابو رقیہ اگرچہ ہماری برادری کے تھے مگر ہمارے خاندان کے فرد نہ تھے۔ آپ نے میرے والد کے بارے میں جو تعریفی کلمات تحریر کیے ہیں انھوں نے بہت سے متعصب ذہنوں کو بھی ہمارے خلاف کر دیا ہے۔ میری التجا ہے کہ آپ آئندہ ہمارے بارے میں کچھ تحریر نہ کیجیے"۔ میں نے جواب دیا: "یہ ہمارا اجتہاد تھا اگر اس میں غلطی ہوتی ہے تو یہ ہمارے نفس اور شیطان کی وجہ سے ہے اور اگر ہم حق پر ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کے احسان کے سبب ہے"۔ پھر وہ کچھ دیر اُسامہ بن لادن کے پاس بیٹھے اور اپنا ضروری سامان لیے عازمِ سفر ہو گئے۔ میں اس وقت غار میں بیٹھا ہوا تھا جب وہ مجھ سے ملنے آئے۔ بدھ اور جمعرات کے ان دنوں میں رمضان المبارک کی ۲۱ ویں اور ۲۲ ویں تاریخ تھی۔ یہ اس دنیا میں میری ان سے آخری ملاقات تھی۔ ان دنوں گھمسان کا رن پڑا تھا۔ عرب مجاہدین نئے نئے معرکے سر کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں کفر کے پانچ مراکز تباہ کروا دیے، ان میں ان کا قومی مرکز بھی شامل تھا۔ روسی ٹینک مجاہدین کو دیکھ کر فرار کی راہ اختیار کر رہے تھے۔ سینکڑوں روسی، مجاہدین سے جان بچا کر بھاگ رہے تھے۔ جب کہ مجاہدین لپک لپک کر اپنے دشمنوں کا پیچھا کر رہے تھے:

قرآن مجید کی یہ آیت نظروں میں جگمگانے لگی...

ابو طارق جب اس منظر کو دیکھتے تو ان کا دل ان مجاہدین کا ہمرکاب ہونے کے لیے بے تاب ہو جاتا۔ وہ بار بار اپنے سالار اسامہ بن لادن سے درخواست کرتے کہ انھیں ان مجاہدین کے ساتھ صف آراء ہو کر اپنی بندوق کے دہانے کھولنے کی اجازت دے دی جائے۔ بالآخر اسامہ بن لادن نے انھیں اجازت دے ہی دی۔ وہ بجلی کی سی کوند سے لپکے۔ کندھے پر آر۔ پی۔ جی دھرا اور دشمنوں کے ٹینکوں کو جا لیا۔ تینوں روسی ٹینک مجاہدین کی یلغار سے بوکھلا کر الٹے پاؤں لوٹنے لگے۔ ذرا چشمِ تصور میں اس منظر کو لانے کی کوشش کیجیے کہ 'ٹینک' شیروں کی کچھار سے جان بچانے کی خاطر سرپٹ دوڑ رہے ہیں:

﴿سَنُلْقِىْ فِىْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ﴾ (آل عمران: ۱۵۱)

"اب ہم کافروں کے دلوں میں ہیبت ڈال دیں گے اس لئے کہ انھوں نے اللہ کا شریک

ٹھیرایا جس کی اس نے کوئی دلیل نہیں اتاری اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ظالموں کا وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے"۔

دشمن کے تیسرے ٹینک کو جب یقین ہو گیا کہ اب وہ مجاہدین کی زد سے نکل آیا ہے تو اس نے گھوم کر دوسری طرف سے واپسی کی راہ لی اور غازیوں پر گولوں کی بوچھاڑ کر دی۔ ایک گولہ ابو طارق کے لگا اور دو افغان بھائیوں کے ساتھ وہ بھی شہید ہو گئے۔ دیگر افغان ساتھی بھی زخموں سے چور ہو گئے۔ اس طرح ایک ہی ماہ میں راہِ جہاد کے دو ہمراہی قافلۂ عدم سے جا ملے۔ دونوں کا تعلق ایک ہی علاقے سے تھا۔ ابو مسلم صنعانی ہم سے بچھڑ گئے۔ عوض بن علی بھی داغِ مفارقت دے گئے۔ اور اسی ماہ علی عبدالفتاح اور عابد شیخ محمد بھی ہم سے جدا ہو گئے۔

محاذ پر جب شہادت کی خبر سنائی گئی تو میں نے شہید کا نام پوچھا' جواب ملا: "ابو طارق"۔ میری آنکھیں چھلک پڑیں۔ مجھے یوں لگا جیسے شہداء کی یہ روحیں ربّ العزت کے عرش تلے اکٹھی ہوئی ہیں اور ایک دوسرے کی معیت میں نعمتوں کا حظ اٹھا رہی ہیں:

شہداء کے اس کارواں کو ان کی شخصیتوں کے تناظر میں جب بھی دیکھا تو قرآن مجید کی یہ آیت نظروں میں جگمگانے لگی:

﴿وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَآءَ﴾ (ال عمران : ۱۴۰)

"اور (تاکہ) تم میں سے بعضوں کو شہید (کے مرتبے پر فائز) کرے"۔

بے شک شہادت انتخاب ہے ربّ کا! وہ جسے چاہتے ہیں اس مقام کے لیے منتخب فرما لیتے ہیں۔ موت کا خطرے کی آماجگاہ سے کوئی تعلق نہیں۔ امن کی زندگی کا ڈر اور خوف سے کوئی گزر نہیں۔ یہ تو ربّ کا انتخاب ہے جو وہ اپنے چنیدہ بندوں کے لیے بطورِ انعام کرتے ہیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ شہید کو اپنے صالح بندوں کے ساتھ اکٹھا فرما دیں۔ پیچھے رہ جانے والے پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائیں اور انھیں اس امتحان پر پورا اترنے کی توفیق دے دیں۔

بشارتیں کیا کیا!

کئی مجاہد بھائیوں نے ابو طارق کو خواب میں شہید کے روپ میں دیکھا اور انھیں ان کی شہادت کی

خوش خبری سنائی۔ انھیں سب سے پہلے شہید کے روپ میں دیکھنے والے ابو مسلم صنعانی شہید تھے۔ مجھے ابو احمد نے بھی ان کے بارے میں ایسا ہی خواب سنایا۔ کہنے لگے "میں نے ایک انتہائی خوبصورت محل کے اندر انیس حسین و جمیل دوشیزائیں بیٹھی ہوئی دیکھیں۔ سامنے میں ایک پاکستانی ساتھی کہہ رہا تھا: "یہ مجاہدین کی گھر والیاں ہیں" میں نے دل میں سوچا "میں ان میں سے حسین ترین دوشیزہ کا انتخاب کروں گا"۔ مگر ان میں سے ہر ایک حسن و جمال میں یکتا تھی ان میں فرق کرنا ممکن نہ تھا۔ اتنے میں یہ دوشیزائیں خود آگے بڑھیں اور مجاہدین کو اپنے لیے منتخب کرنے لگیں۔ ان میں ایک دوشیزہ نے ابو طارق کا ہاتھ تھام لیا"۔

ابو عبدالرحمٰن مآربی نے ایک دفعہ خواب میں ابو طارق کو ایک بہت وسیع و عریض محل میں دیکھا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں جب اس محل میں داخل ہوا تو ابو طارق نے بڑھ کر میرا استقبال کیا اور میرے سامنے انواع و اقسام کے کھانے اور پھل رکھ دیے۔ اتنے میں محل میں ایک نہایت خوبرو دوشیزہ داخل ہوئی۔ ابو طارق مہمانوں سے رخصت طلب کرنے لگے تاکہ حورِ جنت کی میزبانی کر سکیں۔

عبدالجبار شرقی نے جلال آباد میں شریکِ معرکہ ہونے کے دوران ایک روز خواب میں یمن سے تعلق رکھنے والے بہت سے افراد کو اکٹھا بیٹھے دیکھا تو ابو طارق سے متعلق استفسار کیا۔ انھیں بتایا گیا کہ ابو طارق شہید ہو چکے ہیں۔ ہمارے جن یمنی بھائیوں نے شہید کو لحد میں اتارا انھوں نے گواہی دی کہ شہید کے لہو کی خوشبو پورے ماحول کو معطر کیے ہوئے تھی اور خوشبو کی لپٹیں ان کے جسم سے نکل کر دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔

عبدالواحد غامدی شہید

"جب لوگ گہری نیند میں ڈوبے ہوتے' نصف شب کا عالم ہوتا' گھڑی کی
سوئیاں ایک بجے سے آگے کی طرف حرکت کرتیں تو ابو حامد اٹھ جاتے اور وضو
کر کے اپنے ربّ کے حضور جا کھڑے ہوتے۔ میں دیکھتا کہ وہ بعض اوقات
نصف یا پون گھنٹے میں ایک رکعت مکمل کرتے"

یہ کوئی تین بجے کا وقت ہو گا جب فجر سے کچھ دیر پہلے فون کی گھنٹی کی آواز سن کر میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ سسکیوں میں ڈوبی ہوئی ایک آواز میری سماعت سے ٹکرائی: "معاف کیجیے میں آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا مگر میں آپ سے اپنے بارے میں فتویٰ لینا چاہتا ہوں۔ میں ابھی کچھ دیر پہلے شیخ تمیم عدنانی کا بیان سن کر لوٹا ہوں۔ میں نے ان سے جہاد میں اپنی شرکت کی بابت دریافت کیا تو کہنے لگے کہ مجھے جہاد میں شریک ہو جانا چاہیے۔ حالانکہ میری والدہ کی جو کیفیت ہے اس کے پیشِ نظر مجھے یقین ہے کہ میری روانگی کی اطلاع سنتے ہی انھیں دل کا دورہ پڑ جائے گا اور اسی طرح والد صاحب جب میری روانگی کا سوچتے ہیں تو ان کی ذیابطیس بھی خطرناک حد تک بڑھ جاتی ہے۔ مگر میں نے جب سے اپنے دوست اور بھائی ابو حامد کی شہادت کی خبر اور شیخ تمیم عدنانی کا بیان سنا ہے' میرے لیے اس دنیا کی کسی چیز میں دلچسپی باقی نہیں رہی"... بھائی آپ کون ہیں؟" میں نے حیرت سے پوچھا' بولے: "میرا نام ابو سلیمان حضرمی ہے۔ لیکن میں نے جاہلی عصبیت سے بچنے کے لیے اپنے نام سے حضرمی کا لاحقہ ہٹا دیا ہے۔ اب میرا نام ابو سلیمان مہاجر ہے"۔

وہ دنوں کو روزے رکھنے والے شب زندہ دار تھے

اس کے بعد فون پر ابو سلیمان ایک ایک کر کے عبدالواحد غامدی کی خوبیاں گنوانے لگے۔ انھوں نے بتایا: "مجھے یونیورسٹی کی اقامت گاہ میں ان کے ساتھ رہنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ وہ چار نمبر کمرے میں رہائش پذیر تھے۔ ہمیشہ مجھ سے بالکونی کا دروازہ کھلا رکھنے کی فرمائش کرتے اور کہتے کہ انھیں رات کو فریج

سے ٹھنڈے پانی اور پھل وغیرہ لینے کی ضرورت پیش آتی ہے' مگر حقیقت یہ نہ تھی۔ جب لوگ گہری نیند میں ڈوبے ہوتے' نصف شب کا عالم ہوتا' گھڑی کی سوئیاں ایک بجے سے آگے کی طرف حرکت کرتیں تو وہ اٹھ جاتے اور وضو کر کے ربّ کے حضور جا کھڑے ہوتے۔ میں دیکھتا کہ بعض اوقات وہ نصف یا پون گھنٹے میں ایک رکعت مکمل کرتے۔ وہ دنوں کو روزے رکھنے والے اور شب زندہ دار تھے۔ انھوں نے سحر خیزی اور سحر گاہی کا سبق آخر کس سے سیکھا؟ شاید اپنے کسی استاد سے یا جامعہ ملک عبدالعزیز (ریاض) میں پڑھنے والے اپنے کسی طالب علم ساتھی سے۔ یا پھر ریاض اور طائف میں کام کرنے والے کسی دوست یا بھائی کا طرزِ عمل انھیں آدابِ سحر گاہی سکھا گیا!... مجھے اس کی تفصیلات کا کچھ بھی علم نہیں! ان کے والد صاحب تو ایک مدت ہوئی اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں..." یہاں تک بات کر کے ابو سلیمان خاموش ہو گئے۔

یہ رمضان المبارک کے آخری ایام تھے۔ میں خط (محاذ) کے قریب ایک غار میں بیٹھا ہوا تھا جب مجھے مخابرے پر ابو حامد غامدی کی شہادت کی اطلاع موصول ہوئی۔ یہ شیر اپنے لہو سے اسلامی تاریخ رقم کرتا ہوا اپنے ربّ سے جا ملا۔ امید ہے کہ اس کی اور اس جیسے بے شمار دیگر نوجوان کی قربانیاں اسلامی معاشرے کی ازسرِ نو داغ بیل ڈالنے میں کام آئیں گی۔

فوزی بن علی شہید

"یہ امر میرے دل میں ہمیشہ دکھ اور افسوس کے ملے جلے جذبات پیدا کر دیتا ہے کہ اُمتِ مسلمہ کے ذہین وفطین نوجوان تو انجینئرنگ' میڈیکل وغیرہ میں تخصص حاصل کرنے کی جد وجہد میں لگ جاتے ہیں اور جہاں تک اسلامی اور شرعی علوم کا تعلق ہے تو اس کی طرف صرف وہی نوجوان رخ کرتے ہیں جن کے لئے دیگر تمام علوم کے دروازے بند ہو چکے ہوتے ہیں"

۱۰ شوال ۱۴۰۹ھ کو جب میں مجاہد ساتھیوں کے ساتھ ملا تاج محمد کے ہاں فوزی سے ملنے گیا تو مجھے ابھی صرف ان کے زخمی ہونے کی اطلاع ملی تھی۔ وہاں پہنچ کر مجھے ان کی شہادت کا علم ہوا۔ اتنے میں ایک عرب نوجوان بلال' جن کی ایک ٹانگ ارضِ جہاد میں شہید ہو چکی تھی' اٹھے اور چھوٹا سا پلاسٹک کا لفافہ لا کر میرے سامنے کھول دیا۔ اس میں انھوں نے خون میں ڈوبا کپڑے کا ایک ٹکڑا محفوظ کر رکھا تھا۔ انھوں نے مجھ سے اس کی خوشبو سونگھنے کا مطالبہ کیا۔ اللہ گواہ ہے کہ اس کی خوشبو نے پورے کمرے کی فضا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ انھوں نے بتایا کہ یہ فوزی کے لہو کی خوشبو ہے۔ اس خوشبو نے ان کو اتنا متاثر کیا کہ وہ اسے کپڑے میں محفوظ کر کے اپنے گھر والوں کے پاس لے گئے۔ گھر کے ہر فرد نے واضح طور پر اس خوشبو کو محسوس کیا۔ اور گواہی دی کہ یہ اس دنیا کی خوشبوؤں سے سوا ہے۔ پھر بلال کہنے لگے: "میری خواہش ہے کہ شہید کے گھر والے بھی اس خوشبو کو سونگھ سکیں!"

جو دلوں کو فتح کر لے وہی فاتحِ زمانہ

وہ جگہ جہاں سے الجزائر کے چیدہ چیدہ نوجوان اٹھے اور کہکشاں کی مانند معرکہٴ کارزار میں چھا گئے۔ میں اسی لیے اس وادی کو "وادیٔ ابو ابراہیم" کا نام دیتا ہوں۔ اللہ کی قسم! یہ وادی حق دار ہے کہ اسے یہ نام دیا جائے۔ یہاں کا ہر نوجوان ادب' حیاء اور جواں مردی اور اطاعتِ امیر کا پیکر ہے۔ اس وادی سے آنے والے پہلے شیر دل مجاہد نے جب واپس لوٹ کر اپنے ہاں کے نوجوانوں کے سامنے معرکہء جہاد کا

نقشہ کھینچا تو وہاں سے شیروں کی فوج ظفر موج ادھر کا رخ کرنے لگی۔ انھیں میں سے ایک نوجوان ابو علی (فوزی) تھے۔ ہم جب بھی کسی فقہی مسئلے پر گفتگو کر رہے ہوتے تو وہ ہمیشہ فقہ کی روشنی میں اس مسئلے کے بارے میں شریکِ گفتگو ہو جاتے۔ اسی لیے میں نے ان کا نام "ابو علی مالکی" رکھ چھوڑا تھا۔

فوزی نے اپنی عسکری تربیت مکمل کی اور کابل کی چوٹیوں کی سمت شکر درہ کا رخ کیا۔ یہاں سخت جنگ جاری تھی۔ انھوں نے یہیں ٹھیرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ایک سال کے اندر اندر علاقے کا کوئی فرد ان کے نام سے انجان نہ تھا۔ مجاہدین کے رہنما ناصر' انور' تاج محمد اور وکیل ان سے بڑی گہری محبت کرتے تھے۔ کچھ عرصے بعد یہ سب ساتھی ایک دوسرے قریبی علاقے میں منتقل ہو گئے۔ یہاں پر بھی ہر فرد ابو علی کی محبت کا اسیر تھا۔ اس نوجوان کی زبان سے نکلنے والے علم وحکمت اور دانش بھرے الفاظ سننے والوں کو حیران کر دیتے۔ یوں محسوس ہوتا جیسے کوئی پچاس سالہ بزرگ ان سے مخاطب ہے۔ افغان اور عرب ساتھیوں کے ساتھ ان کا رویہ اور اخلاق حد درجہ شائستہ تھا۔ اخلاص وللہیت اس مجاہد کا خاصہ تھا۔ فوزی اپنے دوست حذیفہ جزائری کے الفاظ میں "غیر معمولی ذہانت اور حاضر جوابی میں بے مثال تھے"۔ دورانِ تعلیم بھی وہ اپنے ادارے "عنابہ" میں اپنی اس خوبی کے حوالے سے اپنے ساتھیوں میں ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ ان کے طالب علم ساتھیوں کو جب بھی ریاضی کا کوئی مسئلہ درپیش ہوتا وہ انھی سے رہنمائی لیتے۔

یہ امر میرے دل میں ہمیشہ دکھ اور افسوس کے ملے جلے جذبات پیدا کر دیتا ہے کہ امتِ مسلمہ کے ذہین وفطین نوجوان انجینئرنگ' میڈیکل وغیرہ میں تخصیص حاصل کرنے کی جد وجہد میں لگ جاتے ہیں۔ اور جہاں تک اسلامی اور شرعی علوم کا تعلق ہے تو اس کی طرف صرف وہی نوجوان رخ کرتے ہیں جن کے لیے دیگر تمام دنیاوی علوم کے دروازے بند ہو چکے ہوتے ہیں۔

اللہ کا دین اس طرزِ فکر سے بلند وبالا ہے۔ اس وقت سب سے زیادہ دینی اور شرعی علوم ہی اس بات کے محتاج ہیں کہ ہمارے ذہین وفطین نوجوانوں کا طبقہ ان کی طرف رجوع کرے اور جدید حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے کتاب وسنت کی روشنی میں احکام تلاش کرے۔ ابھی تک اجتہاد کا میدان صرف ان کتابوں کا مرہونِ منت ہے جو چھٹی صدی ہجری یا اس سے بھی پہلے تصنیف کی گئی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے دشمنوں نے' جن میں سرفہرست نیشنلزم' سیکولرزم کے علمبردار ہیں' ہمارے سامنے سائنس' تاریخ' سوشیالوجی' نفسیات اور لٹریچر جیسے علوم کو اتنا دل آویز اور دلفریب بنا کر پیش کیا کہ ہماری ملت کے زرخیز

دماغ ان کے اسیر ہو کر رہ گئے اور ان کی تمام زندگیاں انھی علوم کے گرد گھوم کر رہ گئیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اسلامی تاریخ سے وابستہ ہمارے نوجوان بھی سیمنٹ، فولاد اور طب و سائنس کی اصطلاحوں میں اس طرح الجھ کر رہ گئے کہ وہ ساری زندگی شریعت اسلامی کے قیمتی ترین گوہر سمیٹنے سے محروم ہی رہ جاتے ہیں۔ نہایت ضروری ہے کہ ہم اپنی موجودہ نسلوں میں اپنے اُن اسلاف کے کارناموں کو زندہ کرنے کا احساس پیدا کریں جنھوں نے معاشروں کا رخ بدل کر رکھ دیا ہے۔ اس کا راستہ اس کے سوا اور کوئی نہیں کہ ملتِ اسلامیہ کے زرخیز دماغ اس خلاء کو پُر کرنے کے لیے میدان میں آئیں۔

ہوگا وہی جو اللہ تعالیٰ چاہیں گے

شہید بچپن ہی سے نیک فطرت اور راست فکر تھے۔ ابھی ثانوی تعلیم کے مرحلے ہی میں تھے کہ ان کے تمام مشاغل اور مصروفیات اپنے اسکول سے مسجد اور مسجد سے دینی دروس کے حلقوں تک محیط تھیں۔ سیرت صحابہؓ اور اسلاف کے تذکروں پر مشتمل کتابیں ان کے ذاتی مکتبے کا خاص حصہ تھیں۔ خود ان کی سیرت پر اس مطالعے کے نمایاں اثرات موجود تھے۔

ابوعلی (فوزی) شعبہ ریاضیات میں اختصاصی تعلیم حاصل کر چکے تو ان کے والد اپنے بیٹے کو مزید تحقیقی تعلیم کے حصول کے لیے فرانس بھیجنے پر غور کرنے لگے۔ ان کے ہم نوالہ و ہم پیالہ ساتھی ابوعاصم جن کا اپنا تعلق بھی جزائر سے تھا، کہتے ہیں کہ ان کے ریاضی میں ماجستیر (ماسٹر) کی سند حاصل کرنے کے بعد میں ایک دفعہ ان کے ہاں گیا تو ان کے والد نے اپنے بیٹے کے مستقبل کے بارے میں طے کردہ منصوبے کا نقشہ کھینچتے ہوئے بتایا کہ وہ اپنے بیٹے کو فرانس بھیجنے کے خواہاں ہیں۔ اس پر ابوعلی مسکرانے لگے اور میرے کان کے قریب آکر ہلکی سرگوشی میں کہنے لگے: ''آپ یہی چاہتے ہیں، میں بھی یہی چاہتا ہوں لیکن ہوگا وہی جو اللہ تعالیٰ چاہیں گے''۔ گویا وہ اپنے والد کو بتا رہے تھے کہ یہ وہ منزل نہیں جس کے وہ مسافر ہیں!

ہندوکش کی چوٹیوں پر چھڑنے والی رزمِ خیر و شر کے بارے میں سوچ و تفکیر ان کا سارا وقت لے جاتی۔ انھوں نے اس راہ پر چلنے کا عزم کر لیا تھا جو قوموں کو ترقی اور عروج کی طرف لے جاتی ہے۔ ''مجلہ الجہاد'' کا مطالعہ انھوں نے اپنے لیے ناگزیر قرار دے رکھا تھا۔ محاذوں سے آنے والی اطلاعات اور خبریں

ان کی دلچسپی کا خاص مرکز تھیں۔

بلند پایہ اخلاق، شیریں گفتگو اور دائمی مسکراہٹ!

ان کے دوست اور بھائی حذیفہ جزائری کہتے ہیں: ''شہید سچائی پر مرمٹنے کا جذبہ رکھتے تھے۔ وہ ہر معاملے کا گہرائی سے جائزہ لیتے اور پھر جب ان پر اس کی سچائی اور حقانیت واضح ہو جاتی تو اس پر چلنے کا پختہ فیصلہ کر لیتے۔ کوئی انھیں اس راہ سے ہٹا نہ سکتا۔ شہید نے سب سے پہلے مصر کا ویزا حاصل کرنے کی کوشش کی تاکہ وہاں پہنچ کر پاکستان کا ویزا لیا جا سکے کیونکہ وہ الجزائر سے پاکستان کا ویزا لینے میں ناکام رہے تھے۔ جب وہ الجزائر واپس لوٹے تو انھیں اندازہ ہوا کہ تبلیغی جماعت کے ذریعے وہ بآسانی پاکستان کا ویزا حاصل کر سکتے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے تبلیغی جماعت کے طرز کا لباس زیب تن کیا۔ اور ان کے ہمراہ مسجدوں میں قیام اور چلّے کاٹنے شروع کر دیا۔ بالآخر وہ تیونس سے ماسکو اور وہاں سے اسلام آباد کا ویزا حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

جب وہ مجاہدین کے درمیان آئے تو ان کے بلند پایہ اخلاق، میٹھی اور شیریں گفتگو اور دائمی مسکراہٹ نے ساتھیوں کو ان کا گرویدہ کر کے رکھ دیا۔ جو اُن کے جتنا قریب جاتا وہ ان کی خوبیوں کا اتنا ہی معترف ہوتا۔ نفلی عبادات کا خاص اہتمام کرتے۔ پیر اور جمعرات کے نفلی روزے ان سے کبھی نہ چھوٹتے۔ قرآنی اور مسنون دعائیں ان کا اوڑھنا بچھونا رہتیں۔ صبح اور شام کے اذکار کا وہ خاص اہتمام کرتے۔ صالحیت اور شجاعت کا یہ پیکر 'صواری'، ''میران شاہ' اور 'خوست' سے ہوتا ہوا 'شکردرہ' پہنچا۔

بشیر جزائری نے فوزی کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے مجھے بتایا کہ وہ تین دفعہ موت کا نوالہ بننے سے بال بال بچے۔ شکردرہ جاتے ہوئے مجاہدین کے قافلے پر دشمن نے گولیوں کی تابڑ توڑ بوچھاڑ کر دی۔ گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ اسی دوران فوزی قضائے حاجت کے لیے گئے۔ جب وہ واپس آئے تو قافلہ نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ اب رات کی تاریکی اور دوستوں سے علیحدگی میں اس بیابان میں وحشت نے ڈیرے ڈال دیے۔ جب ان کے ساتھی انھیں ڈھونڈتے ڈھونڈتے واپس پہنچے تو وہ گویا اسی تاریک رات اور ستاروں سے پوچھ رہے تھے۔ جب شکردرہ پہنچے تو انھوں نے تاج محمد سے رابطہ کیا۔ ان کے پاس جا کر وہ نئے معرکوں میں حصہ لیتے رہے اور دادِ شجاعت

حاصل کرتے رہے۔ تاج محمد ان کی غیرتِ ایمانی' نوجوانی کے جوش اور اپنے رہنماؤں کی اطاعت و تقلید سے از حد متاثر ہوئے۔

وہ ہمارے پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ ساتھیوں نے مجھے ان کی شجاعت و بہادری کی داستان سناتے ہوئے بتایا: وہ اپنے دوستوں کے ساتھ ایک کنویں میں تھے کہ اچانک دشمنوں نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ دشمنوں نے ان پر دستی بموں کی یلغار کر دی اور وہ اندر سے انھیں للکار رہے تھے: ''ہتھیار پھینک دو! یہی تمھارے لیے بہتر ہے''۔ اتنے میں عبداللہ انس اور ابوھاجر وہاں سے گزرے۔ دشمنوں نے جب ان کے قدموں کی چاپ سنی تو اندھا دھند گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ تاج محمد نے بلند آواز سے دشمن کو للکارتے ہوئے کہا: ''فوراً رک جاؤ' ورنہ ہم تمھارے اوپر حملہ کر دیں گے''۔ بندوقوں کے دہانے فوراً خاموش ہو گئے۔

ایک دفعہ فوزی اپنے تین دوستوں کے ساتھ دشمن سے حاصل کیے گئے میزائلوں کی تنصیب و تشغیل کی مشق کر رہے تھے کہ اچانک دشمن کی سمت سے آنے والے ایک میزائل ان کی گدی سے گزرتا ہوا نکل گیا اور گردن سے خون کا فوارہ بہہ نکلا۔ ان کے ساتھی بشیر نے اٹھ کر زخم پر ہاتھ رکھا اور سوئی سے چھدی ہوئی جگہ کو سی ڈالا۔ وہ بشیر سے کہنے لگے: ''شاید اب آخری وقت آپہنچا ہے''۔ مگر ابھی قدرت کو ان کا جہاد میں مزید جولانیاں دکھانا منظور تھا اس لیے اللہ نے انھیں بچا لیا۔

۲۶ اپریل کو کمیونسٹ یومِ اشتراکیت مناتے ہیں۔ اس دفعہ انھوں نے مجاہدین کے حملوں کے ڈر سے ایک دن پہلے ہی یہ دن منانے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ کمیونسٹوں کے سترہ ٹینک ملا تاج محمد کے مرکز کی سمت بڑھے۔ فوزی اپنے امیر کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرنے میدان میں اتر آئے۔ انھوں نے دشمن کے تین ٹینک اڑا دیے لیکن ان کی طرف سے آنے والے دستی بموں نے تاج محمد کو زخمی کر دیا جب کہ فوزی شہید ہو گئے۔

فوزی کو اُن کی لحد میں کیا اتارا گیا کہ بہت سوں کے دل بھی ان کے ساتھ ہی لحد کی پہنائیوں میں جا دفن ہوئے۔ آج علاقے کا کوئی جوان نہ تھا جس کے لبوں پر ان کا تذکرہ نہ ہو اور جس کی آنکھوں میں ان کی یاد کی شمعیں روشن نہ ہوں۔

فوزی کی شہادت پر مجاہدین کے نام اہلِ وادی کا پیغام

''تمام تعریفیں ربِ کائنات کے لیے خاص ہیں جس نے مجاہدین میں سے اپنے شہداء کا انتخاب کیا' انھیں نعمتوں بھری جنتوں میں مقام بلند سے فیضیاب کیا' انھیں اپنے اہل خانہ میں سے ستر افراد کی شہادت کے حق سے نوازا اور ہر صاحب ایمان کے دل میں شہداء کی محبت کا الاؤ روشن فرمایا۔ حالانکہ یہ پردیسی نوجوان اپنے اہلِ خانہ سے دور اور اپنے شہر والوں کی نگاہوں سے اوجھل زندگیاں گزار رہے ہیں۔

اے مجاہدین! اے اپنے مال اور لہو کے نذرانے لٹانے والو! یقیناً تمھاری جدوجہد ملت خوابیدہ کو جگانے کا اور اس کے زخموں پر مرہم رکھنے کا باعث ہے۔ آج جب کہ ملت پر مسلط آزمائش نے اس کے پیروکاروں کو مایوسی اور قنوطیت کی سرحد پر لا کھڑا کیا ہے۔۔۔

﴿حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ وَ ظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا﴾

(یوسف: ۱۱۰)

''یہاں تک کہ جب رسول ناامید ہونے لگے اور (امتوں نے) یہ خیال کیا کہ ان سے جھوٹ کہا گیا تھا تب اُنھیں ہماری مدد پہنچی''۔

تو بے شک آپ اُمت کے لیے ابر کا سایہ اور بارش کی پہلی پھوار ہیں۔ آپ کا وجود گرداب میں پھنسی کشتی کے لیے پیامِ نجات ہے۔ آپ نہتے اور بے بس افراد کے لیے قوتِ بازو اور سیفِ بتار بن کر نمودار ہوئے۔ ہم تمام اہلِ وادی اور شہید فوزی بن علی کے اہلِ خاندان' آپ کی جرات اور بہادری اور جذبہء ایمانی کو سپاس پیش کرتے ہیں۔

آپ نے اس امت کی جبین پر طاری ذلت و پستی کے داغوں کو دھونے کے لیے اپنے لہو کے دیپ جلائے۔ آپ کے ہاتھوں' تاریکی کے اجالے میں تبدیل ہونے کے آثار ہویدا ہو رہے ہیں۔ آپ نے تھوڑے سے اسلحے' مگر پہاڑوں سے بلند ایمان کے ذریعے دشمنوں کو الٹے قدموں واپس جانے پر مجبور کر دیا۔ بے شک اللہ تعالیٰ کا ارشاد برحق ہے:

﴿فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِى الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ﴾

(الانفال: ۵۷)

''سو اگر کبھی آپ اُنھیں لڑائی میں پائیں تو اُنھیں ایسی سزا دیں کہ اُن کے پچھلے دیکھ کر

بھاگ جائیں تا کہ انہیں عبرت ہو"۔

اے راہِ جہاد کے رہروو! تمھیں ہمارا سلام!

ہمارے مجاہد بھائیو! فوزی کی شہادت نے اہلِ وادی کو جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ اس شہادت نے مردہ نفوس کو بیدار کرا اٹھایا۔ شہادت اور کار جہاد کے لیے دلوں میں نرم گوشہ ابھار دیا۔ معرکہ جہاد سے انجان اور ناواقف لوگوں کو ہمارے بھائی کی شہادت کی خبر نے اس راہ کے مزید اسرار و رموز جاننے کے لیے بے چین کر دیا۔ آج علاقے کا ہر جوان ان کا سا کردار اپنانے اور ان کی سیرت کی پیروی کرنے کے لئے بے چین ہے حالانکہ اس سے پہلے اہلِ علاقہ کی اکثریت یہ سمجھ بیٹھی تھی کہ اہل الجزائر پر سے فرانس کے تسلط کے خاتمے کے ساتھ ہی جہاد ختم ہو کر گیا ہے۔ ہمیں اس واقعہ نے ۱۹۵۴ء کے انقلاب الجزائر کے آغاز میں شہید ہونے والے پہلے شہید احمد زبانا کے بارے میں مفدی زکریا کے قصیدہ کی یاد دلا دی۔ دشمن نے جب الجزائر کے اولین شہید اور اس کے رفقائے کار کو پھانسی کی سزا سنائی تو اس شاعرِ جہاد نے اس پر ایک طویل قصیدہ تحریر کیا تھا، جس میں دو اشعار کچھ یوں تھے:

یا زبانا و یا رفاق زبانا
عشتم للوجود دهراً مديداً
كل من في الأرض أضحى زبانا
و تمنى أن يموت شهيداً

راہِ جہاد اور شہادت کے شہسوارو! اللہ تعالیٰ نے فوزی کے خاندان کو جس صبر و عزیمت سے بہرہ ور کیا ہے اسے الفاظ میں بیان کرنا ناممکن ہے۔ ہماری آنکھوں سے آنسوؤں کے چشمے رواں ہو گئے مگر ہم نے دیکھا کہ شہید کے والد ہمیں صبر و ہمت کی تلقین کرتے تھک نہیں رہے۔ بے شک یہ فوزی کے اہلِ خانہ پر ربّ کی خاص مہربانی ہے۔

اے راہِ جہاد کے رہروو! تمھیں ہمارا سلام! بالیقین تم جب دشمن پر یلغار کر رہے ہوتے ہو تو یہ صرف ربّ کی توفیق اور عنایت ہی کا صلہ ہے۔ بالیقین! تم جب تک اپنی خواہشات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے تابع رکھو گے، فتح و نصرت تمھاری ہم رکاب رہے گی۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو

مضبوطی سے تھام لو چاہے روئے زمین کے تمام باشندے تمہارے خلاف ہی کیوں نہ اٹھ کھڑے ہوں۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ تمہیں فتح و کامرانی سے نوازیں۔ فلسطین ہو یا افغانستان یا دنیا کا کوئی بھی دوسرا خطہ جہاں مجاہدین کفر کی طاقتوں سے نبرد آزما ہوں اللہ ان سب کی جدوجہد کو شرفِ قبولیت بخشیں اور انھیں یکسر کفر سے نجات دلائیں۔ آمین۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اہلِ وادی الجزائر

عزالدین بالحواجب شہید

"عزالدین ایک وجیہہ نوجوان تھے۔ باتیں کم اور فکر زیادہ' دل گداز کے مالک' خاموش طبع و باوقار۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ دوران سفر ان کے ایک ساتھی نے کہا"عبدالقادر! آپ کا سامان والا بستہ گم ہو گیا ہے" تو آپ نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔"اچھا ہوا اللہ تعالیٰ نے اس سے میری جان چھڑا دی۔"

ایک دن خبر آئی کہ روسی جنگی جہاز نے مجاہدین کے خیموں پر بمباری کی ہے اور بارہ عرب بھائی شہید ہو گئے ہیں۔ کتنے بڑے بڑے ستون گر گئے؟ کتنی امنگیں اور ارادے ادھورے رہ گئے؟۔ ان کی تکمیل تو اس ذات بابرکات کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ وہ جسے چاہتے ہیں پیدا فرماتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں اٹھا لیتے ہیں۔ حق تو یہی ہے کہ سود و زیاں کے پیمانے تو انسان اپنی دانست میں بناتا ہے۔ جب کہ اس انسان کو بنانے والی کریم ذات ہی ہے جو تمام کاموں کی تدبیر فرماتی ہے ان کی تقدیریں لکھتی ہے اور جانتی ہے کہ بھلائی کس چیز میں ہے۔ چنانچہ کبھی یہ شہادتیں امت کے لئے بہت بڑے خیر کا دروازہ کھول دیتی ہیں۔ اُس روز ایک گولہ آیا اور ان خوش قسمت روحوں کو اپنے مالک کی طرف لے گیا۔ ہماری دعا ہے کہ یہ سب شہداء اپنے رب کی بارگاہ میں قبول ہو جائیں اور سبز پرندوں کے قالب میں ڈھل کر عرش کے تلے لٹکی قندیلوں میں جا بسیں۔ اللہ تعالیٰ کے انہی نئے مہمانوں میں سے ایک عزالدین (عبدالقادر) الجزائر کے علاقے 'جلفہ' کے رہنے والے تھے۔ یہ اس بستی کا اعزاز تھا کہ اس نے عبدالقادر جیسے سپوتوں کو اپنے ہاں پالا پوسا۔ ان فضاؤں کا یہ شرف تھا جنھوں نے اس شہید کو اپنی آغوش میں مدتوں تک لئے رکھا۔

وہ ۱۹۶۵ء میں پیدا ہوئے۔ اپنے والدین کی پہلی اولاد تھے اس لئے ان کی آمد نے گھر کو خوشیوں سے بھر دیا۔ جلفہ الجزائر میں اونچے پہاڑی سلسلوں پر مشتمل ایک علاقہ ہے۔ شہید یہیں اسلامی دعوت سے متاثر ہوئے اور شوق و رغبت سے اسلامی کتب کا مطالعہ کرنے لگے۔ انھیں اس دین کی عظمت کا احساس ہوا اور اس بات کا بھی کہ یہی دین زندگی کی قیادت کر سکتا ہے اور انسانی زندگی کے لئے اس کا اتباع کس درجہ ضروری ہے۔ اس فکری تبدیلی کے ساتھ ہی انھوں نے اس مقصدِ عظیم کی خدمت کے لئے

جد و جہد شروع کر دی۔ انھوں نے یہ جان لیا کہ دین کو سر بلند کرنے کا حقیقی راستہ جہاد ہے اور یہی مختصر ترین اور سیدھا راستہ ہے۔ وہ پوری یکسوئی سے محاذوں سے آنے والی خبروں کی طرف متوجہ ہو گئے۔ جہاد جس کے سبب اللہ تعالیٰ نے اس امت کو عزت و شرف بخشا' جس کے باعث اس کا سر آج فخر سے بلند ہے۔ یوں عبدالقادر الجزائر کی بلند چوٹیوں کو چھوڑ کر اسلام کی بلند ترین چوٹی (ذروۃ سنام الاسلام) کی طرف چلے آئے۔

احدی الحسنیین

راستے کی رکاوٹیں بہت تھیں۔ سب سے بڑا مسئلہ جامعہ عربیہ کی تعلیم کا تھا۔ تیسرا سال مکمل ہو چکا تھا بس تحقیقی مقالے کا آخری سال اور پھر سند کا حصول ہی باقی تھا آگے سرکاری ملازمت منتظر تھی۔ لیکن ایک اور سند بھی ابھی منتظر تھی جس کا حصول انھیں ایسی جنتوں میں جانے کے لئے ضروری تھا جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر تھی۔ چنانچہ وہ بلا جھجک جنت کی سند کو جامعہ کی سند پر ترجیح دیتے ہوئے افغانستان چلے آئے۔

عبدالقادر ایک وجیہہ نوجوان تھے۔ باتیں کم اور فکر زیادہ' دل گداز کے مالک اور خاموش طبع و باوقار۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ دوران سفر ان ایک ساتھی نے کہا"عبدالقادر! آپ کا سامان والا بستہ گم ہو گیا ہے' تو آپ نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔"اچھا ہوا اللہ تعالیٰ نے اس سے میری جان چھڑا دی"۔

وہ صدہ مرکز میں تربیت کے لئے پہنچے اور وہاں سے فارغ ہو کر خوست چلے آئے۔ جنت کی حسین یادیں درِ دل پر دستک دے رہی تھیں کہ "خوشبوؤں کے دیس کی طرف چلے آؤ"۔ آخر میں وہ جلال آباد گئے جہاں موت اپنے بازو وا کیے' کردار کے نادر نمونوں کو اپنی آغوش میں لینے کے لئے تیار تھی' وہ موت جو سراسر زندگی ہے! وہیں ایک روز ایک میزائل آیا جس نے انھیں اپنے دیگر کئی ایمانی بھائیوں سمیت رب العالمین کا مہمان بنا دیا۔ قریبی ساتھیوں کو ان کی شہادت کا احساس پہلے سے ہو چلا تھا۔ مرزوق کہتے ہیں "میں اور وہ جہاد میں آنے کے لئے ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش میں تھے۔ پھر ایک دن ایک بندے نے سرگوشی میں مجھے بتایا کہ وہ چار بھائیوں کو افغانستان لے جا سکتا ہے۔ میں نے یہ بات بھری

محفل میں کہہ دی۔ عبدالقادر فوراً اٹھے اور آ کر مجھے کان میں کہنے لگے ''ان شاء اللہ ایک میں ہوں گا''۔ ہم جرمنی سے نکلے تو انھوں نے اپنا پاسپورٹ پھاڑ دیا' یہ گویا اپنی کشتیاں جلانے کا اعلان تھا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ ہمیں سرزمینِ جہاد میں لے آئے۔ عبدالقادر ہم سب سے آگے نکل گئے۔ مرزوق کہتے ہیں کہ ہم چار سال تک ایمانی محبت سے لبریز اور اخوتِ اسلامی کی حلاوت سے سرشار سفرِ جہاد میں شریک رہے۔ ان کے ساتھ افغانستان آنے والے ساتھیوں نے عہد کیا کہ وہ اس راستے پر چلتے رہیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو بھی ﴿إحدى الحسنيين﴾ ''دو میں سے کسی ایک بھلائی''... فتح یا شہادت سے ہمکنار فرما دیں۔

مرشد حمادی شہید

''ابو عبد یمانی کہتے ہیں کہ شہادت والی صبح میں ان کے ساتھ جا رہا تھا تو انھوں نے مجھے متوجہ کیا اور بولے: ''میں جنت کی خوشبو سونگھ رہا ہوں' کیا آپ کو بھی محسوس ہو رہی ہے؟ میں نے کہا مجھے تو کچھ محسوس نہیں ہو رہا۔ کہنے لگے: ''مگر مجھے بڑی واضح خوشبو محسوس ہو رہی ہے''

ابو البراء مرشد حمادی کے گہرے دوست تھے۔ شہادت کے بعد ان کے خون آلود کپڑوں سے ایک ورق برآمد ہوا جس میں جہاد سے متعلق اشعار تحریر تھے۔ شہید کے لہو نے اس صفحے کو ایک عجیب خوشبو سے معطر کر رکھا تھا۔ ابو براء قرشی سے شہید کو بڑی محبت اور لگاؤ تھا۔ اپنے آخری لمحات میں انھوں نے ابو البراء کی سمت نظریں کی ہوئی تھیں اور ان نظروں میں الوداع کا پیام تھا ابو براء قرشی اور ابو عمرو حبشی گواہی دیتے ہیں کہ شہید کے لہو سے پھوٹنے والی خوشبو دنیا کی تمام خوشبوؤں سے جدا تھی۔

شہید کم سنی میں ہی یتیم ہو گئے تھے۔ اپنے اور اپنی والدہ کے لیے رزق کی تلاش میں انھیں کم عمری ہی میں اپنے آبائی شہر ''اِب'' کو الوداع کہنا پڑا اور جزیرۃ العرب کا سفر کرنا پڑا مگر جلد ہی انھیں اندازہ ہوا کہ قابلِ مذمت ہے ایسی زندگی جس کا مقصد پیٹ اور جسم کی خواہشات پوری کرنے کے سوا کچھ بھی نہ ہو خصوصاً ایسے حالات میں جب جاجی سے لے کر دریائے جیحون تک جہاد کا پرچم بلند ہو چکا ہو تو ایسے میں وہ اپنے رب کے حضور جہاد فی سبیل اللہ سے روگردانی کا کیا عذر پیش کریں گے؟

آخر وہ گھڑی آ پہنچی جب انھوں نے انواع واقسام کے کھانوں لباس کے نت نئے انداز اور چکا چوند کر دینے والے اسٹیٹس کا بار گلے سے اتارا اور حیاتِ نو کی طرف دعوت دینے والی زندگی کی طرف رختِ سفر باندھا جہاں کا اٹھنا' بیٹھنا سونا' جاگنا غرض ہر عمل یہاں تک کہ اپنے گھوڑے کو چارہ ڈالنا اور اس کی خدمت بجالانا بھی عبادت ٹھہرتا ہے اور بندۂ مومن کے میزان کو نیکیوں سے بھر دیتا ہے۔

وہ آگے بڑھ کر معذرت کرنے میں کبھی دیر نہ کرتے

جہاد میں وہ طاقت ہے کہ دلوں کی کدورتیں اور روح کی کثافتیں دور کر کے انھیں صیقل کر دیتا ہے۔ روح' ایک جسدِ خاکی میں محصور ہو جانے کی بجائے اونچی پرواز کرنے لگتی ہے۔ مرشد شہید بھی مجاہد دوستوں کے ساتھ اپنے اخلاق و برتاؤ میں بے مثال تھے۔ ان کی ہر بات سے ساتھیوں کے لیے اخلاص و محبت کے سوتے پھوٹتے۔ جب کبھی انھیں احساس ہوتا کہ ان کی کسی بات نے کسی ساتھی کو رنجیدہ کر دیا ہے تو وہ آگے بڑھ کر معذرت کرنے میں کبھی دیر نہ کرتے۔ شیریں گفتار تھے' ہونٹوں پر ہمیشہ مسکراہٹ رہتی۔ دل میں شہادت کی تڑپ رچی بسی تھی۔ حقیقت میں انسان جب اللہ تعالیٰ کی طرف ایک قدم بڑھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف دس قدم بڑھتے ہیں۔ بندہ جب ربّ کی ملاقات کا منتظر رہنے لگے تو وہ بھی اس کی ملاقات کے منتظر رہتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اپنے راستے کے لیے منتخب کر لیتے ہیں تو اسے ایسے کاموں کی توفیق عطا فرماتے ہیں جو اللہ سے اس کی ملاقات کے لئے تیاری کے کام شمار ہوتے ہیں۔

مرشد (ابوالخیر) شہید بے حد خوبصورت آواز کے مالک تھے۔ تلاوت کرتے ہوئے وہ ابوھاجر اور شیخ عمر عبدالرحمٰن کے سے لہجے میں قرآن پڑھنے کی کوشش کرتے۔ تلاوت نہایت پُر سوز ہوتی۔ ان کے امیر ہمیشہ انھیں امامت کے لئے آگے بڑھاتے۔ خصوصاً نمازِ تراویح میں سب کی خواہش ہوتی کہ وہ ان سے قرآن سنیں۔

نہ جانے میں نے اپنا نام ابوالخیر کیوں رکھ چھوڑا؟

ابو عمر یمانی کہتے ہیں کہ ایک دن مرشد شہید مجھ سے پوچھنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى﴾ (النجم : ۳۲)

''تو تم اپنے کو مقدس مت سمجھا کرو' تقویٰ والوں کو وہی خوب جانتا ہے''

تو اب آپ بتائیں کہ آپ نے میرا نام ابوالخیر کیوں رکھ چھوڑا ہے؟ ابو عمر یمانی کہتے ہیں، میں نے کہا: ''تا کہ آپ کی شخصیت کو آپ کے نام کا حصہ ملے''۔

نہ جانے میں نے اپنا نام ابوالخیر کیوں رکھ چھوڑا؟ تب ابو عمرو نے انھیں تسلی دیتے ہوئے کہا: ''یہ نام

خیر اور نیکی کی آرزو کا پہلو بھی اپنے اندر رکھتا ہے' اس لیے''۔

ایک روز انھوں نے خواب میں بہت خوبصورت باغات دیکھے جن میں بے نظیر حسن و جمال کی مالک دوشیزائیں تھیں۔ خواب سننے والے ساتھی کہنے لگے: ''یہ آپ کی شہادت کی طرف اشارہ ہے''۔

ابو عبد یمانی کہتے ہیں کہ شہادت والی صبح میں ان کے ساتھ جا رہا تھا تو انھوں نے مجھے متوجہ کیا اور بولے: ''میں جنت کی خوشبو سونگھ رہا ہوں' کیا آپ کو بھی محسوس ہو رہی ہے؟ میں نے کہا مجھے تو کچھ محسوس نہیں ہو رہا۔ کہنے لگے: ''مگر مجھے بڑی واضح خوشبو محسوس ہو رہی ہے''۔ ابو براء قرشی کہتے ہیں شہادت کے دن میں ان کے ساتھ جا رہا تھا کہ ایک قریبی چشمے کو دیکھ کر وہ اس سمت چل دیے۔ کافی انتظار کے بعد جب واپس آئے تو میں نے ان سے کہا ''آپ نے بہت دیر کر دی''۔ کہنے لگے ''میری خواہش ہے کہ میں جب اللہ کے حضور پہنچوں اور حورِ جنت سے ملاقات ہو تو میں صاف ستھرا ہوں''۔

ابو احمد بتاتے ہیں کہ شہادت سے ایک دن پہلے رمضان المبارک کی پوری بیسویں رات انھوں نے پہرے کے دوران قرآن مجید کی تلاوت اور ذکر اذکار میں گزار دی' لمحہ بھر کے لیے بھی نیند نہیں لی۔

اس روز لجا میں مجاہدین اور کفار کے درمیان زوردار معرکہ ہوا۔ مرشد شہید نے اپنا بھاری اسلحہ اٹھایا اور دشمن کا مقابلہ کرنے لگے۔ عبدالکریم افغانی ان کے ہمراہ تھے۔ عصر کے بعد عبدالکریم افغانی نے واپسی کا سوچا تو مرشد شہید انھیں کہنے لگے۔ ''رک جایئے! شاید اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے کسی کی قسمت میں شہادت کا مرتبہ لکھ رکھا ہو اور وہ اللہ کی بارگاہ میں پہنچ جائے''۔ ابھی ان کے منہ سے نکلنے والے الفاظ کو چند ہی لمحات گزرے تھے کہ دشمن کے ایک میزائل نے ان کی آرزو پوری کر دی۔ دوربین ان کے ہاتھ میں تھی جسے آنکھوں سے لگائے وہ دشمن کی گولہ باری کا جائزہ لے رہے تھے۔ انھوں نے دوربین ایک جانب رکھی اور تشہد کی حالت میں بیٹھ گئے۔ ان کے ہاتھ آسمان کی طرف بلند ہوئے گویا اپنے ربّ سے شہادت کی قبولیت کی دعا مانگ رہے ہوں۔ جسم سے نکلنے والی خوشبو نے ساری فضا کو معطر کر رکھا تھا۔ ان کے دیرینہ ساتھی ابو براء قرشی نے آگے بڑھ کر انھیں لٹایا۔ اس وقت بھی ان کی انگشتِ شہادت آسمان کی طرف اشارہ کر کے اللہ کی وحدانیت کا اظہار کر رہی تھی۔ ابو براء نے انھیں الوداع کہتے ہوئے ان کا ہاتھ پکڑا' شہید کی نگاہیں ابو براء کے چہرے پر ٹکی ہوئی تھی گویا کہہ رہی ہوں: ''سفر دراز ہے اب شاید ہم صرف اللہ ربّ العالمین کی بارگاہ میں اکٹھے ہو سکیں''۔

اگر یہ فریضہ ہم نے چھوڑ دیا تو ذلت و بدحالی ہمارا مقدر رہو گی

جب میران شاہ ہسپتال پہنچایا گیا تو ان کی روح اپنے خالق کے پاس پہنچ چکی تھی۔ انھیں ان کی وصیت کے مطابق دفن کیا گیا۔ انھوں نے کہہ رکھا تھا کہ ان کو جائے شہادت ہی پر دفن کیا جائے اور ان کی قبر کو بلند نہ کیا جائے۔ ان کے خون سے معطر ورق پر میری نظر پڑی جس پر ان کی وصیت درج تھی: ''میں وصیت کرتا ہوں کہ میری تصویر رسالے میں چھپنے نہ دی جائے' میرا عمامہ اور سیاہ لباس ابو دجانہ یمنی کو دے دیا جائے''۔ یہ وصیت اکیس شعبان ۱۴۰۹ھ کو اپنی شہادت سے ٹھیک ایک ماہ قبل تحریر کی گئی تھی۔ وصیت کے کچھ اقتباسات یوں ہیں:

''میرے دینی بھائیو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! میں یہ وصیت اللہ سے یہ امید رکھتے ہوئے لکھ رہا ہوں کہ وہ مجھے اپنی بارگاہ میں شہادت نصیب فرمائیں گے۔ میں آپ کو اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے اور اپنے تمام معاملات میں اخلاص برتنے کی وصیت کرتا ہوں اور تاکید کرتا ہوں کہ فریضہ جہاد کی ادائیگی کے لئے اُٹھنے والے آپ کے قدم واپس نہ پلٹنے پائیں۔ اسی میں ہماری عزت و سربلندی کا راز مضمر ہے۔ اگر یہ فریضہ ہم نے چھوڑ دیا تو ذلت و بدحالی ہمارا مقدر رہو گی جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ما ترک قوم الجهاد الا ذلو.

''جب بھی کوئی قوم جہاد چھوڑتی ہے اللہ تعالیٰ اس پر ذلت مسلط کر دیتا ہے''۔

آج امت مسلمہ اسی کیفیت سے گزر رہی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی مہربانی ہے کہ افغانستان میں نمودار ہونے والی جہاد کی چنگاری' امت کے حالات کی تبدیلی کی نوید بن چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ شہداء کے لہو سے جلا پانے والی یہ چنگاری بجھنے نہ پائے۔ آپ سب سے بہت زیادہ امیدیں وابستہ ہیں''۔

یوں اکیس رمضان المبارک کو مدت تک اللہ کی راہ میں آبلہ پائی کرنے اور تلخ و شیریں تجربات سے گزرنے کے بعد' شاید اس شیر کو میران شاہ کے قریبی ہسپتال میں آرام کا یہ پہلا موقع ملا تھا۔ وہ ہمیں بہت کچھ سکھاتے سکھاتے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں پہنچ گئے' بلاشبہ یہی اصل کامیابی ہے۔

ابولیث سوڈانی شہید

اعلیٰ اخلاق اور تواضع کا بے نظیر نمونہ۔ ''انہیں دیکھ کر صحابہ کرام کی یاد تازہ ہو جاتی۔ ان کا سانولا چہرہ ایمان کے نور سے دمکتا رہتا۔ جسے بھی ان سے کسی قسم کا واسطہ پڑا وہ ان کی محبت کا اسیر ہو کر رہ گیا''

سوڈان کی سیاہ فام سرزمین سے تعلق رکھنے والے صادق ہادی (ابو اللیث) لیبیا میں زرعی انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ ابھی دوسرے سال میں تھے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے اپنے تعلیمی ادارے کو خیرباد کہہ کر مجاہدین کی صفوں میں شامل ہو گئے۔

ان نوجوانوں کی داستان مردہ دلوں کو زندگی کا پیام سناتی ہے۔ جنہیں بھی ان کا ساتھ نصیب ہو وہ اس احساس سے تہی نہیں ہو سکتا۔ انوکھی طرز کے ان انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین و شریعت کے احیاء کے لیے منتخب کر لیا ہے۔ گویا

انوکھی وضع ہے' سارے زمانے سے نرالے ہیں
یہ عاشق کون سی بستی کے یارب رہنے والے ہیں

حضرت انسؓ کی اس روایت میں ان مثالی نمونوں کا طرز عمل ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ آپؓ نے ایک مرتبہ تابعین سے فرمایا:

''إنكم لتعملون اعمالاً هي أدق في أعينكم من الشعر كنا نعدها على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم من الكبائر''

''تم بال سے باریک بھی جو اعمال کر گزرتے ہو ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد پاک میں انھیں گناہوں میں شمار کیا کرتے تھے''۔

ان کا محتاط رویہ حضرت علیؓ کے ظرف کی یاد دلا دیتا ہے۔ جب حضرت علیؓ ایک کافر کے سینے پر چڑھ دوڑے۔ وہ اسے قتل کرنے کا ارادہ رکھتے تھے کہ اس کافر نے حضرت علیؓ کے منہ پر تھوک پھینک دیا۔

حضرت علیؓ فوراً اس کے سینے سے نیچے اتر آئے اور اسے یوں ہی چھوڑ دیا۔ جب حضرت علیؓ سے اس کا سبب دریافت کیا گیا تو فرمانے لگے: "میں اسے محض اللہ کی خاطر موت کے گھاٹ اتارنا چاہتا تھا۔ اب مجھے ڈر ہوا کہ اگر میں نے اسے یوں قتل کر دیا تو اس قتل میں میرے نفس کے لیے بھی لذت کا حصہ ہوگا"۔

ابوالنور صادق ہادی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "ابولیث چھے ماہ پہلے افغانستان آئے اور جہادی تربیت حاصل کی۔ نفلی عبادات کا غیر معمولی اہتمام، حلال اور حرام کے بارے میں نہایت محتاط رویہ، اخلاق اور معاملات کی اعلیٰ اقدار کا مظاہرہ، جہادی ساتھیوں کے لیے اخلاص و محبت کا بے لاگ اظہار، اپنے دوستوں کو غیر معمولی احترام اور توجہ دینا... یہ سب ان کی نمایاں خصوصیات تھیں۔

ابویحییٰ مقدسی صادق ہادی سے وابستہ یادوں کے ورق الٹتے ہوئے کہتے ہیں: "صادق ہادی راتوں کو عبادت کرتے اور دن کو کثرت سے روزے رکھنے والوں میں سے تھے۔ انھیں دیکھ کر صحابہ کرامؓ کی یاد تازہ ہو جاتی۔ اعلیٰ اخلاق اور تواضع کا بے نظیر نمونہ۔ ان کا سانولا چہرہ ایمان کے نور سے دمکتا رہتا۔ جسے بھی ان سے کسی قسم کا واسطہ پڑا، وہ ان کی محبت کا اسیر ہو کر رہ گیا۔ اپنے ساتھیوں کے لیے اخلاص اور خدمت کا بے لوث جذبہ انھیں ساتھیوں میں ہر دلعزیز مقام عطا کر گیا۔ وہ کسی موقع پر بھی اپنے ساتھیوں کی خیر خواہی اور انھیں فائدہ پہنچانے کی کوشش سے بے نیاز نہ ہوئے۔ ہم نے خوست میں مجاہدین کے کمان دان عبدالمنان کی زیرِ قیادت انھیں ہراول دستے میں دیکھا۔ وہ ہر لحہ جہاد فلسطین سے متعلق متفکر رہتے اور وہاں جانے کے مواقع کے بارے میں دریافت کرتے رہتے۔ پشاور آئے تو کابل کے سفر کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔ ہم نے ملائیشیا کے دو ساتھیوں کے ہمراہ انھیں محاذ کی طرف الوداع کیا۔

کسی بھی مسئلے پر اظہارِ رائے سے پہلے میں خوب سوچ سمجھ لیا کروں گا

درحقیقت صادق ہادی کی زندگی اعلیٰ اخلاق کا بہترین نمونہ تھی۔ اپنی شہادت سے مہینہ پہلے اپنے دوست ابویحییٰ کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

"میرے محترم بھائی ابویحییٰ السلام علیکم! محترم بھائی! میں السلام علیکم کے الفاظ کا تبادلہ کر کے یہاں آ تو گیا ہوں مگر یہاں ہر لحہ مجھے اپنے درمیان پیدا ہو جانے والی تلخی کی یاد بے چین رکھتی ہے۔ میرے بھائی! خوست کے اس خیمے میں ہماری پہلی ملاقات تو شاید اب قصہ پارینہ بن چکی ہے۔ تاہم ہمارا اکٹھا

پشاور روانہ ہونا ایک دوسرے کے ساتھ تعلق کی اصل ابتداء بنا تھا۔ پشاور آ کر پھر ہمیں بار ہا ملنے کا اتفاق ہوا۔ ہماری آخری ملاقات مسجد سبع اللیل میں ہوئی تھی۔ مگر اس ملاقات کا جب بھی خیال میرے ذہن میں آتا ہے ندامت کے احساسات جاگ اٹھتے ہیں۔ آخر ایک ہی راہ کے راہیوں کے درمیان اس تلخی نے کیسے راہ نکال لی؟ بحیثیت انسان میں سرتا پا گناہوں میں ڈوبا ہوا ہوں۔ بہت دفعہ مجھ سے کوئی ایسی بات ہو جاتی ہے جو بے فائدہ اور لاحاصل ہوتی ہے۔ پہلے مجھے اپنے کیے پر اتنا گہرا صدمہ نہیں ہوتا تھا مگر اب میں نے تہیہ کر رکھا ہے کہ کوئی بھی بات کرنے یا کسی بھی مسئلے پر اظہارِ رائے سے پہلے میں خوب سوچ سمجھ لیا کروں گا۔ مجھے اس بات کا شدید احساس ہے کہ اس دن ہمارے درمیان ہونے والی تلخی کا باعث میری زیادتی تھی۔ اس بنا پر میں آپ سے معافی کا خواست گار ہوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ بلا تامل میری معذرت قبول کریں گے ورنہ روزِ محشر اگر مجھ سے اپنے بھائی کے حق میں برتی جانے والی کوتاہی کے بارے میں پوچھ گچھ ہوئی تو میرے پاس کوئی جواب نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اہلِ ایمان کو باہم نرم رویہ برتنے کی جب کہ کافروں کے ساتھ دین کے معاملہ میں سختی کی تلقین کی ہے۔

میرے محترم بھائی! شاید آپ کے لیے یہ موضوع اہمیت کا حامل نہ ہو مگر میرے نزدیک اس کی بڑی اہمیت ہے کیوں کہ اصل قصوروار میں ہوں۔ میرے بھائی! اپنی دعاؤں میں اپنے اس بھائی کو فراموش نہ کیجیے گا۔ کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ ہمیں روزِ محشر اپنے عرش کے سائے میں اکٹھا کر دیں۔ میری طرف سے عبدالرحیم، علی اور دیگر ساتھیوں کی خدمت میں سلام پیش کیجیے گا، مکتب خدمات برائے مجاہدین کے دیگر تمام ساتھیوں کو بھی سلام کہیے گا"۔

آخر وہ گھڑی آ پہنچی جب ان کی آرزو بر آئی۔ تربیت مکمل ہوئی، ان کا قافلہ کابل سے ہوتا ہوا جلال آباد پہنچ گیا۔ ان مجاہدین نے کمیونسٹوں کے مراکز کے سامنے اپنے مورچے بنا لیے۔ صادق مہدی کو شیخ یونس کے دستے کے ساتھ کارروائی کے لیے روانہ کیا گیا۔ اس دستے نے اپنی کارروائی مکمل کر لی تو کمان دان نے انھیں واپس جانے کی تلقین کی۔ اس موقع پر انھوں نے شیخ یونس خالص سے دریافت کیا: "شیخ آپ کو جہاد میں آئے ہوئے کتنا عرصہ ہو چلا ہے؟"۔ شیخ نے جواب دیا: "دس برس"۔ کہنے لگے: "گویا آپ کو بارہا مواقع ملے ہیں، لہٰذا اب کی بار آپ مجھے موقع دیجیے"۔ اس روز ۱۷ رمضان المبارک کا دن تھا، جو ہمیں غزوہ بدر کی یاد دلاتا ہے۔ ظہر کے وقت کمیونسٹوں کے مرکز پر حملہ کیا گیا۔ ابولیث اس وقت

روزے سے تھے۔ انھوں نے خندق سے نکل کر پے در پے دشمنوں پر گولیاں برسائیں۔ اسی دوران دشمن کی سمت سے آنے والی ایک گولی ان کی پیشانی میں پیوست ہوگئی' خون کا فوارا بہہ نکلا اور وہ فوراً ہی شہید ہوگئے۔ ساتھی انھیں خندق سے اٹھالائے اور کابل کے قریب ایک پہاڑ کی اوٹ میں دفنا دیا۔ ان کے چہرے کی دلکش مسکراہٹ دیکھنے والوں کو حیرت و استعجاب میں مبتلا کیے ہوئے تھی۔ ساتھی اپنے ہر دلعزیز دوست کی جدائی پر اشک بار بھی تھے اور قیامت کے روز شہید کی شفاعت کے حصول کے متمنی بھی۔ اللہ تعالیٰ انھیں اور ہم سب کو صالحین کے زمرے میں اکٹھا کردیں' ہم اپنے اللہ سے ان کی اور اپنی مغفرت اور بخشش کے امیدوار ہیں۔

عبدالسلام یافعی شہید

"مدینہ منورہ پہنچ کر دونوں دوستوں نے جنوب میں موجود اپنے احباب سے رابطہ کیا' انھیں جہادِ افغانستان کی صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ اس ساری تگ و دو کے جواب میں انھیں بے یقینی اور تنقید کے تھپیڑے سہنے پڑے... بعض نے کہا' "تم پاگل ہوگئے ہو جو اس طرح کی انوکھی باتیں کر رہے ہو"

اللہ کے دشمنوں کی روش یہی رہی ہے کہ انھوں نے جب بھی کسی علاقے کا رخ کیا اس کے کھیت و کھلیان جلا ڈالے' شاداب زمین میں بارود کا زہر بھر کر اسے بنجر بنا چھوڑا۔

برطانیہ نے نان اور اناج کی سوغات پیش کرکے یمن کے عوام کو جادۂ حق سے ہٹانے کے لیے کیا کیا پاپڑ نہیں بیلے؟ اور امریکا تو سبھی پر بازی لے گیا۔ اس نے عوام میں بدکاری اور شراب کا نفوذ کر کے دنیا بھر کا تعفن اپنی فضاؤں میں بھر رکھا ہے۔

عبدالسلام نے اس فضا میں آنکھیں کھولیں جس میں عبدالفتاح اسماعیل کو خدا بنالیا گیا تھا۔

اہلِ یونان نے بھی اپنے دیوتاؤں کے بارے میں کچھ اسی قسم کی کہانیاں گھڑ رکھی ہیں کہ علم کے دیوتا نے جب دیکھا کہ انسان حقیقت جاننے کے لیے مقدس آگ کے نزدیک آپہنچا ہے تو اسے سزا دینے کے لیے ویران جنگل میں پھینک دیا۔ جہاں سارا دن پرندے اس کا گوشت نوچتے رہے اور رات کو دیوتا نے اس کے جسم پر گوشت واپس چسپاں کردیا۔ بڑا دیوتا جوپیٹر اس ساری صورتِ حال کا نظارہ کر رہا تھا مگر وہ اولمپ کے عرش پر اپنی معشوقہ میں مگن رہا۔

عبدالفتاح اسماعیل کو دیوتا بنانا کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اس سے قبل میشیل عفلق کو بھی دیوتا بنایا گیا تھا۔ میشیل عفلق جب بغداد میں داخل ہوا تو بعث پارٹی کے ترجمان رسالے نے سرخی جمائی: "دیوتا واپس آگیا"۔ ان کے شاعر نے کہا:

یا سیدی و معبدی والھی

حسبی الم فتاکم حسبی

علی رضا کی سوچ بھی اپنی طرز کی کیا انوکھی سوچ ہے جس کا لفظ لفظ [illegible] کے ساتھ ملاپ کے بعد [illegible] ختم دیا۔ تب سے علی رضا کا اعتقاد ہے کہ جنس حسن و جمال کی دیوی ہے [illegible] شراب مستی کا دیتا ہے [illegible] کہ محبت کا دیتا ہے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

عبدالسلام زندگانی کی پر صعوبت مشقتوں سے نبرد آزما ہوتے ہوئے پلے بڑھے۔ والد بچپن ہی میں برطانوی صلیبیوں کے ساتھ ایک حرب کے دوران شہید ہو چکے تھے۔ اپنی عمر رسیدہ ماں کی ذمہ داری بھی اسی نوخیز جوان کے کاندھوں پر تھی۔

خدا کا شکر ہے کہ یمن کی طرف بری نظریں گاڑنے والی مملکت برطانیہ ذلت و نکبت سے دوچار ہوئی۔ آج برطانیہ اس نہتی قوم کا خون نچوڑ کر دریائے ٹیمز کے نواح میں تعمیر کیے گئے محلات کی حفاظت سے بھی عاجز آ چکا ہے۔ اور ان محلات کو اونے پونے داموں پٹرولی ممالک کے ہاتھ بیچ رہا ہے۔

عبدالسلام زندگانی کی جنگاہ سے گزرتے ہوئے پروان چڑھے تو مشقت وکلفت کے سارے مفہوم ان پر واضح ہو چکے تھے۔ ان کے پیٹ میں پہنچنے والا ہر نوالہ کسی نہ کسی بیوہ ماں کے عرق جبین سے گندھ کر آتا تھا جو اپنے یتیم بچوں کی بھوک مٹانے کی خاطر خود کئی کئی پہر فاقے سے رہتی۔ عبدالسلام نے اپنے دوست عبدالقوی کے ساتھ سعودی عرب کی راہ لی اور مدینہ منورہ کو اپنا مستقر بنالیا۔ انھیں جب کبھی فارغ وقت میسر آتا وہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں چلے جاتے، شیخ عباس کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرتے اور ان سے تجوید اور تلاوت کلام سیکھنے کی طرف توجہ دیتے۔ اسی دوران انھیں کوہ ہندوکش کے اس پارسے جوانمردی اور بہادری کی داستانیں سننے کو ملیں۔ جہاد کی تڑپ نے انھیں بے کل کر کے رکھ دیا۔ انھوں نے اپنے دوست عبدالقوی کو اپنا ہم راز بنایا اور دونوں مل کر رزم گاہ حق و باطل تک پہنچنے کی منصوبہ بندی کرنے لگے۔ بالآخر دونوں نے اپنی ملازمتوں پر حیف بھیجا اور افغانستان کا رخ کر لیا۔ ۱۴۰۸ھ میں انھوں نے عسکری تربیت کے ذریعے اپنی مجاہدانہ زندگی کا آغاز کیا۔ بعد ازاں دونوں چھاؤنی کی فتوحات میں شریک ہوئے اور چار ماہ تک وہیں ٹھیرے رہے۔

ہمیں یوں محسوس ہوا جیسے ہم کسی اور دنیا کی مخلوق ہیں

دونوں ہر لمحہ اس فکر میں رہتے کہ روس کی شکست و ریخت کے قصے اپنے احباب تک پہنچائے

[illegible] انجام سے دوچار ہو [illegible] تھا۔ [illegible] دونوں دوستوں نے فیصلہ کیا کہ وہ [illegible] انجام سے آگاہ کریں گے۔

مدینہ منورہ پہنچ کر دونوں دوستوں نے جنوب میں موجود اپنے احباب سے رابطہ کیا انھیں جہاد افغانستان کی صورت حال سے آگاہ کیا اور بتایا کہ کیمونزم کا تار عنکبوت بودا اور کمزور ہو چکا ہے جہاد کے تھپیڑوں نے اسے ریزہ ریزہ کر دیا ہے۔ کیمونسٹ فوجی مجاہد شیروں کو دیکھ کر بلیوں اور لومڑیوں کی طرح الٹے پاؤں بھاگ جاتے ہیں۔ اس ساری تگ و دو کے جواب میں انھیں بے یقینی اور تنقید کے تھپیڑے سہنے پڑے۔ کئی ایک نے تو یہاں تک کہنے سے دریغ نہ کیا: ''تم امپریلزم کے کارندے ہو''۔ انھوں نے وہی نعرے بلند کرنے شروع کر دیے جو کیمونسٹ نشریاتی ادارے بلند کر رہے تھے۔ بعض نے کہا ''تم پاگل ہو گئے ہو جو اس طرح کی انوکھی باتیں کر رہے ہو''۔ عبدالقوی کہتے ہیں کہ ہمیں یوں محسوس ہوا جیسے ہم کسی اور دنیا کی مخلوق ہیں جب کہ ہماری قوم کا تعلق کسی اور دنیا سے ہے۔ چنانچہ ہم الٹے پاؤں افغانستان واپس لوٹ آئے اور تبھی ہم نے فیصلہ کیا کہ اب اللہ کے دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے پوری قوت سے میدان میں کود یں گے۔ عدن میں سات ماہ گزارنے کے بعد ہم نے جلال آباد کا رخ کیا' جہاں آگ اور فولاد کے سامنے شیر صفت مجاہدین سینہ سپر تھے۔ ہم بھی توپ و تفنگ اور گولیوں کی بوچھاڑ میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ میدان میں کود پڑے۔

دس رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ کو دشمن کے ایک گولے سے عبدالسلام کے سر پر چوٹ لگی جو جان لیوا ثابت ہوئی۔ عبدالقوی نے آگے بڑھ کر اپنے ساتھی کو دیکھا۔ عبدالسلام کی نظروں میں اپنے ساتھی کے لیے ایک پیام تھا۔ یہ نظریں اس سے کہہ رہی تھیں: ''کامیابی کی منزل خون کے سمندر سے گزر کر ہی ملتی ہے۔ یہ نظریں اس سے کہہ رہی تھیں۔

''جو لوگ کسی اور راہ سے جنت کی منزل سر کرنے کا خواب دیکھتے ہیں وہ وہم اور دھوکے کا شکار ہیں۔

اور عبدالقوی کے پاس ان خاموش نگاہوں کا ایک ہی جواب تھا۔

یا شہیداً ارقہ جنۃ الخلد العلیۃ

طبت حیاً طبت میتاً صرت رمزاً للقضیۃ

عبدالسلام اپنی منزل پر پہنچ گئے۔ستائیس برس کا یہ جوانِ رعنا جاتے جاتے عبدالقوی کے کلیجے کے ٹکڑے بھی ساتھ لے گیا۔ان شاء اللہ عبدالسلام کی سیرت یمن کی نوخیز نسلوں کو حق کی طرف رہنمائی دیتی رہے گی۔ہم اللہ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہمیں فردوسِ بریں میں اکٹھا فرما دیں۔

عبدالرحمٰن ہندی شہید

ان کی شخصیت شجاعت و جوانمردی تواضع اور خودداری ادب اور وقار کا حسین مرقع تھی۔وہ جب بھی میرے پاس آتے تو ان کی گفتگو ادب و احترام کی بلندیوں کو چھو رہی ہوتی۔

گزشتہ دنوں شیخ تمیم عدنانی اور کچھ دیگر ساتھیوں کے ساتھ جہادِ اسلامی کے ملتِ اسلامیہ پر اثرات کے حوالے سے گفتگو ہو رہی تھی کہ اچانک شیخ تمیم عدنانی نے ایسی خبر سنائی جو مجھ پر بجلی بن کر گری: ''عبدالرحمٰن ہندی شہید ہو گئے ہیں''... ''کیا واقعی یہ مصدقہ خبر ہے؟''... ''جی ہاں''۔میں نے انھیں بتایا کہ ابھی ۲۷ رمضان المبارک کی بات ہے کہ انھوں نے دو دیگر ساتھیوں کے ساتھ میرے گھر روزہ افطار کیا تھا۔شیخ تمیم کہنے لگے: ''عبدالرحمٰن چار شوال کو خوست کی جنگ میں شہید ہوئے ہیں''۔

یوں دو ماہ کے اندر شیخ سیف اللہ اختر کی قیادت میں رواں قافلۂ جہاد کے دو رہنما اپنی جانیں وار گئے۔ابھی خالد زبیر نے جامِ شہادت نوش کیا ہی تھا کہ عبدالرحمٰن ہندی نے آگے بڑھ کر علم تھاما، مگر انھیں بھی دو ماہ سے زیادہ مہلت نہ ملی۔

میری ان سے پہلی ملاقات خالد زبیر کے ہمراہ ہوئی۔وہ اور خالد دونوں کسی حد تک عربی بول سکتے تھے۔دونوں نہایت مؤدب اور متواضع شخصیات کے مالک تھے۔ان کے ساتھ کی گئی نشستوں کے دوران امتِ مسلمہ کے حالات پر ان کی کڑھن واضح طور پر محسوس کی جاسکتی تھی۔دونوں کا میرے ساتھ نہایت گہرا تعلق تھا۔ہم مل کر ان کے مسائل حل کرنے کے لیے کوشاں رہتے۔دونوں دوست ہمت و جواں مردی میں اپنی مثال آپ تھے۔جب بھی معرکہ گرم ہوتا دونوں بے خطر میدان میں کود پڑتے۔ایک مرتبہ ایسے ہی کسی معرکے میں ان کی ایک آنکھ زخمی ہو گئی۔ہم نے پاکستان میں ان کا علاج کرنے کی بہتیری کوشش کی مگر بے سود۔بالآخر ابوالحسن مدنی نے جرمنی میں ان کا علاج کروانے کا انتظام کیا۔عبدالرحمٰن

جرمنی روانہ ہو گئے اور وہاں سے صحت یاب ہو کر لوٹنے کے بعد دوبارہ مصروفِ جہاد ہو گئے۔

وہ بنگلہ دیش اور ہندوستان کے مسلمانوں کی جہادِ افغانستان سے بے نیازی کو بڑی شدت سے محسوس کرتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے شیخ تمیم سے درخواست کی کہ وہ عبدالمعز، عبدالستار کے ساتھ مل کر بنگلہ دیش کے دورے کا منصوبہ بنائیں، یہ دورہ نہایت کامیاب رہا۔ سمندر کی موجوں کی طرح لوگ اکٹھے ہو کر ان کے بیانات سنتے اور جہاد کے لیے بیعت ہوتے گئے۔ شیخ تمیم جب اس دورے سے واپس لوٹے تو انھوں نے اس بات کا یقین ظاہر کیا کہ مستقبل روشن ہے اور جہادِ افغانستان کے لیے ملتِ اسلامیہ کے اندر زبردست ولولہ پایا جاتا ہے۔

آپ بار بار زخمی ہو جاتے ہیں اور شہید ہونے کا نام نہیں لیتے!

ارغون اور خوست کے معرکوں میں شرکت کرنے والے زیادہ تر جاں بازوں کا تعلق پکتیا سے تھا۔ عرب نوجوانوں کے مقابلے میں یہاں پر ان کی حیثیت سابقون الاولون کی سی تھی۔ عبدالرحمن بھی یہیں تھے۔ ان کی شخصیت شجاعت و جوانمردی، تواضع اور خودداری، ادب اور وقار کا حسین مرقع تھی۔ وہ جب بھی میرے پاس آتے تو ان کی گفتگو ادب واحترام کی بلندیوں کو چھو رہی ہوتی۔ حسن اور خالد زبیر زخمی ہوئے تو انھیں خیبر ہسپتال میں داخل کیا گیا۔ عبدالرحمن بھی ان کے ساتھ زخمی ہوئے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے خالد زبیر کو اپنی ملاقات کے لیے منتخب کر لیا۔ عبدالرحمن نے زخمی حالت میں مجھے فون کیا۔ میں نے ازراہِ مذاق کہا: ''عبدالرحمن! آپ بار بار زخمی ہو جاتے ہیں اور شہید ہونے کا نام نہیں لیتے، جب کہ آپ کے ساتھ کے لوگ ایک ہی دفعہ کاری زخم کھا کر جنت میں داخل ہوتے جا رہے ہیں''۔ عبدالرحمن بڑے محظوظ ہوئے اور کہنے لگے: ''ماذا نصنع یا أستاذ؟''

۲۸ رمضان المبارک کو میری نگاہوں نے آخری مرتبہ اس مجاہد کا دیدار کیا۔ انھوں نے میرے پاس آ کر اپنی کچھ جہادی مشکلات بیان کرتے ہوئے کہا: ''خوست اور ارگون میں ہماری تعداد تین سو ہے، ہمارے افراد خوراک کی قلت کا شکار ہو رہے ہیں''۔ چنانچہ طے ہوا کہ انھیں ماہانہ ایک لاکھ روپیہ پہنچایا جائے گا۔ پھر انھوں نے گاڑی کا مطالبہ کیا۔ میں نے کہا: ''خوراک کے لیے مجوزہ رقم تو ناگزیر ہے کہ اس کے بغیر چارہ نہیں مگر آپ کو گاڑی فراہم کرنا ہمارے لیے ناممکن ہے، آپ لوگ خود کو مقامی ٹرانسپورٹ

استعمال کرنے کا عادی بنائیں''۔ بس یہ ہماری آخری ملاقات تھی۔ اس کے بعد عبدالرحمن ربّ کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ یہ مردِ مجاہد ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش سے ہوتا ہوا افغانستان کے کہساروں میں ابدی نیند جا سویا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ انھیں صالحین کے زمرے میں شامل کر دیں۔

طالب عبدالعزیز نجار شہید

''شاید ہی کوئی اسامہ بن لادن کی اس قدر پُر مشقت خدمت بجالاتا جیسی خدمت ابوقتیبہ کرتے۔ وہ آدھی رات کو اٹھ کر گاڑی چلاتے اور حاجی کا رخ کرتے۔ وہاں پہنچتے تو کئی نئی ذمہ داریاں ان کی منتظر ہوتیں مگر شکایت کا حرف تک زبان پر نہ لاتے۔ کتنا ہی بھاری کام ہوتا وہ اس طرح اس میں جت جاتے جیسے اس سے زیادہ محبوب مشغلہ ان کے لیے کوئی نہ ہو۔

ان طارق صفت نیکوکار نوجوان کی داستان شجاعت تحریر کرتے کرتے میرا قلم لڑکھڑانے لگ گیا ہے۔ مجھے اس بات کا شدت سے احساس ہے کہ ان کی یادوں کو کریدتے ہوئے اُن کی شخصیت کے ورق الٹتے ہوئے میرا قلم کبھی بھی ان کا حق ادا نہیں کر سکا۔ ان بکھری یادوں کے چند گوشے وا کر کے اور ان کی داستانوں کے کچھ ابواب بیان کر کے اگر ہم سمجھیں کہ ہم نے شہداء کے احسان کا حق چکا دیا ہے تو یہ امرِ واقع کے خلاف ہوگا۔ ملتِ اسلامیہ کے ماتھے کے جھومر ان نوجوانوں نے مسلم معاشروں میں زندگی کی لہر دوڑا دی' اسلاف کی سیرت کو زندہ کیا' خوابیدہ جوانیوں کو جگا کر معرکہ خیر و شر کا لافانی کردار بنا دیا۔ انھوں نے وہ سب کچھ پیش کر دیا جو کسی انسان کی بساط میں ہو سکتا ہے۔

عیش و عشرت کی زندگی کو ٹھکرا کر جب بھی کسی نوجوان نے اس راہ پر قدم رکھے اس نے اپنے پورے خاندان کے نوجوانوں کی ملی غیرت کو ایک دفعہ ضرور جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ اور پھر میدانِ جہاد میں آ چکنے کے بعد جب یہ نوجوان اپنے اہلِ خاندان کو جہاد کی لمحہ بہ لمحہ روداد منتقل کرتا تو گویا وہ اس پورے خاندان کو اپنا ہم رکاب کر لیتا۔

ان کے والد بھی جلال آباد کے معرکے میں پہنچ گئے

ایک دفعہ میں ایک اجلاس میں بیٹھا تھا کہ مجھے کسی نے آ کر اطلاع دی کہ ٹیلیفون پر بیرونی کال آئی

ہے۔ کوئی آپ سے گفتگو کرنا چاہتا ہے۔ میں نے جب آ کر فون اٹھایا تو یہ کسی نوخیز جوان کی آواز تھی' جو اپنی والدہ سے جہاد افغانستان میں شرکت کے حوالے سے اختلاف رائے کا شکار تھا۔ دونوں ماں بیٹے نے میرے سامنے معاملہ رکھتے ہوئے میری رائے کو فیصلہ کن حیثیت دینے کی یقین دہانی کروائی۔ میں نے عرض کیا کہ ''جہاد جب فرضِ عین کی حیثیت اختیار کر لے تو پھر اس میں شرکت کسی کی اجازت سے مشروط نہیں رہتی''۔ تب اس نوجوان کی والدہ کہنے لگیں ''ہمارا ایک بیٹا بیمار ہے۔ ہم آپ سے دعا کی اپیل کرتے ہیں''۔

اس نوجوان کے والد وزارت اطلاعات و نشریات میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔ بیٹے نے جب سر ہتھیلی پر لیے اس میدان کا رخ کیا تو والد نے پیچھے رہ جانا گوارا نہیں کیا اور کشاں کشاں اس کوچے میں آ پہنچے۔ میں کتنے ہی کارخانہ داروں اور بڑی بڑی کمپنیوں کے مالکوں کو جانتا ہوں کہ ان کی جوان اولاد کی جہاد میں شرکت نے اُن کی اپنی زندگیوں کا بھی رخ بدل کر رکھ دیا۔ انھیں حق شناسی کی وہ لذت نصیب ہوئی کہ ان کا اپنا دل بھی دولتِ جہاں سے کنارہ کش ہو کر اسی راہ پر آ لگا۔

کتنے ہی جوانوں کی شہادت نے ان کے قریبی عزیزوں کو زندگی کے اس انوکھے رخ سے متعارف کروا دیا۔ ابو جہاد نے جب اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کی تو کچھ ہی دن گزرے تھے کہ ان کے دوسرے بھائی کے سر میں بھی یہی سودا سما گیا۔ انھوں نے بھی عزت و سربلندی کی زندگی کا رخ کر کے حقیر دنیا کو پاؤں تلے روند ڈالا۔ ابوقتیبہ سوری نے جامِ شہادت نوش کیا ہی تھا کہ ان کے والد بھی جلال آباد کے معرکے میں پہنچ گئے۔ بے شک اس جادہ و منزل کے تمام نقوش وہی ہیں جن کا عکس ہمیں اسلاف کی زندگیوں میں نظر آتا ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اکٹھے اپنی رویت اور ملاقات سے بہرہ ور کر دیں۔

عبدالعزیز (ابوقتیبہ) کا شمار ارضِ جہاد میں وارد ہونے والے اولین نفوس میں ہوتا ہے۔ وہ اپنی کم سنی کے باوجود اونچے لمبے خوبصورت سراپے کے مالک تھے۔ یہ سیماب صفت نوجوان کسی ایک جگہ ٹک کر بیٹھنے کا روادار نہ تھا۔ میں نے اسے سب سے پہلے اپنے استاد ابوالبراء کے ہمراہ دیکھا۔ حیاتیات اور کیمیا کے پروفیسر ابوالبراء نے جب اپنے تدریسی ادارے کو خیرباد کہہ کر محاذوں کا رخ کیا تو ابوقتیبہ کے لیے پھر اس ادارے میں رہنا ممکن نہ رہا۔ ان کا اپنا دل تعلیم سے اچاٹ ہو گیا۔ جب ادارے کا استاد کامل ہی رخصت ہو گیا تو ویران دیواریں اور خاموش فضائیں وحشت برسانے لگ گئیں۔ ابوقتیبہ نے بھی اپنے

استاد کے نقشِ قدم پر چل پڑے۔ مجھے ہمیشہ ابوالبراء پر تعجب ہوا ہے کہ انھوں نے کیسے اپنے ارد گرد ان نوخیز جوانیوں کو اکٹھا کیے رکھا' جن کی واپسی امرِ محال رہی۔ انھوں نے کالج سے گھر اور گھر سے کالج کے راستے کے سوا دیکھا ہی کیا تھا۔ زیادہ سے زیادہ ان میں چند ایسے تھے جو کسی حلقۂ درس سے بھی وابستہ تھے۔

ہم سولہ دن تک' ہر روز اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے برف پوش پہاڑوں پر پیدل چلتے رہے

میں دنگ رہ جاتا ہوں جب ان نوخیز جوانوں کے کارناموں پر نظر پڑتی ہے۔ انھوں نے عزم وہمت اور جذبہ شوق کی وہ وہ منزلیں طے کرلیں جو بڑے بڑے گدی نشینوں کے حاشیہ خیال میں کبھی نہ آسکیں۔ سر ان کی عظمت کو سپاس پیش کرتے ہوئے جھک جاتا ہے۔ ان میں سے چند ایک بعد ازاں مدینہ منورہ آکر اپنی تعلیم کی تکمیل میں لگ گئے۔ مگر ابوقتیبہ نے ان سنگلاخ راہوں میں قربان ہوجانے کا فیصلہ کرلیا۔ وہ اس قافلے کے ہمراہ ہولیے جنھیں حالات کی سختیاں کبھی اپنی راہ سے نہ ہٹا سکیں۔ جنگ کی طغیانیاں اور سنگلاخ چٹانیں ان کے جذبوں کو مہمیز دیتی رہیں۔ ایک دن مجھ سے کہنے لگے:

''ہم سولہ دن تک' ہر روز اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے برف پوش پہاڑوں پر پیدل چلتے رہے۔ ہمارے پاؤں کی انگلیاں ٹھٹھر کر چٹخنے لگتیں۔ درد کی شدت سے ہم آرزو کرنے لگتے کہ کاش کسی طرح ان انگلیوں کو کاٹ کر اپنے بدن سے جدا کرسکیں۔ ایک مرتبہ گھنٹوں اسی حال میں سفر کرنے کے بعد ہمیں ایک بستی سے گزرنے کا اتفاق ہوا۔ جہاں ہمیں انتہائی گراں قیمت پر خشک روٹی اور کڑوے کسیلے قہوے کے چند گھونٹ دستیاب ہوسکے''۔

بعد ازاں ابوقتیبہ نے بدخشاں جانے والے کارواں کی ہم رکابی کے لیے بھی خود کو پیش کیا۔ یہاں مجاہدین کے کمان دان عبدالودود کو دیکھ کر وہ گویا اپنی ساری تھکاوٹ اور سفر کی سختیاں بھول گئے۔ عبدالودود تحریکِ جہاد کے سرکردہ رہنما محمد عمر کے چھوٹے بھائی ہیں۔ جہاد میں ان کا کردار ناقابلِ فراموش ہے۔ عبدالودود کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے بھائی کے نقشِ قدم پر چلنے کی سعادت بخشی۔ انھوں نے اپنے بڑے بھائی سے خوب خوب فیض اٹھایا۔ ان کی رہنمائی میں بدخشاں میں ایک دستہ تشکیل دیا۔ اس کی سرپرستی اور تربیت کی ذمہ داری بخوبی نبھائی اور علاقے کو آزاد کرا کر دم لیا۔ بدخشاں کے عوام انھیں ایک معلم' مربی

اور رہنما کی حیثیت سے یاد کرتے ہیں۔ دل ان کی محبت کے اسیر ہیں۔ ان کی کاوشوں کی داستان قافلے کے حدی خواں کا کردار ادا کرتی نظر آتی ہے۔ اور دل پکار اٹھتے ہیں۔

ابوقتیبہ چھ ماہ تک شمال میں مقیم رہے۔ اس دوران انھوں نے خوب معرکے سر کیے۔ میں نے جب انھیں پہلی مرتبہ دیکھا تو وہ علاقائی لباس میں ملبوس تھے۔ کوفیہ کے مجاہدین کی طرح انھوں نے کمر کے گرد پٹی کس رکھی تھی۔ میں سمجھا شاید علاقے کا کوئی جوان ہے کیونکہ چہرے کے خدوخال بھی مقامی لوگوں سے بڑی حد تک مشابہ تھے۔

بالآخر انھوں نے مجاہدین کی چوکی کو اپنا ٹھکانہ بنالیا۔ اب وہ ہر لمحہ سائے کی طرح ابوعبداللہ اسامہ بن لادن کے ساتھ رہتے' ان کی حفاظت پر کمربستہ اور ہر لمحے خدمت کے لیے پیش پیش۔ شاید ہی کوئی اسامہ کی اس قدر پُرمشقت خدمت بجالاتا جیسی خدمت ابوقتیبہ کرتے۔ وہ آدھی رات کو اٹھ کر گاڑی چلاتے اور جاجی کا رخ کرتے۔ وہاں پہنچتے تو کئی نئی ذمہ داریاں ان کی منتظر ہوتیں۔ مگر شکایت کا حرف تک زبان پر نہ لاتے۔ کتنا ہی بھاری کام ہوتا وہ اس طرح اس میں جت جاتے جیسے اس سے زیادہ محبوب مشغلہ ان کے لیے کوئی نہ ہو۔ اپنے قائد کی خدمت بجالا کر انھیں دلی مسرت ہوتی۔ جس محفل میں بیٹھتے' جانِ محفل بن جاتے۔ بلند ہمتی اور ہر دم رواں سیمابی طبیعت انھیں وراثت میں ملی تھی۔ محفل کو کشتِ زعفراں بنانے کا گر کوئی ان سے سیکھے۔ مجاہدین ان کی معیت میں کبھی نہ اکتاتے۔ اپنے ساتھیوں سے انھیں گہری محبت تھی اور وہ خود بھی ان سب کی آنکھ کا تارا تھے۔

((اَلْمُؤْمِنُ يَأْلَفُ وَيُؤْلَفُ، وَلَا خَيْرَ فِيمَنْ لَا يَأْلَفُ وَلَا يُؤْلَفُ وَخَيْرُ النَّاسِ أَنْفَعُهُمْ لِلنَّاسِ)) (رواه دارقطني في "الأفراد" و أحمد في مسند أبي هريرة ؓ، أنظر صحيح الجامع ٦٦٦٢)

''ایمان والا محبت کرتا ہے اور اُس سے محبت کی جاتی ہے' ایسے شخص میں کوئی بھلائی نہیں جو نہ محبت کرے اور نہ اُس سے محبت کی جائے اور لوگوں میں بہترین شخص وہ ہے جو سب سے زیادہ لوگوں کو نفع پہنچانے والا ہو''۔

جاجی اور خوست میں جنگ اپنے عروج پر تھی۔ خوست میں تو ہر لمحہ آگ برستی تھی۔ جاجی اور چھاؤنی

کے علاقے آزاد ہو گئے تو خوست، جوار اور میران شاہ مجاہدین کی سرگرمیوں کا مرکز بن گئے۔ ابوقتیبہ کو فارغ بیٹھے کبھی کسی نے نہ دیکھا، کئی کاموں کی مہارت رکھتے تھے۔ روزمرہ کے آلات، مشینری اور گاڑیوں کے خراب پرزوں کو کسی ماہر مکینک کی طرح خود ٹھیک کر لیتے۔

ابوقتیبہ ابوعبداللہ اسامہ بن لادن کے دست راست تھے۔ اپنے رہنما کی سوچ اور افکار کو عملی جامہ پہنانے کے لیے بے چین رہتے۔ ابوعبداللہ سے ان کا تعلق وہی تھا جو متنبّی کا سیف الدولہ سے اور ربیع مرادی کا امام شافعیؒ سے تھا۔ ابوعبداللہ کی روح، اپنے عقیدت مند سے کچھ یوں مخاطب ہے۔

اذا ما ادخرت الامانی العذاب
واترعت اکوابها الصافیه
ولم تدخر لک مل ء العروق
دما کدم الاسد الضاریه
تحت ظما فی جلدة منت
علی الدم عابثة قاسیة

اسامہ کی آنکھیں چھلک پڑیں

پرعزم جوانوں کی سرزمین ننگرہار میں جنگ کے شعلے اٹھنے لگے تو عرب مجاہدین نے اس جنگ میں ہراول دستے کا کردار ادا کیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے انسانیت کے اعلیٰ نمونوں نے یکے بعد دیگرے جانوں کے نذرانے پیش کر دیے اور اپنے پیچھے ایمان و عمل کی وہ مثالیں چھوڑ گئے جو آنے والی نسلوں کے لیے روشنی کا مینار بنی رہیں گی۔ سب سے پہلے ابومسلم داغِ مفارقت دے گئے۔ ان کے بعد ابویسر اور ابوطارق نے بھی اسی منزل پر جا کر دم لیا اور آخر میں ابوقتیبہ نے بھی ۲۳ مئی ۱۹۸۹ء کو ربّ کے ساتھ کیا گیا اپنا وعدہ وفا کر دکھایا۔ دشمن کے ٹینکوں کی سمت سے آنے والا گولہ پیامِ اجل ساتھ لے کر آیا اور ابوقتیبہ اور ابوخلیل کے بدن کو چھلنی کر گیا۔ دونوں کو اپنے پیش رو ساتھیوں کے جلو میں دفن کر دیا گیا۔

اسامہ بن لادن میرے پاس بیٹھے شہدا کا تذکرہ کر رہے تھے۔ جب ابوقتیبہ کا تذکرہ آیا تو ان کی آنکھیں چھلک پڑیں۔ الفاظ ان کا ساتھ چھوڑتے چلے گئے۔ انھوں نے اپنی قوت مجتمع کرتے ہوئے

دوبارہ بات کرنے کی کوشش کی مگر جذبات پر قابو نہ رکھ سکے۔ تیسری مرتبہ آنسوؤں اور ہچکیوں کے ساتھ ان کے منہ سے نکلنے والے الفاظ نے حاضرین کو خاموش کرا دیا۔ اللہ ابوقتیبہ پر رحم فرمائیں اور ہمیں صالحین کے زمرے میں اکٹھا کر دیں۔

ابوقتیبہ شہید کے والد کے ساتھ مجلہ الجہاد کی ملاقات

الجہاد: ہمیں شہید کی زندگی کے بارے میں کچھ بتائیے۔ نیز شہادت کی خبر سن کر آپ کے کیا تاثرات تھے؟

والد: ابوقتیبہ ۱۹۶۵ء میں پیدا ہوئے۔ ابتداء ہی سے گھر میں دینی ماحول ملا جس کے ان کی تربیت پر گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ ان کی چھوٹی عمر کا ایک واقعہ مجھے اب بھی یاد ہے کہ ایک دفعہ وہ قریباً تین برس کے تھے کہ انھوں نے اپنے پڑوسیوں کے بچے کو پتھر دے مارا جس سے اس کا خون نکل پڑا۔ میں نے وجہ پوچھی تو کہنے لگے: "ابا جان! یہ دین کو برا بھلا کہہ رہا تھا"۔ میں نے انھیں کہا: "اچھا اگر یہ معاملہ تھا تو پھر میں نے تمہیں معاف کیا"۔

انھوں نے ابتدائی تعلیم حماۃ میں حاصل کی۔ بعدازاں ہم حماۃ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے۔ تعلیم کے باقی مراحل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر مدینہ منورہ میں طے کیے۔ یہیں انھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور ان کے دین سے بے پناہ محبت اور وابستگی کی نعمت میسر آئی۔ ابھی کالج کے ابتدائی سالوں میں تھے کہ ہم سے جہاد اور اس کی برکتوں کے بارے میں گفتگو شروع کر دی۔ وہ زیادہ تر دسترخوان پر اس موضوع کو چھیڑتے۔ ایک روز کھانے کے دوران ہی اپنی والدہ سے جہاد پر جانے کی اجازت طلب کرنے لگے تو والدہ نے صاف انکار کر دیا۔ اگلے روز انھوں نے پھر یہی موضوع چھیڑا اور مجھ سے جانے کے متعلق استفسار کرنے لگے۔ خدا گواہ ہے، میں نے یہی کہا کہ "میرے پاس تمہیں روکنے کی کوئی وجہ نہیں ہے"۔ بس یہ سننا تھا کہ خوشی سے اچھل پڑے اور کہنے لگے: "بس جب ابا جان راضی ہیں تو میں جہاد میں شریک ہو کر ہی رہوں گا"۔ اور واقعی چند دن نہ گزرے تھے کہ انھوں نے اپنے دوستوں کے ساتھ افغانستان کے لیے رختِ سفر باندھ لیا۔ اور کئی سال تک مجاہدین کے ہم رکاب رہے۔ ۱۹ شوال ۱۴۰۹ھ بروز بدھ، شام کے وقت میں اپنے اہلِ خانہ کو لے کر اپنے بھائی کے ہاں گیا۔ ابھی مجھے وہاں بیٹھے

کچھ ہی دیر گزری تھی کہ مجھے عورتوں کے کمرے سے رونے کی آوازیں آنے لگیں۔ میں نے اٹھ کر پوچھا تو بتایا گیا کہ ابھی ابھی کسی نامعلوم شخص نے فون پر ابوقتیبہ کی شہادت کی اطلاع دی ہے۔ میں نے کہا ٹھیرو میں ذرا تصدیق کر لیتا ہوں۔ میں نے پشاور فون کر کے معلوم کرنا چاہا تو بہت دیر تک کوشش کے باوجود ادھر سے کسی نے فون کا جواب نہ دیا۔ تب میں نے ابوقتیبہ کے ایک دوسرے دوست کو فون کر کے خبر کی تصدیق چاہی تو اس نے جواباً کہا: "اللہ تعالیٰ آپ کے بیٹے کی شہادت قبول کریں اور اسے روزِ محشر آپ لوگوں کی شفاعت کا اعزاز بخشیں"۔ میں نے انا للہ وانا الیہ راجعون کہا اور شہید کی والدہ سے آ کر کہا: "ہمارا بیٹا افغانستان کیوں گیا تھا؟" وہ کہنے لگیں: "جہاد کرنے" تب میں نے کہا: "اس نے خدا کی راہ میں جہاد کیا جس کے نتیجے میں اللہ نے اسے شہادت کا اعزاز بخشا۔ ہمیں اس پر ان کے حضور سراپا شکر ہونا چاہیے کہ یہ محض ان کا انتخاب ہے۔ وہ خود فرماتے ہیں: ﴿وَ یَتَّخِذَ مِنْکُمْ شُهَدَآءَ﴾ شہید کی والدہ نے اپنے آنسو پونچھ ڈالے اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر رب کے سامنے سر تسلیم خم کر لیا۔ تب میں نے انھیں تفصیل سے سمجھایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجاہدین کے امام تھے۔ ہم ان کے امتی ہونے کی حیثیت سے ان کے طریقے کی پیروی کے پابند ہیں۔ خدا کے دین کی نصرت کی لیے جہاد کے راستے پر کاربند ہونا ناگزیر ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دیں اور اپنی نعمت بھری جنتوں میں داخل کر دیں۔ خدا کا شکر ہے کہ ہمارے بیٹے نے اپنے رب سے جو مانگا انھوں نے اسے وہ سب کچھ مرحمت کر دیا"۔

المجاہد: آپ نے خود سرزمین جہاد میں آنے کا فیصلہ کیسے کیا؟

والد: شہادت سے پانچ ماہ قبل بیٹے نے مجھ سے مطالبہ کیا تھا کہ میں اس کی والدہ اور بہن بھائیوں کو لے کر پاکستان آؤں تو وہ مجھے سرزمین جہاد لے جا کر مجاہدین سے ملوائیں گے۔ میں نے ان سے وعدہ کیا کہ ان شاء اللہ گرمیوں کی چھٹیوں میں ضرور پاکستان آؤں گا۔ کچھ ہی روز گزرے تھے کہ بیٹے کا فون آیا کہ آپ بہار کی چھٹیوں میں پاکستان آنے کی کوشش کریں۔ میں نے کہا کہ صرف پندرہ دن کی چھٹیاں ہوں گی جو اتنے لمبے سفر کے لیے ناکافی ہیں' کہنے لگے: "ان شاء اللہ کافی ہوں گی آپ آ جائیے"۔ خدا کا کرنا کہ مجھے واقعی چھٹیوں کے دوران پاکستان کا ویزا بھی مل گیا اور ہم لوگ پاکستان پہنچ آئے۔ ابوقتیبہ شہید مجھے افغان مجاہدین کے مورچے دکھانے لے گئے۔ میں بغیر کسی مبالغے کے کہوں گا کہ یہاں فی الواقع مجھے اپنی آنکھوں سے انسانیت کے بہترین نمونے دیکھنے کا اتفاق ہوا جن کی تمام تر حرکات

اعلیٰ آداب سے آراستہ تھیں۔ بعد میں جب مجھے بیٹے کی شہادت کی خبر ملی تو میرے دل سے آواز اٹھی کہ صرف اپنے بیٹے کی شفاعت کا متمنی ہو جانا میرے لیے کافی نہیں بلکہ ناگزیر ہے کہ میں سرزمین جہاد میں جا کر اللہ تعالیٰ سے مقام شہادت کا طلب گار بنوں' بے شک وہ اس پر قادر ہیں۔

المجاہد: بعض افراد کا خیال ہے کہ تبلیغ و دعوت سے منسلک نوجوانوں کا جہاد میں شریک ہونا اس پہلو سے خطرناک ہے کہ یہ نوجوان اپنے پیچھے ایک خلا چھوڑ جاتے ہیں جسے پر کرنے والا کوئی نہیں ہوتا؟

والد: میں سمجھتا ہوں خدا کے دین کی طرف دعوت دینا ایک ناگزیر امر ہے' مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جہاد کا راستہ چھوڑ دیا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے "جب بھی کسی قوم نے جہاد چھوڑا ذلت و پستی اس پر مسلط کر دی گئی"۔ البتہ دعوت و جہاد کے علم برداروں کو باہم مل جل کر کوئی ایسی راہ نکال لینی چاہیے کہ دونوں کام تسلسل کے ساتھ جاری رہیں۔ مثلاً ایک گروہ دو ماہ کے لیے جہاد کی خدمات انجام دے اور پھر واپس آ کر دعوت و تبلیغ کا محاذ سنبھال لے۔ اس اثناء میں اس کی جگہ دوسرا گروہ جہاد کی مہم پر چلا جائے۔ اس طرح دونوں میدانوں میں اپنی اپنی نوعیت کی سرگرمیاں جاری رہیں گی۔

جہنم سے بچاؤ کی یقینی ضمانت' شہادت سے بڑھ کر کسی اور چیز میں پوشیدہ نہیں!

المجاہد: آپ ان والدین کو کیا نصیحت کریں گے جو اپنے بچوں کو جہاد میں شرکت سے روکتے ہیں؟

والد: میں ان سے یہی عرض کروں گا کہ وہ کون سے والدین ہوں گے جنھیں اپنی اولاد کے لیے نعمتوں بھری زندگی کی تمنا نہ ہو اور جو یہ نہ چاہتے ہوں کہ دنیا بھر کی نعمتیں اور خوشحالی ان کی اولاد کے قدموں میں ہو؟ تو ذرا سوچیے کہ جنت سے بڑھ کر عیش و عشرت کی زندگی بھلا اور کہاں ہو گی؟ صرف نعمتیں اور من پسند زندگی ہی نہیں بلکہ انبیاء و صدیقین اور شہداء کی معیت بھی اس زندگی کا خاصہ ہو گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَ اَهْلِیْکُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ﴾ (التحریم: ۶)

"اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو (دوزخ کی) اُس آگ سے بچاؤ جس کا

اینڈحسن آدمی اور پتھر ہے"۔

بے شک جہنم کے عذاب سے بچاؤ اور جنت کی یقینی ضمانت 'شہادت سے بڑھ کر کسی اور چیز میں پو شیدہ نہیں ہے۔ میں تو دعا کرتا ہوں کہ اگر میرے چالیس نوجوان بیٹے بھی ہوتے تو میری آرزو ہوتی کہ وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہو جائیں۔ اب میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے 'میری اہلیہ اور دیگر بچوں کو بھی اپنی راہ میں شہادت نصیب فرمائیں۔ جہاں تک عمر اور موت کے معین وقت کا تعلق ہے تو اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد واضح ہے:

﴿فَإِذَا جَآءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُونَ﴾

(الاعراف: ۳۴)

"سو جس وقت اُن کی میعادِ معین آجائے گی اُس وقت ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے"۔

الجہاد: راہ جہاد میں مصروف نوجوانوں کو آپ کیا وصیت کریں گے؟

والد: میں ان نوجوان بیٹوں اور بھائیوں کو تلقین کروں گا کہ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے صبر واستقامت' اخلاص اور باہمی بھائی چارے اور محبت کے لیے دعا گو رہیں۔ باہمی اختلافات اور کشیدگیوں سے اپنا دامن یکسر بچا کر رہیں۔ اپنے امیر اور ذمہ دار افراد کی سمع واطاعت پر کاربند رہیں اور میرے لیے دعا گو رہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی راہ میں شہادت کی میری آرزو پوری کر دیں۔

معتوق فارس شہید

"معتوق (ابو خلیل) تہجد گزار تھے۔ حلم و بردباری اور اعلیٰ اخلاقی اوصاف ان کی شخصیت کا امتیاز تھے۔ جب بھی ابو عباس کو دیکھتے' کہتے "ان کی پیشانی پر فروزاں علامات گواہی دیتی ہیں کہ یہ شہید ہوں گے"

ابو خلیل پورا سال مجاہدین کے ساتھ ماسدہ کے مورچوں میں رہے اور تری مینگل تک بھی نہیں آئے۔ دیکھنے والے جانتے ہیں کہ سردیوں کے چار ماہ وہاں کس غضب کی سردی پڑتی ہے۔ دن کے بارہ بجے بھی سرد ہواؤں کے تھپیڑے انسان کو سورج کے سامنے جانے سے روکتے ہیں۔ ہمیں یاد ہے کہ جن دنوں ہم محاذ پر تھے' ہم پلاسٹک کے برتنوں میں پانی بھرتے مگر اگلی صبح تک یہ پانی مکمل برف بن چکا ہوتا جس سے وضو کرنا ممکن نہ ہوتا۔

موسم کی اسی شدت کے باعث افغان بھائی ہمیشہ مجاہدین کے دستے کو دو حصوں میں تقسیم کرتے۔ ایک حصہ محاذ پر رہتا اور دوسرا اپنے اہل وعیال کے پاس چھٹی گزارآتا۔ پھر جب وہ حصہ واپس محاذ پر آجاتا تو پہلا حصہ چُھٹی پر چلا جاتا۔ مگر ابو خلیل ہمیشہ قسم اٹھا کر کہتے کہ میں چھاؤنی فتح ہونے تک مورچہ ہرگز نہیں چھوڑوں گا! جلد ہی ابو خلیل کا صبر واستقامت ضرب المثل بن گیا۔

انسان کی خوبیاں اس کی ظاہری شکل وصورت پر انحصار نہیں کرتیں

اس سیاہ فام نوجوان کو جو بھی دیکھتا اس کے ذہن میں سیاہ فام تابعی عطا بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ کا تصور گھوم جاتا۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کی خوبیاں اس کی ظاہری شکل وصورت پر انحصار نہیں کرتیں۔

عید الفطر ۱۴۰۹ھ کو اللہ کے دشمنوں کو شکست کھانی پڑی اور چھاؤنی کا قلعہ فتح ہو گیا۔ ساتھ ہی ابو خلیل بھی ایک جہادی دستے کے ساتھ خوست کی طرف چل پڑے۔ وہاں انہیں مجاہدین کا کمان دان بنا دیا

گیا۔ اسلحے کے استعمال سے جو گراں کے لیے کوئی عجوبہ [illegible] تھا انھیں گولیوں کی گھن گرج میں وہ لطف آتا تھا جو کسی شاعر کو غزل سرائی میں آ سکتا ہے۔

بارڈی میں ابوخلیل ایک سال سے مجاہدین کو ایک سے دوسرے کا استقبال کرتے اور دوسرے کو الوداع کہتے۔ ڈی بیگل اور عمران شاہ کے راستے ان کا انتظار کرتے رہ گئے کیوں کہ ان کے سب راستے وہ خود اپنے لیے بند کر چکے تھے۔

ابوخلیل تہجد گزار تھے۔ حلم و بردباری اور اعلیٰ اخلاقی اوصاف ان کی شخصیت کا امتیاز تھے۔ جب بھی ابوعباس کو دیکھتے کہتے "ان کی پیشانی پر فروزاں علامات گواہی دیتی ہیں کہ یہ شہید ہوں گے"۔ بالآخر جلال آباد کا معرکہ بھی خوب گرم ہو گیا۔ اس دوران اسامہ بن لادن نے دشمن کے کئی علاقوں کو زیر کر لیا۔ ابوخلیل نے اپنے قائد کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے ہر جنگ میں دلیری و شجاعت کی نظیر قائم کی۔ ۲۲ جون ۱۹۸۹ء ابوخلیل کی شہادت کا دن تھا۔ اس روز جلال آباد کی زمین شعلے اگل رہی تھی' وہ اپنے دوست ابوعباس کے ساتھ داد شجاعت دیتے ہوئے اپنے ربّ سے جا ملے۔

فاثبت فی مستنقع الموت رجله

وقال لها من تحت اخمصک الحشر

یہ زاہد و عابد شہسوار ہمیں صبر و استقامت اور جوانمردی و بہادری کے کئی درس دیتا اپنی منزل پر جا پہنچا۔ اللہ کریم سے دعا ہے کہ وہ انھیں کامیابی و عروج نصیب کریں۔ ان شاء اللہ ایک طویل اور جاں گسل لڑائی لڑنے کے بعد اب قرار و سکون ان کا مقدر ہو گا۔

عامر احمد صالح شہید

"انھوں نے اپنی اہلیہ کو گزر اوقات کے لیے وافر رقم کا انتظام کر کے اسے ان کے سپرد کیا اور نئے عزم اور نئے ولولے کے ساتھ جلال آباد کا رخ کیا۔ جیسے کوئی بچھڑا دوست اپنے دوست سے ملاقات کے لیے بے کل ہو جائے"

جلال آباد اور قندھار کی فتوحات میں جزیرہ عرب کے جوانوں کی سرفروشی کس سے پوشیدہ ہے؟ اہلِ یمن اور افغانوں نے شانہ بشانہ لڑ کر یہ جنگ جیتی ہے۔ اہلِ یمن اپنی کئی خصوصیات میں اہلِ افغانستان سے مشابہ ہیں۔ اسی وجہ سے ہمارے کئی ساتھی انھیں 'پختون عرب' کہہ کر پکارنے لگے۔ یہ دونوں قومیں جنگجو صفت اور جفاکش ہیں اور سختیوں سے نبٹنا جانتی ہیں۔

مجھے اس موقع پر ایک اہم فلسطینی رہنما یوسف طلعت کی یاد آتی ہے۔ یوسف ایک معمولی تعلیم یافتہ، سادہ دل نوجوان تھے مگر آتشِ جہاد نے ان میں بجلیاں بھر دی تھیں۔ انھوں نے اسماعیلیہ اور سیج کو یہودیوں کے لیے موت کی وادی بنا چھوڑا تھا۔

عامر احمد (ابومبارک یمانی) شہید ۱۹۵۸ء میں ریمہ میں پیدا ہوئے۔ ریمہ میں ۱۹۸۰ء میں پہلی مرتبہ سیکولر عنصر کے خلاف شورش برپا ہوئی۔ خطے نے اپنے کئی سپوت اس جنگ کی نذر کر دیے۔ ریمہ کے نوجوانوں کی یہ پیش رفت ہنوز جاری ہے۔ شاید کمیونسٹ طبقے کے خلاف برپا یورش نے ہی یمن کے نوجوانوں میں ملی غیرت کی آگ بھڑکا دی تھی کہ پھر اس سرزمین نے راہِ جہاد میں ایسے ایسے سپوت پیش کیے کہ ساٹھ اور ستر کے پیٹے میں ہوتے ہوئے بھی ان میں جوانوں کی روح بیدار نظر آتی۔ سعودی عرب سے آنے والے بھائی زیادہ تر جوان ہوتے جب کہ یمنی مجاہدین عموماً جوانی کی سرحد عبور کر چکے ہوتے۔ ابومبارک بھی اپنی زندگی کی تیس بہاریں دیکھ چکے تھے۔ اپنی اہلیہ اور بیٹے کو الوداع کرنے کے ساتھ اس بیٹے

بیت اللہ کا غلاف پکڑ کر اپنی جان کا سودا کیا

ابومبارک کے کانوں میں جہاد کی صدا گونجی تو وہ شیر دل کی کچھار تک پہنچنے کے لیے بے تاب ہو کر رہ گئے۔ ۱۹۸۸ء میں وہ کشتیاں جلا کر مجاہدین کے ہم رکاب ہو گئے۔ چھ ماہ تک وہ صدہ اور خوست میں رہے۔ کچھ عرصہ بعد اہل خانہ سے ملنے کے لیے افغانستان کی فضاؤں کو خیر باد کہا مگر ان کی روح تو گویا یہیں اٹک کر رہ گئی تھی۔

چنانچہ ایک دفعہ پھر وہ تمام بیڑیوں کو کاٹتے ہوئے معرکہ کارزار میں اترے۔ ابوطیب انھیں دیکھتے تو ضرور ان کی شاعری کو زبان مل جاتی اور پکار اٹھتے:

حعام نحن نساری النجم فی الظلم — وما سراہ علی خف ولا قدم

ولا یحس با جفان یحس بھا — فقد الرقاد غریب بات لم ینم

انھوں نے اپنی اہلیہ کے گزر اوقات کے لیے وافر رقم کا انتظام کر کے اسے ان کے سپرد کیا اور نئے عزم اور نئے ولولے کے ساتھ جلال آباد کا رخ کیا... جیسے کوئی بچھڑا دوست اپنے دوست سے ملاقات کے لیے بے کل ہو جائے۔ وہ رمضان المبارک کی مبارک ساعت تھی جب ابو مبارک جلال آباد آئے۔ حوروں کی اُس بستی کا رخ جہاں حیاتِ جاودانی کے متلاشی کرۂ ارض کے کونے کونے سے چھٹ چھٹ کر جمع ہو رہے تھے۔ افغانستان پہنچنے سے قبل انھوں نے عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے لیے مکہ مکرمہ میں پڑاؤ ڈالا۔ وہیں بیت اللہ کا غلاف پکڑ کر انھوں نے ربّ سے اپنی جان نذری کا سودا دہرایا۔ بالآخر ۱۱ ذیقعد ۱۴۰۹ھ بمطابق ۱۳ جون ۱۹۸۹ء کو ابو مبارک شہادت کی منزل پر متمکن ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں جنت الفردوس میں صالحین کی معیت میں اکٹھا فرما دیں۔

ابوعباس شہید

"کھانے پینے کے معمول کا یہ عالم تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا عملی نمونہ نظر آتے "ابن آدم کے لیے اتنے لقمے کافی ہیں جو اس کی بھوک روک دیں۔ اگر پیٹ بھرنا ناگزیر ہی ہو تو اس کا ایک حصہ خوراک کے لیے رکھا جائے ایک حصہ پانی کے لیے اور ایک حصہ سانس لینے کے لیے"

ان کو دیکھتے ہی دل ان کے شہید ہونے کی گواہی دینے لگتا۔ خاموش طبع، فضول گوئی سے گریزاں! ان کی ایک ایک ادا میں اپنے ساتھیوں کو تربیت دینے کا انداز پوشیدہ ہوتا۔ ساتھی ان سے تربیت لینے سے قبل ہی بہت کچھ سیکھ لیتے۔ ابوالعباس کی زبان ہر دم خدا کے ذکر سے تر رہتی۔ زہد کا یہ عالم تھا کہ شدید ٹھٹھرتی سردی میں بھی انھیں ہمیشہ تربیت کے سادہ لباس ہی میں ملبوس دیکھا گیا۔ ایک دفعہ ایک ساتھی نے اپنی جیکٹ ان کی خدمت میں پیش کی تو شکریے کے ساتھ یہ جیکٹ انھوں نے اسے واپس لوٹا دی۔

فقیروں کا کیا کام طبل و علم سے، گداؤں کو کیا فکر جاہ و حشم کی

عباؤں، قباؤں کا میں کیا کروں گا؟! عطا ہو گیا مجھ کو تاجِ غلامی!

کھانے، پینے کے معمول کا یہ عالم تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا عملی نمونہ نظر آتے:

حسب ابن آدم لقیمات یقمن صلبہ فان کان لا محالۃ فثلث لطعامہ و ثلث لشرابہ وثلث لنفسہ.

"ابن آدم کے لیے اتنے لقمے کافی ہیں جو اس کی بھوک روک دیں۔ اگر پیٹ بھرنا ناگزیر ہی ہو تو اس کا ایک حصہ خوراک کے لیے رکھا جائے ایک حصہ پانی کے لیے اور ایک حصہ سانس لینے کے لیے"۔

عبدالجبار مصری کہتے ہیں: ہمیں حیرت و تعجب ہوتا کہ اتنی کم خوراکی کے ساتھ ابوالعباس زندہ کیسے رہ رہے ہیں۔ جب بھی ان کے پاس کوئی پھل وغیرہ آتا تو وہ اسے اپنے ساتھیوں میں بانٹ دیتے۔

ابوالعباس اپنے چند مجاہد دوستوں کے ساتھ جاجی میں رہائش پذیر تھے۔ یہاں پر بھی کبھار وہ اپنی مرضی کی کھانے پینے کی اشیاء منگوا لیتے۔ ایک روز عبدالجبار نے ان سے اپنے منگوائے ہوئے کوزے اور شربت کے بارے میں دریافت کیا تو ابوالعباس کہنے لگے "مجھے ان چیزوں سے شغف ہے نہ میں ان کے بارے میں کچھ جانتا ہوں"۔

در حقیقت وہ علم و عمل کا دل نواز پیکر تھے۔ ان کی ذات ہمارے لیے رہنما تھی، میں نے زندگی بھر ان جیسی ہر دل عزیز شخصیت نہیں دیکھی:

چند فرشتوں کا نام انساں ہے   میرے احساس کے قرینوں میں!

ژاور سے کچھ ہی عرصے بعد وہ باڑی چلے گئے۔ وہیں انھیں اپنے ہمدم دیرینہ ابوخلیل کے ساتھ کچھ عرصہ گزارنے کا اتفاق ہوا۔ اس کے بعد وہ جلال آباد چلے آئے، یہاں جنگ شعلے اگل رہی تھی جب ۲۲ مئی ۱۹۸۹ء کو یہ دونوں رفیق اپنے رب کے دربار میں جا حاضر ہوئے۔ سرفروشی و جاں نثاری کے پیکر، علم و عمل کے شہسوار! اس دنیا میں بھی ہمیشہ ہم رکاب رہے اور آخرت کا سفر بھی دونوں نے اکٹھے ہی طے کیا۔

ناصر علی حسین شہید

"انھیں دیکھ کر احساس ہوتا کہ بس کسی بھی لمحے دنیا سے کوچ کر جانے کا ارادہ ہے"

ابو خلیل اور ابوالعباس نے جام شہادت نوش جاں کیا تو اس کے ایک ہی روز بعد ناصر (ابو ابراہیم) بھی ان کے پاس پہنچ گئے۔ وہ اپنے پیش روؤں سے کسی طور بھی مختلف نہ تھے۔ انھیں ہر لمحہ قرآن مجید کی تلاوت اور ذکر و استغفار میں مشغول دیکھا گیا۔ کھانا بقدر کفایت کھاتے، روزوں کا بڑے ذوق و شوق سے اہتمام کرتے، لباس زہد و استغناء کا منہ بولتا ثبوت ہوتا، رات کے آخری پہر انھیں تلاش کیا جاتا تو وہ شب زندہ داروں کے جلو میں مصروف عبادت پائے جاتے:

﴿تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا﴾

(السجدة: ۱۶)

"وہ اپنے بستروں سے اُٹھ کر اپنے رب کو خوف اور اُمید سے پکارتے ہیں"۔

انھیں دیکھ کر احساس ہوتا کہ بس کسی بھی لمحے دنیا سے کوچ کر جانے کا ارادہ ہے۔ اللہ کی مشیت دیکھیے کہ ابوقتیبہ، ابوعبداللہ عبیدی اور ابوابراہیم دشمن کے ایک ہی میزائل کی زد میں آئے اور اکٹھے ہی حیات ابدی کی طرف روانہ ہو گئے۔ آسمان ابوابراہیم کی لحد پر شبنم افشانی کرے۔ میں حیران ہوں کہ وہ کون سا مدرسہ ہے جس نے ایسے نابغہ روزگار نوجوان تیار کیے، اور وہ کون سا چشمہ صافی ہے جس نے ان کرداروں کو سیراب کیا؟! ہم امید کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان قدسی نفوس کے ہمراہ اپنی نعمتوں بھری جنتوں میں اکٹھا فرمائے گا۔

ابوطیب مغربی شہید ایک داعی... ایک مہاجر

''سفر میں ہوں یا حضر میں' قرآن مجید ہمیشہ ان کے ہاتھ میں رہتا۔ صبح وشام کے اذکار اور دعاؤں کا کبھی ناغہ نہ ہوتا... چاہے حالات کیسے ہی کیوں نہ ہوں''

دنیا کی رونقوں سے منہ موڑتے ہوئے انھوں نے کوئے جاناں میں قدم رکھا۔ شباب درعنائی کے نظاروں سے دامنِ دل بچا کر افغانستان کے کہساروں میں چلے آئے۔

میں نے سب سے پہلے انھیں ۱۹۸۸ء میں امریکا میں منعقدہ اجتماع میں دیکھا۔ اس کے بعد تو وہ ہر لحہ سائے کی طرح میرے ساتھ ہوتے۔ بحیثیت صحافی انھوں نے وہاں ہوٹل میں میرے ساتھ ٹھیرنے کی اجازت چاہی۔ روز بروز ہمارا تعلق گہرا ہوتا چلا گیا۔ جس دن اجتماع کا اختتام تھا اس دن وہ اپنے ارجنٹائن کے چند ساتھیوں کو لے کر میرے پاس آئے اور اصرار کیا کہ میں ان کے شہر ضرور جاؤں۔ ابوطیب کہنے لگے: ''ابو طارق ہمارے نوجوان پائلٹ ہیں اور ہمارا پورا شہر جہادی سرگرمیوں کا مرکز ہے۔ آپ ہمارے شہر ضرور آئیے گا۔ وہ یہاں سے چند گھنٹے کی مسافت پر واقع ہے۔ ہم بآسانی گاڑی سے وہاں پہنچ سکتے ہیں۔ بالآخر میں نے فیصلہ کیا کہ گاڑی میں ان کے ساتھ ہی چلوں۔ چنانچہ مصطفیٰ رجب کی گاڑی میں ان نوخیز نوجوانوں کی رفاقت میں اس سفر کا آغاز ہوا۔ اسی سفر کے دوران ابو طارق سے سیر حاصل گفتگو ہوئی۔ یہ وہی ابو طارق ہیں جن کا مکتب خدمات مجاہدین کی بنیاد رکھنے میں مرکزی کردار رہا ہے۔

مجھے پشاور واپس آئے ہوئے کچھ عرصہ گزرا تھا کہ ابوطیب بھی امریکا اور اس کی آسائشوں پر تین حرف بھیج کر ہمارے پاس آپہنچے۔ میں انھیں ساتھ لیے صدہ پہنچا۔ دینِ حق کی عظمت وسربلندی کی تڑپ ابوطیب کی رگ رگ میں سرایت کیے ہوئے تھی' بقول اقبال ؎

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں
نہ ہو نومید، نومیدی زوالِ علم وعرفاں ہے
امید مردِ مومن ہے خدا کے رازدانوں میں
نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

خواہ ان کے جسموں کے پرخچے ہی کیوں نہ اڑ جائیں

رمضان المبارک کے دوران ڈاکٹر حمزہ کابل سے آتے ہوئے اپنے ساتھ دو زخمی مجاہدین بھی لیتے آئے۔ عید الفطر کے دنوں میں ابوالحسن مدنی کابل سے آئے تو انھوں نے بعض نئے عرب مجاہدین کی آمد کی اطلاع دی اور بتایا کہ ان میں سے ایک نوجوان کے چہرے مہرے اور گفتگو میں قائدانہ صلاحیتوں کی جھلک دیکھتے ہوئے میں نے اسے اپنے ساتھیوں کا امیر مقرر کر دیا ہے۔ ادھر کریز میر میں معرکہ جوبن پر تھا۔ دن رات دشمن کے طیارے بمباری کرتے۔ مجاہدین نے اس علاقے میں پڑاؤ ڈال لیا اور پختہ فیصلہ کر لیا کہ کریز میر کو دشمن کے حوالے نہ ہونے دیں گے خواہ ان کے جسموں کے پرخچے ہی کیوں نہ اڑ جائیں۔ ابوطیب تو ایسی ہی کسی جگہ کی تلاش میں تھے' یہیں ان کی تڑپتی روح کو قرار آیا۔

یریک مخبرہ اضعاف منظرہ بین الرجال و فیھا الماء و الآل
وقد یلقبہ المجنون حاسدہ اذا اختلطن و بعض العقل عقال

۲۹ جون ۱۹۸۹ء کو نماز عشاء کے بعد ابوطیب کے دیرینہ رفیق محمد مشتاق مغربی میرے پاس آئے اور حیرت سے پوچھنے لگے:

''کیا ابوطیب بھی جان سے گزر گئے؟'' میں چونک گیا: ''آپ کو اطلاع کس نے دی؟''

''تقی الدین الجزائری جو ابھی گزشتہ روز کریز میر سے پشاور پہنچے ہیں' انھوں نے پشاور میں میرے ایک دوست سے اس کا تذکرہ کیا ہے''۔ میں نے کہا: ''ابوالحسن مدنی کے کمرے میں جائیے اور ان سے دریافت کیجئے''۔

ساتھ ہی میں نے خود بھی ابوالحسن مدنی کے کمرے کی طرف قدم بڑھا دیے۔ پھر چند ثانیوں کے بعد کمرے کی اتھاہ خاموشی میں محمد مشتاق کی سسکیوں کی گونج کے سوا کوئی آواز سنائی نہ دے رہی تھی۔ یہ سسکیاں امریکا سے لے کر صدہ کی چوٹیوں تک دیرینہ محبت و رفاقت کی نہ جانے کتنی کہانیاں اپنے اندر سموئے ہوئے تھیں۔

ابوطیب خوشبو کے خوشگوار جھونکے کی طرح آئے اور گزر گئے۔ لوگ اپنے بیانات اور زبانی دعووں میں جو باتیں کہتے ہیں' اس شاہین صفت جوان نے اسلحے کی جھنکار کے ساتھ ان سب کو سچ کر دکھایا۔

شہید دوست کے بارے میں محمد مشتاق کی یادیں

''حسن ولفی المعروف ابوطیب ۳ مارچ ۱۹۶۴ء کو فاس میں پیدا ہوئے۔ ان کی پرورش اور تعلیم و تربیت کے تمام مراحل میں دین سے محبت کو مرکزی حیثیت حاصل رہی۔ ہمیشہ پیر اور جمعرات کے روزوں کا خاص اہتمام کرتے' رات کا آخری پہر آہ سحر گاہی اور رب سے مناجات میں گزارتے۔ وتر نماز کبھی نہ چھوڑتے۔ سفر میں ہوں یا حضر میں' قرآن مجید ہمیشہ ان کے ہاتھ میں رہتا۔ صبح و شام کے اذکار اور دعاؤں کا کبھی ناغہ نہ ہوتا... چاہے حالات کیسے ہی کیوں نہ ہوں' سونے سے پہلے وضو کا خاص اہتمام کرتے۔ اسی طرح سونے سے قبل سورہ ملک کی تلاوت ان کا معمول تھا' چاہے نیند اور تھکاوٹ سے ان کا برا حال ہی کیوں نہ ہو رہا ہوتا۔ کئی دفعہ ایسا بھی ہوتا کہ تلاوت کے دوران ہی ان کی آنکھ لگ جاتی اور وہ نیند کی وادیوں میں پہنچ جاتے۔ ابوطیب نہایت بہادر جوان تھے اور حق کی دعوت ان کا اوڑھنا بچھونا تھی۔

ہم دونوں نے ایک ہی تعلیمی ادارے میں ثانوی تک تعلیم حاصل کی۔ اسلام اور دینِ حق کے بارے میں درس و تدریس ابوطیب کا محبوب مشغلہ تھا۔ وہ قطعی دلائل کے ساتھ سیکولر ذہنوں کے سوالات کا جواب دیتے۔ مخاطب چاہے استاد ہو یا طالب علم ساتھی' وہ اپنا موقف واضح اور دوٹوک انداز میں رکھنے سے کبھی نہ ہچکچاتے۔ یونیورسٹی کی سطح پر آ کر انھوں نے شعبہء اسلامیات میں داخلہ لینے کے بجائے شعبہء نفسیات اور فلسفہ میں داخلہ لیا۔ وجہ یہ تھی کہ ان شعبوں میں ۹۹ فیصد سیکولر ذہن کے طلبہ زیرِ تعلیم تھے۔ ابوطیب ان کی آنکھوں کا کانٹا بن گئے۔ انھوں نے شعبے کو اپنی دعوتی سرگرمیوں کا مرکز بنا لیا۔ یہاں تک کہ بعض سیکولر اساتذہ ان سے خار کھانے لگے اور انھیں امتحانات میں ناکام کرنے کے درپے ہو گئے۔ ابوطیب ہر لحظہ سیکو

اور کیمونسٹ عناصر کی گھات میں رہتے۔ جہاں کہیں انھیں ان کی کسی سرگرمی کا علم ہوتا۔ ان کے سامنے ...پلائی ہوئی دیوار بن کر کھڑے ہو جاتے۔ مطالعہ بیحد وسیع تھا اور دعوتی کتابیں ان کا محبوب سرمایہ تھیں۔ ابنِ قیم اور ابن تیمیہ کی تالیفات ان کا اوڑھنا بچھونا تھیں۔ وہ جہاں جاتے دلوں اور ذہنوں کو دل فریب انداز میں متوجہ کرتے۔ جو انھیں دیکھتا' پہلی ہی نظر میں ان کا گرویدہ ہو جاتا۔ ۱۹۸۴ء سے وہ جہادِ افغانستان میں کسی نہ کسی پہلو سے شریک رہے تھے۔ وہ باقاعدگی سے عربی مجلہ الا صلاح میں جہادِ افغانستان کے متعلق مضامین لکھتے رہے۔ انھوں نے ''افغانستان ماضی اور حال کے آئینے میں'' کے عنوان سے ایک سیر حاصل کتابچہ بھی مرتب کیا۔

اپنی والدہ کے نام آخری خط میں انھوں نے والدہ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ گہرا تعلق استوار کرنے کی تلقین کی۔ اللہ تعالیٰ شہید پر اپنی رحمتیں سایہ فگن کریں اور ہمیں اور ان کے اہلِ خاندان کو قیامت کے روز ان کی شفاعت سے بہرہ ور فرمائیں۔ بے شک وہ دعاؤں کے سننے والے اور مہربان ہیں۔

سالم الحداد شہید

”سالم نیند سے اُٹھے تو چہرے پر خوشی اور مسرت کے جذبات نمایاں تھے، کہنے لگے: ”خوش خبری سن لو میں شہادت سے فیض یاب ہونے والا ہوں“

سالم کی پیدائش شمالی یمن میں مارب کے نواحی علاقے میں ہوئی۔ ان کا گھرانہ علمِ دین اور ادب و ثقافت کا مرکز تھا۔ والد علاقے کے نامور عالمِ دین اور داعی و مبلغ تھے۔ وہ عین جوانی میں اپنے زیرِ کفالت پندرہ افراد کو خدا کے بھروسے پر چھوڑ کر آخرت کے گھر کو چلے گئے۔ اب سالم اس گھرانے کے واحد کفیل تھے۔ سالم کو کم سنی ہی میں اپنے سے کئی گنا زیادہ یہ بوجھ اٹھانا پڑا۔ وہ اپنے بھائی ابو سالم سے مل جل کر زمانے کے تند و تیز تھپیڑوں کا مقابلہ کرنے لگے۔ اسی دوران ابو سالم کو جہادِ افغانستان کی ندا سنائی دی۔ ابو سالم دنیا کے جھمیلوں سے دامن جھاڑ کر یہاں آ گئے۔ رمضان ۱۴۰۷ھ میں وہ ماسدہ میں شریکِ معرکہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں توفیق دی کہ وہ علاقے کی ملیشیا کے جرنیل کو اپنے ہاتھوں واصلِ جہنم کریں۔

سالم کو بھی ۱۹۸۷ء میں جہادِ افغانستان میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی۔ کچھ عرصہ یہاں رہنے کے بعد وہ یمن واپس آ گئے۔ مگر اب ان کے لیے صرف روٹی کی خاطر جینا دوبھر ہو گیا۔ اس شیر دل گھرانے کے چار سپوت اس وقت معرکۂ جہاد میں جولانیاں دکھا رہے تھے۔ سالم بھی ایک مرتبہ پھر دامن جھاڑ کر ان کے ہم رکاب ہو گئے۔ یہ شعبان ۱۴۰۹ھ کا واقعہ ہے۔ جلال آباد میں جنگ کی چکی خون اور گوشت کے نذرانے وصول کر رہی تھی۔ سالم بھی رجز پڑھتے ہوئے میدان میں اترے:

ساحمل روحی علیٰ راحتی
والقی بہا فی مہاوی الردی

فاما حیاۃ تسرّ الصدیق
واما ممات یغیظ العدا

سالم فرانٹ لائن ”ڈی“ قرنو سار اور شیگر کے معرکوں میں بنفس نفیس شریک رہے۔ قرنو سار میں یہ ۸۱ نوجوانوں کا ایک مجموعہ تھا جس نے جلال آباد کی سرزمین کے تحفظ کے لیے سروں کا سودا کر رکھا تھا۔ اسلحے کی گھن گرج اور گولہ و بارود کے دھویں نے پورے علاقے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا، مگر ان صف شکن مجاہدوں کے حوصلے بہانگ دہل پکار رہے تھے۔

کان جما جم الابطال فیھم
وسوق بالا ما عزیز تمینا
نشق بھا رؤوس القوم شقاً
ونختلب الرقاب فیختلینا

ابو صالح لحشی ماربی بتاتے ہیں کہ ۲۲ شوال کے دن سالم نیند سے اُٹھے تو چہرے پر خوشی اور مسرت کے جذبات نمایاں تھے، کہنے لگے: ”خوش خبری سن لو میں شہادت سے فیض یاب ہونے والا ہوں“۔ میں نے مذاقاً کہا: ”ہاں فلسطین میں“۔ کہنے لگے: ”نہیں افغانستان میں۔ میں نے خواب میں ابا جان مرحوم کو دیکھا ہے کہ وہ مذاق میں میرے ساتھ کشتی لڑ رہے ہیں اور مجھ سے بہت خوش ہیں“۔

اسی روز دشمن کے پھینکے گئے میزائل سے سالم اور ابو نجیمہ سوری کی روح ملک الموت نے اپنے قبضے میں لے لی۔ دونوں اپنے رب کی جنتوں اور رضا جوئی کے مقام کی طرف سدھار گئے۔ پیچھے رہ جانے والے ساتھی دل گرفتہ ہیں کہ وہ ان سے سبقت لے گئے۔ ان کے دل بھی اس سعادت کے طلب گار ہیں۔

ابو ساعد رضوان جداوی شہید

"وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر دامن جھاڑ کر اللہ کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان کا ایمان تھا کہ اللہ کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں۔ برائی کے ہر سامان سے انھیں نفرت تھی، غیبت اور چغلی کے قریب بھی نہ پھٹکتے"

شہید کے نصیب کے کیا کہنے! کہ ان کا نام جنت میں داخلے کے امیدواروں کی فہرست میں رقم ہو گیا۔ ان کی روح سبز گنبد میں بسیرا کیے ہوئے ہے اور صبح و شام خدا کے رزق سے ان کی میزبانی ہو رہی ہے۔

رضوان بھلا یہ آپ کو کیا سوجھی کہ آپ کس طرح دنیا کو دھتکار چلے۔ آپ نے فٹ بال کے میدان میں موجود تماشائیوں کی ستائشی نگاہوں کی ذرا پروا نہ کی۔ انگلستان کے ہوٹل اور محل سرا آپ کو اپنا اسیر بنانے میں ناکام رہے۔ بھلا یہ کیسی انوکھی مثال آپ نے قائم کر دکھائی۔ جدہ کے ساحلوں پر پھرتے پھراتے، یورپ کے پانچ ستارہ ہوٹلوں میں گھومتے گھومتے آپ کو کیا سوجھی کہ اس سب کچھ کو قہوے کے کڑوے گھونٹ اور سوکھی روٹی کے ٹکڑوں کی خاطر قربان کر دیا۔ آپ کا یہ ناقابلِ فہم طرزِ عمل کیسی خاموش تبلیغ ہے! نہ جانے عیش و تنعم کے ہزار سامان نے آپ کے لیے کیا کمی چھوڑی تھی کہ آپ نے اس کی تلاش میں اطلس و دیبا کو چھوڑ چھاڑ کر ان دور دراز کوہساروں میں رہنا منظور کر لیا۔ ابھی آپ نے زندگی کی چوبیس بہاریں ہی تو دیکھی تھیں۔ دنیا کی کسی دوشیزہ کو زندگی کا ساتھی بنانے کا خواب اب بے معنی ہو چکا تھا۔ فٹ بال کا میدان چھوڑ کر موت کی تلاش میں پہاڑوں کا رخ کر لینے کے بعد کون سی دوشیزہ آپ سے شادی کی خواہاں ہوگی؟ آپ کی آرزوئیں بلند ہو گئیں۔ اب دنیا کی عورتیں، اب یہ بلند پرواز روح جنت

کی حوروں کے علاوہ۔

واذا كانت النفوس كبارا

تعبت في مرادها الاجسام

رضوان نے دنیا کا مزا چکھا، گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا مگر من کی پیاس تھی کہ بڑھتی ہی گئی۔ زندگی کے آخری دنوں میں وہ اپنے رب کی جاں فزا پکار سن کر کہاں کہاں نہ پہنچے۔ وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر دامن جھاڑ کر اللہ کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان کا ایمان تھا کہ اللہ کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں۔ برائی کے ہر سامان سے انھیں نفرت تھی، غیبت اور چغلی کے قریب بھی نہ پھٹکتے۔ شب زندہ دار تھے اور دن کو روزے سے رہتے۔ حمزہؓ بن عبدالمطلب کے دستے کے ساتھی ان کے کردار کی گواہی دیتے ہیں۔ فاریاب کی مٹی ان کے لہو کی خوشبو اپنے دامن میں سموئے ان کی نیکی و صالحیت کی شہادت دے رہی ہے۔

ڈیڑھ سال پہلے انھوں نے راہ جہاد کی طرف پیش قدمی کی، تربیتی مرکز سے تربیت حاصل کی اور پھر لوگر چلے گئے۔ خدا نے ان کے نصیب میں 'حمزہؓ بن عبدالمطلب دستے' کے نگران ابی الجنید کی زیرِ قیادت معرکے میں شمولیت لکھ رکھی تھی۔ انھوں نے افغانستان کے دور دراز علاقے فاریاب کا رخ کیا۔ راستے میں کمیونسٹوں نے گرفتار کر لیا۔ مگر خدا کی مشیت سے وہ ان کی قید سے کسی نہ کسی طرح فرار حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ کمیونسٹوں کو پتہ نہ چل سکا کہ ان کا تعلق جزیرۂ عرب سے ہے، ورنہ نہ جانے ان کا کیا حشر کر ڈالتے اور یرغمال بنا کر لاکھوں روپے کے فدیے کا مطالبہ شروع کر دیتے۔ جیسا کہ انھوں نے ہمارے تین دیگر عرب مجاہدین کو یرغمال بنانے کے بعد کیا۔ سال بھر انھیں یرغمال بنائے رکھا اور پھر ان کے بارے میں کیے گئے تمام وعدوں کو پس پشت ڈال دیا اور لاکھوں روپے فدیے کا مطالبہ کرتے رہے۔

الغرض قید سے فرار حاصل کرنے کے بعد رضوان اپنے عزیز دوست ابو جنید سے جا ملے۔ وہیں انھوں نے روس کے خلاف کارروائی میں شرکت کی۔ اس کے بعد وہ پلیمکی قلعے کی لڑائی میں شریک رہے۔ پھر انھوں نے ترکمانستان کی حدود پر واقع اندخوئی کا رخ کیا۔ یہ وہ علاقہ ہے جسے روسی استبداد نے اپنے پنجے میں لے رکھا ہے، مگر وہاں سے گزرنے والی بادِ نسیم آج بھی اس عظمت رفتہ کی یاد دلاتی ہے جب ترکمانستان اور اس کے اردگرد کے علاقے اسلام کے گہوارے تھے اور دنیا بھر کی نگاہوں کا مرکز سمجھے جاتے تھے۔

خراسان:

ترکمانستان دراصل خطہ خراسان کا ایک اہم علاقہ ہے۔اس کا تذکرہ کرتے ہوئے یاقوت حموی تحریر کرتے ہیں:

یہ تمام علاقہ اسلامی تاریخ کے درخشاں ابواب کی یادیں اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ترکمانستان ہی کے اندر سرخس کا تاریخی شہر ہے جو ہمیں "المبسوط" کے عظیم مصنف امام سرخسی (فقہ حنفی کے مشہور عالم) کی یاد دلاتا ہے۔اسی کے نواح میں واقع بیہق، سنن الکبریٰ کے مولف بیہقی کا آبائی مسکن ہے۔اسی کے ایک جانب خراسان کا قصبہ مرو ہے، جو عبداللہ ابن مبارک اور احمد بن حنبل کی تاریخ کا امین ہے۔یہیں آمد کا تاریخی شہر ہے، جہاں فقہ کی مشہور کتاب "اصول الاحکام فی اصول الفقہ" کے عظیم مصنف آمدی نے اپنے کارنامے کو قلم وقرطاس کے سپرد کرکے امر کردیا۔یہیں ابیورد ہے، محمد بن احمد ابیوردی کا مسکن۔صاحب السنن کے مولف نسائی نے بھی اسی کے نواحی علاقے نسا میں اپنی زندگی کی ساعات بسر کی ہیں۔نحو کے مشہور ادیب جرجانی کا آبائی مسکن جرجان اور تفسیر الکشاف کے مولف زمخشری کا شہر زمخشر بھی اسی علاقے کی تاریخ کا اہم باب ہے۔

یہاں کی زرخیز مٹی نے امت مسلمہ کو ایسے سپوت فراہم کیے کہ دنیا ان کی نظیر نہیں پیش کرسکی۔مگر آج یہ تاریخ لہولہو بن چکی ہے۔آج یہاں کی خاک کے ذرے ذرے پر ثبت نشان مٹائے جاچکے ہیں۔آج یہاں کسی گھر میں قرآن مجید کا نسخہ ملنے کا مطلب صاحب خانہ کے لیے چار سالہ قید بامشقت کی سزا ہے۔

افغانستان کا شمالی علاقہ خراسان ہی کا ایک حصہ تھا، مگر بعد ازاں سیاست کے کارپردازوں اور فوجی آمریت کے ناخداؤں نے اس کے حصے بخرے کردیے اور انھیں تین ٹکڑوں میں تقسیم کرچھوڑا۔

۱۔کوہِ ہندوکش اور اس کے شمال کا علاقہ: اس میں ہرات، کابل کے شمال کی تمام ریاستیں اور ہرات میمنہ، بلخ، طالقان، فیض آباد، بغلان اور پل خمری جیسے علاقے شامل ہیں۔اس کا کل رقبہ ۲۰۰ ہزار مربع میل ہے۔

۲۔ترکمان کا علاقہ: جو روسی استعمار کے قبضے میں ہے۔اس کا کل رقبہ ۴۵۰ ہزار مربع میل ہے۔اسی میں کوہ قاف کا علاقہ بھی شامل ہے۔

۳۔ایران اور خراسان کا علاقہ: اس کا رقبہ ۱۰۰ ہزار مربع میل ہے۔خراسان کی آبادی اس وقت بارہ

کروڑ ہے۔

ان میں ۲ کروڑ ۲۵ لاکھ ترکی الاصل ہیں جو ترکمان، قرغیز، ازبک اور کوہ قاف کے علاقے میں سکونت پذیر ہیں۔ ۳ کروڑ ۷۵ لاکھ ایرانی الاصل ہیں جن میں افغانستان کے تاجک اور ایران کے فارسی زبان ہیں۔ ۳۵ لاکھ ایرانی اور ترکی نسل کا اختلاط ہے۔ان میں افغانستان کے شمال میں رہنے والے پشتو قبائل شامل ہیں۔ ۱۵ لاکھ روسی الاصل ہیں جو علاقے پر اپنے استعماری پنجے گاڑے ہوئے ہیں۔

ان السیف محاءُ الخطایا

عرب مجاہدین اس سرزمین کی تاریخ از سرِنو مرتب کرنے کے لیے دیوانہ وار میدان میں کود پڑے تھے۔انھوں نے یہاں شجاعت و بہادری کی ایسی ایسی داستانیں رقم کیں کہ علاقے کی تاریخ ہمیشہ ان پر فخر کرتی رہے گی۔اللہ تعالیٰ نے رضوان کے نصیب میں شہداء کے اس وطن کو اپنے لہو سے سیراب کرنا لکھا تھا۔شہادت کی جستجو میں رضوان ہر لڑائی میں کودنے کے لیے بے تاب رہتے۔بالآخر وہ دن آپہنچا جب فاریاب کے معرکے نے ساتھیوں کو آواز دی۔گھمسان کا رن پڑا۔خدا کے دشمنوں کا دائرہ سمٹنا شروع ہو گیا۔اللہ کے سپاہی لحہ بہ لحہ کامیابی کی سمت قدم بڑھا رہے تھے کہ دشمن کی ایک گولی سیدھی رضوان کے سینے میں پیوست ہوگئی اور اس کے ساتھ ہی ان کی شہادت کی تمنا بر آئی۔فٹ بال کا یہ مایہ ناز کھلاڑی آگ اور خون کی ہولی میں کودا تو بھی اپنا تمغہ مراد لیے بغیر واپس نہ لوٹا اور ملتِ اسلامیہ کی تعمیر میں اپنے گرم لہو کا نذرانہ پیش کردیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((القتلى ثلاثة: رجل مؤمن مجاهد بماله ونفسه فی سبیل الله حتی اذا لقی العدو قاتلهم حتی یقتل، فذلک الشهید الممتحن فی خیمة الله تحت عرشه، لا یفضلهم النبیون الا بدرجة النبوة، ورجل فرق علی نفسه من الذنوب و الخطایا جاهد بنفسه وماله فی سبیل الله، حتی اذا لقی العدو قاتل حتی قتل، فتلک مصمصة تحت ذنوبه و خطایاه، ان السیف محاءُ الخطایا، وأدخل من ای أبواب الجنة شاء، فان لها ثمانیة ابواب، ولجهنم

سبعة أبواب، ولبعضها أفضل من بعض، ورجل منافق جاهد بنفسه وماله حتى إذا لقي العدو قاتل في سبيل الله حتى يقتل، فإن ذلك في النار، إن السيف لا يمحو النفاق)

"تین اقسام کا قتل ہوتا ہے۔ ایک وہ شخص ہے جو اپنی جان اور اپنے مال سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتا ہے۔ یہاں تک کہ جب دشمن سے مڈبھیڑ ہوتی ہے تو اس سے جنگ کرتا ہے۔ یہاں تک کہ قتل ہو جاتا ہے۔ ایسا شخص شہید ہے جو خدا کے عرش کے نیچے آراستہ خیمے میں متمکن ہوگا۔ انبیائے کرام درجہ نبوت کے سوا کسی درجے ان سے ممتاز نہ ہوں گے۔ ایک دوسرا شخص ہے۔ جس نے گناہوں بھری زندگی سے رجوع کرلیا ہے اور اب اپنی جان ومال سے راہ خدا میں جہاد کر رہا ہے۔ یہاں تک کہ دشمن سے مڈبھیڑ ہونے پر اس سے لڑتا لڑتا قتل ہو جاتا ہے۔ پس یہ بھی مقام شہادت پر فائز ہے۔ تلوار اس کے تمام گناہوں کو مٹا چھوڑتی ہے۔ ایسے شخص کو حکم ہوگا کہ جس دروازے سے چاہے جنت میں جا داخل ہو۔ جنت کے آٹھ دروازے ہیں جب کہ جہنم کے سات دروازے ہیں۔ ان میں داخل ہونے والوں کے درجے بھی جدا جدا ہیں۔ پھر ایک تیسرا شخص ہے جو اپنے دل میں نفاق کی بیماری چھپائے پھر رہا ہے۔ مگر نفاق کے باعث جہنم میں جا داخل ہوتا ہے کہ تلوار نفاق کو نہیں مٹا سکتی"۔ (احمد، ابن حبان)

ناصر الجزائری شہید

ان کے مواعظ کا ایک ایک جملہ آج حساس کانوں میں گونج رہا ہے۔ "علمائے حق داعیان کرام اور ڈاکٹر... جہاد سے روگردانی کے بارے میں اپنے رب کے سامنے کیا عذر پیش کریں گے؟"

دکتور ناصر (عمار) کی زندگی کی آخری سانسیں تقی الدین کی معیت میں گزریں۔ تقی الدین شیروں کی کچھار (ماسدہ) میں لحہ بہ لحہ ان کے ساتھ موجود رہے۔ ناصر نے ثانویہ کے بعد طب کی تعلیم اپنے بھائی ابوبشیر الجزائری کے ساتھ ہی حاصل کی۔ ماسدہ میں انھوں نے اپنی خدمات جاری رکھیں اور ایک ماہر طبیب کی حیثیت سے اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔

دعوتِ اسلامی کے گلستان میں کھلنے والی نوخیز کونپلیں عہد حاضر کے مفکرینِ اسلام کی جہودِ طیبہ کا ثمرہ ہیں۔ ناصر کی زندگی کے ابتدائی برس جس گھر کی چاردیواری میں بسر ہوئے اس کے مکینے کو ان مفکرین کی تحریروں نے زینت بخش رکھی تھی۔ ان میں سیرت کی کتابوں کو خاص مقام حاصل تھا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ دکتور ناصر کی اپنی تقریروں اور مختلف مساجد ومجالس میں کیے گئے بیانات میں سیرت کا جابجا تذکرہ ملتا ہے۔ وہ اپنے دل نشین انداز میں سیرت کے واقعات کی ایسی خوب صورت تشریح کرتے کہ مخاطبین کے دل ودماغ ان کی تقریر کے اسیر ہو جاتے۔ ان کے عزیز دوست تقی الدین اس انداز بیان کو سراہتے تو ڈاکٹر ناصر یک دم استغفر اللہ استغفر اللہ کا ورد شروع کر دیتے۔

۱۹۸۵ء میں ناصر نے وادیء جہاد کی طرف کوچ کیا اور وہاں پر موجود حلقہء یاراں کے دلوں میں گھر کرلیا۔ وہ جنگوں میں ڈاکٹر صالح اللیبی کے ساتھ طبی خدمات انجام دیتے رہے اور جب انھیں ایک مرتبہ واپس الجزائر آنے کا موقع ملا تو یہ ہروقت ڈاکٹر صالح کے ساتھ اپنی محبت وتعلق کا تذکرہ کرتے رہتے۔

ڈاکٹر ناصر نے ایک مرتبہ پھر افغانستان کا رخ کیا اور اپنی طبی خدمات کا سلسلہ جاری رکھا۔ اب اپنے بھائی ابوبشیر الجزائری کی طرح وہ ہر محفل کی جان بنے نظر آتے۔ چھے ماہ بعد ابوالحسن مدنی نے ان کے سامنے ایک ہسپتال کے قیام کا فیصلہ کیا تو ڈاکٹر ناصر بے حد خوش ہوئے۔ تقی الدین اور جمال الدین کی میدان میں آمد نے ان کی خوشی میں اضافہ کر دیا۔ جمال الدین کو اللہ تعالیٰ نے ڈاکٹر ناصر ہی کے ہاتھوں شفایاب کیا تھا مگر کوئی نہ جانتا تھا کہ صرف تین دن کے اندر اندر تینوں کی روحیں یکے بعد دیگرے بارگاہ خداوندی میں پہنچ جائیں گی۔

دشمن کی بچھائی ہوئی بازی انھیں پر الٹ گئی

یہ شکر درا کے قائد وکیل کی شہادت والے ہفتے کا ذکر ہے۔ سب سے پہلے جمال الدین نے حلقہ دوستاں کو خیر باد کہا۔ ان کی جدائی نے قریبی دوستوں کے دلوں پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ ڈاکٹر ناصر بھی بار باران کا تذکرہ لے بیٹھتے۔ انھیں کیا پتہ تھا کہ دو ہی روز بعد وہ بھی وکیل کی طرح شہداء کے اس کارواں سے جا ملیں گے جن کی روحیں سبز پرندوں کا پیرہن زیب تن کیے جنتوں میں اڑتی پھر رہی ہیں۔

جب حکومتی افواج نے شکر درا کا رخ کیا تو اس کے ٹھیک چار روز بعد مجاہدین کا یہ مختصر سا دستہ نماز فجر کے بعد قرآن مجید کی تلاوت اور اذکار مسنونہ سے فارغ ہوا ہی چاہتا تھا کہ ساڑھے آٹھ بجے صبح حکومتی افواج کی آمد کی اطلاع ملی۔ مجاہدین نے بلند و بالا پہاڑوں کا رخ کیا مگر ڈاکٹر ناصر وضو کے لیے وضو گاہ کی سمت چل پڑے۔ تقی الدین انھیں صورت حال کی سنگینی کی طرف توجہ دلاتے مگر ڈاکٹر ناصر مصر رہے کہ وہ وضو کیے بغیر پہاڑوں کا رخ نہ کریں گے۔ مجاہدین کا پہاڑوں کی چوٹیوں پر پہنچنا تھا کہ تکبیر و تہلیل کی صداؤں سے کوہ و دمن گونج اٹھے۔ اللہ کے دشمن جہنم کی آگ میں جلنے سے قبل مجاہدین کی پھینکی ہوئی آگ کا شکار ہو کر تڑپنے لگے۔ ان کی بچھائی ہوئی بازی انھیں پر الٹ گئی۔ اس دوران مجاہدین کے پاس گولے ختم ہو گئے تو دکتور ناصر اور تقی الدین فوراً مزید گولوں کے لئے مورچے کی طرف دوڑے۔ تقی الدین ناصر کو جلدی کرنے کے لیے پکارتے چلے جا رہے تھے۔ ان کے اور ناصر کے درمیان ایک ہی میٹر کا فاصلہ تھا کہ ایک گولہ وہاں آن گرا۔ تقی الدین کا چہرہ غبار میں اٹ گیا' وہ غبار ہٹاتے ہوئے ناصر کی طرف متوجہ ہوئے مگر ان کی سانسیں اکھڑ رہی تھیں۔ وہ انھیں کندھے پر اٹھائے غار میں لائے اور ان کے سرہانے بیٹھ کر

سورہ یٰسین کی تلاوت کرنے لگے۔ ان کے لہو کی خوشبو فضا کو معطر کیے جا رہی تھی۔ تقی الدین نے جب تیسری مرتبہ سورہ یٰسین کی تلاوت شروع کی تو ڈاکٹر ناصر کی اکھڑتی ہوئی سانس مکمل طور پر قفس خاکی کو الوداع کہہ چکی تھیں۔ وہ خوشی و اطمینان کے ساتھ اپنے انجام سے ہمکنار ہو گئے۔ اپنے بعد آنے والوں کے لیے حجت قائم کرتے ہوئے اپنے رب کے حضور جا پہنچے۔ ان کے مواعظ کا ایک ایک جملہ آج حساس کانوں میں گونج رہا ہے "علمائے حق' داعیان کرام اور ڈاکٹر... جہاد سے روگردانی کے بارے میں اپنے رب کے سامنے کیا عذر پیش کریں گے؟"

جس قدر ممکن ہو سکے طبی ماہرین اور ادویات مرکز تک پہنچا دیجیے!

دکتور ناصر نے میدان جہاد سے مجھے ایک کیسٹ روانہ کی جس میں کہا تھا کہ ایک زنانہ صلیبی ڈاکٹر زخمیوں کی مرہم پٹی کر رہی ہے مسلمانوں کی غیرت آخر کہاں سو گئی ہے؟ انھوں نے مجھ سے مطالبہ کیا تھا کہ جس قدر ممکن ہو سکے طبی ماہرین اور ادویات مرکز تک پہنچا دیجیے۔ اسی طرح ایک مرتبہ ابو جنید نے قاریاب سے واپسی پر مجھے طبی ماہرین کی کمی کی شکایت کرتے ہوئے بتایا کہ بار ہا زندہ مجاہدین کے اعضاء کا آری سے آپریشن کرنا پڑا۔ وہ کہنے لگے کہ جہاد کو اس وقت طبی ماہرین اور ادویات کی شدید قلت کا سامنا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ طبی ماہرین کی میدان جہاد سے روگردانی آخرت میں ان کے عذاب کا باعث نہ بن جائے۔

میں عالم اسلام کے چپے چپے میں پھیلے ہوئے لاکھوں اطباء سے پوچھتا ہوں کہ کیا مجاہدین کی یہ پکار ان کے لئے کسی پیش قدمی یا تحریک کا باعث بنے گی؟ جب کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

﴿اِنَّمَا یَسْتَجِیْبُ الَّذِیْنَ یَسْمَعُوْنَ وَ الْمَوْتٰی یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَیْهِ یُرْجَعُوْنَ﴾

(الانعام: ۳۶)

"وہی لوگ مانتے ہیں جو سنتے ہیں اور مُردوں کو اللہ تعالیٰ زندہ کر کے اُٹھائیں گے پھر سب اللہ ہی کی طرف لائے جائیں گے"۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے بھائی ناصر کی شہادت کو شرف قبولیت بخشیں اور ہمیں جنت الفردوس میں اکٹھا فرما دیں' آمین۔

رشید جمال الدین شہید

''افغان مجاہدین ان سے بے حد محبت کرتے تھے۔ افغان سپہ سالار نے ان کو کمیونسٹوں کی تحقیق و تفتیش کی ذمہ داری سونپی۔ کچھ ہی عرصے میں ان کا رعب اور ہیبت دشمن کے دل میں بیٹھ گیا''

ہمارے ان شہید کا تعلق راہِ جہاد سے بہت پرانا ہے۔ انھوں نے جہاد کی فضاؤں میں لڑکپن سے جوانی کا سفر طے کیا۔ جہادی تحریک کے نوجوانوں کی صحبت کا ان کے کردار کو کندن بنانے میں اہم حصہ تھا۔ آخر جہادی تحریک کے وجود کا کیا جواز باقی رہ جاتا ہے اگر جہاد ان کے لائحہ عمل کا سب سے اہم حصہ نہ قرار پائے؟ اور دعوت کا کیا کردار باقی رہ جاتا ہے اگر وہ جہاد کے لیے افراد کی تیاری کا فریضہ نہ انجام دے؟

رشید نے بھی اس وقت اپنے آپ کو جہاد کی راہوں میں نثار کرنے کا پختہ عہد کیا جب افغانستان میں دہرائی جانے والی جہادی تاریخ نے سیرتِ سلف کی یاد تازہ کر دی۔

یہاں آنے کے لیے رشید کو جو سب سے بڑا مسئلہ درپیش ہوا وہ ٹکٹ کا حصول تھا۔ اس کا حصول ان کی پہلی ترجیح ٹھیری کیونکہ فرض کی ادائیگی کے لیے درپیش ضرورت کا پورا کرنا بھی فرض ہی ہوتا ہے۔ انھوں نے اس مقصد کے لیے الجزائر سے ترکی کی طرف سفر کیا لیکن یہاں بھی حالات امید افزا نہ تھے۔ چنانچہ ترکی سے انھوں نے شام کی راہ لی' وہاں بالآخر پاکستان کے لیے ٹکٹ کا حصول ان کے لیے ممکن ہوا۔ پاکستان میں وہ خالد بن ولید مرکز میں اپنے تربیتی مراحل طے کر کے خوست اور پھر جنگر ہار (جلال آباد) پہنچے اور بھاری اسلحہ کے استعمال کی خاص مہارت حاصل کی۔ افغان مجاہدین ان سے بے حد محبت کرتے تھے۔ افغان سپہ سالار نے انھیں کمیونسٹوں سے تحقیق و تفتیش کی ذمہ داری سونپی۔ کچھ ہی عرصے میں ان کا رعب اور ہیبت دشمن کے دل میں بیٹھ گیا۔

اسلامی امارت کے قیام کی جدوجہد میں اپنا حصہ ڈالنے کی تڑپ تھی

ایک روز رشید جس کمرے میں بیٹھے تھے کہ اچانک اس کی دیوار نیچے آ گئی جس سے ان کو معمولی زخم آئے۔ تقی الدین انھیں علاج کی غرض سے شکردرہ لے آئے۔ یہاں پر ان کی ملاقات کا یہ منظر بڑا گرم جوش تھا کیونکہ ایک طویل عرصے بعد انھیں دوبارہ ایک ساتھ مل بیٹھنے کا موقع ملا تھا۔ پلک جھپکتے میں تین روز گزر گئے۔ تیسرے روز دشمن کی بکتر بند گاڑیوں نے عرب مجاہدین کے اس مورچے کا سراغ لگا کر اس پر حملہ کر دیا۔ رشید نے اپنا اسلحہ سنبھالا اور دشمن پر حملہ آور ہوئے ان کے ٹینکوں میں آگ بھڑک اٹھی۔ فضا مجاہدین کے نعرہ تکبیر سے گونج رہی تھی۔

اس لڑائی میں اہل کفر کو المناک شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ تقی الدین گولہ اکٹھے کرنے کے لیے نیچے اترے۔ ان کا چہرہ فتح کی شادمانی سے دمک رہا تھا۔ واپس آ کر انھوں نے جمال الدین اور عثمان یمنی کے متعلق استفسار کیا۔ مجاہدین نے انھیں بتایا کہ دونوں پہاڑ کی چوٹی کی طرف جاتے دکھائی دیے تھے۔ اسی اثنا میں ایک افغانی مجاہد کی آواز آئی: ''شہید... شہید... شہید''

تقی الدین نے پوچھا: ''کون؟'' جواب ملا: ''دو عرب شہید ہو گئے ہیں''۔ تقی الدین اوپر پہنچے تو یہ دیکھ کر دم بخود رہ گئے کہ رشید اپنے رب کے پاس سرخرو اور شاداں پہنچ چکے ہیں۔ احمد الجزائری اور مجاہدین کے کمان دان وکیل کے پہلو میں انھیں دفن کیا گیا' جہاں پہلے ہی دین کی سربلندی کی خاطر مجاہدین کا لہو اور ہڈیاں خاک نشین ہو چکے تھے۔ یہ واقعات گواہی دیتے ہیں کہ افغانستان میں لڑی جانے والی جنگ عقیدے اور ایمان کی جنگ ہے۔ یہ حق اور باطل کا معرکہ ہے۔ آخر عقیدے کے علاوہ وہ کون سی شے تھی جس نے عرب مجاہدین کو افغانستان کے کہساروں میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے پر آمادہ کیا؟ یہ کابل میں سر اٹھاتی اسلامی امارت کے قیام کی جدوجہد میں اپنا حصہ ڈالنے کی تڑپ تھی جس نے دنیا کے کونے کونے سے مجاہدین کے دستوں کو اس ملک کا رخ کرنے پر مجبور کر دیا۔

محمد الجزائری جو رشید کے ساتھ زخمی ہوئے تھے انھیں زخمی حالت میں پشاور منتقل کیا گیا۔ شدید درد سے ان پر بے ہوشی طاری ہو جاتی۔ ایک دن ایسی ہی بے ہوشی میں ان کے منہ سے یہ الفاظ نکلے: ''میں دیکھ رہا ہوں کہ رشید حور کے ہاتھوں کھانا تناول کر رہے ہیں''۔

عبدالربّ حمید شہید

"سب سے پہلے انھوں نے ترکی کا رخ کیا مگر اندازہ ہوا کہ پاکستان کے ویزے کا حصول اتنا آسان نہیں ہے۔ چار دانگ عالم سے اس مملکت کے اندر جہادی نوجوانوں کے دستوں کی آمد نے عالمِ کفر کو سخت پریشان کر رکھا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ یہودی طبقات نے اپنے ہتھکنڈوں سے کام لے کر پاکستان کے ویزے کے حصول کو ناممکن بنا دیا تھا"

الجزائر کی مشہور وادی «سوف» سے ہندوکش کے پہاڑوں کی طرف کوچ کرنے والوں میں بے شمار ماؤں کے جگر کے ٹکڑے اور شیر دل جوان شامل ہیں۔ پورے الجزائر کے مقابلے میں اس چھوٹی سی وادی سے آنے والے مہاجرین جوانوں کی تعداد زیادہ ہے۔ فوزی بن علی اور ابو ابراہیم بھی اسی علاقے کے قابلِ ذکر سپوت تھے۔

اے جان! تجھے راہِ خدا میں پیش ہونے میں کیا عذر مانع ہے؟

یاسین (عبدالربّ النور) نے پوری دنیا میں انگڑائی لیتی ہوئی اسلامی بیداری کی لہر کے زیرِ سایہ بچپن اور جوانی گزاری۔ الحمدللہ پورا گھرانہ دین دار تھا۔ ثانوی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد کچھ عرصہ ایک دفتر میں جزوی ملازمت کی۔ اہلِ خانہ نے ان کی منگنی کا اہتمام کیا۔ گھر کے بڑے بوڑھے اپنے پوتے پوتیوں کی معصوم کلکاریوں سے گھر کے آنگن کو رونق افروز دیکھنے کے خواہش مند تھے۔ رشتہ طے ہوا اور پھر زور و شور سے شادی کی تیاری ہونے لگی۔ شادی سے چند ہی روز قبل ایک جہادی رسالے کی ورق گردانی کرتے ہوئے وہ چونک پڑے۔ افغانستان میں جاری حق و باطل کی جنگ میں فداکاری اور جاں نثاری کی انوکھی مثالوں نے دل میں ایک نیا جذبہ بیدار کر دیا۔ وہ اپنے من میں سوچنے لگے: علمائے کرام جہاد میں شرکت کے لیے والدین کی اجازت کو غیر مشروط قرار دے رہے ہیں تو پھر اے جان! تجھے راہِ خدا میں پیش ہونے میں کیا عذر مانع ہے؟ کیا شادی کو جہاد سے روگردانی کا سبب قرار دیا جاسکتا ہے؟ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شادیاں نہیں کیں یا شادیوں پر مسرت و خوشی کا اہتمام نہیں کیا؟ مگر کسی بھی چیز نے انھیں نصرتِ دینِ حق کے لیے اپنی جانیں قربان کرنے سے باز نہیں رکھا۔ یہ اور اس طرح کی دیگر سوچیں سوالیہ نشان بن کر یاسین کے دل و دماغ پر دستک دینے لگیں۔

بالآخر یاسین نے ایک اہم فیصلے کی ٹھان لی۔ شادی پر خرچ ہونے والے اخراجات کا تخمینہ لگایا تو انھیں اندازہ ہوا کہ ان اخراجات سے آسانی جہاد کے لیے ٹکٹ خریدا جاسکتا ہے۔ اور جہاں تک شادی کا معاملہ ہے تو جنت میں حور سے بڑھ کر کس سے شادی کی تمنا کی جاسکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ (التوبۃ: ۲۴)

"کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور برادری اور مال جو تم نے کمائے ہیں اور سوداگری جس کے بند ہونے سے تم ڈرتے ہو اور مکانات جنھیں تم پسند کرتے ہو (اگر یہ سب) تمھیں اللہ اور اُس کے رسول اور اُس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیارے ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیج دے اور اللہ نافرمانوں کو راستہ نہیں دکھاتا"۔

یاسین نے الجزائر کو الوداع کہا اور پاکستانی ویزے کے حصول کی کوشش شروع کردی۔ سب سے پہلے انھوں نے ترکی کا رخ کیا مگر اندازہ ہوا کہ پاکستان کے ویزے کا حصول اتنا آسان نہیں ہے۔ چار دانگ عالم سے اس مملکت کے اندر جہادی نوجوانوں کے دستوں کی آمد نے عالمِ کفر کو سخت پریشان کر رکھا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ یہودی طبقات نے اپنے ہتھکنڈوں سے کام لے کر پاکستان کے ویزے کے حصول کو ناممکن بنادیا تھا۔

یاسین ترکی سے ایک عرب ملک کی طرف روانہ ہوئے اور بے پناہ کوششوں کے بعد بالآخر پاکستان پہنچنے میں کامیاب ہوگئے اور پہلی فرصت میں اپنی عسکری تربیت کے کی تکمیل کی طرف متوجہ ہوئے۔

کریز میر میں مجاہدین کی تعداد بے حد کم ہو کر رہ گئی

میدانِ جہاد میں ان کی پہلی منزل شکردرہ تھی۔ یہاں غازیوں نے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ ابوعلی مالکی یہاں پر جہادی مجموعے کے روحِ رواں تھے‘ افغان مجاہدین کے ساتھ ان کا رویہ ایسا تھا جیسا کسی میزبان کا اپنے مہمان کے ساتھ۔

مجاہدین کو مالِ غنیمت کے طور پر ملنے والی ایک بکتر بند گاڑی یاسین کے ہاتھ لگی۔ انھیں اسے چلانے کا اچھا خاصہ تجربہ حاصل تھا‘ چنانچہ وہ اسے لیے پورے علاقے میں گردش کرتے رہتے۔ شکردرہ میں یاسین کو زندگی بھر کی تمنائیں پوری کرنے کا موقع ملا۔ مجاہد ساتھیوں کی الفت و محبت ان کی روح کو قرار بخشتی۔ یہ ساری تگ ودو شہادت کے حصول کے لئے تھی تاکہ جنت میں اپنی منتظر حور سے جاملیں۔

ان دنوں فضائی بمباری اور روس کے تباہ کن ہتھیاروں نے وہ قتل وغارت گری کی کہ کریز میر میں مجاہدین کی تعداد بے حد کم ہو کر رہ گئی۔ اہلِ کریز میر نے فیصلہ کر رکھا تھا کہ دشمن سے نبرد آزما ہونا ان کے لیے پسپائی سے بڑھ کر قابلِ قبول ہے‘ چاہے اس کی کتنی ہی قیمت چکانی پڑے۔ یہاں موجود عرب مجاہدین کا ٹھکانہ جلد ہی دشمنوں کے نرغے میں آگیا‘ تقی الدین صورتِ حال کی عکاسی کرتے ہوئے کہتے ہیں: میں یاسین کے ساتھ اس جنگ میں شریک تھا‘ وہ ایک کام کے لیے مورچے کی طرف لوٹ رہے تھے کہ ایک گولہ ان کی ٹانگ کو زخمی کرتا ہوا نکل گیا‘ ٹانگ سے خون کا فوارہ بہہ نکلا۔ عبدالحق الجزائری نے زخم کی مرہم پٹی کی اور انھیں گھوڑے پر سوار کر دیا تاکہ علاج کی غرض سے انھیں جارلیز لے جایا جاسکے۔ جارلیز یہاں سے اڑتالیس گھنٹے کی مسافت پر تھا مگر شکردرہ سے نکلے ہوئے گھنٹہ ہی ہوا تھا کہ ان کی شہادت واقع ہوگئی۔ یاسین ربّ العالمین کی بارگاہ میں جاپہنچے۔ اللہ تعالیٰ انھیں صالحین کی معیت نصیب فرمائیں اور حورِ جنت سے شادی کے خواب کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیں۔ یاسین آپ ہم سے دور چلے گئے اور یہ پیغام چھوڑ گئے۔

اذا غامرت فی شرف مروم
فلا تقنع بما دون النجوم
فطعم الموت فی امر حقیر
کطعم الموت فی امر عظیم

مندرجہ بالا مصرع ڈاکٹر محمد اقبال کے اس شعر کا منظوم عربی ترجمہ ہے جو فلسطینی شاعر ڈاکٹر وہاب العزام نے کیا۔

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہیں ان کو اپنی منزل آسمانوں میں

شفیق ابراہیم مدنی شہید

"میں جب مدینہ منورہ گیا تو شفیق سے میری ملاقات حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوئی۔ وہ بہر صورت سرزمینِ جہاد میں واپس آنا چاہتے تھے۔ اسی دوران اسامہ بن لادن نے اپنے آپ کو جہاد کے لیے وقف کر دیا اور ماسدہ کا قیام عمل میں آیا۔ اس کا قیام ابتدائی طور پر جن تین ساتھیوں کا مرہونِ منت تھا ان میں اسامہ کے ساتھ شفیق بھی شانہ بشانہ تھے"۔

ماسدہ کے نوجوان یکے بعد دیگرے داغ مفارقت دیتے چلے جا رہے ہیں۔ جلال آباد کی زمین نے اب تک بہت سے شیر جوان اپنے دامن میں سمیٹ لیے ہیں۔ ابوعبداللہ (اسامہ) جب ایسی کسی المناک خبر کو سنتے' ان کا دل کٹ کر رہ جاتا۔ ابھی اس دل گرفتگی کی کیفیت سے نکل ہی نہ پاتے کہ ایک نیا زخم سینے میں آ لگتا۔ ہر شہید کی جدائی ان کی یہ کیفیت کر دیتی:

ابنت دهر عندي كل بنت
فكيف وصلت أنت من الزحام
جرحت مجرحا لم يبق فيه
مكان للسيوف أو السهام

جب ابوذھب نے داغِ مفارقت دیا تو اسامہ بن لادن نے کہا: "میں کسی کی جدائی پر اتنا دل گرفتہ نہیں ہوا جتنا ابوذھب کی جدائی نے مجھے دل گرفتگی میں مبتلا کر دیا ہے"۔ کچھ ہی دنوں بعد خالد گردی بھی ان سے جا ملے تو وہ کہنے لگے: "خالد سے بڑھ کر مجھے کوئی عزیز نہ تھا۔ تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ عبدالمنان اور عبدالرحمٰن مصری بھی اسی کارواں میں شامل ہوئے۔

جلال آباد میں سب سے پہلے دستِ اجل نے ابوطارق مغربی کو ہم سے چھینا' اس کے بعد ابوقتیبہ کو ہم سے جدا کر ڈالا۔ ابھی ہمارے آنسو تھمے بھی نہ تھے کہ شفیق مدنی کی باری آ گئی' اب اس دل میں صبر و قرار کہاں سے آئے؟؟...

شفیق اپنے جہادی ساتھیوں میں سب سے کم سن ہونے کے باوجود شجاعت و بہادری اور صبر و تحمل کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ وہ مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک معروف عالم دین کے ان شاگردوں میں سے تھے جنہوں نے جہاد کی طرف پیش قدمی کی۔ ابوقتیبہ شہید اور خالد کُردی شہید بھی ان طالبانِ دین میں شامل تھے۔ ان جوانوں نے اپنی پلکوں سے راستے کے کانٹے چنتے ہوئے اس طرف اپنی پیش قدمی جاری رکھی' آبلہ پائی نے ان کی ہمتوں کو مردہ نہ ہونے دیا۔ ان کی نوعمری کو دیکھتے ہوئے میرا دل ان کے لیے شفقت سے لبریز ہو جاتا۔ مجھے کبھی کبھی محسوس ہونے لگتا یہ پُر صعوبت راہ ان کی طاقتوں سے کہیں زیادہ کٹھن ہے۔ مگر آفرین ہے ان کے عزم و حوصلے پر کہ ان کے پایہء ثبات میں ذرا بھی لغزش نہ آئی' حالانکہ ہمارے دیکھتے دیکھتے بڑے بڑے ستون ریت کی دیوار ثابت ہوئے۔ چھوٹی چھوٹی آزمائشوں اور بے بنیاد اعذار نے ان کی راہ تبدیل کر کے رکھ دی۔ یہ وہی بہتر جانتے ہیں کہ اپنی واپسی کا کیا عذر وہ خدائے رحمٰن کے سامنے پیش کر کے اپنا دامن چھڑا سکیں گے۔

اسامہ بن لادن نے ماسدہ (کچھار) کی بنیاد رکھی

اسامہ بن لادن کا معسکر عرب مجاہدین کی توجہ کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ شفیق نے بھی اپنے عرب بھائیوں کے ساتھ مرکز کا رخ کیا۔ یہ لوگ معسکر ہی میں تھے کہ کمیونسٹوں نے اچانک وہاں پر یلغار کر دی۔ کمیونسٹوں نے اسی کمرے پر دھاوا بولا جہاں شفیق موجود تھے۔ ان کی زندگی تھی' اس لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں حیرت انگیز طور پر بچا لیا۔ اگلے روز مجاہدین نے معسکر کو کافروں کے ہاتھوں سے چھڑانے کی ٹھانی۔ شفیق بھی ان شیروں میں شامل تھے جو گل رحمٰن کے ساتھ دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ معسکر دشمنوں کے قبضے سے نکل آیا لیکن گل رحمٰن مرتبہء شہادت پر فائز ہو گئے۔ اس کے بعد شفیق سرحدی علاقوں پکتیا اور کنڑ وغیرہ کے درمیان گشت کرتے رہے۔ اسی دوران ایک دن ان کے والد ہم سے ملے... اور اپنے بیٹے کو واپس مدینہ لے جانے میں کامیاب ہو گئے!

اس کے بعد جب میں مدینہ شریف گیا تو شفیق سے میری ملاقات حرمِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوئی۔ وہ بہر صورت سرزمینِ جہاد میں واپس آنا چاہتے تھے۔ اسی دوران اسامہ بن لادن نے اپنے آپ کو جہاد کے لیے وقف کر دیا اور ماسدہ کا قیام عمل میں آیا۔ اس کا قیام ابتدائی طور پر جن تین ساتھیوں کا

مرہونِ منت تھا۔ اُن میں اسامہ کے ساتھ شفیق بھی شانہ بشانہ تھے۔ ماسدہ کا دائرہ روز بروز پھیلتا چلا گیا۔ یہاں کی ٹھٹھرتی ہوائیں اور پاؤں جما دینے والی سردی کے سامنے صرف شیر دل جوان ہی ٹھیر سکتے تھے۔ موسم کی سختی دیکھتے ہوئے میرے دل میں شفقت اُمڈ آتی' میرا دل چاہنے لگتا کہ کوئی ہیلی کاپٹر ہو جو ان نوجوانوں کو وہاں سے زندہ اٹھا کر کابل پہنچا دے۔

ماسدہ کا معرکہ

یہ رمضان ۱۹۸۷ء کا واقعہ ہے' اللہ تعالیٰ نے اس چھوٹے سے عرب لشکر کے ہاتھوں کمیونسٹوں کے ایک بڑے دستے کی شکست لکھ رکھی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت کے بعد اس کامیابی میں ان مجاہدین کی جرات و بہادری کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ ایسے ہی اولوالعزم جوان قوموں کی تعمیر کا بیڑہ اٹھاتے ہیں۔ ابوشہید ارجی کہتے ہیں کہ "میں جب ماسدہ میں تھا تو اس قدر جاں گسل محنت کا سامنا کرنا پڑتا کہ ہم میں سے ہر کسی کی خواہش ہوتی کہ کاش اسے چند ثانیے ہی آرام کے لیے مل جائیں۔ اس سخت صورتِ حال میں میں نے شفیق کو دیکھا کہ وہ آر۔پی۔جی شانے پر اٹھائے اسے دشمن پر چلانے کی تیاری میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ دیکھ کر میں نے سوچا کہ ایسے ہی نوجوانوں کے کندھوں کا سہارا لے کر قومیں عروج و سربلندی کا سفر طے کرتی ہیں۔ الغرض جہاد کا سفر آگے بڑھتا رہا۔ ماسدہ کے قیام کے بعد عرب نوجوانوں کی نئی سے نئی کھیپ میدانِ جہاد کا رخ کرنے لگی۔ شفیق بھی ان کے ساتھ ایک گمنام مجاہد کی حیثیت سے ایک مورچے سے دوسرے مورچے کی طرف منتقل ہوتے چلے گئے' نہ کوئی ان کے بارے میں گفتگو کرتا نہ کوئی انھیں جانتا۔ صرف وہی لوگ ان کے بارے میں کچھ خبر رکھتے تھے جو ابو عبداللہ اسامہ بن لادن کے نہایت قریبی حلقے سے وابستہ تھے۔ انھوں نے خوست میں کافی عرصہ کام کیا۔ پھر جب جلال آباد کا آتش فشاں پھٹ پڑا تو شفیق وہاں بھی ہمیشہ ہراول دستے میں دکھائی دیے جانے لگے۔ نوجوان موتیوں کی مالا کی طرح یکے بعد دیگرے شہداء کے کارواں میں شامل ہوتے چلے گئے۔ ان میں کتنے ایسے تھے جو لڑکپن ہی میں میدانِ جہاد میں کود پڑے تھے اور یہیں پر انھوں نے جوانی کی سرحدوں پر قدم رکھا۔ ڈر اور خوف ان کی زندگی سے مکمل طور پر رخصت ہو چکا تھا۔ ماسدہ اور جلال آباد کے قریبی معسکر میں بیس بیس میٹر کے فاصلے سے یہ لوگ دشمن کی حرکات و سکنات پر نظر رکھتے اور خبریں پہنچاتے۔ شفیق بھی اپنی باری کے منتظر جہاد کی یہ نئی

تاریخ رقم کرتے چلے گئے۔

من بطون السباع و حواصل الطیر

۷ مئی ۱۹۸۹ء کو افغان بھائی عید کرنے اپنے اہلِ خانہ کے پاس چلے گئے۔ کمیونسٹوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عرب مجاہدین کے مرکز پر دھاوا بول دیا۔ انھوں نے چال بازی سے کام لیتے ہوئے ابتدائی طور پر صرف تین بکتر بند گاڑیاں خوش گنبد اور کریز کبیر کی بڑی شاہراہوں میں بھجوائیں۔ مجاہدین نے اپنے آر۔پی۔جی قواذف تان لیے مگر کچھ دیر بعد ارد گرد کی گھاٹیوں سے بکتر بند گاڑیوں کا ایک سیلاب مرکز کی طرف بڑھتا ہوا دکھائی دینے لگا۔ ایک مجاہد نے اپنی بندوق سے ان پر گولیوں کی بوچھاڑ شروع کی' شفیق نے اپنے قاذف سے گولے داغے مگر ان کی بکتر بند گاڑیاں بہت زیادہ تعداد میں تھیں اتنے میں ایک میزائل آیا اور اس نے شفیق کے جسم کے پرخچے اڑا کر رکھ دیے۔ عرب ساتھی الٹے پاؤں واپس پلٹنے لگے۔ ابوعبیدہ نے اسلحہ کا سارا ذخیرہ جلا دیا۔ بکتر بند گاڑیوں کا طوفان آگے ہی آگے بڑھ رہا تھا ایک مجاہد زخمی ہو کر گر پڑا' ساتھیوں نے اسے اٹھانے کی کوشش کی لیکن دشمن نے اس کی مہلت نہ دی۔ زخمی مجاہد نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ وہ اس کی فکر چھوڑ کر اپنے بچاؤ کی تدبیر کریں۔ مجاہدین وہاں سے پس قدمی پر مجبور ہو گئے۔ بالآخر دشمن اس مورچے میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا جس نے پچھلے تین مہینے سے مسلسل ان کی نیندیں اچاٹ کر دی تھیں اور انھیں نہ دن کو آرام ملتا نہ رات کو۔

یوں شفیق مدنی کے ہوا میں بکھرے ہوئے ٹکڑے' قیامت کے روز اللہ تعالیٰ پرندوں اور درندوں کے پیٹ سے اکٹھے کر کے انھیں اُٹھا کھڑا کریں گے' (ان شاء اللہ)۔ شاید ایسی ہی کیفیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا:

لو لا حزن صفیة لترکتک یجمعک اللہ من بطون السباع و حواصل الطیر.

اگر صفیہ کے غم کا خیال نہ ہوتا تو تمھیں یونہی چھوڑ دیتا (تاکہ پرندے اور درندے تمھیں کھاتے پھرتے) اللہ تعالیٰ تمھیں درندوں کے پیٹوں اور پرندوں کے پوٹوں سے جمع کرتے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں جنت الفردوس میں اکٹھا فرما دیں اور شہید کے اہلِ خانہ کو ان کا نعم البدل عطا فرمائیں' آمین۔

حبیب محمد المشاریؒ شہید

"انھوں نے اپنے جان وتن کو جہاد کے لیے وقف کردیا اور اسلحے کی ایسی مہارت حاصل کرلی کہ اللہ کے دشمنوں کو بآسانی واصلِ جہنم کرچھوڑتے"

حبیب سات ماہ قبل اپنے دو بھائیوں کے ساتھ افغانستان آئے۔ دوسرے دونوں بھائی واپس چلے گئے مگر ان کی قسمت میں اللہ تعالیٰ نے شہادت کا مرتبہ لکھ رکھا تھا۔ سب سے پہلے وہ صدہ کے عسکری مرکز میں آئے پھر خلدن پہنچے۔ خلدن سے ان کو ایسا لگاؤ ہوا کہ وہ اسے چھوڑ کر کہیں اور جانے کا سوچتے بھی نہ تھے۔ انھوں نے اپنے جان وتن کو جہاد کے لیے وقف کردیا اور اسلحے کی ایسی مہارت حاصل کرلی کہ اللہ کے دشمنوں کو بآسانی واصلِ جہنم کرچھوڑتے۔ حبیب شہید تہجد گزار تھے جب کہ دن کو وہ اکثر روزے سے ہوتے۔ بے شک ایک مسلمان کے نیک اعمال اُس کے جہاد میں برکت کا وسیلہ بنتے ہیں۔ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں "عَمَلٌ صَالِحٌ قَبْلَ الْقِتَالِ" "جنگ سے پہلے کوئی نیک عمل" کے عنوان سے ایک باب قائم کیا ہے اور اُس کے تحت حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل فرمایا ہے:

"إِنَّمَا تُقَاتِلُوْنَ بِأَعْمَالِكُمْ" (رواه البخاري، كتاب الجهاد والسير، باب عمل صالح قبل القتال)

"تم لوگ اپنے نیک اعمال کے ذریعے ہی جنگ کرتے ہو"

خلدن مرکز ایک حساس خطے میں واقع تھا جہاں ہر وقت دشمن کے ساتھ مڈبھیڑ رہتی۔ ایک دفعہ ان کے ہاتھ پر گولہ لگا جس سے وہ زخمی ہوگئے مگر اللہ تعالیٰ نے جلد ہی انھیں صحت عطا کی۔ اس کے بعد انھوں نے خوست کی کارروائی میں حصہ لیا۔ یہاں اٹھارہ مجاہدین شہید ہوگئے جب کہ حبیب بسلامت واپس آگئے۔

ان کی شہادت سے ایک رات قبل دشمن نے شدید گولہ باری کی؛ جس کے باعث کمان دان کو نصف مجاہدین کو ساتھ لے کر جوابی حملہ کرنا پڑا۔ حبیب بھی اس دستے میں شامل تھے۔ دشمن کی طرف سے آنے

والی گولی نے ان کی شہ رگ کاٹ کر رکھ دی اور ان کا کندھا اور سینہ چھلنی کردیا۔ وہ زمین پر گر پڑے اور ساتھیوں سے کہنے لگے کہ مجھے یوں محسوس ہورہا ہے جیسے میرے سینے میں کسی نے خنجر گھونپ دیا ہے۔ ساتھی انھیں اٹھا کر مورچے میں لے گئے۔ اس وقت کوئی ان کے زخمی ہونے سے باخبر نہ تھا مگر جب خون بہتا دیکھا تو انھیں فوراً ہسپتال لے جایا گیا لیکن وہ راستے ہی میں شہید ہوگئے۔

ان کی روح کے بدن سے جدا ہوتے ہی گاڑی ایک دل خوش کن خوشبو سے معطر ہوگئی۔ مجھے ایک ساتھی نے بتایا میں نے زندگی بھر اس جیسی روح افزا خوشبو نہیں سونگھی۔ خون کے چند قطرے صدہ میں ایک طبیب کے کپڑوں پر گرے وہ بتاتے ہیں کہ ان کے کپڑوں سے کئی روز تک یہ مہک آتی رہی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ قیامت کے روز ان کا یہ زخم اور اس سے پھوٹنے والی مہک اس سے کہیں زیادہ پاکیزہ اور دل رُبا ہو۔

عرعر سے جو بھی میدان جہاد کی طرف آیا اپنی یادوں کے گہرے نقوش چھوڑ گیا۔ ان میں وہ بھی شامل ہیں جو عرعر واپس چلے گئے اور وہ بھی جنھوں نے اس پرصعوبت راہ پر سفر جاری رکھا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ شہید کے اہل خانہ کو ان کا نعم البدل عطا فرمائیں اور شہید کو قیامت کے روز اپنے اہل خانہ کی شفاعت کی توفیق بخش دیں۔ بے شک وہ دعاؤں کے سننے والے اور انھیں شرف قبولیت بخشنے والے ہیں۔

محمد سعید زہرانی شہید

''جہاد کی لذت سے وہی آشنا ہے جو اس راہ پر اپنے قدم مضبوطی سے جمالیتا ہے۔ میں آپ سب کو نماز روزہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مسلسل درود بھیجنے کی وصیت کرتا ہوں تاکہ قیامت کے روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری شفاعت کرنے پر آمادہ ہوں''

نوخیز کونپل کی عمر میں سعید (ابو ریاض) ہمیں داغِ مفارقت دے گئے جب کہ وہ اپنی عمر کی بیس بہاریں بھی نہ دیکھ پائے تھے۔ انھیں اپنے محترم استاد ریاض سے بہت انس تھا اسی لیے انھوں نے اپنی کنیت ابو ریاض رکھی۔ استاد نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اپنے شاگردوں کو لے کر ارضِ جہاد میں ضرور جائیں گے تاکہ اپنے قائد کے ہمراہ یکبارگی علم و عمل کے مرحلے طے کیے جاسکیں۔ جزیرۃ العرب کے مشرقی علاقوں سے آنے والے یہ بھی دوست ایک دستے کی شکل میں میدانِ جہاد میں پہنچے۔ وہ افغانستان کے علاقے غوربند (پروان) میں کفالتِ یتامیٰ، مدارس اور ہسپتالوں کے قیام کے منصوبوں کے لیے اچھا خاصا چندہ جمع کر کے لائے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے استاد کو توفیق دی کہ وہ میدانِ جہاد میں اپنے تربیتی دروس کا سلسلہ جاری رکھیں۔

یہ تمام ساتھی پروان میں اکٹھے ہو گئے اور کوہستان سے غوربند تک اپنے منصوبوں کے نفاذ کا سلسلہ جاری رکھے رہے۔ چھ ماہ بعد ابو ریاض نے پشاور کا ارادہ کیا۔ چند دن قیام کے بعد وہ اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ پشاور سے واپس پلٹے اور عرب مجاہدین کے مرکز میں قیام کیا۔ افغانستان کی وادیء سوف میں الجزائر کے نوجوانوں کا ایک دستہ جانثاری اور فداکاری کی مثالیں قائم کر رہا تھا، یہ علاقہ اپنے معرکوں کی گرمی کے باعث خاص شہرت رکھتا تھا۔ یہیں پر دشمنوں کے پھینکے گئے میزائل نے تینوں غازیوں ابو ریاض، عمادالدین اور سیف الدین کو شہادت سے ہمکنار کر دیا۔ میں ان کا ایک خط یہاں پیش کرتا ہوں جو انھوں نے اپنے اہلِ خانہ کی جانب تحریر کیا۔ یہ خط ایک ایسے شفاف دل سے نکلے ہوئے الفاظ تھے جو حسد،

ریاکاری اور دنیا کی محبت کی غلاظت سے کوسوں دور تھا، ایک اقتباس کچھ یوں ہے:

''میں آپ کو جہاد کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ جہاد اسلام کی بلند ترین چوٹی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے ہمیں دردناک عذاب سے نجات دلائیں گے جہاد کی لذت سے وہی آشنا ہو سکتا ہے جو اس راہ پر مضبوطی سے اپنے قدم جمالے۔ ساتھ ہی میں آپ سب کو نماز روزہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مسلسل درود بھیجنے کی وصیت کرتا ہوں تاکہ قیامت کے روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری شفاعت کرنے پر آمادہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ہیشگی کی جنتوں میں اکٹھا کر دیں''۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ابو ریاض پر اپنی رحمتیں سایہ فگن کریں اور ان کے استاد ریاض کو جزائے خیر عطا فرمائیں اور ہم سب کو اپنے نیک بندوں میں شامل کرلیں آمین۔

شمس الدین افغانی شہید

"ان کی خواہش رہتی کہ ان کا سارا وقت اپنے دم ساز (اسلحے) کی معیت میں گزرے، جسے وہ کبھی مرمت کر رہے ہوتے، کبھی اس کی صفائی میں لگے ہوتے اور کبھی اس کے استعمال کی مشق میں مصروف رہتے۔ اسلحہ کی مرمت میں انھیں غیر معمولی مہارت حاصل تھی"

میں شمس الدین افغانی کے بارے میں یہ سطور تحریر کرنے پر مجبور ہوں حالانکہ افغان شہداء کی کثرت تعداد کے باعث میں نے اپنے قلم کو عرب شہداء تک محدود کر رکھا تھا۔ بلکہ اُن میں سے بھی میری تحریریں بس انھیں تک محدود رہیں جن کی شہادت کے دوران مجھے فرصت کے چند لمحات میسر آئے۔

حالانکہ شدت سے میری خواہش تھی کہ میں غلامی کی زنجیروں کو کاٹنے والے اور شہادتوں کا پرچم بلند کرنے والے افغان قائدین کے بارے میں ضرور کچھ لکھوں۔ اسی خواہش نے مجھے صفی اللہ افضلی شہید، موحد شہید اور عبدالفتاح شہید کے بارے میں لکھنے پر مجبور کیا۔ اور اب شمس الدین افغانی کے بارے میں سنا ہوا ساتھیوں کا محبت آمیز تذکرہ مجھے مجبور کر رہا ہے کہ میں شہید کے تذکرے لکھوں۔

شمس الدین کی جائے ولادت درزآب تھی۔ بڑے حق گو اور لاگ لپیٹ کے بغیر بات کہہ دینے کے عادی تھے۔ دورانِ جہاد وہ کسی ایسے سرگرم معرکے کی تلاش میں تھے جہاں وہ اپنی جولانیاں دکھا سکیں اور ربّ سے کیے گئے وعدے کو پورا کرتے ہوئے اس سے جا ملیں۔ انھوں نے پانچ سال اپنے اہل خانہ کو الوداع کیے رکھا۔

ابو جنید کو علم ہوا کہ شمس الدین اسلحے کے ماہر انجینئر ہیں

ان کا ابتدائی ٹھکانہ شولگر تھا، یہ وہی شولگر ہے جو بلخ میں جہاد کے بانی ذبیح اللہ کا ٹھکانہ رہا ہے۔ یہاں شمس الدین نے بھاری اسلحے کی تربیت مکمل کی، پھر شہادت کی تمنا لیے ہوئے شولگر کو چھوڑ کر بدخشاں پہنچے، کچھ ہی عرصے بعد تخار کا رخ کیا اور آخر کار پشاور چلے آئے۔ پشاور میں حمزہؓ بن عبدالمطلب دستے

کے قائد ابو جنید نے ان سے ملاقات کی۔ تب ابو جنید کو علم ہوا کہ شمس الدین اسلحے کے ماہر انجینئر ہیں تقریباً ہر قسم کا اسلحہ ٹھیک کرنا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ ابو جنید نے تجویز پیش کی کہ وہ ان کے ساتھ فاریاب چلیں اور وہاں پر مجاہدین کے لیے قائم عسکری مرکز میں اسلحے کی مرمت کی تربیت دیں۔ فاریاب میں ان کا آخری ٹھکانہ علاؤالدین کا مرکز تھا۔ جب معرکہ گرم ہوا تو انھیں پتہ چلا کہ علاؤالدین شجاعت، بہادری اور دشمن پر یلغار میں یکتا ہیں۔ مجاہد ساتھی ان کی بہادری کے باعث ان سے بے پناہ محبت کرتے تھے شاید یہی مطلب ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان مبارک کا:

((اَلْأَرْوَاحُ جُنُودٌ مُجَنَّدَةٌ فَمَا تَعَارَفَ مِنْهَا ائْتَلَفَ وَمَا تَنَاكَرَ مِنْهَا اخْتَلَفَ))

((رواه البخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب الأرواح جنود مجندة))

"روحیں منظم لشکر تھیں، پھر جن میں باہمی طور پر وہاں (ایک دوسرے سے) شناخت ہوئی تو وہ دنیا میں (آ کر بھی) ایک دوسرے سے الفت رکھتی ہیں اور جن میں وہاں باہم اجنبیت رہی وہ یہاں بھی مختلف رہیں"۔

ان کے درمیان محبت روز بروز پروان چڑھتی چلی گئی۔ علاؤالدین نے انھیں اس علاقے کے ساتھ مضبوط بندھن میں باندھنے کے لیے اپنی قوم کی ایک خاتون سے شادی کی پیشکش کی۔ سید نوران اکبر اس معاملے میں علاؤالدین کے ہم خیال تھے۔ بالآخر وہاں کی ایک خاتون سے ان کی شادی ہوگئی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں جہاد کا بے پناہ جذبہ بیدار کر رکھا تھا۔ ان کی خواہش رہتی کہ ان کا سارا وقت اپنے دم ساز (اسلحے) کی معیت میں گزرے، جسے وہ کبھی مرمت کر رہے ہوتے، کبھی اس کی صفائی میں لگے ہوتے اور کبھی اس کے استعمال کی مشق میں مصروف رہتے۔ اسلحہ کی مرمت میں انھیں غیر معمولی مہارت حاصل تھی۔ ایک مرتبہ ایک عرب ساتھی ان سے کہنے لگے: "میں جہاد سے شادی کر چکا ہوں"۔ شمس الدین بولے: "لیکن انھوں نے زبردستی حوا کی بیٹی سے میری شادی کر دی ہے!"۔

کروان باشی کا معرکہ بڑا ہی جاں گسل تھا۔ اللہ کے سپاہی اللہ کے دشمن کے خلاف دوبدو برسر پیکار تھے۔ جنگ کی آگ شعلے برسا رہی تھی۔ شیر اپنی کچھار سے باہر نکل آئے تھے۔ شمس الدین اور رضوان نے اس جنگ میں شہادت کو گلے لگا لیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اور ان شہداء کو اپنے پیش رووں کے ساتھ اکٹھا کر دیں۔ شمس الدین انتیس سال کی عمر میں اپنے مالک کی بارگاہ میں جا پہنچے۔

عادل حسنی صنعانی شہید

''ابو عاصم نے اپنے محبت کرنے والے والدین، بہن بھائیوں اور اعزہ و احباب کو
چھوڑا اور زیورِ جہاد سے آراستہ ہو گئے''

۳ جولائی ۱۹۸۹ء بروز پیر انھیں مجاہدین کے مرکز سے زیرِ حراست لے لیا گیا۔ اس رات زوروں کی بمباری ہوئی۔ ۱۲۰ ملی میٹر ہاون کا ایک گولہ ابو عاصم کو جا لگا، لبوں سے فوراً حسبی اللہ ونعم الوکیل کے الفاظ نکلے اس کے بعد انھوں نے کلمہ شہادت ادا کیا اور اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔

صنعانی ۱۹۷۰ء میں یمن کے ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کی تربیت دینی ماحول میں ہوئی، اور وہ دل میں اعلائے کلمۃ اللہ کی دُھن لیے جوان ہوئے۔ انھوں نے اپنے اردگرد کی دنیا میں ہر کسی کو ہوس کی آگ میں جلتے اور اپنا پیٹ بھرنے کی فکر میں سرگرداں دیکھا۔ اس ماحول سے بیزار نئی روشنی، نئے راستے اور نئی تاریخ استوار کرنے کا جذبہ لیے ابو عاصم افغانستان پہنچے۔ ان کی یہ پیش قدمی اس حدی خوان کے نغمے کا جواب تھی: یا خیل اللہ ارکبی وبالجنۃ ابشری

عادل (ابو عاصم) نے اپنے محبت کرنے والے والدین، بہن بھائیوں اور اعزہ و احباب کو چھوڑا اور زیورِ جہاد سے آراستہ ہو گئے، جہاد کی پکار پر لبیک کہا اور فلاح و کامرانی کی طلب میں میدان میں کود پڑے، دل میں شہادت کی تڑپ ہر لمحہ انگڑائیاں لیتی تھی، یہ طلب رائیگاں نہ گئی۔ ان کا گرم گرم لہو سرزمینِ جہاد کو سیراب کر گیا۔ ابو محمد یمنی اور ابو عمر یمنی نے ان کے لہو سے پھوٹتی خوشبو کو خود سونگھا!

عنایت محفوظ شہید

''ان کے ایک دوست نے انھیں جہادِ افغانستان سے متعلق صوتی کیسٹ مہیا
کی۔ اسے سن کر ان کی غیرتِ ایمانی کو گوارا نہ ہوا کہ وہ اب بھی نرم گرم بستروں اور
ایئر کنڈیشنڈ کمروں میں آرام فرما رہیں''

عنایت (ابو دجانہ) کی تربیت مسجدوں کے حلقوں میں ہوئی۔ درس و تدریس کے مراکز سے انھیں خاص شغف تھا۔ انھوں نے خود کو ان مراکز میں آنے والوں کی خدمت کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ سمندر پار سے آنے والی خبروں کو وہ بڑے اہتمام سے سنتے۔ اسی دوران ان کے کانوں سے افغانستان کے جہاد اور اس کی شرعی حیثیت کی خبر ٹکرائی۔ ان کے ایک دوست نے انھیں جہادِ افغانستان سے متعلق صوتی کیسٹ مہیا کی۔ اسے سن کر ان کی غیرتِ ایمانی کو گوارا نہ ہوا کہ وہ اب بھی نرم گرم بستروں اور ایئر کنڈیشنڈ کمروں میں آرام فرما رہیں۔

ابرحت یا مرض الجفون بمعرض
مرض الطبیب لہ وعبد العوّد

انھیں فکر دامن گیر رہتی کہ کس طرح وہ ہلمند، کابل اور ہاری رود کے پانیوں میں غوطہ زن اپنی روح سے جا ملیں، جو ان سے پہلے ہی افغانستان کے مرغزاروں میں جا پہنچی تھی۔ انھوں نے آئے روز پاکستانی سفارت خانوں کے دروازے کھٹکھٹانے شروع کیے۔ مگر اتنی آسانی سے ان کی آرزوؤں کی تکمیل ہونا ممکن نہ تھا۔ وہ رات کی تاریکیوں میں ربّ کے حضور سجدہ ریز اس سے اپنی آرزوؤں کی تکمیل کی دعائیں کرتے۔ بالآخر ان آرزوؤں کی تکمیل کی باری آئی۔ ایک روز وہ ہاتھ میں پاکستان کا ٹکٹ پکڑے خوشی و حیرت کے احساسات لیے سوچ رہے تھے۔

حلما اری ام ذاک طیف خیال؟...... یہ خواب کوئی یا وہم مرا؟

آزمائشیں اس راہ کا حصہ ہیں جن سے انبیائے کرام علیہم السلام تک مستثنیٰ نہ رہے

ان کے صبر کا پیمانہ مزید انتظار کی گنجائش نہیں رکھتا تھا اور اسی لمحہ طائرِ تخیل پر پرواز کیے ان کی روح

جہادِ افغانستان میں معرکہ زن ہوگئی۔ افغانستان پہنچ کر انھوں نے فوراً عسکری تربیت حاصل کی اور اس کے بعد دشمن سے دوبدو ہوگئے۔ اس دوران ان کا بار ہا پشاور آنے کا بھی اتفاق ہوا۔ مگر ان کا ہر لمحہ جہاد کی خدمت انجام دیتے بسر ہوا۔ ایک روز انھیں بعض ایسے نوجوانوں سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ جنھوں نے جہاد افغانستان کے بارے میں شکوک وشبہات کا اظہار کیا اور کچھ ایسے خیالات کا اظہار کیا جو ہمتوں کو توڑ دینے والے اور عزائم کو مسمار کر دینے والے تھے۔ ابو دجانہ کچھ مدت کے لیے ان خیالات سے متاثر ہو گئے اور الجزائر واپس لوٹنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ اسی دوران اللہ تعالیٰ نے انھیں ایک پختہ ذہن نوجوان سے ملا دیا۔ ان کے سامنے ایک دفعہ پھر جہاد افغانستان کے خدوخال واضح کیے اور اس کی شرعی حیثیت ثابت کی۔ انھوں نے سمجھایا کہ آزمائشیں اس راہ کا حصہ ہیں جن سے انبیائے کرام علیہم السلام تک مستثنیٰ نہ رہے۔

أشد الناس بلاءً الأنبياء ثم الأمثل فالأمثل.

"لوگوں میں سب سے زیادہ انبیاء آزمائش میں مبتلا ہوتے ہیں پھر جوان کے مشابہ ہو پھر جوان کے مشابہ ہو۔"

ان کے اس جہادی ساتھی نے ان کے دل سے تمام شکوک وشبہات کو رفع کیا اور انھیں تلقین کی کہ وہ جلال آباد کی جنگ میں حصہ لیں اور سنت ادا کیے بغیر واپس نہ لوٹیں۔ ابو دجانہ نے کوہ تورا کے دامن میں اپنا آشیانہ بنالیا۔ ایک روز کار جہاد میں حصہ لینے کے دوران دشمن کا پھینکا گیا میزائل انھیں خون میں لت پت کر گیا۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں پیٹھ پھیر لینے والوں میں شامل ہونے سے بال بال بچالیا۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوهُمُ الْأَدْبَارَ﴾
(الانفال: ۱۵)

"اے ایمان والو! جب تم کافروں سے میدانِ جنگ میں ملو تو اُن سے پیٹھیں نہ پھیرو"۔

وہ آنے والی نسلوں کو یہ پیغام دیتے چل دیے:

دع المداد و سطر بالدم القاني
وأسكت الفم واخطب بالفم الثاني
فم المدافع في صد العداة له
من البلاغة ما يزري بسحبان

ضرار عیسیٰ شہید

"انھیں کبھی یہ بات فراموش نہ ہوتی کہ ان کا تعلق کوہ قاف کی سرزمین سے ہے۔ ان کے اجداد نے یہاں سے شام کی طرف ہجرت کی تھی۔ وہ شیخ شامل کے جہاد میں ان کے شریک کار رہے تھے۔ وہ ہمیشہ خواب دیکھتے تھے کہ وہ قاف کے ان ہزار ہا باشندوں کا انتقام لیں جنھیں سائبیریا کے برف زاروں میں مرنے کے لیے بھوکا پیاسا چھوڑ دیا جاتا"

شام کے دور دراز صحرائی گاؤں ازرق میں محمد منصور (ضرار) کی پیدائش ہوئی۔ صحرا کی وسعت اپنے دامن میں جو آزادیاں سمیٹے ہوئے تھی وہ سب محمد منصور کی شخصیت میں جلوہ گر تھیں۔

انما الاسلام في الصحراء امتهد
ليكون كل مسلم اسد

ان کے والد نے ان کی تربیت میں عمدہ اوصاف سمونے کا خاص اہتمام کیا تھا۔ دین حق کے لیے غیرت وحمیت کا جذبہ انھیں ورثے میں ملا تھا۔

انھیں کبھی یہ بات فراموش نہ ہوتی کہ ان کا تعلق کوہ قاف کی سرزمین سے ہے۔ ان کے اجداد نے یہاں سے شام کی طرف ہجرت کی تھی۔ وہ شیخ شامل کے جہاد میں ان کے شریک کار رہے تھے۔ وہ ہمیشہ خواب دیکھتے تھے کہ کوہ قاف کے ان ہزار ہا باشندوں کا انتقام لیں جنھیں سائبیریا کے برف زاروں میں مرنے کے لیے بھوکا پیاسا چھوڑ دیا جاتا۔ مجھے بعض لوگوں نے بتایا کہ سٹالن کے دور میں ان کے باپ دادا کو اٹھا کر سائبیریا کی دور دراز اونچی چٹانوں میں پھینک دیا گیا۔ ان کے لیے وہاں کھانے پینے کا کوئی سامان نہ تھا۔ ان میں سے کئی بھوک کی شدت سے مر کھپ گئے۔ کئی ایک اپنے سے پہلے مر جانے والے بچوں کا گوشت کھالینے پر مجبور ہو جاتے۔ روسی جانتے تھے کہ جو نسل ان کے خلاف لڑی جانے والی لڑائی میں ہر اول دستے کا کردار ادا کر رہی ہے وہ دشمن کے سامنے جھکنا نہیں جانتی۔

شاید اسی لیے روسی جرنیل بیلو نے ایک دفعہ کہا تھا: "شیخ شامل کے ساتھ لڑائی میں ہم نے جو کچھ

[illegible] کرنے کے لیے کافی تھا۔

[illegible] تھا۔

عسکری کالج میں

ضرار نے اپنے علاقے کے کیڈٹ کالج کو تعلیم کے لیے منتخب کیا تا کہ یہاں سے اپنی آرزوؤں کی تکمیل کا سراغ لے سکیں۔ انھوں نے کیڈٹ کالج سے انجینئرنگ کی اختصاصی تعلیم حاصل کی اور اپنی خدمات فوج کے لیے وقف کر دیں۔ وہ کردار کے کھرے تھے۔ انھوں نے شیشان کے نوجوانوں میں اسلام پر مر مٹنے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے جذبات اجاگر کیے۔

ضرار سے میری پہلی ملاقات غائبانہ تھی۔ دراصل یہ میرا ان سے ابتدائی غائبانہ تعارف تھا۔ انھوں نے پشاور میں اپنے بعض دوستوں کے نام خط تحریر کیا، جس میں انھوں نے اپنی آرزوؤں کو بے کم و کاست تحریر کیا تھا۔ وہ ماسکو پر یلغار کا ارادہ رکھتے تھے۔ اُس نے اپنے اس خط میں روس کی چالوں اور منصوبہ بندی کے ساتھ ساتھ اس کے کمزور پہلوؤں کی بھی نشاندہی کی تھی۔ انھوں نے بلند پایہ عزائم کا تذکرہ بھی کیا تھا اور اس کے لیے منصوبہ بندی کا نقشہ بھی پیش کیا تھا۔ ان کا یہ خط کچھ ایسی کیفیت کا مظہر تھا۔

اذا غامرت فی شرف مروم — فلا تقنع بما دون النجوم

فطعم الموت فی امر حقیر — کطعم الموت فی امر عظیم

یری الجبناء ان الجبن حزم — و تلک خدیعه الطبع اللئیم

ضرار ۱۴ برس تک اردن کی فوج میں رہے۔ اسی دوران ان کے کانوں میں جہاد افغانستان کی بازگشت گونجی۔ وہ اس وقت فوج میں کرنل کے عہدے تک جا پہنچے تھے اور صرف ایک برس بعد ان کو ریٹائرمنٹ ملنی تھی۔ مگر اب ان کی آتش شوق کو مزید انتظار کہاں گوارا تھا۔ میں نے جب ان سے استفسار کیا کہ وہ ایک برس مزید رک جاتے اور ریٹائرمنٹ کے بعد ادھر کا رخ کرتے، مگر ضرار نے دلنواز مسکراہٹ کے ساتھ مجھے جواب دیا ''سال ابھی بہت دور ہے''۔ واقعتاً جس کی روح اس سے جدا ہو کر پہلے ہی میدان

[illegible]

ضرار جہاد کے لیے مختلف منصوبے تیار کرتے، مستقبل کے لیے عملی نقوش تیار کرتے اور انھیں عملی جامہ پہنانے میں لگ جاتے۔ درحقیقت انھوں نے اپنا تن من دھن راہِ جہاد کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ انھیں اپنے دین پر فخر تھا۔ [illegible] کر رکھے تھے اور دورانِ تربیت ان اشعار کو [illegible] پڑھنے لگ جاتے۔ کئی دفعہ [illegible] ان کے ساتھی بھی ان کے کہے گئے اشعار پڑھنے میں ان کے ساتھ شریک ہو جاتے۔

میں اکثر ان سے کہتا ''ضرار کیا ہی بہتر ہو کہ آپ اپنے منصوبوں کو حقیقت سے قریب ترین عزائم کی سطح تک رکھیں تا کہ ان کی حیثیت ہوائی قلعوں کی بجائے عملی ہو جائے۔''

ضرار نے میری اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا، مگر ان کے چہرے کے تاثرات کچھ ایسی صورت حال پیش کر رہے تھے۔

سبحان خالق نفسی کیف لذتها

فیما النفوس تراه غایة الالم

اس کے بعد ضرار اردن واپس چلے گئے، جہاں انھوں نے اسرائیلی فوج کے خلاف ایک کارروائی کی۔ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ یہ کوئی افسانہ ہے مگر حقیقت میں وہ سرخرو ہو گئے۔ وہ وہاں فلسطینی حدود پر قابض یہودیوں کے ایک دستے پر حملہ آور ہوئے اور دادِ شجاعت دیتے ہوئے جان سے گزر گئے۔ انھوں نے کسی کے لیے جہاد میں شرکت کے لیے کسی عذر کی گنجائش نہ چھوڑی اور لوگوں پر حجت تمام کر دی۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی عملی تفسیر بن گئے:

خیر الناس رجل آخذ بعنان فرسه یطیر علی متنه کلما سمع هیعة او فزعة طار

الیھا یبتغی الموت مظانہ)

وحید من الخلان فی کل بلدۃ

اذا عظم المقصود قل المساعد

اللہ سے دعا ہے کہ وہ ضرار کی شہادت کو شرفِ قبولیت بخشیں اور ہمیں جنت الفردوس میں اکٹھا فرما دیں۔

عبدۃ علی بحری شہید

"انھوں نے پہاڑ پر چڑھتے ہوئے اپنے دوستوں سے کہا تھا: "ذرا صبر کرو یہ حوروں کا مہر ہے"

میرے دوست! تم مجھ سے کس بارے میں پوچھتے ہو؟ شہید کے بارے میں... کہ وہ کیونکر دنیا کے منصب چھوڑ کر راہِ حق پر چل نکلتا ہے؟ میرے دوست! شہید کا رویہ زندگی کسی کے لیے راز تو نہیں! شہید ہر مادی زنجیر کو کاٹ پھینکتا ہے، وہ سوچتا ہے کہ اللہ کا دین سربلند نہ ہو تو اس جینے کا کیا فائدہ؟ جب زمین کا چپہ چپہ آگ اور خون کی بارش سے لالہ زار ہے تو ایسے میں میری اور تمہاری زندگی کس کام کی؟ کیا تم شہید کے خون کی دھاریوں سے اس زمین پر لکھے حروف کو پڑھ سکتے ہو؟ دیکھو یہ لہو رنگ تحریر کہتی ہے کہ اے مسلم نوجوانو! تمہارا اصل راستہ جہاد فی سبیل اللہ ہے!

جدھر دیکھو جہاں ڈھونڈو شریکِ کارواں ہم ہیں!

فاریاب کا قافلہ اس مبارک جہاد میں شرکت کے لیے رختِ سفر باندھ کر نکل کھڑا ہوا۔ ہم میں سے ہر ایک کے دل میں فاریاب جانے کی تڑپ موجود تھی۔ جوں جوں راستے کی تکالیف اور مشقتیں آگے آنے لگتیں، ہمارے شوق اور بے تابی میں بھی اضافہ ہونے لگتا۔ ہم پر پینتالیس دن رات ایسے گزرے کہ ہمیں سونے کے لئے کوئی سائبان میسر تھا نہ کوئی تخت! اس تمام عرصے میں آسمان ہماری چھت بنا رہا اور زمین ہمارا بچھونا۔ راستے کی تمام تر سختیوں کے باوجود ہمارے قافلے کے ہر فرد کا دل اطمینان و سکینت سے سرشار تھا۔ دو ماہ کی مسافت کے بعد یہ کاروان منزل کو پہنچا۔

رہِ منزل سے منزل تک مثالِ کہکشاں ہم ہیں
جدھر دیکھو جہاں ڈھونڈو شریکِ کارواں ہم ہیں

فاریاب پہنچے تو بستیوں کے سبھی مرد و زن، ننھے معصوم بچے اور سفید ریش بزرگ، سبھی ہمارے استقبال کو نکل کھڑے ہوئے۔ ہم نے کچھ دیر تک آرام کی غرض سے یہاں پڑاؤ ڈالے رکھا اور پھر ہم اس

ولایت کے طول وعرض میں پھیل گئے۔ یہیں ابو یاسر کو روسی سرحد کے قریب کی ایک بھولی بسری بستی "انخوی" جانے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ یہ وہ بستی ہے جہاں سینکڑوں برس سے کسی اجنبی نے قدم نہیں رکھے تھے۔

عبدہٗ (ابو یاسر) صنعاء کے عسکری کالج سے فارغ التحصیل تھے۔ انھوں نے اپنی عسکری مہارت کو کام میں لانے کے لئے یہاں مجاہدین کا ایک معسکر قائم کرنے کا ارادہ کیا لیکن حالات نے انھیں یہ مرکز قائم کرنے کی اجازت نہ دی۔ تب انھوں نے نگاب شرین کی طرف رخ کیا اور اللہ کے دشمنوں کے خلاف لڑائی میں شریک ہوئے۔ اللہ کے سپاہی اس گرم معرکے میں اپنی اپنی جولانیاں دکھا رہے تھے۔ انھوں نے کمیونسٹوں کے ایک ایک قلعے کو جالیا اور اس پر یلغار کی۔ ابو یاسر کی بندوق بھی دشمن پر اندھا دھند گولیاں برسا رہی تھی' ایک ہاتھ میں دستی بم بھی تھا۔ ان کے ساتھی منتظر تھے کہ اسے پھینکنے کی باری کب آتی ہے کہ اچانک ابو یاسر زمین پر جا گرے۔ دشمن کی گولی نشانے پر لگ چکی تھی۔ خون میں لت پت ابو یاسر' اپنے ساتھیوں کے دلوں کے بھی ٹکڑے کر کے حیاتِ جاودانی کو سدھار گئے۔ انھوں نے پہاڑ پر چڑھتے ہوئے اپنے دوستوں سے کہا تھا: "ذرا صبر کرو یہ حوروں کا مہر ہے"۔ سفر و حضر میں نفلی روزوں میں ان کا اہتمام معروف تھا۔ انھیں نگاب شرین کی چوٹیوں ہی میں دفن کر دیا گیا۔ یہ شہادت ہمارے دل فگار کر گئی۔ الوداع اے ابو یاسر' آپ اپنے ساتھیوں میں ہر دلعزیز تھے' تن تنہا راہ جہاد میں نکلے اور مقامِ شہادت سے ہم کنار ہوئے۔ آپ نے امت کو سربلندی کی طرف گامزن کرنے کی قیمت میں اپنے لہو کا نذرانہ پیش کر دیا۔ ہم نے بھی انھی نقوشِ پا کی پیروی کا عزم باندھ رکھا ہے۔ ان شاء اللہ ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہ ہوگا جو راستے ہی میں پیٹھ پھیر جانے والوں میں شمار ہو۔

ابو مہاجر یمانی شہید

"ہر معاملے میں استخارہ کرنا ان کا وطیرہ تھا۔ عمدہ اوصاف اور اعلیٰ اخلاق کے مالک ابو مہاجر کے چہرے پر ہر وقت مسکراہٹ رہتی۔ مردانگی اور شجاعت کا یہ پیکر ہم سے بچھڑ گیا' اللہ تعالیٰ! ہمیں صالحین کی معیت میں اکٹھا کر دیجیے"

ابو مہاجر یمانی کی وصیت میں دیگر باتوں کے علاوہ یہ بھی لکھا تھا: "یا حبذا الجنة واقترابها طيبة و بارد شرابها. میرے دوستو اور بھائیو! میں نے زندگی میں بہت سے افراد کو اپنی آنکھوں کے سامنے مرتے دیکھا ہے اور کتنوں کی موت کے حالات سن رکھے ہیں' لیکن اللہ کی راہ میں شہادت سے بڑھ کر قابلِ رشک اور باعثِ شرف موت کوئی نہ پائی"۔

ابو مہاجر (سعد) نے بہت زیادہ معرکوں میں حصہ نہیں لیا' نہ ہی ان کے ہاتھوں ڈھیروں فتوحات عمل میں آ سکیں۔ نہ انھوں نے کوئی غیر معمولی کرامات دکھائیں' مگر اس کے باوجود ہمارا گمان اس شہید کے بارے میں یہی ہے کہ وہ اپنے رب کے ساتھ صادق تھے تو اللہ نے بھی ان کے ساتھ کیے گئے اپنے وعدے کو سچ کر دکھایا۔ انھوں نے اپنے لیے جنت میں جانے کا راستہ منتخب کیا اور راضی برضا اپنے رب سے جا ملے یہی ان کا شوق تھا۔ جو کوئی اس مجاہد کی داستاں سے واقف ہے' جانتا ہے کہ ان کی راہِ جہاد میں گزاری جانے والی مدت بہت مختصر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں پہلی ہی لڑائی میں شرفِ انتخاب بخش دیا۔ کمیونسٹوں کے خلاف روبہ عمل لائی جانے والی اس کارروائی کا میدان جلال آباد تھا۔ معرکے میں پہنچتے ہی ان کا تن بدن لہو میں نہا گیا۔ ان کی وصیت کا ایک ایک حرف ایمان و یقین کا عکاس ہے' ایک ایک لفظ سے دانش مندی اور فراست عیاں ہے جو بڑی عمر اور بڑی خدمات انجام دینے والوں میں بھی بعض اوقات مفقود ہوتی ہے۔

انھوں نے اپنے لیے جس موت کا انتخاب کیا وہ قابلِ رشک ہے

شہید نے جب جہاد کی طرف رخ کرنے کا ارادہ کیا تو ان کی راہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں حائل

کرنے کی کوششیں ہوئیں۔ ان کے بزرگوں نے زور دیا کہ وہ اپنی تعلیم کی تکمیل کا انتظار کریں مگر ان کا جذبۂ جہاد اور شوقِ شہادت اس سب سے ماسوا تھا۔ کوئی رکاوٹ ان کا راستہ نہ روک سکی۔ وہ تمام بندشوں کو توڑ کر اپنا پاسپورٹ تیار کرنے اور ادھر آ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پاک ہمیشہ ان کے وردِ زباں رہتا:

﴿وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ﴾ (البقرۃ: ۱۵۴)

''اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے جاتے ہیں انہیں مرا ہوا نہ کہا کرو''۔

وہ اکثر کسی شاعر کا یہ شعر گنگناتے۔

انا للہ قد نذرت حیاتی وسالت اللہ حسن الثبات

دل میں جہاد کی بے پایاں تڑپ تھی؛ جہاں بھی بیٹھتے اپنے دوستوں کو جہاد کے واقعات سناتے۔ ان کا تصورِ جہاد بڑا وسیع تھا اور وہ ہر جگہ رزمِ حق و باطل چھیڑ دینے کے خواہاں تھے؛ جہاد کا صرف افغانستان کی حدود میں مقید ہو جانا انھیں گوارا نہ تھا۔ انھوں نے جلال آباد کی جہادی کارروائیوں میں شرکت کی امید پر اپنا تربیتی دورہ مکمل کیا۔ اس کے بعد مزید اتقان کی خاطر ایک اور دورہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے جلال آباد میں قدم رکھتے ہی انھیں اپنے شہداء کے زمرے میں شامل فرما لیا۔ محمد ہاشم شہید اور ابو مہاجر شہید دونوں یک بیک دشمن کے پھینکے ہوئے میزائل کا نشانہ بن گئے۔ کس قدر خوش نصیب تھے وہ! انھوں نے اپنے لیے جس موت کا انتخاب کیا وہ قابلِ رشک ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائیں۔ وہ ہمارے دلوں میں اپنی یاد کے نہ مٹنے والے نقوش چھوڑ گئے۔ اپنی کم سنی کے باوجود وہ سب کے لیے بڑے قابلِ احترام تھے۔ ہر معاملے میں استخارہ کرنا اُن کا وطیرہ تھا۔ عمدہ اوصاف اور اعلیٰ اخلاق کے مالک ابو مہاجر کے چہرے پر ہر وقت مسکراہٹ رہتی۔ مردانگی اور شجاعت کا یہ پیکر ہم سے بچھڑ گیا۔ اللہ تعالیٰ! ہمیں صالحین کی معیت میں اکٹھا کر دیجیے۔ درود و سلام ہو نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر۔

صالح ابو حاتم شہید

''صالح سرزمینِ جہاد میں پہنچے تو معرکہ کارزار میں ان کے سوا کوئی عرب ڈاکٹر موجود نہ تھا۔ انھوں نے اپنے ایک ہاتھ میں اپنا دواؤں والا بستہ پکڑا اور دوسرے ہاتھ میں بندوق تھام لی اور غزنی کی کارروائیوں میں شرکت کرتے ہوئے اپنے جہادی سفر کا آغاز کیا۔ لندن کی پرتعیش زندگی اور انواع و اقسام کے کھانوں کے مقابلے میں یہاں صرف نمکین چائے اور سوکھی روٹی میسر تھی۔''

جلال آباد اور قندھار کے راستے سراپا انتظار ہیں۔ نفاق کے شہزوروں نے نت نئی خبریں پھیلانے کا دھندا شروع کر رکھا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ بس کچھ دنوں کی بات ہے جب روس اور امریکا کی دل پسند شخصیت ظاہر خان دوبارہ تختِ حکومت پر جلوہ افروز ہو گا۔ اب کی بار انھوں نے اس کا نام ظاہر شاہ کی بجائے ظاہر خان رکھ چھوڑا ہے۔

ان کہساروں اور بیابانوں کا کوئی گھر ایسا نہیں جو ماتم کدہ نہ ہو

عمر رسیدہ مرد و زن اور سر بکف نوجوان سراپا سوال ہیں: ''آخر وہ وقت کب آئے گا جب امت کے زخموں کی کسک محسوس کی جائے گی؟ کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ یتیموں کی آہیں بیواؤں کی سسکیاں اور زخمیوں کے الم رسیدہ بدن جھنجھوڑ سکیں۔

ان کہساروں اور بیابانوں کا کوئی گھر ایسا نہیں جو ماتم کدہ نہ ہو۔ کوئی خیمہ ایسا نہیں جس میں زخمیوں کی آہیں اور یتیموں کی چیخیں نہ گونجتی ہوں۔ اے اسلحے کا بار اٹھانے والو! کیا شیرخوار بچوں، بزرگوں، چوپایوں کے لیے رحم کی کوئی رمق تمھارے دلوں میں نہیں؟ کیا وجہ ہے کہ تم ایک دفعہ پھر اس انسان کو تختۂ اقتدار سونپنے کے لیے اکٹھے ہو چلے ہو جس کی چالیس سالہ تاریخ تمھاری نظروں کے سامنے ہے۔ کیا تم اس خونی جنگ کے سلسلے کو دراز رکھنا چاہتے ہو جس نے تمھاری زمین کی ہر تعمیر کو تخریب کے لبادے پہنا دیے، کھیت و کھلیان جل کر راکھ ہو گئے، مسجدیں ڈھا دی گئیں، معصوم بچے یتیم کندھوں پر لٹکائے مدرسے

جانے کی آس دل میں لیے بھوک کے عفریت کا شکار ہو گئے' کسی گھر کا سائبان انھیں سایہ فراہم نہ کر سکا؟!
رکو رکو، عہدہ و منصب کے بیوپاریو! رکو، اپنی قوم کو اپنی خواہشات کی بھینٹ چڑھانے کا سلسلہ اب بند کر دو! رکو کہ یک لخت آنے والا یوم حساب تمہارے اقتدار کو مظلوموں کی آہوں اور سسکیوں میں بہا لے جائے گا۔ راہِ جہاد کا راستہ روکنے والو! تمہاری زندگی اور موت دونوں عبرت کا نمونہ بننے والے ہیں۔ اللہ کے سپاہیوں کے عزم و ارادے تمہارے کھوکھلے نعروں کی زد میں آنے والے نہیں۔

وہ وقت آنے کو ہے کہ باطل نواز نعرے جھاگ کی طرح بیٹھ جائیں گے۔ بالیقین کہ خراسان میں شروع ہونے والا جہاد نہ تو کوئی قومی و نسلی جنگ ہے نہ وقتی جوش کا نتیجہ۔ یہ جہاد کلمۃ اللہ کی سربلندی کے لیے لڑا جا رہا ہے۔ امت کے بہترین جوانوں نے اس کو کامیابی سے ہم کنار کرنے کے لیے اپنے لہو کی سوغات پیش کی ہے۔ اس لیے اس جہاد کے انجام کو سبوتاژ کرنے کے لیے مسندِ اقتدار پر کسی ایسی شخصیت کو برداشت نہ کیا جائے گا جو جہاد کے نصب العین سے متصادم نظریات رکھتی ہو۔

((مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيْلِ اللهِ)) (رواہ البخاري، كتاب العلم، باب من سئل وهو قائم عالمًا جالسًا)

''جس شخص نے قتال کیا تا کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو تو وہ شخص اللہ کی راہ میں شمار ہوگا۔''

﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾ (الانفال: ۳۹)

''اور تم اُن سے اس حد تک لڑو کہ شرک کا غلبہ نہ رہنے پائے اور سارا دین اللہ ہی کا ہو جائے''۔

پس تیر اندازوں کو چاہیے کہ وہ اپنے ترکش تیار رکھیں' اپنی تلواریں تیز کر لیں اور لہو کی پیاسی زمین کو اپنے خون کی سوغات پیش کرنے کا جذبہ جواں رکھیں' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا دین غالب ہو رہے' یا اللہ تبارک و تعالیٰ اپنا فیصلہ نافذ کر چھوڑیں۔

ہاں' قافلۂ عشاق حوروں کی طلب میں چل نکلا ہے۔ آئے روز نئے نوجوان اس قافلے میں شمولیت اختیار کرتے چلے جا رہے ہیں۔ اس وقت ہماری حسرت انتہا کو جا پہنچتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے بعد آنے والے ہم سے بازی لے گئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنی راہ میں شہید ہونے کی سعادت سے محروم نہ فرمائیں۔ اے اللہ' ہمیں سعادت کی زندگی اور شہادت کی موت نصیب کیجیے اور روز

محشر ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت سے محروم نہ فرمائیے گا۔

'بگ بین' کی گھنٹیوں میں اب ان کے لیے کوئی کشش باقی نہ رہی تھی

میں نے ان جیسا مہربان اور نیک شخص کوئی نہیں دیکھا۔ برطانیہ سے آئے تو زمین و آسمان کی وسعتوں سے زیادہ وسیع و عریض جنتوں کی طلب میں شہادت کے لیے بے چین تھے۔ ڈاکٹر صالح لندن کے کامیاب ماہرِ امراضِ بچگان کی حیثیت سے معروف تھے۔ مگر سرزمین جہاد کی سمت سے آنے والی پکار کے سامنے انھیں لندن کی فیکٹریوں سے اٹھنے والا دھواں ہیچ نظر آنے لگا۔ بگ بین کی گھنٹیوں اور ٹیمز کی آواز میں اب ان کے لیے کوئی کشش باقی نہ رہی تھی۔ وہ اب جس محبوب کی زلفوں کے اسیر ہو چلے تھے اس نے انھیں افغانستان کی برف پوش چوٹیوں میں پہنچا کر ہی دم لیا۔

ڈاکٹر صالح محمد ۱۹۵۱ء میں بنی غازی میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے بنی غازی کی قار یونس یونیورسٹی میں میڈیکل کی سند حاصل کی۔ صالح سرزمین جہاد پہنچے تو معرکہ کارزار میں ان کے سوا کوئی عرب ڈاکٹر موجود نہ تھا۔ انھوں نے اپنے ایک ہاتھ میں اپنا دواؤں والا بستہ پکڑا اور دوسرے ہاتھ میں بندوق تھام لی اور غزنی کی کارروائیوں میں شرکت کرتے ہوئے اپنے جہادی سفر کا آغاز کیا۔ وہ مجاہدین کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے' کھاتے پیتے۔ یہاں پرکشش تنخواہ یا کسی بھی قسم کی دنیاوی آسائش کا کوئی گزر نہ تھا۔ لندن کی پرتعیش زندگی اور انواع و اقسام کے کھانوں کے مقابلے میں یہاں صرف نمکین چائے اور سوکھی روٹی میسر تھی۔ عرب مجاہدین میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو یہ کھانے کھا کر شدید پیچش اور اسہال کا شکار نہ ہوا ہو۔ بعض اوقات تو یہ شکایت اتنی شدت اختیار کر لیتی کہ مجاہد ساتھی موت کے منہ سے بال بال بچ پاتا۔

عبداللہ انس' ابو اسید' اور محمد امین پہلے عرب تھے جنھوں نے افغانستان کے شمال کا رخ کیا۔ بلخ پہنچنے میں انھیں ۴۷ دن لگ گئے۔ محمد امین اس پر صعوبت سفر میں جان سے گزر گئے۔ برف زاروں پر چلتے چلتے عبداللہ انس کے ہاتھ پاؤں کے ناخن اتر گئے۔ جب یہ مجاہدین بلخ پہنچے تو افغان انھیں دیکھنے کے لیے سڑکوں پر اُمڈ آئے۔ یہ وہی عرب تھے جن کے بارے میں انھوں نے صرف کتابوں میں پڑھا تھا اور جن کا بے پناہ احترام اور عقیدت افغان مجاہدین کے دلوں میں تھی۔ کتنے ہی سفید پوش بزرگ تھے جو اپنے پوتے یا چھوٹے بیٹے کی انگلی تھامے کئی کئی دن برف پوش وادیوں میں چلتے اور عرب مجاہدین کے ٹھکانے پر پہنچ کر

اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے کی درخواست کرتے۔

ڈاکٹر صالح جب غزنی سے واپس لوٹے تو میں انھیں ملنے گیا۔ انھیں دنوں ڈاکٹر صالح جب بلخ پہنچے تو فرانسیسی صلیبیوں نے لوگوں کے دلوں میں گھر کر رکھا تھا۔ وہ نہ صرف انتہائی محنت سے زخمیوں کا مفت علاج معالجہ کرتے بلکہ مریض اور اس کے گھر والوں کو تحفے تحائف اور ہدیے بھی پیش کرتے۔ اس پر اکتفا نہ کرتے ہوئے وہ ان کے گھروں میں جا جا کر انھیں مالی امداد بھی بہم پہنچاتے۔ مگر ڈاکٹر صالح کے بلخ پہنچتے ہی وہاں کی زمین نے فرانسیسیوں کو پناہ دینے سے انکار کر دیا۔ قاضی عبداللہ نے واشگاف فتویٰ دیا کہ فرانسیسیوں سے علاج معالجہ کروانا' ان کے ساتھ گھلنا ملنا اور میل جول رکھنا حرام ہے۔ افغان عوام اور مجاہدین نے اس فتوے کی پوری طرح پاسداری کی۔ فرانسیسی صلیبیوں نے یہ رویہ دیکھا تو علاقے کے ذمہ داروں سے پوچھا "شاید تم لوگ ہم سے تنگ آ گئے ہو؟" ذمہ داروں نے صاف جواب دیا کہ جی ہاں۔ اس پر فرانسیسیوں نے اپنے علاج معالجہ کا سامان اور ادویات واپس مانگیں جو مجاہدین نے ان کے منہ پر دے ماریں۔ فرانسیسی واپس چلتے بنے اور بلخ کی زمین ان کے وجود سے پاک ہو گئی۔

ڈاکٹر صالح کی کرامت

ڈاکٹر صالح بلخ پہنچے تو ایک مجاہد کی ریڑھ کی ہڈی گولی لگنے سے زخمی تھی۔ اور مجاہد کا جسم اس کے اثر سے شل ہو چکا تھا۔ اس مجاہد کو فرانسیسیوں کے سامنے پیش کیا گیا تو ان صلیبیوں نے کہا: "طبی لحاظ سے اس مریض کا علاج ممکن نہیں ہے"۔ بلکہ کفریہ کلمات ادا کرتے ہوئے یہ تک بھی کہا کہ "خدا بھی اس مریض کو شفایاب نہیں کر سکتا"۔ جب اس مجاہد کو ڈاکٹر صالح کے سامنے پیش کیا گیا تو ڈاکٹر صالح کے بقول وہ مریض جسمانی اور ذہنی دونوں طرح سے مفلوج ہو چکا تھا۔ وہ چارپائی سے ہل بھی نہیں سکتا تھا اور چارپائی پر ہی قضائے حاجت کرنے پر مجبور تھا۔ ڈاکٹر صالح کہتے ہیں: "میں نے مریض کا حوصلہ بلند کرنے کے لیے بار بار اونچی آواز سے اسے کہا: "معمولی تکلیف ہے' ان شاء اللہ تم شفایاب ہو جاؤ گے"۔

ڈاکٹر صالح نے دعا اور دوا دونوں طرح سے مریض کا علاج کرنا شروع کیا۔ کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ مجاہد مکمل طور پر شفایاب ہو گیا اور پھر معرکہ جہاد میں شامل ہو کر دشمنوں کے خلاف سینہ سپر ہو گیا۔ علاقے کے لوگوں کہنا شروع کیا "اللہ کا ایک نیک ولی اس علاقے میں آ گیا ہے' جس کا نام ڈاکٹر صالح ہے"۔

ڈاکٹر صالح جب تک بلخ میں رہے عرب مجاہدین کے لیے ان کے دل میں ایک باپ کی سی شفقت موجزن رہی۔ وہ دل کھول کر اپنی تمام تنخواہ مجاہدین کے علاج معالجے اور دیگر ضروریات پر خرچ کر ڈالتے۔ عباس کہتے ہیں کہ "ایک مرتبہ میں نے انھیں انفاق میں میانہ روی اختیار کرنے کی تلقین کی تو کہنے لگے: "یہ میرا اپنے رب کے ساتھ تجارت کا معاملہ ہے"۔

افغان مشکل سے ہی اپنی بیٹیوں کی شادی کسی دوسری قوم کے فرد سے کرنے پر رضامند ہوتے ہیں مگر ڈاکٹر صالح کا معاملہ دوسرا تھا۔ کئی افغانوں نے ان سے متاثر ہو کر خود اپنی بیٹیوں کی ان سے شادی کی پیش کش کی۔ ڈاکٹر صالح پشاور لوٹے تو کچھ عرصہ یہاں ٹھیرے رہے۔ پھر جب رمضان ۱۴۰۷ھ کو ماسدہ کا معرکہ پیش آیا تو اس میں شریک ہو گئے۔ میں نے آگ اور خون کی اس ہولی میں ڈاکٹر صالح کو بجلی کی کوند کی طرح دائیں بائیں لپکتے دیکھا۔ ان میں نوعمر نوجوانوں کی پھرتی نہ جانے کہاں سے امڈ آئی تھی۔

پھر ہم نے فیصلہ کیا کہ وہ ابراہیم کے قافلے میں شریک ہوتے ہوئے تخار چل دیں۔ یہ مجاہدین کا پہلا قافلہ تھا جو بھرپور اسلحے سے لیس ہو کر افغانستان کی حدود میں داخل ہو رہا تھا۔ قافلے کے ہمراہ طبی سامان' دینی کتب اور دوسری بہت سی اشیاء تھیں۔ ابو ابراہیم نے عسکری تربیت کے مرکز سے ایکس عرب نوجوانوں کو قافلے کے ہمرکاب کر دیا۔ قافلے میں دو دیگر طبیب' دکتور ابو درداء مصری اور دکتور محمد عمر عراقی بھی شامل تھے۔ تخار پہنچ کر انھوں نے مجاہدین کو ابتدائی طبی امداد سکھانے کے لیے ایک خصوصی تربیتی دورے کا اہتمام کیا۔ دکتور صالح سولہ مہینے ہسپتال میں رہے' مگر یہ تمام عرصہ انھوں نے جنگ میں حصہ لینے کی تڑپ کے ساتھ گزارا۔ صالح کی یہ نظم مجاہدین کو بہت پسند تھی' وہ خود بھی اکثر اس کی نغمہ سرائی کرتے۔

ماذا ترید

ارید جیلاً قرآنیا فرید

لایخشی الوعید ولا التهدید

قدوته اسامة ابن زيدٌ وخالدٌ ابن وليد

أمله الوحيد أن يموت في سبيل الله شهيد

"ہم وہ نسل چاہتے ہیں جس کا حرز جاں قرآن ہو۔ جو کسی باطل پرست کے ڈراوے اور دھمکیوں میں آنے والی نہ ہو۔ جسکے قدوہ اسامہؓ بن زیدؓ اور خالدؓ بن ولید ہوں۔ جس کی

آرزو بس فی سبیل اللہ شہادت ہو"۔

رمضان ۱۴۰۹ ہجری میں جب صالح تخار سے واپس لوٹے تو اب ان کے دل بے چین کو کسی طور قرار نہ تھا۔ جلال آباد کا معرکہ جوبن پر تھا۔ وہ اپنی آرزو کی تکمیل کے لیے معرکے میں شریک ہوئے۔

يلذ لأذني صليل السلاح

ويبهج نفسي مسيل الدما

فكيف اصطباري لكيد الحسود

وكيف احتمالي لكيد العدا

دکتور صالح جلال آباد ہی میں تھے جب جلال آباد کی زمین نے یکے بعد دیگرے نوے ۹۰ شہداء کو اپنی خاک میں چھپالیا۔ سرزمین ننگرہار میں جنھیں ہم نے کھو دیا وہ اس امت کا بہترین سرمایہ تھے۔ ان میں کا ہر نوجوان نیکی و تقویٰ کا منتخب پیکر تھا۔

علاج کے لیے بنیادی ضرورت دعا کی ہوتی ہے' پھر دواء کی اور پھر غذا کی!

ایک دن دشمن کی طرف سے آنے والے ایک گولے نے یہ چراغ ہمیشہ گل کر دیا۔ احمد مبارک صومالی بھی اس وقت ان کے ہمراہ تھے وہ بھی اپنی منزل مراد پا گئے۔ اس عرب مسلمان ڈاکٹر کی زندگی کی بساط لپٹ گئی جسے سب سے پہلے سرزمین افغانستان میں داخل ہونے والے عرب ڈاکٹر ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ لہو میں ڈوبا یہ جسم پشاور لا کر مقبرۂ شہداء ہی میں دفنا دیا گیا۔ جہاں وہ عرب اور افغان مجاہدین کے جھرمٹ میں آسودۂ خاک ہے۔

کسے خبر ہے کہ ان مٹیوں میں سوئے ہیں

جواہرات کہ پہچانتا ہی کوئی نہیں

کسے دکھاؤں جو دنیائے دل میں بستے ہیں

رہِ عدم کے مسافر' مکین خلد بریں

دکتور صالح اپنے مریضوں سے ہمیشہ کہا کرتے: "علاج کے لیے بنیادی ضرورت دعا کی ہوتی ہے' پھر دواء کی اور پھر غذا کی"۔

احمد مبارک صومالی شہید

"دونوں شہسوار یک طینت تھے عمدہ اوصاف میں یک رنگ۔ شاید اسی لیے دونوں ایک ہی گولے کا شکار ہو کر جاں سے گزر گئے۔ دونوں کی پاکیزگی' کردار دیکھ کر لگتا جیسے انھیں زمانے کی کبھی ہوا بھی نہ لگی ہو"

پروان نے رزم حق و باطل کے تند و تیز گرم معرکے دیکھے ہیں۔ افغانستان کی طرح شاید ہی کوئی اور ملک ہو جس نے معرکۂ جہاد میں اس قدر قربانیوں کی سوغات پیش کی ہو۔ یہیں پر روس اور کابل کو ملانے والی خونی لکیر "چاریکار" ہے۔ اس شہر میں اسد اللہ اور اس کے سپاہیوں کے ہاتھوں تباہ ہونے والے جنگی ساز و سامان اور ٹینکوں کی تباہی کی داستان رقم ہے۔ اس علاقے کے تمام تر قائدین یکے بعد دیگرے جاں سے گزر گئے۔ نیازی' موحد' سید ہاشمی نے بھی یہیں برپا معرکوں میں جان وار دی۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ آگ اور خون کی ہولی کا شب و روز تماشہ دیکھنے کے باوجود علاقے کے لوگوں نے یہاں سے نقل مکانی کا کبھی نہیں سوچا۔ وہ اس علاقے کو چھوڑ بھی کیوں کر سکتے تھے ساٹھ کلو میٹر تک پھیلا ہوا چاریکار سے شکر درہ کے شمال تک کا یہ سارا حصہ ایک ہی طویل و عریض باغ کا منظر پیش کرتا ہے۔ یہاں کی شادابی و دلفریبی آنکھوں کو سیر نہیں ہونے دیتی۔ علاقے کا چپہ چپہ پکارتا ہے۔

شہیدوں کے لہو سے جو زمیں سیراب ہوتی ہے بہت سرسبز ہوتی ہے بڑی شاداب ہوتی ہے

اس خطے میں احمد مبارک نے مجاہدین کا ہم رکاب ہو کر پے در پے جہادی کارروائیوں میں شرکت کی۔ ایک روز مجاہدین ٹینکوں کے ایک قافلے کا مقابلہ کرنے کے لیے نکلے۔ جوں ہی غازیوں نے اپنی بندوقوں کے دہانوں کا رخ دشمن کی طرف کیا جواب میں دشمن کی جانب سے گولہ باری کا مینہ برسنے لگ گیا۔ آن کی آن میں یہ بھی جان بچانے کے لیے چھپ گئے۔ احمد کو اچانک احساس ہوا کہ وہ اس بیابان میں اکیلے ہیں۔ وہ ٹیلوں کے درمیان دائیں بائیں اوپر نیچے چلتے دشمن بارود کی بوچھاڑ سے اپنا بچاؤ کرنے لگے۔ اسی عالم میں صبح ہوئی تو ان کا خون جابجا علاقے کو سیراب کیے ہوئے تھا۔

تمھیں یقیناً جیب خرچ کے لیے رقم کی ضرورت ہوگی

دن کا سورج نمودار ہوا تو احمد نے قریب واقع ایک باغ میں پناہ لے لی اور وہیں نماز فجر ادا کی۔ اسی اثناء میں باغ کا مالک ادھر آ نکلا۔ احمد کو اس حال میں دیکھ کر ان کے قریب آیا اور پوچھنے لگا۔ ''عرب ہیں کیا؟'' احمد نے انکار کر دیا۔ مگر اس انکار کا چنداں فائدہ نہ ہوا۔ ان کی حبشی رنگت صاف بتا رہی تھی کہ وہ اس علاقے کے باشندے نہیں ہیں۔ پھر کندھے پر لٹکا ہوا اسلحہ زبان' ہر چیز چغلی کھا رہی تھی کہ وہ کون ہیں۔ تب باغ کا مالک کہنے لگا۔ ''آپ اس وقت جس صوبے میں ہیں یہ کمیونسٹ حکومت کے تابع ہے''۔ پھر باغ کے مالک نے احمد کا ہاتھ پکڑ کر انھیں قریبی ہوائی اڈے اور کمیونسٹوں کے دیگر مراکز دکھائے۔ تب احمد کو احساس ہوا کہ وہ اس کمیونسٹ کی قید میں آ گئے ہیں۔ احمد نے باغ کے مالک سے کہا کہ وہ ان کے راز کو اخفاء میں رہنے دے۔ احمد کہتے ہیں اس کے بعد وہ شخص مجھے اپنے گھر لے گیا۔ اس نے میرے لیے ناشتہ رکھا' مگر میری بھوک اڑ چکی تھی اور میں چھٹکارا پانے کا سوچ رہا تھا۔ میں نے اپنے جیب سے دستی بم نکالا۔ اسے مضبوطی سے اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا اور اپنے دونوں ہاتھ بغل میں رکھ لیے۔ میں یہ ظاہر کر رہا تھا کہ میں اپنے ہاتھ گرم کر رہا ہوں لیکن میری نیت دراصل یہ تھی کہ جوں ہی مجھے اپنی اسیری کا خطرہ محسوس ہو میں دستی بم پھینک کر وہاں سے نکلنے کی کوشش کروں۔

افغان' عربوں سے محبت کو دین کا تقاضا سمجھتے ہیں۔ ان کے دلوں میں عربوں کے لیے بے پناہ محبت کے جذبات موجزن ہوتے ہیں۔ ان کے ساتھ معاملہ کرتے ہوئے ان کا یہ رویہ واضح طور پر ابھر کر سامنے آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب گھر کے مالک کو یقین ہو گیا کہ احمد عرب ہے تو اس کے دل میں احمد کا احترام گھر کر گیا۔ اس نے پوچھا: ''میں آپ کی کیا خدمت بجا لا سکتا ہوں؟'' احمد نے جواب دیا: ''میں چاہتا ہوں کہ مجھے مجاہدین کے مرکز میں چھوڑ آئیں''۔ گھر کا مالک غائب ہو گیا۔ کچھ دیر بعد جب وہ آیا تو گاڑی پر سوار تین مسلح افراد اس کے ساتھ تھے۔ اس نے احمد کو گاڑی پر سوار ہونے کا کہا۔ احمد کہتے ہیں' میں دل میں سوچنے لگا کہ یہ لوگ مجھے قید کر کے روسیوں کے حوالے کرنے والے ہیں۔ چنانچہ میں ان سے خلاصی پانے کی ترکیب سوچنے لگا۔ کچھ دور جا کر ان میں سے ایک فرد نے اپنی جیب سے کچھ پیسے نکالے اور مجھے پیش کرنے لگا۔ میں نے کہا کہ میں نے اس راہ پر جنت کی طلب میں قدم رکھا ہے۔ مجھے دنیا کے کسی ساز و سامان کی کوئی پروا نہیں ہے۔ ملیشیا کا فوجی جواب میں گویا ہوا۔ ''تم دور کے کسی ملک سے

آنے والے عرب ہو اور کہتے دونوں سے اپنے گھر والوں سے بھی دور ہو تمھیں یقیناً جیب خرچ کے لیے رقم کی ضرورت ہوگی۔ وہ آدمی احمد کو رقم لینے پر اصرار کرتا رہا مگر یہ انکار پر مصر رہے۔ اب گاڑی بل کھاتی سڑک کے نشیب و فراز طے کرتی ہوئی آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ ساتھ ساتھ احمد کا میزبان اسے بتاتا جاتا یہ روسی اڈہ ہے' وہ حکومت کا مرکز ہے۔ کبھی وہ راہ چلتے لوگوں کی طرف اشارہ کر کے بتاتا یہ روسی ہے یہ کمیونسٹ ہے۔ یہاں تک کہ گاڑی چلتے چلتے اپنی منزل تک پہنچ گئی۔ اس اثناء میں فرار کا کوئی موقع احمد کے ہاتھ نہ لگا۔ احمد کہتے ہیں کہ بالآخر میرے میزبان مجھے مجاہدین کی چوکھٹ پر لے آئے اور مجھے وہاں پر اتارتے ہوئے کہنے لگے ''ہم مجاہدین کے قریب جانے کی جرأت نہیں کر سکتے' وہ ہمیں مار ڈالیں گے''۔ وہ گاڑی سے اتر کر بڑی گرم جوشی سے مجھ سے بغل گیر ہوئے اور الوداع کہہ کر واپس اپنی نشستوں پر جا بیٹھے۔ جب میں مجاہدین کے مرکز میں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ افغان بھائیوں پر یہ بات بڑی گراں تھی کہ وہ خود تو واپس اپنے ٹھکانے پر آ گئے ہیں جب کہ ان کا عرب ساتھی دشمن کی قید میں چلا گیا ہے۔ وہ میرے تبادلے میں روسیوں کے کئی قیدی انھیں واپس کرنے کا سوچ رہے تھے۔ مگر جب انھوں نے مجھے دیکھا تو فرطِ جذبات سے ان کے چہرے چمک اٹھے۔ انھوں نے اپنی بندوقوں کے دھانے اوپر کیے اور اندھا دھند ہوائی گولیاں برسا کر کے اپنی خوشی و مسرت کا اظہار کیا۔ ان کا حال اس مسافر جیسا تھا جس کی سواری تمام مال و متاع کے ساتھ کھو جائے' وہ مایوس ہو کر اپنے پڑاؤ پر سو جائے اور جب اٹھے تو کیا دیکھے کہ سواری سامنے کھڑی ہے۔ تب فرطِ مسرت سے اس کے منہ سے الٹے سیدھے الفاظ نکلنے لگیں اور وہ کہنے لگے: ''اے اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں''۔ بے پایاں خوشی میں اسے پتہ ہی نہ چلے کہ اس کے منہ سے کیا الفاظ نکل رہے ہیں؟

احمد پروان سے واپس لوٹ آئے مگر شہادت کی طلب انھیں بے چین کیے رکھتی۔ اس دوران وہ جاجی' خوست اور جلال آباد کی چوٹیوں میں برپا معرکوں میں سرگرمی سے حصہ لیتے رہے۔ زیاد بری نے جس دین کو صومال میں پامال کرنے کی جسارت کی احمد اسی کا پرچم سرنگوں ہونے سے بچانے کے لیے جان کی بازی لگائے میدان میں برسرِ پیکار تھے۔ ان کی یہ کیفیت کچھ ایسی صورتِ حال کی عکاس تھی۔

ساطلب حقي با لقنا و مشايخ　　كانهم من طول ما التثموا مرد

ثقال إذا لاقوا خفاف إذا دعوا　　كثير إذا شدوا قليل إذا عدوا

دکتور صالح اور احمد مبارک دونوں شہسوار یک طینت تھے عمدہ اوصاف میں یک رنگ۔ شاید اسی لیے دونوں ایک ہی گولے کا شکار ہو کر جاں سے گزر گئے۔ دونوں کی پاکیزگی ٔ کردار دیکھ کر لگتا جیسے انھیں زمانے کی کبھی ہوا بھی نہ لگی ہو۔

شیخ تمیم عدنانی شہیدؒ ایک بلند پایہ شخصیت

"شیخ تمیم عدنانی بارش کی مانند جہاں پہنچے وہیں روئیدگی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ جہالت جدیدہ کے ستم رسیدہ نوجوان ان کے دامن شوق میں آ کر پناہ لیتے۔ عمر رسیدہ شیخ تمیم عدنانی نوجوانوں میں زندگی کی روح پھونک دیتے۔ بزرگ ان کے والد کی طرح محترم، ہم عمر بھائیوں کی طرح عزیز اور نوجوان طبقہ انھیں اپنی اولاد کی طرح پیارا تھا۔ میں نے کتنی دفعہ جہاد کی سمت جاتے نوجوانوں کو الوداع کہتے ہوئے شیخ تمیم کی آنکھوں میں آنسو دیکھے۔ وہ اکثر کہا کرتے: "اللہ کی قسم یہ نوجوان مجھے اپنی اولاد کی طرح پیارے ہیں بلکہ شاید اپنی اولاد سے کچھ بڑھ کر"

درود وسلام ہو نبی آخر الزماں پر اور آپ کی آل پر کیا ہوا کہ عزت و سربلندی اور فخر و مجد کا سورج ڈوب گیا اور ہم پر ہر سمت سے آزمائشوں اور مصیبتوں کے در وا ہونے لگ گئے؟

وجد من الخلان فی کل بلدہ
اذا عظم المفقود قل الساعد

ہم زخمی تن اور لرزیدہ بدن لیے منزل کی طرف رواں ہیں۔

ان البلایا والرزایا والقنا
خلفاء صحبی غورو او انجدوا

درحقیقت شیخ تمیم عدنانی کی شخصیت پر کچھ تحریر کرنا آسان نہیں ہے۔ یہ بات بھی اپنی جگہ برحق ہے کہ شیخ تمیم عدنانی پر مضامین لکھ کر اور اشعار کہہ کر ان کی شخصیت کی ترجمانی کا حق ادا کرنا ممکن نہیں۔ مگر اتنا ضرور ہے کہ ان پر لکھی گئی تحریریں قافلہ جہاد کے ہم رکابوں کے لیے حدی خوانی کا فریضہ انجام دیتی رہیں گی۔

﴿وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ﴾ (الشعراء: ۸۴)

''اور میرا ذکر آئندہ آنے والوں میں جاری رکھ''۔

شیخ تمیم عدنانی کی رحلت دل کی دھڑکن بند ہونے کا نتیجہ تھی۔

ام المومنین حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے "موت الفجاۃ" کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((رَاحَةٌ لِلْمُؤْمِنِ وَاَخْذَةُ أَسِفٍ لِلْفَاجِرِ)) (رواه أحمد في مسنده)

ومعذرة اليراعة والقوافي

جلال الرزء عن وصف يدق

ان کے دادا سلطنتِ عثمانیہ کے اہم عہدے دار اور القدس شہر کے والی تھے

شیخ کے بارے میں اگر کئی کتابیں تحریر کی جائیں تو بھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہو۔ تاہم ہم یہاں ان کی کتابِ زندگی کے چیدہ چیدہ واقعات پر روشنی ڈالنے کی کوشش کریں گے۔

شیخ تمیم عدنانی نے ۱۹۴۲ء کو القدس کے ایک معزز گھرانے میں آنکھ کھولی۔ ان کے دادا سلطنتِ عثمانیہ کے اہم عہدے دار اور القدس شہر کے والی تھے۔ شیخ تمیم عدنانی کے والد محمد عدنانی ایک نابغۂ روزگار شاعر بھی تھے۔ معروف عرب شاعر ابراہیم توقعان نے اپنی شاعری میں محمد عدنانی کی شاعری کی مدح و توصیف بیان کی ہے۔ سقوطِ فلسطین کے بعد شیخ کے والد شام چلے گئے۔ انھوں نے حلب میں سکونت اختیار کی اور شیخ تمیم عدنانی کو شام کے بڑے بڑے علماء سے فیض اٹھانے کا موقع ہاتھ آیا۔ شیخ تمیم عدنانی کی شخصیت اسلامی آداب سے آراستہ تھی۔ انھوں نے اس وقت سنت نبویؐ سے اپنا چہرہ مزین کر لیا جب وہ ابھی ثانوی اسکول کے طالب علم تھے۔ یہ وہ وقت تھا جب خال خال ہی کوئی نوجوان داڑھی رکھے ہوئے نظر آتا تھا۔ ثانوی تعلیم کے بعد قاہرہ کا رخ کیا اور عین شمس یونیورسٹی میں سیاسیات اور اقتصادیات کے شعبے میں داخلہ لیا۔ ان کے والد کی تمنا تھی کہ تمیم عدنانی ڈپلومیٹک میدان میں قابل عزت مقام و مرتبہ حاصل کر سکیں۔

قاہرہ میں ہی انھیں معروف مفکر شیخ مروان حدید حموی سے ملنے کا اتفاق ہوا اور شیخ تمیم عدنانی نے شیخ مروان کی شخصیت کی عمدہ صفات کی خوشہ چینی میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ اختصاصی تعلیم کی تکمیل کے بعد شیخ

تمیم جب وطن واپس لوٹے تو انھیں ایک بینک کی جانب سے پرکشش تنخواہ کے ساتھ ملازمت کی پیشکش ہوئی مگر شیخ تمیم عدنانی نے ثانوی اسکول میں معلمی کے فرائض انجام دینے کو ترجیح دی۔ حالانکہ یہاں سے حاصل ہونے والی تنخواہ کا بینک کی پرکشش مراعات سے کوئی مقابلہ ہی نہ تھا۔ ثانوی اسکول میں معلمی کے فرائض انجام دینے کے دوران ایک نیک سیرت لڑکی سے ان کی شادی انجام پائی۔ انھیں سعودی عرب میں برطانیہ کی فضائی کمپنی میں بطور مترجم کام کرنے کا اتفاق ہوا۔ یہاں پر ان کی امانت و دیانت کی اتنی دھاک بیٹھی کہ کمپنی کی جانب سے انھیں سامان کی ترسیل اور وصولی کے شعبے کا ڈائریکٹر بنا دیا گیا۔ اس کمپنی نے سعودی وزارت دفاع کی فضائی کمپنی کے ساتھ معاہدہ کیا تو یہاں بھی شیخ تمیم عدنانی نے اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا لیا۔ ان کا دینی رجحان دیکھ کر انھیں کمپنی کی مسجد میں امامت اور خطبۂ جمعہ کی ادائیگی کی ذمہ داری بھی سونپ دی گئی۔ شیخ تمیم عدنانی نے سعودی عرب کے مشرقی علاقے میں اپنی خدمات وقف کیے رکھیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے نوجوانوں کا جم غفیر ان کے خطبۂ جمعہ سے فیض اٹھانے کے لیے مسجد کا رخ کرنے لگا۔ نمازیوں کے لیے مسجد کا رقبہ کم پڑ گیا تو اسے بڑھا دیا گیا مگر کچھ عرصہ بعد یہ بھی ناکافی ہو گیا۔ جب مسجد کا رقبہ چار گنا کر لیا گیا تو تب جا کر نمازیوں کی کثیر تعداد اس میں سمو گئی۔

دنیا کا کوئی کونہ نہ تھا جہاں شیخ تمیم عدنانی کی قدم نہ پہنچے ہوں

شیخ تمیم عدنانی نے جہاد افغانستان کو ہمیشہ اپنی خاص توجہ کا مرکز بنائے رکھا۔ انھوں نے ہمیشہ رفاہی شخصیات اور اداروں کی اس جانب توجہ مبذول کروائی۔ نتیجتاً کروڑوں کی مالی امداد اکٹھی ہونے لگی۔ رفاہی شخصیات جہاد افغانستان سے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے شیخ تمیم کی طرف رجوع کے لیے ہر سال افغانستان کا رخ کرتیں۔ شیخ تمیم عدنانی اپنی چھٹیاں مجاہدین کے درمیان گزارنے کے لیے ہر سال افغانستان کا رخ کرتے۔ انھوں نے پکتیا کے مجاہدین شیخ جلال الدین حقانی اور دیگر قائدین کے ساتھ بھی چھٹیاں گزاریں۔ شیخ تمیم عدنانی کے کہے گئے خطبوں اور تقاریر کی کیسٹس بڑے پیمانے پر تقسیم ہونے لگیں۔ ان کی تقاریر کا خاص موضوع جہاد افغانستان کے دوران پیش آنے والے معجزانہ واقعات ہوتے۔ بعد ازاں شیخ تمیم عدنانی نے قطر کا رخ کیا اور قطر کے عوام میں جہاد افغانستان کے بارے میں نرم گوشہ پیدا کرنے اور انھیں اس جہاد کا شریک بنانے کے لیے اپنی کوششیں وقف کر دیں۔ جس کے نتیجے

میں قطر کے نوجوانوں کی کثیر تعداد نے جہاد افغانستان میں شرکت کی اور مالی تعاون بھی پہنچایا۔ انھوں نے ایک طویل عرصہ ماسدہ میں جہادی خدمات انجام دیں۔ پھر ہم نے انھیں [illegible] خدمات مجاہدین میں [illegible] داریاں نبھانے کی اپیل کی تو انھوں نے بصد شوق ہماری اپیل کا خیر مقدم کیا۔ جب مجھے ذاتی طور پر اس بات کا احساس ہوا کہ ایک بھاری بوجھ ہے کندھوں سے ہٹ کر شیخ تمیم عدنانی کے کندھوں پر آ پڑا ہے۔

انھوں نے جہاد افغانستان کی نمائندگی کرتے ہوئے دنیا کے گوشے گوشے میں جا کر جہاد افغانستان کی اصل صورت حال لوگوں کے سامنے واضح کی۔ شمالی امریکہ، کینیڈا، [illegible] یمن، مصر، سعودی عرب، قطر، [illegible] غرض دنیا کا کوئی کونہ ایسا نہ تھا جہاں شیخ تمیم عدنانی کے قدم نہ پہنچے ہوں۔ اور امریکہ فلوریڈا میں وہ اپنی انھی سرگرمیوں کو جاری رکھے ہوئے تھے کہ ۱۷ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ بمطابق ۱۸ اکتوبر ۱۹۸۹ء کے دن حرکت قلب کے اچانک بند ہو جانے سے شیخ تمیم عدنانی کا انتقال ہو گیا۔ شیخ تمیم عدنانی کی وفات کی بعد ان کی بہت سی کرامات دیکھنے میں آئیں۔ مثلاً ان کی وفات کے اڑتالیس گھنٹے بعد جب ان کی اہلیہ روتی ہوئی انھیں آخری دفعہ الوداع کہنے آئیں تو ان کی شگفتہ اور ترو تازہ نعش سے سسکیاں لینے کی آواز ابھری۔ ان کی وفات کو دو دن گزر جانے کے باوجود ان کا جسم نرم اور شگفتہ رہا۔ وفات کے بعد ان کے بدن سے نکلنے والی خوشبو نے پورے ماحول کو معطر کر کے رکھ دیا تھا۔

امریکا سے جب شیخ تمیم عدنانی کی نعش منگوائی گئی تو عرب اور افغان مجاہدین کے جم غفیر نے اس نعش کا استقبال کیا۔ اس موقع پر مجاہدین کے ایک قائد نے اپنے احساسات کو الفاظ کا جامہ پہناتے ہوئے کہا: ”مجھے شیخ تمیم عدنانی کی وفات کا جو صدمہ ہوا ہے وہ کسی پہاڑ کے اپنے اوپر ٹوٹ جانے سے بڑھ کر ہے“۔

اس موقع پر میں نے اور شیخ تمیم عدنانی کے بیٹے یاسر نے بھی اپنے احساسات بیان کیے۔ اللہ تعالیٰ شیخ تمیم عدنانی کو اپنی رحمت سے ڈھانپ لے اور جنت الفردوس میں ہمیں اکٹھا کر دے۔ إنهم لرفقاء في الآخرة كما كانو رفقاء في الدنيا.....

”عن مالك بن هدم أنه قال: سمعت عمر بن الخطاب يقول: ما ترون في نفر ثلاثة أسلموا جميعًا و هاجروا جميعًا، لم يحدثوا في الإسلام حدثًا، قتل أحدهم الطاعون وقتل الآخر البطن، وقتل الآخر شهيدًا، قالوا

الشهيد أفضلهم، قال عمر: (والذي نفسي بيده إنهم لرفقاء في الآخرة كما كانوا رفقاء في الدنيا)“ (رواه سعيد بن منصور في سننه الثاني برقم ۲۸۴۳)

”مالک بن ہدم کہتے ہیں کہ انھوں نے حضرت عمر بن الخطاب کو یہ فرماتے سنا: تمہاری ان تین آدمیوں کے بارے میں کیا رائے ہے جو ایک ساتھ اسلام لائے اور ایک ساتھ ہجرت کی، اور اسلام میں کوئی بدعت جاری نہیں کی، ان میں سے ایک طاعون سے، دوسرا پیٹ کی بیماری سے فوت ہوا اور تیسرا شہید ہوا، [illegible] شہید افضل ہے۔ تو حضرت عمر نے کہا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے وہ (تینوں) آخرت میں بھی ایک ساتھ ہیں جیسا کہ وہ دنیا میں اکٹھے رہتے تھے۔“

شیخ تمیم عدنانی بارش کی مانند جہاں پہنچے وہیں روئیدگی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ جہالت جدیدہ کے ستم رسیدہ نوجوان ان کے دامن شوق میں آ کر پناہ لیتے۔ عمر رسیدہ شیخ تمیم عدنانی نوجوانوں میں زندگی کی روح پھونک دیتے۔ بزرگ ان کے والد کی طرح محترم، ہم عمر بھائیوں کی طرح عزیز اور نوجوان طبقہ انھیں اپنی اولاد کی طرح پیارا تھا۔ میں نے کتنی دفعہ جہاد کی سمت جاتے نوجوانوں کو الوداع کہتے ہوئے شیخ تمیم کی آنکھوں میں آنسو دیکھے۔ وہ اکثر کہا کرتے: ”اللہ کی قسم یہ نوجوان مجھے اپنی اولاد کی طرح پیارے ہیں بلکہ شاید اپنی اولاد سے کچھ بڑھ کر“۔ عصام (تحسین) ایک نوجوان مجاہد تھا۔ جب وہ جہاد کے لیے عازم سفر ہوا تو شیخ تمیم کہنے لگے: ”یہ میرا بیٹا عصام ہے۔ کاش اس کی مانند میرا کوئی اور بیٹا بھی ہوتا“۔

شیخ تمیم میدان معرکہ میں:

۱۴۰۶ ہجری کی تیسویں رمضان کو جب روسیوں نے تین کیمنسٹ برانچوں کو بروئے کار لاتے ہوئے آپریشن کیا یعنی تین ہزار افواج مع ٹینکوں، طیاروں اور میزائل لانچروں کے...... اور ایک لانچر میں ایک وقت ۴۱ میزائل ڈالے جا سکتے ہیں جو بیک وقت داغے جاتے ہیں، آپ کی طرف ۴۱ میزائل آئے جس سے آپ کے پیروں کے نیچے جو پہاڑ ہو وہ بھی جلنے اور کانپنے لگ جائے۔ مورٹر، مشین گنیں اور بھاری توپیں، پانچ روسی بریگیڈ جن میں سے ایک کمانڈو بریگیڈ بھی تھا۔ حد درجہ تیز رفتار بریگیڈ جسے [illegible]

کہا جاتا ہے۔اور شیخ تمیم اس جنگ میں موجود تھے اور ان کا وزن کوئی ۱۴۰ کلو ہے اسی لیے شیخ کو کسی پر غصہ آتا ہے تو وہ کہتے ہیں' میں تمہارے اوپر بیٹھ جاؤں گا بس!' اور اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آپ کو مار دیں گے۔

چناں چہ شیخ تمیم عدنانی ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے اور کہہ رہے تھے 'اے موت دینے والے! میں رمضان کے آخری دن شہادت چاہتا ہوں۔' تیسویں رمضان تھی، آخری دن تھا۔ انہوں نے قرآن کی تلاوت شروع کر دی اور پورا ایک پارہ پڑھ لیا جب کہ ان کے چہرے کے سامنے سے اور کان کے پاس سے گولیاں گزر رہی تھیں۔ کوئی یہ یقین بھی نہیں کر سکتا تھا کہ وہ ابھی تک اس درخت کے نیچے زندہ ہوں گے۔ جب کہ طیارے بمباری کر رہے تھے اور دشمن کے گولے اور میزائل ان کی طرف داغے جا رہے تھے۔ وہ درخت پوری طرح جل گیا، شعلے بھڑک اٹھے۔ ایسے میں آپ اپنے پاس بیٹھے شخص کو بھی پورا جملہ نہیں کہہ سکتے۔ اگر آپ کہنا چاہیں 'تمہارے پاس گولیاں ہیں؟' تو آپ نے اتنا ہی کہا ہو گا کہ 'تمہارے پاس'..... اور اگلا لفظ اپنی جانب آنے والے راکٹ یا مارٹر بم کی وجہ سے نہیں کہہ سکیں گے اور آپ کا جملہ کبھی بھی پورا نہیں ہو سکے گا (یعنی حالت اتنی سخت تھی)!

جب بھی شیخ تمیم کسی ایسی آیت سے گزرتے جس میں جنت کا ذکر ہو مثلاً اولـئک اصحب الجنة هم فيها خلدون. "یہ اہل جنت ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔' تو اس کو بار بار دہراتے کہ شاید جب میں جنت کہوں تب مجھے گولی لگے۔ تو اسی طرح انہوں نے پہلا پارہ ختم کر لیا، دوسرا بھی ختم کر لیا اور جب وہ ایسی آیت سے گزرتے جس میں جہنم کا ذکر ہو تو اس سے جلدی سے گزرتے اس ڈر سے کہ کہیں دوزخ کے بارے میں پڑھتے ہوئے انہیں گولی نہ لگ جائے۔ انہوں نے تیسرا پارہ پڑھ لیا، چوتھا پڑھ لیا، پانچواں پڑھ لیا۔ یہ سب ایسی ہولناک حالت میں کہ جو انسان کو اس کا نام بھی بھلا دے۔ واللہ! میرے بھائیو! ہمارے لیے مشکل ترین بات استنجا کے دوران ہوتی تھی کہ کسی کے لیے یہ سوچنا ناممکن تھا کہ وہ استنجا کے لیے جائے گا اور زندہ بچ جائے گا۔ اس بات کا خوف ہوتا کہ کہیں اسی دوران شہید نہ ہو جائیں! یہ ہمارے اوپر ایک بوجھ ہوتا تھا۔

چناں چہ پھر شیخ نے کہا: "اے اللہ! اگر شہادت نہیں تو کم از کم ایک زخم ہی سہی!" چھ منٹ گزر گئے، سات منٹ، مسلسل چار گھنٹے گزر گئے جب کہ وہ لگاتار بمباری کے نیچے تھے گویا بارش ہو رہی ہو.....

شیخ تمیم کہتے ہیں: "اس دن مجھے یہ سمجھ آیا کہ کوئی موت نہیں ہے، کوئی مر نہیں سکتا مگر اس خاص لمحے میں جو رب العالمین نے مقدر کر رکھا ہے اور کوئی خطرے میں ڈالنے والا خوفناک اقدام مقررہ وقت کو قریب نہیں لاتا نہ ہی تحفظ اور امن موت کو بھگاتا ہے۔"

شیخ تمیم جتنا عرصہ سعودی عرب میں مقیم رہے نوجوانوں کو بیدار کرنے اور ان میں فریضہ جہاد کا جذبہ پیدا کرنے میں مصروف رہے۔ یہاں تک کہ سعودی عرب کے چپے چپے سے جہاد افغانستان میں شرکت کے متمنی نوجوان کوہساروں کی سمت چل دیے۔

بعد میں جب شیخ تمیم قطر منتقل ہوئے تو قطر کے کونے کونے سے جہاد کے نغمے سر اٹھانے لگے۔ نوجوان طبقہ جہاد میں شرکت کے لیے وارفتگی کی حد تک بے قرار تھا۔ اگر میں بھولنا بھی چاہوں تو مرکز سے فارغ التحصیل قطر کے نوجوان عبداللہ صدیقی کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ عبداللہ قطر سے افغانستان آنے والا اولین نوجوان تھا۔ یہ نوجوان اپنے بعد آنے والوں کے لیے قربانی اور جدوجہد کی تابناک مثالیں چھوڑ گیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے مصداق کہ جس کسی نے بھلائی کے کسی طریقے کا آغاز کیا اس کے لیے اس کا اجر ہے اور ان لوگوں کا اجر بھی جنھوں نے اس کے بعد قیامت تک اس طریقے کی پیروی کی۔

اے کاش میری قوم کے لوگ جان لیتے!

”کسے معلوم کہ شہیدوں کا یہ کارواں اُس فریضے کے احیاء کی ذمہ داری انجام دینے کے لئے اُٹھا ہے جو گزشتہ کئی صدیوں سے اپنے پیروکاروں کی نظروں سے اوجھل رہا ہے۔ اہلِ ایمان کو زمین میں جب بھی اقتدار ملا وہ انھی مخلص شہداء کی برکت سے ملا“

معرکہ کارزار گرم ہے۔ دنیا بھر کے نوجوان کرہ ارضی کے کونے کونے سے خون کے دریا میں غوطہ زن ہونے کے لیے بے قرار سرزمین افغانستان کا رخ کر رہے ہیں۔ ہر نفس نے اس دنیا کو خیر باد کہہ کر رہنا ہے۔ کتنے ہی خوش قسمت ہیں وہ جو اس دنیا کو الوداع کہنے کے بعد حیات ابدی میں داخل ہو جاتے ہیں۔ یہ نوجوان انسانیت کا منتخب نمونہ ہیں۔ دنیا اپنی زینتوں کے ساتھ ان کی طرف بڑھی اُن کے قدموں میں جا بیٹھی مگر ان شاہین صفت نوجوانوں نے سیم وزر کے ڈھیروں کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالا۔

صرف اور صرف اپنے ربّ کی خوشنودی کے لئے

اللہ کی قسم! معاش کی تنگی اور روزی کی عسرت انھیں اس راہ کا مسافر بننے کا باعث ہرگز نہ تھی۔ نہ کسی سرکش کی سرکشی نے بجبر واکرہ انھیں اس راستے پر لا ڈالا تھا۔ یہ وہ نوجوان ہیں جنھوں نے رزق کی تلاش اور سونا چاندی کی جھنکار سے دامن بھرنے کے لیے یہ کٹھن راہ منتخب نہیں کی۔ نہ اپنے گھربار، عزیز واقارب اور وطن کی فضاؤں کو چھوڑنے کی وجہ کسی یونیورسٹی کی تعلیم کی تکمیل تھی۔ یہ سفر کسی کمپنی کی ملازمت حاصل کرنے یا کسی تجارتی دورے کو کامیاب بنانے کے لیے بھی نہ تھا۔

انھوں نے صرف اور صرف ربّ کی خوشنودی، فریضہ جہاد کی ادائیگی اور امت کو اوج ثریا تک پہنچانے کی تڑپ میں اپنوں سے جدائی اور اپنے ماحول سے دوری کا کٹھن راستہ اختیار کیا۔ یہ وہ نوجوان ہیں جنھوں نے اسی دنیا میں جنت کو منزل بنانے کا تہیہ کر کے اس کی سمت قدم بڑھا دیے۔ ان میں سے کتنے ہی نوجوان ایسے ہیں جن کی مائیں ان کے جہاد پر جانے کے بعد صاحب فراش ہو گئیں۔ کئی ایک

اپنے ہوش وحواس گم کر بیٹھیں۔ مجھے علم ہوا کہ یاسین شکور کی والدہ ابھی تک صدمے کی کیفیت سے دوچار ہیں وہ ابھی تک اپنے سامنے کھڑے فرد کو پہچان نہیں پاتی۔ مجھے سراقہ شہید کے والدین کے بارے میں علم ہوا کہ ان کے والدین اپنے بیٹے کی شہادت کی اطلاع پانے کے بعد اب تک گم سم کیفیت کا شکار ہیں۔

وہ سچ مچ پیدل ہی پاکستان چلا آیا

نہ معلوم ان نوجوانوں کو اپنے والدین اور بزرگوں کی اجازت حاصل کرنے کے لیے کس قدر سخت حالات کا سامنا کرنا پڑا ہو۔ پاکستانی ویزا حاصل کرنے کے لیے کتنے پاپڑ بیلنے پڑے ہوں، کتنی دفعہ سفارت خانوں کی خاک چھاننی پڑی۔ حقیقت یہ ہے کہ ان نوجوانوں کی داستانیں دل کی دنیا بدل کر رکھ دیتی ہیں۔ کویت کے ہلال احمر ہسپتال میں فرانس کے رہنے والے ایک الجزائری نوجوان سے میری ملاقات ہوئی۔ اس نے مجھے پاکستان تک رسائی حاصل کرنے کی جو داستان سنائی وہ مجھے آج بھی حیرت واستعجاب کی وادیوں میں لے جاتی ہے۔ یہ نوجوان فرانس سے ترکی پہنچا۔ ترکی سے شام، شام میں چھ مہینے رہائش رکھی جس میں اس کے چکر خفیہ اداروں کے اہلکاروں کے روبرو حاضری، قید وبند کی صعوبتوں سے گزرنے اور سفارت خانوں کی خاک چھاننے میں لگے رہے۔ کتنے ہی دن اسے صرف پانی پر اکتفا کرنا پڑا۔ کوئی دوست یا عزیز واقارب نہ تھا، جس کے ہاں ٹھکانہ ملنے کی توقع کی جا سکتی تھی۔ بالآخر ویزے کے حصول کے شوق میں ایران جا پہنچا مگر ویز اندارد۔ آخری چارہ کار پیدل پاکستان آنے کے سوا کچھ نہ بچا تھا، اور وہ سچ مچ پیدل ہی پاکستان چلا آیا۔ پاکستان آتے ہی اسے کچھ دن زنداں میں بسر کرنے پڑے۔ اس کے بعد وہ محاذ کی جانب روانہ ہو گیا۔ یہیں داد شجاعت دیتے ہوئے اس کی ایک ٹانگ شہید ہو گئی۔

جب کوئی نوجوان بھی عرب ممالک سے سرزمین جہاد کی سمت آیا اس کے قریبی عزیزوں نے اور محبت کا دم بھرنے والوں نے اس کی جدائی پر مرثیہ خوانی کی۔ لیکن دور رس نگاہوں نے ہمیشہ اس اقدام کو خراج تحسین پیش کیا۔ اگرچہ اس کے فراق نے دلوں کو اس لیے بھی رنجیدہ کیا کہ ایسے ہونہار نوجوان اپنے ملک اور علاقے کا بھی گراں بہا سرمایہ تھے۔ ان کی جدائی سے پیدا ہونے والے خلاء کو کوئی پر نہیں سکتا۔ ان سے وابستہ امیدوں کو پورا کرنا کسی دوسرے کے بس میں نہیں...... مگر!!

ہاں! مگر اس کا جانا سب کے لیے خیر اور بھلائی کے چشمے وا کرنے کا باعث بن جاتا ہے۔ اللہ کی راہ

میں اس کے نکل جانے کے باعث نہ جانے آنے والی کتنی ہی مصیبتیں اور آزمائشیں اس کے اہل خانہ کے در سے واپس لوٹ جاتی ہیں۔ نہ جانے کتنی بیماریاں اور آنے والی پریشانیاں واپسی کی راہ لے لیتی ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ پاکیزہ و سلیم الفطرت سینکڑوں نئے نوجوان اس کے اللہ کی راہ میں نکلنے کے اقدام کی پیروی کرنے نکل کھڑے ہوتے ہیں چاہے ان نوجوانوں سے خود ان کے بزرگ' اساتذہ ناواقف ہی کیوں نہ ہوں۔

رزق اور خیر و برکت کے کتنے ہی دروازے شہداء کے گھر والوں پر کھل جاتے ہیں

کسی شہید کے احباب اور اہلِ خاندان کی نظروں میں تو اس کا قصہ جلال آباد کی چوٹیوں پر گولی کھا کر' اور اس فانی دنیا سے منہ موڑ لینے کے ساتھ ہی ختم ہو جاتا ہے۔ افغانستان کی کسی چٹان یا اس کے کسی غار میں دفن ہو جانے کے علاوہ اس کہانی کے باقی منظر ان کی نظروں سے اوجھل رہتے ہیں اور پردہ گر پڑتا ہے۔ لیکن کاش وہ جان سکتے کہ اس کی شہادت اس کے اہل خانہ کے لیے کس قدر خیر و برکت کے دروازے کھل جانے کا باعث بنی ہے۔ رزق اور عافیت کے نہ جانے کتنے در اس گھرانے پر وا ہو چکے ہیں نہ جانے کتنے ہی افراد ہیں کہ شہید کی سیرت نے ان کی زندگیوں کے رخ بدل ڈالے ہیں کتنے ہی دل ہیں جو اس کے ذکر سے ایمان کی تازگی حاصل کرتے ہیں۔

کے معلوم کہ شہیدوں کا یہ کارواں اس فریضے کے احیاء کی ذمہ داری انجام دینے اٹھا ہے جو گذشتہ کئی صدیوں سے اپنے پیروکاروں کی نظروں سے اوجھل رہا ہے۔ ان شہداء کا لہو شجر دین کی آبیاری کرنے چلا ہے۔ جس کی شادابی اور گھنی چھاؤں پوری امت کو سیراب کر رہی ہے۔ اہل ایمان کو زمین میں جب بھی تمکنت و اقتدار ملا وہ انھی مخلص شہداء کی برکت سے ملا کہ اللہ تعالیٰ ان کے لہو کی سرخی کو رائیگاں نہیں جانے دیتے۔ اس تمام خیر و برکت کا سرچشمہ ان کی شہادتیں تھیں۔ اگر شہداء کی روحوں کو اختیار ہوتا تو وہ ضرور پکار اٹھتیں:

﴿يَالَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ﴾ (یٰس : ۲۶)

''کاش میری قوم کے لوگ جان لیتے!''۔

یہ کتاب!

یہ کتاب درحقیقت لہو سے تحریر کی گئی ہے اور اس کے الفاظ میں شہداء کے جسم کے ٹکڑوں اور ان کی ہڈیوں کے گودے سے روح پھونکی گئی ہے۔ اس لیے یہ اپنی نوعیت کی دیگر کتابوں میں انفرادیت رکھتی ہے۔ امام عبداللہ عزام شہید کے لہو نے اس کتاب کی قوت و تاثیر میں بے پناہ اضافہ کر دیا ہے۔ بے شک امام شہید کا لہو ایک طرف نار تھا تو دوسری طرف نور۔ اس نے نار بن کر ظالموں کے ظلم کو بھسم کر کے رکھ دیا اور سچائی کے راستے پر چلنے والوں کو اپنے نور سے تابنا کی اور روشنی عطا کی۔

عام طور پر مصنفین اور مورخین حادثات و واقعات سے قطع نظر قصے کہانیوں کی بھرمار سے حقائق کے شفاف آئنے کو دھندلا دیتے ہیں۔ جب کہ اس کتاب کا ہر تذکرہ ایک درخشاں ستارے کی روداد حیات ہے۔ یہ وہ ستارے ہیں جو امام شہید کے ساتھ ساتھ زندگی کے حادثات اور واقعات سے نبرد آزما رہے' جو لمحہ بہ لمحہ امام شہید کی فکر اور روح سے زندگی کی کرنیں سمیٹتے رہے۔ یہ وہ نوجوان تھے جو امام شہید کے جہاد اور شہادت میں ڈوبے قلم کے خوشہ چین رہے۔ پھر ان میں سے جب کوئی کارواں شہداء میں شامل ہو جاتا تو امام شہید کو یوں محسوس ہوتا کہ ان کے جگر کا کوئی ٹکڑا یا ان کے جسم کا کوئی عضو ان سے الگ ہو گیا ہے۔ ایسے میں ان کے قلم سے نکلنے والا ہر لفظ ان کے دل کی گہرائیوں میں موجزن طوفان کا اظہار بن جاتا اور بغیر کسی حجاب کے قاری کے دل میں جا اترتا۔ کیونکہ یہ الفاظ ان زندہ دل کی بازگشت ہوتے۔ اس لیے جس دل میں زندگی کی رمق بھی موجود ہوتی اسے متاثر کیے بغیر نہ رہتے۔

امام شہید نے ان نوجوانوں کی تربیت کا کام انتہائی توجہ اور لگن سے اپنے زیر نگرانی انجام دیا۔ بالکل اسی طرح جس طرح کوئی شفیق باپ۔ یہی وجہ تھی کہ جب ان میں سے کوئی ان سے جدا ہوتا تو امام شہید کی کیفیت یہ ہو جاتی۔

دل کے ٹکڑے بھی کچھ پارہ ہائے جگر
چھوڑ آیا ہوں کیا بھول جاؤں انھیں؟

مجلہ الجہاد میں لکھی جانے والی شہید کی یہ تحریریں بکھرے ہوئے اوراق کی زینت تھیں۔ یوں محسوس ہوتا کہ امت کی عزت و سربلندی کے لیے اپنے لہو کا نذرانہ پیش کرنے والے ان شہداء کے تذکروں کی

خوشبو مہکنے کے صفحات میں ہی بند پڑی رہ جاتی۔ اسی احساس نے مکتب خدمات کو ان صفحات کو یکجا کر کے کتابی صورت میں پیش کرنے کے کام کا بیڑا اٹھانے پر اکسایا۔ امام شہید نے اپنی زندگی ہی میں کتاب کے لیے عشاق الحور کا نام تجویز کر دیا تھا۔

وہ روح میں خوشبو کی طرح ہو گیا تحلیل
جو دور بہت چاند کے ہالوں کی طرح تھا

جنتوں کی تلاش کی یہ داستان عشق و محبت کی ایک ایسی داستان ہے جو ازل سے جاری ہے اور ابد تک جاری رہے گی۔ یہ داستان حق کی خاطر سب کچھ لٹا دینے اور باطل سے بے خوف و خطر ٹکرا جانے سے عبارت ہے۔

اس پاکیزہ خون کا ہم پر حق ہے کہ ہم اس کے بارے میں لکھیں کیوں کہ یہی وہ خون ہے جو تاریخ کے ہر موڑ پر اسلام کی حفاظت کے لیے بہا ہے۔

یہ کتاب!

یہ کتاب درحقیقت لہو سے تحریر کی گئی ہے اور اس کے الفاظ میں شہداء کے جسم کے ٹکڑوں اور ان کی ہڈیوں کے گودے سے روح پھونکی گئی ہے۔ اس لیے یہ اپنی نوعیت کی دیگر کتابوں میں انفرادیت رکھتی ہے۔ امام عبداللہ عزام شہید کے لہو نے اس کتاب کی قوت و تاثیر میں بے پناہ اضافہ کر دیا ہے۔ بے شک امام شہید کا لہو ایک طرف نار تھا تو دوسری طرف نور۔ اس نے نار بن کر ظالموں کے ظلم کو بھسم کر کے رکھ دیا اور سچائی کے راستے پر چلنے والوں کو اپنے نور سے تابناکی اور روشنی عطا کی۔

عام طور پر مصنفین اور مورخین حادثات و واقعات سے قطع نظر قصے کہانیوں کی بھرمار سے حقائق کے شفاف آئینے کو دھندلا دیتے ہیں۔ جب کہ اس کتاب کا ہر تذکرہ ایک درخشاں ستارے کی روداد حیات ہے۔ یہ وہ ستارے ہیں جو امام شہید کے ساتھ ساتھ زندگی کے حادثات اور واقعات سے نبرد آزما رہے جو لمحہ بہ لمحہ امام شہید کی فکر اور روح سے زندگی کی کرنیں سمیٹتے رہے۔ یہ وہ نوجوان تھے جو امام شہید کے جہاد اور شہادت میں ڈوبے قلم کے خوشہ چین رہے۔ پھر ان میں سے جب کوئی کاروان شہداء میں شامل ہو جاتا تو امام شہید کو یوں محسوس ہوتا کہ ان کے جگر کا کوئی ٹکڑا یا ان کے جسم کا کوئی عضو ان سے الگ ہو گیا ہے۔ ایسے میں ان کے قلم سے نکلنے والا ہر لفظ ان کے دل کی گہرائیوں میں موجزن طوفان کا اظہار بن جاتا اور بغیر کسی حجاب کے قاری کے دل میں جا اترتا۔ کیونکہ یہ الفاظ ان کے زندہ دل کی بازگشت ہوتے۔ اس لیے جس دل میں زندگی کی رمق بھی موجود ہوتی اسے متاثر کیے بغیر نہ رہتے۔

امام شہید نے ان نوجوانوں کی تربیت کا کام انتہائی توجہ اور لگن سے اپنے زیر نگرانی انجام دیا۔ یہی وجہ تھی کہ جب ان میں سے کوئی ان سے جدا ہوتا تو امام شہید کی کیفیت یہ ہو جاتی۔

دل کے ٹکڑے بھی ہیں پارہ ہائے جگر
چھوڑ آیا ہوں کیسے بھول جاؤں انہیں؟